H. E. H. NIZAM of HYDERABAD Deccon

His Exalted Highness, Rustom-i-Dowran, Arastu-i-Zaman, Lt General, Muzaffar-ul-MULK Wal-Mamalik, Nawab Sir Mir Osman Ali Khan Bahadur Fateh Jung Sipah Salar, Faithful Ally of the British Government, Nizam-ud-Doula, Nizam-ul-Mulk Asaf Jah, G C S I G B E, Nizam of Hyderabad Deccon. Born 1886 Ascended the throne 1911

No 1531

H S SORINDRO & BROS
SADAR BAZAR. DELHI

एच. एस. [illegible] एण्ड ब्रदर्स
चित्र प्रकाशक-

دوران حسان عہد و آوان بانی فروع و الاصول ناہج مناہج معقول
و منقول مظہر کمالات ملکوتی مصدر فیوضات لاہوتی عمدة الملوک القاہرہ مالک
السلطنت الزاہرہ **اعلیٰحضرت نواب میر عثمان علیخان بہادر** موید الاسلام
والمسلمین نظام الدولہ والامارة والدنیا والدین شہریار حیدرآباد دکن و برار [illegible]

گوہر برج کرامت اختر برج کمال ۔ آفتاب اوج حشمت سایہ لطف الٰہ
شہسوار عرصہ تمکین عثمان آنکہ ہست ۔ والی والا جناب داور دولت پناہ
مستفیض از نفحہ گلزار فضلش جان و دل ۔ مستنیر از لمعہ رائے منیرش مہر و ماہ
دولت تو با جہان و رفعت تو با سپہر ۔ فاش میگویند دم از شہ مکین و جاہ
کائے جہان از تو ما را ہرچہ میجوئی بجو ۔ وے سپہر از رفعت ما ہرچہ میخواہی بخواہ

اعزہ اللہ العزیز بعزت الدارین و وفقہ بتکمیل اسباب سعادات النشاتین

فضائے عالم کی پہنائیوں میں جذبات نوع انسانی کی بوقلمونی اور مناظر قدرت کی گوناگونی کا کیا
حساب گل و نسرین کی شمیم بیزیاں جوانان چمن کی شیوا بیانیوں کا کیونکر شمار ہو ان گنت

مرتبہ محمد فاضل

لق و دق صحرا اور بے آب و گیاہ بیابانوں کی رہ نوردی کی ہے خیالی دنیا کی وسعت
اور ذہنی ارتقا کی بلندیوں کو کیسے ناپا جائے سچ ہے خلق الانسان ضعیفا انسان بہت کمزور
پیدا کیا گیا ہے۔ اس حیرت کدہ رنگ کی فضا کی سیر ایسی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا۔

چناں محو تماشائے تو ام کز خویش بیگانہ ۔ قیامت گر زمکاں جنبد در چشم حیرانم

نہایت مناسب ہے کہ عبادت معبود کے اظہار عبودیت کی کسر اٹھا نہ رکھے کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑے یہی فرض منصبی کا
آخری لمحہ اور جسم کے آخری قطرہ خون کی بقا تک اطاعت حقیقی کے حضور سر تسلیم خم کرتا رہے اس قصور اور قصور
زندگی کا اگر کوئی حاصل ہو سکتا اور کوئی علت غائی بتائی جا سکتی ہے تو یہی ہے ہر کام کا ایک طریقہ معین ہے
ہر امر فعل کا ایک منہج مدون ہے۔ خدائے قدوس کے آگے ہدیہ نیاز کی پیشکشی اور اپنی مخلوقیت کا شایستہ عجز
کس نوع سے گزرانا جائے اس مقدس ہستی کی اس کی ابجد ہا الکمارزی کی حمد و توصیف اور اطاعت و وفاداری ہے اطیعوا اللہ
واطیعوا الرسول واولی الامر منکم کی تعلیم و تدریس اپنے ظل سبحانی آیت رحمانی کی بہی خواہی و
امتثال امر کی طرف کھلا اشارہ ہے۔

اس غمخوار دودی کا فرض اور عین فرض بجز اسکے کیا ہو سکتا تھا

مرتبہ محمد فاضل

کرتے آپ آقا و ولی نعمت نے [illegible] اور اپنے لوث [illegible] دنیا [illegible] عہد میں

کچھ زیادہ ہی [illegible] آمیزہ [illegible] انوکھی تصویر بنا رکھی ہے جس نے دنیا کے تمام ملکوں میں اپنا اثر اور اپنی شہرت

خدا ترسی ملک داری پھیلا رکھی ہے۔ ذات والا صفات نے رعایا کی خاطر بڑی بڑی مشقتوں کا مقابلہ کیا اور کبھی اپنی

راحت طلبی کو بھی (جو ایک بادشاہ وقت کیلئے ضروری ہے) ترجیح نہ دی ہے۔ اقلیم دل نہ ور میسر نمی شود — ایں فتح بے شکست میسر نمی شود

دوسروں کی راحت رسانی اپنی خود کی تکلیف کا قدرتی ارتقا ہے۔ اگر نفع رسانی تو ہی فکر خویش فارغ شو — بکار کس نیاید آنکہ با خود دارد

ذات اقدس کا ہر ایک مذہب اور ملت کی رعایا کے ساتھ یکساں برتاؤ، قدر دانی اور حوصلہ افزائی میں حضور والا نے یہ تخصیص عمل

فرمایا ہے۔ ز نیک و بد نظر رحمت دریغ مدار — حیات بخش گل و خار ہمچوں باراں باش۔

آخر میں فدوی دعا گوئے دولت و دوام اپنا محقّر ہدیہ تصنیف اپنے مالک اپنے آقا کے حضور میں بصد آداب

والحاح پیش کرتا ہے۔ اگر گوشہ چشم ہمایونی اس جانب ملتفت ہو جائے تو اس خادم کو اپنی محنت کا صلہ مل جائیگا۔

وقت دعا رسید سخن مختصر کنیم — عالم بکام باد و سعادت بدام باد

فدوی عقیدت اعتصام ارادت انجام

محمد فاضل

مرتبہ محمد فاضل

کلام فصاحت التیام اعلیحضرت سلطان العلوم خسرو دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

قومی ترانۂ فارسی

الٰہی تا جہاں باشد شہنشاہِ جہاں باشی — خدایت مہرباں و تو بہ عالم مہرباں باشی

نفس تا برہمی آرم دعا کردن بود کارم — ہمیں وردِ زباں دارم کہ دائم حکمراں باشی

کند تا زمزمہ بلبل خورد تا پیچ و خم سنبل — زند تا خندہ خوش گل بہارِ بوستاں باشی

دمد تا سبزہ و ریحاں بود تا سرو در بستاں — بباغِ دہر اے سلطاں بہارِ بے خزاں باشی

نظام الملک عثمان علیخاں آصف سابع خلد اللہ ملکہ

سراجِ دینِ اسلامی امیرِ مومناں باشی

رقمہ محمد فاضل

جشنِ عثمانی　　　　یادگار سلور جوبلی آصف سابع

کلام حقائق فضا التیام اعلیحضرت سلطان العلوم خسرو دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

ترانۂ جوبلی

(مطلع) اے خوشا دورِ حکومت کہ تو داری امروز　　بست و ہم پنج شد از رحمتِ باری امروز

جوشِ عشرت چہ بگویم بہ ہر چہرہ شد است　　مستی و سرخوشی و عیش کہ طاری امروز

معجزہ شد ز بیان و ز کتابِ قرآں　　نعتِ قدسی کہ رواں بر لبِ قاری امروز

یا وفورِ طرب از جامۂ خود بیروں است　　لالہ و نرگس و ہم فصلِ بہاری امروز

چشمۂ کوثر و تسنیم کہ در خلدِ بریں　　بر سرِ جوئے لبن آمدہ جاری امروز

جوششِ الفتِ آلِ نبوی را بنگر　　در رگِ قلب و جگر بست چہ ساری امروز

(مقطع) ز تولائے علی فاتحِ خیبر عثمان

می وزد در چمن ایں بادِ بہاری امروز

مرتبہ [illegible]

کلام فصاحت التیام اعلیٰحضرت سلطان العلوم حضور پرنور خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

قومی ترانہ

مطلع تا ابد خالقِ عالم یہ ریاست رکھے
تجھکو عثماں بصد اجلال سلامت رکھے

جیسے تو فخر سلاطیں ہے بفضل یزداں
یوں ہی ممتاز ترا دورِ حکومت رکھے

آل و اولاد کو اللہ دے عمرِ خضری
ان سے آباد ترا خانۂ دولت رکھے

جودِ حاتم رہے شرمندۂ احساں تیرا
عدلِ کسریٰ کو خجل تیری عدالت رکھے

خندہ زن صورتِ گل تیرے ہوا خواہ رہیں
آکے قدموں پہ عدو فرقِ اطاعت رکھے

سب رعایا کو تری سالگرہ کی تقریب
با نشاط و طرب و عیش و مسرت رکھے

مقطع بن کے ساقی ترا اقبال نظامِ سابع
تجھکو صہبائے خمخانۂ عشرت رکھے

مرتبہ [illegible]

PRINCE AZAM JHAH BAHADUR DECCAN.

Hafiz Qamar-ud-Din & Sons, Kucha Qazi Khana
Mochi Gate, Lahore

از مولٰنا سید ناظر الحسن صاحب ہوشؔ بلگرامی

حیات انسانی کی تاریخ پر غور کرنیوالے جانتے ہیں کہ کائنات کے موجودہ تمدن و تہذیب کا نظام ہزارہا سال کی تدریجی ترقی کا نتیجہ ہے ابتدا میں جب انسان نے حیوانیت کی کچھ حدیں توڑنی شروع کیں اور لبوں کو نطق سے آشنا کیا اور کھلے میدانوں میں وحشت و بہیمیت کی زندگی گزارنے کی بجائے منظم آبادیاں قائم کیں تو پہلے پہل اوسکے نو آموز دماغ نے باہمی نزاعات اور آپس کی ناخوشگواریوں کو دور کرنے پر توجہ کی، جذبات انسانی کے جو پیچ و خم آج حیات بشری کے شریک غالب ہیں وہی ابتدائے آفرینش کے سمو اور بھولے بھالے انسان کی فطرت میں کارفرما تھے اسلئے اسکی ضرورت ہوئی کہ ایک ایسے دماغ کا انتخاب کیا جائے جو انسانیت کی سطح کو ناہمواریوں سے بچا سکے اور غیر سنجیدہ احساسات کو عقل سلیم کی حدوں سے آگے نہ بڑھنے دے، یہی پیغمبروں کی بعثت کا راز ہے اور یہی حکماء و عقلاء کی تخلیق کا بنیادی سبب ہے جنھوں نے انسان کو روحانی ارتقاء کی حقیقت سمجھائی، جنھوں نے سیرت و کردار کے گر سکھلائے، جنھوں نے سرداری اور حکمرانی کی داغ بیل ڈالی اور جنھوں نے انسان کو نیکی اور خوش اخلاقی کی حدود میں رکھا

جس شخصیت کو سردار یا حکمراں تسلیم کیا جاتا تھا وہ ایسی ہوتی تھی جسمیں احکام و انتظام کی خصوصیات، عقل و علم کے احساسات اور تدبیر و تعمیر کے ارادات عام انسانوں کے مقابلہ میں پایندہ اور قوی تر پائے جاتے تھے، جیسے جیسے تہذیب و تمدن کے دائرے پھیلتے گئے نظام عالم کے حدود بھی وسیع ہوتے گئے اسلئے رفتہ رفتہ اس نظام نے ایک مستقل صورت اختیار کرلی اور ایک ہی شخصیت کو ماننے اور ایک رہبر کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر انسانیت کو مجبور ہونا پڑا۔

عہد گزشتہ کی تاریخ حکمرانی آپکو بتائیگی کہ نوع انسان کے وہی ارباب دولت دنیا میں حیات ابدی پاسکے ہیں جنھوں نے اپنے ذمہ داریوں کو محسوس کیا جنھوں نے اپنے ممالک کی علمی اور اخلاقی سطح کو ہموار کیا، جنھوں نے خود اپنی سیرت سے ایک عالم کو نیکی اور اخلاق کا عملی درس دیا، ایسے لوگ ہر قوم اور ہر ملک میں ہوتے آئے ہیں اور فطرت کی یہ عالمگیر فیاضی ہر خشک و تر کو سیراب کرتی رہی ہے، یادش بخیر اسلامی حکومتوں نے وہ عالی فطرت حکمراں ابھی دنیا کے حافظوں سے محو نہیں ہوئے ہیں جنھوں نے قرطبہ و بغداد کی جیسی درسگاہیں قائم کیں، جنھوں نے جامعہ ازہر سے دریائے نیل کے تشنہ پیدا کئے، جنھوں نے آتش کدوں کو ٹھنڈا کیا، جنھوں نے ابا صوفیہ کی آرزو دے توحید پوری کی، جنھوں نے بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑا دیئے، جنھوں نے غلاموں کے سر پر تاج رکھا، جنھوں نے [illegible] کو آب زمزم سے ملا دیا، جنھوں نے گلہ بانوں کو دنیا کا راعی بنایا، جنھوں نے دنیا کے بعید تر گوشوں سے بھی

تاریکیوں کے پردے اٹھادئے جنھوں نے یورپ کو تہذیب کو آئین سکھلائے
جنھوں نے ایشیا کو جینے کے ڈھنگ بتلائے اور جنھوں نے آفریقہ میں اپنی سطوت
کے ڈنکے بجوادئے اور اپنی بادیہ جالی سے ہندوستان ایسے خطہ کو بھی دسلوم کیا سے کیا بنادیا۔
اسلام نے جو نظام تمدن دنیا کو دیا تھا انہیں احساس فرض کو پہلی جگہ دی گئی ہے اور اسی لئے ایسے حکمران
جو اسلامی تعلیمات کو اپنا نصب العین بنا کر اپنے فرائض ادا کرتے رہے ہیں انکی مبارک زندگیاں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ۔۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

تاریخ انہیں بھلا نہیں سکتی موت ان پر قابو پا نہیں سکتی اور گردش زمانہ انہیں مٹا نہیں سکتی لیکن تاریخ اقوام و ملل کا ہر ورق بتاتا ہے کہ اقبال کا ابر گہر بار کسی قوم پر مسلسل نہیں برستا مسلمان بھی زمانہ کے اس مستقل آئین سے محفوظ نہ رہ سکے اور دور آخر میں عثمانی سلطنت ایسے اہل میں چلی گئی جو نہ سیاست کے ماہر تھے اور نہ ملک کی ترقی کے راز جانتے تھے اور نتیجہ ہوا کہ انہوں نے اپنی صدیوں کی سطوت وجلالت کو لہو لعب میں گم کردیا۔ عرب کے ایمان والے عراق میں خون بہانے والے ترکی کے بہادر اسپین کے غازی ایران کے صف شکن مصر کے جاہد اور ہندوستان کے مردان کارزار اب کہاں ہیں زمانہ کا ورق الٹ چکا ہواؤں کا رخ بدل چکا نہ بابر کی فتحمندی رہی نہ اکبر کی وسیع المشربی نہ جہانگیر کی زندانہ عدل گستری رہی اور نہ عالمگیر کی مذہبی عالی خیالی ع نہ اب وہ زمیں ہے نہ وہ آسماں ہے

لیکن اسی کے ساتھ اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ فطرت اپنی طرف سے نوع انسان کی تعمیر و ترقی میں کبھی بخل سے کام نہیں لیتی اور جب دنیا جہل و باطل کی تاریکیوں میں گم ہوجاتی ہے تو پھر کسی کو خلعت چیتا سے آراستہ کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ بگڑے ہوئے آئین حیات کو بدل دے اور بکھرے ہوئے اجزائے ہستی کو مرتب کردے جادۂ اعتدال سے بھٹکی ہوئی عیش و عشرت کو بھٹکے ہوئے دماغوں سے نکالدے اور زندگی کی ماتی دنیا کو از سر نو پیدا کرے سرزمین ہند مدت سے کسی ایسی ہستی کی محتاج تھی جو اسکے بھرے ہوئے عہد کو زندہ کردے اور جوش کی مرجھائی ہوئی فضا کو تازگی بخش دے فطرت نے آخر اس ہستی کا احساس کیا اور افق دکن سے اعلیحضرت میر عثمان علیخاں بہادر خلد اللہ ملکہ کا آفتاب اقبال طلوع ہوا جن کی سیرت کی بلندی اور عقل و فراست کی ہمہ گیری نہ صرف دکن اور اہل دکن کے لئے باعث فخر بن گئی بلکہ اس کا غلغلہ دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک پہنچ گیا انہیں بھی گزرے اور عادل شاہی بھی بیدریوں نے حکومت کی اور قطب شاہیوں نے بھی لیکن اُن کو بخت و اتفاق سے جو زمانہ ملا تھا اُس سے عہد حاضر کا مقابلہ کیجئے اور پھر سوچئے کوئی ہے جو سلسلہ آصفجاہی کے اقبال مند بادشاہ کی علمی برتری فراست و دانائی کی ہمسری کرسکے ۔

جن لوگوں نے اعلیحضرت کی سیرت شاہانہ کا مطالعہ غور و فکر سے کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ میں اپنے اس ادعا میں کسقدر حق بجانب ہوں مگر کیا آپ نے کبھی اس کے اسباب پر بھی غور کیا ہے کہ سطوت و عظمت اور جاہ و جلال قدرت کسی کو بلا وجہ سونپ دیتی ہے الیقین کیجئے کہ یہ نام و نمود اُس نیکی نکوکاری اُس دانشمندی اور ہوشیاری اور اُس علم و خبرداری کا نتیجہ ہے جو عہد حاضر میں حضرت اقدس و اعلیٰ کی ذات کیلئے مخصوص ہیں ۔
میں آج کی صحبت میں حضرت بندگانعالی کے بعض وہ روزآنہ مشاغل بھی ظاہر کرنا چاہتا ہوں جن پر عام نظریں نہیں پڑتی ہیں اور وہ کہلانا چاہتا ہوں کہ باوجود اس سطوت شاہانہ کے حضرت اقدس و اعلیٰ کی سادہ زندگی فرض شناسی باخبری و نکوکاری کا کیسا مکمل نمونہ ہے اور قدرت نے کیسے کیسے اوصاف حمیدہ اور خصائل برگزیدہ حضرت پیر و مرشد کی ذات گرامی میں جمع کردئے ہیں ۔ یاد رکھئے کہ سیرت شاہانہ پر جسقدر غور کرتا ہوں اوسی قدر مجھ پر اپنی گمراہانہ روش کے نقائص ظاہر ہوتے جاتے ہیں اور میں نہ جانے کتنی مرتبہ اپنے اخلاق و عادات پر نفرین کرتا ہوں کاش اسیطرح برادران ملک بھی اپنے آقا کے اسوۂ عالی پر چلنے کی توفیق حاصل کریں اور اسی کو اپنے لئے مشعل ہدایت بنائیں ۔

دستگیریاں

ب جانتے ہیں کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ممالک میں بھی حضرت اقدس واعلیٰ کا فیض عام مصروف دستگیری ہے۔ جہاں تک میں نے غور کیا ہے، مدرسوں، خانقاہوں، معابد و مساجد، بزرگانِ مذہب اور اہلِ علم کیلئے جسقدر وظائف بلا امتیاز مذہب و ملت عہدِ عثمانی میں عطا ہوئے ہیں وہ کسی زمانہ ماضی میں نہیں ہوئے، شاید کوئی ایسا ہو جو آستانۂ عثمانی سے محروم پھرا ہو۔ جس کسی کے علم و فضل کی بلندی اور اخلاق و عادات کی برتری نگاہِ سلطانی میں کبھی و کسی نہ کسی قسم کا صلہ پا کر رہا، کسی کے نام وظیفہ جاری فرما دیا گیا، کسی کو ملازمت دیدی گئی، غرض وہ کیا گیا جو ایک بیدار فطرت کا احساس کر سکتا تھا، اسی کے ساتھ کفایت شعاری کے بھی عاقبت اندیشانہ اصول کو پیش نظر رکھا اور اس شے رکھا کہ زمانے کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کے لحاظ سے ابنائے ملک مسرفانہ حماقتوں میں گرفتار نہ ہو جائیں اور انہیں اطمینان سے جینے کا موقع ملے، کفایت شعارانہ زندگی نہ صرف حسن ہے بلکہ زندگی کا اولین اصول ہے جس کو عقلاء جزو ضروری سمجھتے ہیں۔

اخلاقِ سلطانی

میری ناچیز زبان اُن اخلاق شاہانہ کو کیا بیان کر سکے گی جنہیں فطرت نے انسانی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے اور جو تمام تر عہدِ اول کی اسلامی محبت و ہمدردی کا ایک کھلا ثبوت ہے، پیکرِ اخلاق بادشاہ کسی کو دھوپ میں کھڑا رہنا گوارا نہیں فرماتے، برساتی پانی میں کسی کے بھیگنے کو جائز نہیں رکھتے، ملازمین میں سے اگر کوئی بیمار ہوتا ہے تو اسے فوراً آرام لینے کی اجازت مرحمت فرماتے ہیں۔ اور خدمت گزاروں کے ایک ہجوم کے ہوتے ہوئے (جو بت بنا کھڑا رہتا ہے) سلطانِ دکن اپنی معمولی ضرورتوں کی تکمیل خود فرماتے ہیں، کاغذات کی رسید دستِ مبارک سے تحریر فرمائی جاتی ہے، یہانتک کہ لفافوں کو گوند سے خود بند فرماتے ہیں، بار بار کرسی سے اُٹھنے کی زحمت کا ذرا بھی خیال نہیں فرمایا جاتا، پاکیزگی اور طہارت کا اسقدر لحاظ ہے کہ دستِ مبارک بار بار دھوئے جاتے ہیں۔

تیمارداریاں اور بزرگ و خرد کا پاس

شہزادگانِ بلند اقبال میں سے خدانا کردہ کسی کی طبیعت ناساز ہو تو تیمارداری ذاتِ شاہانہ سے فرمائی جاتی ہے اور اس طرح فرمائی جاتی ہے کہ اپنی راحت و آرام کی بھی مطلق پروا نہیں ہوتی، دوا کا انتظام، غذا کی فراہمی، غرض ہر چیز شاہانہ حکم و ہدایت کے تحت کیجاتی ہے، اولاد کی تمام ضرورتیں، محلات کی تمام خواہشیں سب "حکمِ نگاہ" سے پوری ہوتی رہتی ہیں اور کوئی ایسی جنبش نہیں ہے جس کی اطلاع بارگاہِ اقدس میں نہ ہوتی ہو اسی طرح چھوٹوں کا لحاظ اور بڑوں کا احترام اس طرح کیا جاتا ہے کہ اسلامی آداب کی شائستگی تاریخ کے اوراق میں بے چین نظر آتی ہے، والدۂ معظمہ کے ادب و لحاظ میں خسرو دیجاہ ایک مسلمان سعادت مند بیٹے کے سادہ لباس میں جلوہ گر رہتے ہیں جب والدۂ معظمہ کا سامنا ہوتا ہے تو ناممکن ہے کہ ماں کی عظمت کو جاننے والے خسرو عالم پناہ اُن سے سبقت کرنے کی جسارت فرا سکیں، یقین کیجئے کہ انیسویں صدی کے اس سرکش زمانہ میں پاس و لحاظ کی یہ صورت معمولی گھرانوں میں بھی نظر نہیں آتی۔

مذہب کا احترام

کبھی پاؤں پر پاؤں رکھکر مذہبی تذکرہ نہیں فرمایا جاتا، اسمائے محمودہ اور اسمائے حسنیٰ اسوقت زبان پر نہیں آسکتے جب سگریٹ نوش فرمایا جا رہا ہو، مذہب کے شیدائی بادشاہ ہمیشہ اُن موقعوں پر مودب ہو جاتے ہیں جب بزرگانِ دین کے اسمائے مبارک زبان پر آتے ہیں، یا خدا و رسول کا تذکرہ کیا جاتا ہے، آپ جانتے ہیں کہ اسلامی تہذیب کے یہ آداب دنیا میں اب مفقود ہیں، میری نظر میں تو کوئی ایسا نہیں ہے جو ان خصائلِ حمیدہ کا اس خلوص نیت سے پابند ہو اور اُن پر اس سختی کیساتھ عمل کرتا ہو۔

خاصہ

خدام سلطانی صبح کو بیداری کے بعد نہایت مختصر ناشتہ فرماتے

یہ ہے نہایت مختصر روئداد بندگانعالی کے روزآنہ مشاغل کی جنھیں
سرسری طور پر ملاحظہ کر سکا، آپ نے دیکھا کہ بیداری کے بعد سے تا استراحت
کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جس میں ذات شاہانہ کسی نہ کسی کام میں مصروف نہ رہتی
ہو اور پھر سادگی کا یہ عالم ہے کہ نشست میں ایک کرسی پر رونق افروزی ہوتی ہے،
نہ وہاں میز ہے اور نہ کوئی اور سامان آرائش اقتدار اولی کی سادگی در و دیوار سے ظاہر ہوتی ہے، اسی کرسی پر
بیٹھے بیٹھے امور سیاست کی گتھیاں سلجھائی جاتی ہیں، حقائق و معارف کے دریا بہائے جاتے ہیں، علم و اخلاق کی شرح کیجاتی
ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ آدمی کو انسان بننے کی توفیق عطا کی جاتی ہے۔

ناممکن ہے کہ بارگاہ سلطانی میں کسی کو شرف باریابی عطا ہو اور وہ اپنے دل پر اخلاق خسروی کا ایک گہرا
نقش لیکر واپس نہ ہو، علم و فضل کا اثر لیکر نہ جائے، ہر شخص کو اسکے مرتبہ، وجاہت اور علم و عقل کے لحاظ سے شرف ہمکلامی
بخشا جاتا ہے، اگر جوانوں کو اس فریبستان رنگ و بو کے نتائج سے آگاہ کیا جاتا ہے تو سن رسیدہ اشخاص کو عاقبت کی
ابدی زندگی کے اسرار بتائے جاتے ہیں۔ باخبری کا یہ عالم ہے کہ جس طرح محل شاہی کے ہر گوشہ کی حالت طبع عالی پر آئینہ
ہوتی ہے، کون بیمار ہے کون اچھا ہے، کس کو کس چیز کی ضرورت ہے، کہاں کس قسم کی دوا جانی چاہیئے کیسی غذا درکار ہے،
غرض پورا انتظام ذات شاہانہ کی ہدایت اور رہنمائی میں ہوتا ہے، بالکل اسی طرح شہر کے چپہ چپہ کا حال حضرت بندگانعالی کو
معلوم ہے۔ شہر کے اشراف و اعیان کی حالت، ان کے مزاج کی رفتار، ان کا طریقہ معیشت نگاہ سلطانی سے پنہاں نہیں ہے،
ارباب اقتدار اور ارکین سلطنت کے استعداد فکر علمی لیاقت اور سلیقہ کار و بار سے بھی حضرت جہان پناہی باخبر ہیں۔

یوں تو حضرت بندگانعالی کا درد مند دل اپنے حدود سلطنت میں بسنے والے ہر انسان کا دکھ
محسوس فرماتا ہے لیکن امرار و ارکین سلطنت کے یہاں جب کوئی حادثہ پیش آتا ہے تو ذات شاہانہ حد درجہ ملول
ہو جاتی ہے اور اس خانوادۂ شاہی کی روایات قدیم کے خلاف شرع اسلامی کے لحاظ سے میت میں شرکت سے
بھی تامل نہیں فرمایا جاتا اور قدم دو قدم نہیں بلکہ میلوں پیدل چلے جاتے ہیں۔ پسماندگاں کی تشفی جس انتہائی ہمدردی
سے کیجاتی ہے، اس سے انکے آنسو خشک ہو جاتے ہیں، دل قابو میں آجاتا ہے۔ اور یاس دور ہو جاتی ہے، اسی طرح شادی کو
کے موقعوں پر بھی اہل شادی کی مسرت و شادمانی کو دوبالا فرمادیا جاتا ہے، یہ ہیں آپ کے امیر المسلمین کے اخلاق، جن
پر جتنا بھی ناز کیا جائے کم ہے۔

مذہبی رواداری کے اعتبار سے خسرو دکن کا مرتبہ اسقدر بلند ہے کہ عہد حاضر میں اسکی مثال دنیا کا کوئی
حکمران خاندان پیش نہیں کر سکتا، عیسائی ہوں یا مسلمان، ہندو ہوں یا پارسی سب کو یکساں نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور
سب کی حاجتیں پوری کیجاتی ہیں باوجود اپنے عقائد کی یہ پابندی ہے کہ مجلس عزا میں حسینؑ مظلوم کی صف ماتم میں محزون و مغموم
نظر آتے ہیں اور محفل میلاد میں اپنے پیغمبر برحق کی ولادت باسعادت کی خوشیاں منانے میں سب سے پیش
پیش ہوتے ہیں، مساجد میں نماز کیلیے سربسجدہ ہو کر اس طرح اپنی عبودیت کا اظہار فرماتے
ہیں کہ بادشاہ تو ایک طرف کوئی ادنیٰ بندہ بھی طاعت کا حق اس طرح ادا
نہ کر سکیگا۔

انسانی ہمدردی کا یہ عالم ہے کہ عفو و کرم کے بحر مواج کے سامنے
عتاب و خطاب کی ناتواں لہریں ہمیشہ شکستہ نظر آتی ہیں، ملازمین اور خدام
کی بے راہ روی پر بلا عتاب بھی ہوتا ہے لیکن صرف انکی اصلاح اور احتیاط
کے جذبات کو چوٹ لگانے کے لئے تخریب یا تباہی کا خیال ضمیر منیر میں کبھی آتا ہی نہیں،

غرض حضور اقدس و اعلیٰ کا خاص اسلامی شعار ناخوشی کے بعد عفو کے بہانے ڈھونڈھتا ہے کسی اور بادشاہ کی سیرت
بھی ایسی نظر آتی ہے جس میں طنطنہ خسروی کے ساتھ ایسا فقر و استغنا بھی ہو جس میں دبدبہ سلطانی کے دوش بدوش یہ اخلاق
و انکسار بھی ہو، جس میں باوجود تخت شاہی پر جلوہ افروز ہونے کے انسانیت کا اس درجہ احترام بھی ہو ہونیا ماسون کی عالمانہ
شخصیت کا تذکرہ کرتی ہے، کاش وہ دیکھ سکتے کہ خسرو دکن کی عالی سیرت علم و عقل کے کس مرتبہ پر فائز ہے ازمانہ اکبر کی
رواداریوں کا گیت گاتا ہے کاش اسے معلوم ہو کہ عہد حاضر میں اکبر کے جانشین کی صفات کس بلند نقطے پر قائم ہیں۔
میں تو یہ کہونگا اور ببانگ دہل کہونگا کہ عہد گذشتہ کے تمام بادشاہوں کے فضائل و محامد اعلیٰحضرت میر عثمان علیخان خسرو دکن
کی ذات گرامی میں جمع کر دئے گئے ہیں، میرے دوستو! سنو اور کان لگا کر سنو کہ تمہارا بادشاہ تمہارا بادشاہ ہی نہیں رحم و کرم
کا مجسمہ اور اخلاق و ہمدردی کا پیکر ہے، علم و فضل کی دیوی اس کے آستانے کو بوسہ دیتی ہے، اور میدان سیاست میں اس
کی یکہ تازی بڑے بڑے حریفوں کے حواسوں میں ابتری پیدا کر دیتی ہے، وہ اگر نثر میں نظیری دوراں ہے تو نظم میں عرفی
و نظیری کا ہمپایہ ہے، بلکہ ان کے لئے بھی قابل رشک، نفس امارہ کی گرفت سے آزاد، اور دنیائے فانی کی فضولیوں سے دور،
مذہبیات کے مجتہد اور رواداری کے بادشاہ ہیں۔ کیا پوچھنا اس دولت ابد مدت کا اور کیا کہنا اس خوش نصیب ملک کا جس کو
ایسا حکمران نصیب ہو، اب آؤ اور میرے ساتھ اپنے بادشاہ کی عمر و اقبال کی دعا کے لئے ہاتھ اٹھاؤ اور اپنے بادشاہ
کی مبارک زندگی کی تقلید سے اپنے افعال و کردار کی اصلاح کرو۔ اس سے تم زندگی کا مقصد حاصل کر سکو گے
اور اپنے اطوار کا ایک نہ مٹنے والا نقش صفحۂ کائنات پر چھوڑ سکو گے۔

(بقیہ مضمون)

انسداد خرافات صفحہ نمبر (۱۰۷)

(۱۳) پہلے حیدرآباد میں مرغ بازی، بٹیر بازی، بلبل بازی وغیرہ کا عوام کو اس قدر شوق تھا کہ ہر قسم کے پالتو جانوروں کو لڑا کر بے استطاعت بڑی بڑی شرطیں بازی جاتی تھیں اور اس میں
زیادہ تر فارغ البال طبقہ ہی مشغول تھا۔ حضرت اقدس و اعلیٰ نے اپنے عہد میں بہ اتباع اس حدیث شریف کے جو ابو داؤد میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے جانوروں کو لڑانے سے منع فرمایا ہے قطعی
ممانعت فرمادی۔ (۱۴) قمار خانوں کی مسدودی (۱۵) شراب و ام بکو اگری کی ممانعت (۱۶) نیز ہر قسم کے مخدرات و مسکرات کی بلا ضرورت بندش و ممانعت
انتظامات کئے گئے تا کہ رعایا کی اخلاقی پستی دور ہو جائے۔ ان ضروری انتظامات و نگرانی کا بدیہی نتیجہ ہے کہ اب اہل حیدرآباد تہذیب و شائستگی کا قابل فخر نمونہ ہیں (۱۷) شرعی
احکام کی حمایت کی گئی۔ خلاف شرع شادی رسوم و دیگر خرافات کی ممانعت۔ (۱۸) ذی وجاہت خاندانوں کے نوجوان افراد
کے نازیبا افعال کی روک تھام میں مبارک معقول اصلاح کی گئی اور ان کی عیش پرستی پر نگرانی۔ (۱۹) اوراق متبرکہ کی حرمت
کا مستقل و معقول انتظام کیا گیا۔ (۲۰) قبور کی حرمت کا علم طور پر انتظام کیا گیا۔ قبر پرستی کی حد بندی
کی گئی کر بے حرمتی سے محفوظ کیا گیا ....

نقشہ ممالک محروسہ سرکار عالی
شمال
ضلع بلگاؤن
ضلع اکولہ
ضلع گوداوری
ضلع کرشنا
ضلع گنٹور
ضلع کرنول
ضلع بلاری
شرح
علامات
مستقر ضلع
مستقر تعلقہ
ندی کالا و دریا
ریلوے لین
حدود تعلقہ
ضلع

تیرہ سو میل سے زیادہ ہے۔ جو ریلیں ریاست میں دوڑتی ہیں
دو قسم کی ہیں۔ چھوٹی پٹڑی اور بڑی پٹڑی حسب ذیل ہیں
جی آئی پی ریلوے۔ نظام گیارنٹیڈ ریلوے۔
گوداوری ریلوے بیہار شاہ گڈک پورنا ہنگولی لائین۔ یم
ایس۔ یم بارسی لائٹ قورنگل وغیرہ۔ ان کے علاوہ وقار آباد تا
بیدر ریلوے لائین اور پرلی لائین وغیرہ بھی ہیں۔

سڑکیں۔ یہاں سڑکیں ریاست کے ہر گوشہ اور کونہ میں بنائی گئی ہیں جن کا طول تین ہزار میل سے بھی زیادہ ہے جن پر موٹریں مسافروں کو لئے ہوئے دوڑتی پھرتی ہیں۔ ہر شخص ریاست کے مختلف حصوں میں بذریعہ موٹر یا ریل بہ آسانی سفر کرسکتا ہے اور ہر قسم کا آرام میسر ہے۔

جنگلات اور سبزہ زار ریاست میں جنگلات کے رقبہ کی مجموعی تعداد نو ہزار تین سو اکسٹھ مربع میل ہے بڑے بڑے جنگل اضلاع عادل آباد کریم نگر محبوب نگر نظام آباد میں ہیں۔ ان جنگلوں سے زیادہ تر ساگوان بیجا سال ششم وغیرہ کا چوبینہ نکلتا ہے۔

ریاست میں خوشنما پر فضا مقامات بھی ہیں جو عمدہ سے عمدہ سبزی پیش کرتے ہیں۔ خاص کر عادل آباد کے سین او۔ اورنگ آباد میں اجنٹہ اور ایلورا کے قریب کے دلفریب نظارے لاثانی اور بے نظیر ہیں۔

ملک کی قدرتی تقسیم اور زبان و مذاہب قدرتی طور پر ملک دو حصوں پر منقسم ہے مرہٹواڑی اور تلنگانہ اس کے علاوہ جنوب کا کچھ حصہ کرناٹک کے نام سے موسوم ہے۔ تلنگانہ میں تلنگی اور مرہٹواڑی میں مرہٹی کرناٹک میں کنڑی بولی جاتی ہے۔ گو عام طور پر تمام ریاست میں اردو زبان بولی جاتی ہے۔ شہر میں تو عموماً اردو ہی کا زیادہ رواج ہے اور حکومت کی دفتری زبان بھی یہی ہے۔

ریاست حیدرآباد میں ہر قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں مرہٹے تلنگے اور کنڑے تو ہیں ہی ان کے علاوہ سکھ عرب پٹھان ہندو مسلمان عیسائی پارسی وغیرہ بھی رہتے بستے ہیں۔

زمین اور اس کی اقسام تلنگانہ کی زمینات ویسی زرخیز نہیں ہیں جیسی کہ مرہٹواڑی کی۔ علاقہ مرہٹواڑی کی زمین کالی اور ریگڑ کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں زراعت بارش کے پانی ہی سے ہوتی ہے یہاں تالاب وغیرہ بہت کم ہیں گو تلنگانہ میں جس کا اکثر حصہ پہاڑی پتھریلا اور بنجر ہے۔ تالابوں کنٹوں نہروں کے ذریعہ اس کو قابل کاشت بنایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور قسم کی زمین بھی ہے جس کا شمار مرہٹواڑی میں ہی ہوتا ہے وہ سرخ زمین ہے۔

موسم اور آب و ہوا سال کے زیادہ حصہ میں یہاں کی آب و ہوا خوشگوار اور معتدل رہتی ہے اور تین موسم ہیں سرما گرما اور بارش (۱) موسم بارش ماہ امرداد سے ختم ماہ آبان تک
(۲) سرما۔ ماہ آذر سے ختم ماہ اسفندار تک (۳) گرما۔ ماہ فروردی
سے ختم ماہ تیر تک موسم خوشگوار رہتا ہے ریاست میں گرمی کا
اوسط (۸۱) ڈگری اور بارش کا اوسط (۳۳) انچ ہے۔

بقیہ حصہ مضمون صفحہ نمبر ۳۸ پر ملاحظہ ہو

مرتبہ محمد فاضل

فرمانروایان آصفیہ

نشان سلسلہ	نام فرمانروا	تاریخ ولادت	تاریخ جلوس	تاریخ ولیعہدی	تاریخ وفات	مدت عمر: سال	مدت عمر: ماہ	مدت عمر: یوم	مدت حکومت: سال	مدت حکومت: ماہ	مدت حکومت: یوم
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
۱	نواب میر قمرالدین خان بہادر فتح جنگ نظام الدولہ نظام الملک آصف جاہ اول مغفرت مآب	۱۴ ربیع الاول ۱۰۸۲ھ	۱۱۳۷ھ ۱۷۲۴ء	۰	۴ جمادی الثانی ۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء	۷۹	۲	۱۰	۲۴	۰	۰
۲	نواب میر احمد خان بہادر ناصر جنگ نظام الدولہ شہید خلف دوم	۱۸ محرم ۱۱۲۴ھ	۹ جمادی الثانی ۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء	۰	۱۷ محرم ۱۱۶۴ھ ۱۷۵۰ء	۳۹	۱۱	۲۹	۲	۷	۸
۳	نواب ہدایت محی الدین خان مظفر جنگ	۰	۱۷ محرم ۱۱۶۴ھ ۱۷۵۰ء	۰	۱۷ ربیع الاول ۱۱۶۵ھ ۱۷۵۱ء	۰	۰	۰	۰	۲	۰
۴	نواب سید محمد خان بہادر صلابت جنگ آصف الدولہ امیر الممالک خلف سوم	۱۱۳۰ھ	۳۰ ربیع الاول ۱۱۶۵ھ	۱۴ ذوالحجہ ۱۱۷۵ھ	۲۰ ربیع الثانی ۱۲۱۸ ۱۷۶۱ء	۴۷	۰	۰	۱۱	۰	۲۶
۵	نواب نظام علیخان بہادر اسد جنگ نظام الدولہ نظام الملک آصف جاہ ثانی غفران مآب	یکم شوال ۱۱۴۶ھ	۱۴ ذوالحجہ ۱۱۷۵ھ ۱۷۶۱ء	۰	۱۷ ربیع الثانی ۱۲۱۸ھ ۱۸۰۳ء	۷۱	۶	۱۶	۴۲	۴	۳
۶	نواب میر اکبر علیخان بہادر فولاد جنگ اسد الدولہ آصف الملک سکندر جاہ آصف جاہ ثالث	یکم رجب ۱۱۸۲ھ	۲۱ ربیع الثانی ۱۲۱۸ھ ۱۸۰۳ء	۰	۱۷ ذوالحجہ ۱۲۴۴ھ ۱۸۲۹ء	۶۲	۴	۱۶	۲۶	۶	۲۵
۷	نواب میر فرخندہ علیخان بہادر ناصر جنگ ناصر الدولہ مظفر الممالک نظام الملک آصف جاہ رابع غفران منزل	۱۴ ربیع الآخر ۱۲۰۹ھ	۲۰ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ ۱۸۲۹ء	۰	۲۲ رمضان ۱۲۷۳ھ	۶۴	۱۱	۲۸	۲۸	۱۰	۲
۰	آصف جاہ رابع غفران منزل	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰
۸	نواب تہنیت علیخان بہادر افضل الدولہ نظام الملک آصف جاہ خامس مغفرت مکان	۲۰ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ	۲۴ رمضان ۱۲۷۳ھ ۱۸۵۷ء	۰	۱۴ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ ۱۸۶۹ء	۴۲	۷	۱۳	۱۲	۱	۹
۹	نواب میر محبوب علیخان بہادر آصف جاہ سادس غفران مکان	۵ ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ	۱۴ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ ۱۸۶۹ء	۰	۴ رمضان ۱۳۲۹ھ ۱۹۱۱ء	۴۸	۴	۲۸	۴۳	۹	۲۲
۱۰	اعلیحضرت قدر قدرت نواب میر عثمان علیخان بہادر آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ	۳۰ جمادی الثانی ۱۳۰۳ھ	۴ رمضان ۱۳۲۹ھ ۱۹۱۱ء								

دائم خوار بستان آصفیہ سدا سبز و تازہ باد

مرتبہ محمد فاضل

شجرہ خاندان آصفیہ

از۔ جناب مولوی حکیم شفا صاحب معتمد انجمن مجددیہ (حیدرآباد)

تاریخ عرب قبل بعثت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں عربوں نے دنیا کی بہر کی ملکی۔ تمدنی۔ معاشرتی۔ معاملات میں اپنے آپ کو بام عروج پر پہونچایا تھا۔ وہاں علم الانساب کو بڑی ترقی دی تھی عرب اپنے حسب نسب کے معاملہ میں نہایت محتاط تھے۔ نسب نامہ کی حفاظت کا طریقہ جب تک کہ طریقہ نوشت وخواند رائج نہ ہوا یہ تھا کہ پورا سلسلہ حفظ کیا جاتا تھا بعد میں شجرے پر لکھنے کا رواج ہوا۔ اُس زمانے میں عرب میں ہر قبیلہ کا ایک گروہ رہتا تھا۔ جو "نساب" کے نام سے موسوم تھا جس کا کام صرف یہی تھا کہ اپنے قبیلہ کا نسب نامہ زبانی یاد رکھے۔ یہ طریقہ عربوں میں ترقی کرتے کرتے ایک مستقل فن بن گیا جس کو فن انساب کہتے ہیں۔ اب تک اس فن میں عربوں نے کثیر تصانیف مرتب کی ہیں عرب اپنے پالتو جانوروں یعنے اونٹ۔ گھوڑے وغیرہ کا نسب نامہ تک محفوظ رکھا کرتے تھے۔ اس کی مثال کسی دیگر قوم اور ملک میں پائی نہیں جاتی یہی وجہ تھی کہ شعراء عرب شرفاء قبائل عرب کے حسب ونسب فخریہ اشعار اور قصائد لکھا کرتے تھے۔ ملک عرب میں بڑے بڑے شرفا۔ فضلا۔ علماء اور سرداران قبائل گذرے ہیں جن میں سے مشہور سردار عرب "حضرت عبدالمناف" کی اولاد سے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوے۔ آپ کے مشہور جاں باز۔ جاں نثار۔ یار غار اور سب سے پہلے جانشین حضرت امیرالمومنین سیدنا ابوصدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اولاد سے اعلحضرت خلداللہ ملکہ وسلطنتہ ہیں

خاندان آصفیہ کا شجرہ بھی ایک عرصہ سے تاریخ کے اوراق میں محفوظ چلا آرہا ہے۔ جوں جوں عرصہ گذرتا جارہا ہے قلمی بیاضوں سے نقولات ہوکر مختلف مطبوعات میں شجرہ آصفیہ شایع ہوتا ہے اور مخطوطہ اور مطبوعہ تاریخ میں کچھ نہ کچھ اختلاف ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی صحت کی جانب میں ایک عرصہ سے متوجہ تھا۔ اور حسب ذیل مطبوعات اور مخطوطات کو پیش نظر رکھکر نہایت محنت شاقہ برداشت کرکے اس مبارک شجرہ کو الحمدللہ اس "دور مسعود" میں مکمل کیا گیا ہے۔ توقع ہے کہ آیندہ تاریخ عہد آصفیہ پر کام کرنے والوں کو یہ اہتمام شجرہ زیادہ دقتیں محسوس نہ ہونگی۔

(ماخذ)

(۱) شجرہ آصفیہ کے ابتدائی حصہ کی تصحیح "تذکرہ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی" مؤلفہ شاہ حسن میاں پھلواری سے کی گئی شاہ صاحب نے بحوالہ کتب تذکرہ ذیل سے "حضرت شیخ" کے شجرہ کی تصحیح فرمائی ہے۔ مراۃ الجنان (مولفہ امام یافعیؒ) بہجۃ الاسرار (علامہ شطنوفی) کتاب الانساب (امام سمعانیؒ) نفحات الانس (حضرت جامیؒ) تاریخ البغداد (ابن النجارؒ) طبقات الکبریٰ (امام تاج الدین سبکیؒ) لطائف اشرفی اور ابن خلکانؒ وغیرہ۔

(۲) "التنبیہ والاشراف" تصنیف علی بن حسن مسعودی (مطبوعہ جامعہ عثمانیہ ۱۳۴۵ھ)

(۳) "مرات الاخبار" مصنفہ منشی فیض اللہ چشتی سن تصنیف ۱۲۷۳ھ۔ عہد آصفیہ کی تاریخ ہو جو ابتدائے عہد سے نواب ناصرالدولہ بہادر کے عہد پر ختم ہوتی ہے۔ مصنف نے جو کچھ لکھا ہے بہت سلیقہ اور جامعیت کے ساتھ لکھا ہے کتاب کمیاب ہے (مخطوطہ قلمی دیوانی ومال ملکی سرکار عالی)

شجرۂ خاندان آصفیہ

حصّہ اوّل

مرہ

کلاب	(۱)	تیم
قصی	(۲)	سعد
عبدالمناف	(۳)	کعب
ہاشم	(۴)	عمرو
عبدالمطلب	(۵)	عامر
عبداللہ	(۶)	عثمان
حضرت رسول اکرم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم	(۷)	حضرت سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ

سلسلۂ جدی

(۱) حضرت امیرالمومنین خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲ حضرت محمد بن ابوبکر صدیق رضہ
۳ 〃 ابوالقاسم رضہ
۴ 〃 عبدالرحمن مکی رضہ
۵ 〃 عبداللہ النضر رضہ
۶ 〃 محمد قاسم رحہ
۷ 〃 نصیرالدین النضر رضہ
۸ 〃 قاسم (علی رومی) رضہ
۹ 〃 حسین رضہ
۱۰ 〃 سعد رضہ
۱۱ 〃 عبداللہ لعوبہ رضہ
۱۲ 〃 محمد عبدالرزاق رضہ
۱۳ 〃 عبداللہ بغدادی رحہ
۱۴ 〃 محمد الکبری السہروردی رضہ
۱۵ 〃 شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رحہ
۱۶ 〃 ابوالحفص محمد رحہ
۱۷ 〃 قطب الاقطاب بدرالدین رحہ
۱۸ حضرت شیخ علاءالدین رحہ
۱۹ 〃 شیخ تاج الدین رحہ
۲۰ 〃 شیخ نسیم اللہ رحہ
۲۱ 〃 شیخ نجیب اللہ رحہ
۲۲ 〃 شیخ فتح اللہ ثانی رحہ
۲۳ 〃 شیخ جاوید ملقب سرمست رحہ
۲۴ 〃 شیخ فتح اللہ شیخ ثانی رحہ
۲۵ 〃 شیخ جاوید شاہ ثانی رحہ
۲۶ 〃 شیخ محمد درویش رحہ
۲۷ 〃 شیخ محمد مومن رحہ
۲۸ 〃 شیخ محمد عالم شیخ رحہ
۲۹ 〃 خواجہ عزیزان سمرقندی رحہ
۳۰ 〃 شیخ خواجہ امیر اسمٰعیل ملک العلماء عالم العلماء رحہ
۳۱ 〃 نواب الحاج خواجہ میر عابد قلیچ خاں بہادر
۳۲ 〃 غازی الدین خاں فیروز جنگ بہادر
۳۳ 〃 قمرالدین خان آصف جاہ اول نوراللہ مرقدہٗ
۳۴ 〃 میر نظام علیخان آصف جاہ ثانی
۳۵ 〃 سکندر جاہ آصف جاہ ثالث
۳۶ 〃 ناصرالدولہ آصف جاہ رابع
۳۷ 〃 افضل الدولہ بہادر آصفجاہ خامس
۳۸ نواب میر محبوب علیخان آصفجاہ سادس
۳۹ نواب میر عثمان علیخان بہادر آصفجاہ سابع خلداللہ ملکہ وسلطنتہ

سلسلۂ بیعت وخلافت

(۱) حضرت امیرالمومنین خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
۳ 〃 خواجہ قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رحہ
۴ 〃 سیدنا امام جعفر صادق رضہ
۵ 〃 خواجہ بایزید بسطامی 〃
۶ 〃 خواجہ ابوالحسن خرقانی رحہ
۷ 〃 ابوالقاسم گرگانی 〃
۸ 〃 ابوعلی فارمدی 〃
۹ 〃 ابویوسف ہمدانی 〃
۱۰ 〃 عبدالخالق غجدوانی 〃
۱۱ 〃 خواجہ عارف ریوگیری 〃
۱۲ 〃 خواجہ محمود انجیر فغنوی 〃
۱۳ 〃 خواجہ علی رامتنی 〃
۱۴ 〃 خواجہ بابا سماسی 〃
۱۵ 〃 خواجہ امیر سید کلال 〃
۱۶ 〃 خواجہ خواجگان خواجہ بہاءالدین نقشبندی 〃
۱۷ 〃 خواجہ علاءالدین عطار 〃
۱۸ 〃 خواجہ یعقوب چرخی 〃
۱۹ 〃 سید عبیداللہ احرار 〃
۲۰ 〃 ملا محمد قاضی 〃
۲۱ 〃 خواجہ دہ بیدی 〃
۲۲ 〃 خواجہ کلاں جویباری 〃
۲۳ 〃 خواجہ کلاہ دہ بیدی 〃
۲۴ حضرت خواجہ ہاشم دہ بیدی رحہ
۲۵ 〃 خواجہ سنگین دہ بیدی 〃
۲۶ 〃 خواجہ سید محترم 〃
۲۷ 〃 خواجہ شیخ کلیم اللہ 〃
۲۸ 〃 خواجہ شیخ نظام الدین 〃
۲۹ 〃 خواجہ میر شہاب الدین 〃
۳۰ 〃 خواجہ عزیزان ثانی نقشبندی 〃
۳۱ 〃 خواجہ محمد ثانی حضرت الشان 〃
۳۲ 〃 خواجہ امان نگہبان 〃
۳۳ 〃 خواجہ مکی عزیزان نقشبندی 〃
سلہ 〃 خواجہ امین بابا کلاں مکی 〃
نواب الحاج خواجہ عابد قلیچ خاں شہید 〃
خلیفہ وسجادہ نشین)

(ختم شریف مسمیٰ بہ ختم خواجگان)
حضرت نظام الملک آصفجاہ اول نوراللہ مرقدہٗ نے اپنی بیاض خاص میں اس ختم شریف مسمیٰ بہ ختم خواجگان کے ورد کے نسبت خاص ہدایت فرمائی ہے اور خود بھی ضرور پڑھا کرتے تھے اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت لیا کرتے تھے۔

〃 سبحان اللہ 〃

سلہ۔ خواجہ امین بابا کلاں مکی نوراللہ مرقدہ نے سنہ ۱۰۹۳ ہجری میں بمقام حرمین الشریفین نواب خواجہ عابد قلیچ خاں بہادر کو بیعت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

از مولوی ابو المحاسن محمد محمود خاں صاحب تمکین

(۱) خواجہ میر عابد قلیچ خاں بہادر

سلطنت آصفیہ کا آغاز، یوں تو ۱۱۳۶ھ سے ہوتا ہے اور اس کے بانی حضرت نواب میر قمر الدین خاں بہادر نظام الملک فتح جنگ آصفجاہ اول ہیں لیکن خانوادۂ آصفی کے اوّلین رکن خواجہ میر عابد قلیچ خاں بہادر ان اشخاص میں سے ہیں جنھوں نے سرزمینِ دکن میں قدم رکھا اور دکن ہی کی سرزمین میں مدفون ہوئے۔

خواجہ میر عابد، حضرت آصف جاہ اوّل کے جد بزرگوار ہیں۔ ان کا نسبی سلسلہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی تک پہنچتا ہے۔ خواجہ میر عابد کا وطنِ مالوف سمرقند تھا۔ ان کے والد ماجد خواجہ میر اسمٰعیل سمرقند کے اعاظم رجال میں سے تھے۔ شاہِ توران کے دربار سے انہیں عالم العلماء کا خطاب مرحمت ہوا تھا۔ تحصیل علوم سے فارغ ہونے کے بعد بخارا تشریف لے گئے اور وہاں اوّلاً منصبِ قضاء پر فائز ہوئے پھر ترقی کر کے شیخ الاسلام کے واجب الاحترام عہدہ پر ممتاز ہوئے جب وہ بخارا سے بہ قصدِ حج بیت اللہ وارد ہندوستان ہوئے تو شاہ جہاں نے اُن کی تعظیم و تکریم کی۔ اور خلعتِ خاص سے سرفراز فرما کر چھ ہزار روپیہ نقد مرحمت کئے۔ پھر اس کے بعد شاہزادہ اورنگ زیب کا مصاحب مقرر فرمایا۔ خواجہ میر عابد کو اوّلاً اورنگ زیب ہی کی ہمراہی میں دکن جانے کا اتفاق ہوا۔

جب شاہ جہاں کے بیٹوں میں ولی عہدی کی نسبت نزاع ہوئی اور اورنگ زیب نے ان کا استیصال کر کے باپ کو قید کر لیا اور تختِ سلطنت پر قابض ہو گیا تو اس نے خواجہ میر عابد کو خطاب خانی اور اضافہ منصب سے سرفراز فرمایا اور ۱۶۵۸ء میں صدر الصدور کے جلیل القدر عہدہ پر بجائے شیخ میرک مامور فرمایا۔ اس کے چھ سال بعد صوبہ داری اجمیر پر عطائے خلعت و فیل کے ساتھ تقرر ہوا ۱۶۶۸ء میں ملتان کی صوبہ داری پر مبارز خاں کے بجائے مقرر کئے گئے۔

جب اورنگ زیب بیجاپور کی تسخیر کے لئے کوچ کر رہا تھا تو خواجہ میر عابد خاں بھی اس کے ہمرکاب تھے۔ بیجاپور پہنچنے کے بعد اورنگ زیب نے ان کو کمان و ترکش سے سرفراز فرمایا اور شہر پناہ کے محاصرے میں ایک مورچے پر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد بادشاہ کے دل پر کچھ ملال آ گیا تھا اسی وجہ سے ۱۶۷۲ء میں ملتان کی صوبہ داری سے معزول کئے گئے اور دہلی آ کر بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوئے اس کے بعد حاجیوں کے

دربار عالمگیری میں ملازمت اختیار کی ایک مینا کاری ڈھال جسکو
وہ سمرقند سے اپنے ہمراہ لائے تھے۔ دربار شاہی میں بطور نذر گزرانی۔
پہلے پہل میر شہاب الدین جس کام پر مقرر کئے گئے وہ عالمگیری دربار کے ایک
امیر حسن علی خاں کی خبر کا دریافت کرنا تھا جو راناے اودے پور کے تعاقب میں جنگلوں اور
پہاڑوں میں گم ہوگئے تھے۔ آدھی رات میں میر شہاب الدین کو حکم دیا گیا۔ ملک بیگانہ راہوں سے ناآشنا
اور قدم قدم پر دشمن کا خطرہ ہونے کے باوجود انھوں نے کوہستان کی منزلوں اور رہبر کی راہوں سے گزرتے ہوئے
دوہی دن میں حسن علی خاں کا پتہ لگا لیا اور ان کی عرضداشت لیکر اورنگ زیب کے حضور میں آپہنچے اور اس خدمت کے
صلہ میں بادشاہ نے ان کے منصب میں اضافہ کیا اور خطاب خانی و فیل و کمان و ترکش مرحمت ہوا۔
مذکورۂ بالا مہم کے بعد راٹھوروں کی اس جماعت کی سرکوبی کے لئے روانہ کئے گئے جو شاہزادہ محمد اکبر کی امداد کی بنا پر بادشاہ سے
منحرف ہوگئی تھی۔ باغی شہزادہ نے میرک خاں کو بھیجکر اس امر کی کوشش کی کہ میر شہاب الدین خاں بہادر بادشاہ سے
انحراف کرکے اس کے جانب دار ہوجائیں اور اس کے صلہ میں بہت کچھ انعام و اکرام دینے اور جاہ و عزت کو بڑھانے
کی ترغیب دی۔ مگر وہ دو ہی روز میں ساٹھ کوس زمین طے کرکے میرک خاں کو ہمراہ لئے ہوئے بارگاہ عالمگیری میں حاضر ہوے۔ اور
اس مہم کے من وعن واقعات بادشاہ کے گوش گزار کردئے۔ عالمگیر نے انکی اس وفا شعاری کی بہت تحسین و آفرین کی اور داروغگی عرض
مکرر کے عہدے سے سرفراز فرمایا۔
سنہ ۱۶۸۱ء میں جنیر کے سرکشوں کی گوشمالی کے لئے میر شہاب الدین خاں مقرر ہوے۔ قلعۂ رام سیج کا مالک ایک نہایت کارآزمودہ
مرہٹہ تھا جس کا سر کرنا آسان کام نہ تھا اس لئے اس مہم میں میر شہاب الدین خاں کو ناکامی ہوئی تو دربار عالمگیری سے خان جہاں کو
روانہ کیا گیا مگر حملۂ مکرر میں میر شہاب الدین خاں نے مرہٹوں کے زیر کرنے کے لئے ایسی جانبازی و مردانگی دکھائی کہ قلعہ فتح ہوگیا
جس کے صلہ میں سنہ ۱۶۸۲ء میں غازی الدینخاں کا خطاب سرفراز ہوا۔
سنہ ۱۶۸۳ء میں نواب غازی الدین خاں بہادر قلعہ راہیر کی فتح کے لئے جو سنبھا مرہٹہ کا جائے پناہ تھا مقرر کئے گئے۔ انھوں نے محاصرہ
کرنے سے پہلے اس گڑھی کے اطراف کی باڑی کو آگ لگادی۔ پھر بہت سے مرہٹوں کو قتل کرکے قلعہ مذکور کو فتح کرلیا اس کامیابی
کے صلہ میں نوبت و نقارہ اور خطاب "فیروز جنگ" سے مفتخر کئے گئے۔
بیجاپور کے محاصرہ میں جب شاہزادہ محمد اعظم کی فوج کی رسد کے باعث بھوکوں مر رہی تھی اور سپاہیوں اور گھوڑوں کے جسم بہت
لاغر و ناتوان ہوگئے تو اس صورت میں مجبوراً محاصرہ سے دست بردار ہونا پڑرہا تھا۔ فوج کی اس ابتر حالت کی خبر اورنگ زیب کو
ہوئی۔ اس نے فوراً فیروز جنگ بہادر کو ماہی مراتب سے سرفراز کرکے انتظام رسد کے لئے مقرر کیا۔ فیروز جنگ بہادر نے حکمت عملی
سے بنجاروں کو فراہم کرکے رسد مہیا کرلی۔ اور راہی بیجاپور ہوے اس موقع پر پاریا نائک زمیندار نے بھی محصورین کی امداد کے لئے
پچیس ہزار پیادہ فوج کے ساتھ رسد روانہ کی تھی اثنائے راہ میں غازی الدین بہادر نے اسپر حملہ کرکے سب
رسد چھین لی اور مخالفین کو شکست دی اور اس کثیر سامان رسد کو بھی لئے ہوے جب
پرگنہ اندی کے قریب پہونچے تو بیجاپور کے ان سرداروں سے مڈبھیڑ ہوئی
جو اطراف وجوانب کے زمینداروں کے ساتھ شاہزادہ محمد اعظم کو گھیرے ہوئے تھے۔

اس جنگ میں فیروز جنگ اور ان کے برادر مجاہد خاں بہادر نے وہ داد شجاعت
دی کہ دشمنوں کے چھکے چھوٹ گئے اور بجز فرار کے انکے لئے کوئی بچاؤ کی صورت
نہ تھی۔ آخر کار صحیح و سالم تمام مال غنیمت اور سامان رسد لئے ہوئے شاہزادہ
محمد اعظم کے لشکر میں داخل ہوئے شاہزادے کی مسرت کی کوئی حد نہ رہی اور وہ اٹھ کر
غازی الدین خاں بہادر کو اپنے سینہ سے لگالیا اور اپنا ملبوس خاص مرحمت فرمایا۔ اورنگ زیب کو خبر پہونچی تو
اس نے بھی فیروز جنگ کے مراتب اور اعزاز میں اضافہ کیا اور یہ دعا دی کہ "جس طرح فیروز جنگ نے تیموری خاندان کی
عزت بچائی ہے خدا اُسے اور اس کی اولاد کو بھی تا قیامت با آبرو رکھے"! اس مسرت میں بادشاہ نے انکو "فرزند ارجمند" کا
خطاب مرحمت کیا اور وقایع نگار کو یہ حکم دیا کہ بیجاپور کی فتح کو فیروز جنگ کے نام لکھے اور اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ خود اُس نے
اپنے قلم سے سیاہے میں یہ فقرہ درج کر دیا کہ "قلعہ بیجاپور بہ دستیاری فرزند بے ریوزنگ غازی الدین بہادر فیروز جنگ
مفتوح شد" اس کار نمایاں کے بعد فیروز جنگ بہادر نے قلعہ ادوگیر (فیروز گڑھ) کو فتح کیا۔ اس کے بعد گولکنڈہ کی فتح میں
بھی بہت نمایاں حصہ لیا۔ انگریز حکومت گولکنڈہ کو مدراس کا سالانہ خراج ادا کرتے تھے۔ لیکن جب ابوالحسن تانا شاہ نے
گولکنڈہ کے محاصرۂ ۱۶۸۵ء میں انگریزوں کو اپنی رعایا جانکر اُن سے کمک چاہی تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم تمھاری رعایا
رہنا نہیں چاہتے اور اسی معرکہ میں خان فیروز جنگ اپنے والد ماجد کی طرح سے سخت زخمی ہوئے بادشاہ نے خود انہیں لکھا
کہ "میں خود تمھاری مزاج پرسی کو آتا مگر تمھیں زخمی دیکھکر مجھے تاب نہ رہے گی اسلئے میری طرف سے سعادت خاں مزاج پرسی
کے لئے آتے ہیں" اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کے دل میں فیروز جنگ کی کتنی وقعت اور محبت تھی گولکنڈہ کے فتح
ہونے پر انہیں ہفت ہزاری منصب مرحمت ہوا۔

گولکنڈہ کی فتح کے بعد نواب فیروز جنگ نے ادھونی کے قلعہ کو فتح کیا قلعہ مذکور حکومت بیجاپور کی جانب سے سیدی مسعود کے
سپرد تھا۔ قلعہ کی نسبت یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ نہایت مستحکم ہے فیروز جنگ ہی کی سعی سے مع مضافات کے اورنگ زیب
کی سلطنت میں شامل ہوا۔

۱۶۹۵ء میں سنتا مرہٹہ کی سرکوبی کے لئے فیروز جنگ بہادر روانہ کئے گئے۔ اورنگ زیب نے اسکی شرارتوں سے تنگ آکر
اس کا نام سنتا شیطان ہمارا رکھا تھا۔ اتفاق سے ایک مرہٹہ اس کا سر کاٹ کر اسکے ایک دشمن کے پاس لے جارہا تھا۔ راہ
میں فیروز جنگ کے لشکریوں نے اُس سے چھین لیا۔ فیروز جنگ نے اس سر کو خواجہ بابا تورانی کے ذریعہ اورنگ زیب کے حضور میں روانہ
کیا۔ اورنگ زیب نے مسرور ہوکر خواجہ کو خوش خبر خاں کا خطاب مرحمت فرمایا۔ فیروز جنگ بہادر اس مہم میں مرض مہلک میں مبتلا ہوئے
جو اس نواح میں پھیلا ہوا تھا۔ اس مرض میں انہیں شفا تو حاصل ہوئی مگر آنکھوں کی بصارت زایل ہوگئی حضوری دربار سے
معذور رکھے گئے پھر بھی بڑی بڑی مہموں پر ان کا تقرر ہوتا رہا۔ نابینا ہونے کے بعد دیوگڑھ کی فتح اور اسلام پوری کی محافظت پر
مقرر ہوئے۔ ۱۷۰۲ء میں جب عالمگیر قلعہ کھیلنا کو فتح کر کے بہادر گڑھ کی طرف واپس ہوا تو فیروز جنگ بہادر کا
لشکر نظر پڑا کیا دیکھتا ہے کہ چار کوس تک ڈیرے ہی ڈیرے لگے ہوئے ہیں۔ انکی فوج کیا بلحاظ
سامان اور کیا باعتبار قواعد جنگ تمام امراء کی فوج سے بڑھی ہوئی ہے معائنہ
کے بعد ان کا توپخانہ لے لیا اور اپنے فرزند سعادتمند بخت کو اس مضمون کا رقعہ لکھا کہ

تمہیں فیروزجنگ سے زیادہ آمدنی ہے۔ پھر بھی تمہاری فوج اُن کی فوج سے مقابلہ کی ہستی نہیں رکھتی تھوڑی سی آمدنی میں خان موصوف نے ضرورت سے زیادہ اپنی فوج کو بڑھایا ہے۔"

سنہ ۱۷۰۳ء میں فیروزجنگ بہادر پاریا نائک کی سرکوبی کے لئے روانہ کئے گئے جو دکن کا ایک راجہ اور بیدر قوم سے تھا اُس نے اس موقعہ پر اطاعت قبول کرلی لیکن پھر دوسرے سال آمادۂ بغاوت ہوا اُس کے فرو کرنے کے لئے اورنگ زیب بنفس نفیس روانہ ہوا تھا۔

سب سے اخیر مہم جس کو فیروزجنگ نے سنہ ۱۷۰۵ء میں سر کیا تھا نیما سندھیا کی سرکوبی تھی۔ یہ جنگ مالوہ میں ہوئی۔ اور اس مرہٹہ سردار کو پوری شکست اٹھانی پڑی جس کے صلہ میں اورنگ زیب نے فیروزجنگ کو سپہ سالار کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ جب عالمگیر اس سرائے فانی سے کوچ کرگیا تو اس وقت فیروزجنگ بہادر ایلچ پور ہی میں تھے۔

اورنگ زیب کے انتقال کے بعد جب شاہزادہ محمد اعظم نے تاج شاہی سر پر رکھ لیا اور اپنے بھائی بہادر شاہ کے مقابلہ کا انتظام کرنے لگا تو اورنگ زیب کے ایک جاں نثار وزیر مسمیٰ اسد خاں کے لڑکے ذوالفقار خاں کی رائے کی بنا پر فیروزجنگ بہادر اور اُن کے فرزند میر قمرالدین چین قلیچ خاں بہادر بمقام برہان پور شاہزادہ مذکور کے لشکر میں حاضر ہوئے مگر اس کے غرور اور بے توجہی کے باعث علانیہ طور پر اس سے علیحدہ ہوکر اورنگ آباد چلے گئے۔ محمد اعظم کا فیروزجنگ کے ساتھ بے التفاتی سے پیش آنا تمام تورانی امراء کو ناگوار معلوم ہوا اس لئے وہ اس معرکہ میں شریک نہیں ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ اس جنگ میں شاہزادہ مارا گیا۔

جب بہادر شاہ تخت نشین ہوا تو اس نے سنہ ۱۷۰۸ء میں گجرات کی صوبہ داری پر فیروزجنگ بہادر کا تقرر فرمایا جہاں چند سال بعد انھوں نے اس دارِ ناپائدار کو چھوڑ کر عالم بقا کا رخ کیا ان کا جنازہ دہلی لایا گیا اور اجمیری دروازہ کے پاس کی اپنی تعمیر کردہ خانقاہ میں دفن کئے گئے۔

فیروزجنگ بہادر بڑے باوقار امیر تھے۔ وفاداری، دیانت اور خوش خلقی میں شہرۂ آفاق تھے۔ خدا نے انھیں فتح و کامرانی کے لئے پیدا کیا تھا۔ جس لڑائی پر روانہ کئے جاتے اس کو فتح ہی کرکے آتے۔ انتظام مملکت اور فوجی نظم و نسق میں غیر معمولی قابلیت کے انسان تھے اور اپنی خوبیوں کے اعتبار سے تمام امراء میں ان کے مقابل کا کوئی نہ تھا۔

فیروزجنگ بہادر کی شادی نواب عمدۃ الملک سعداللہ خاں بہادر مدارالمہام شاہجہانی کی صاحبزادی سے ہوئی تھی جن کے بطن سے نواب میر قمرالدین خاں بہادر نظام الملک آصفجاہ اول پیدا ہوئے۔ فقط

آصف جاہ اول کی رواداری کا ایک بہترین نمونہ مدراس۔ ایک اطلاع سے ظاہر ہے شیومندر کی تحقیقات کے دوران میں جو دستاویزات کہ عدالت میں پیش ہوئے تھے ان میں سے ایک دستاویز کے معائنہ سے اس امر کا ثبوت بہم پہونچا ہے کہ والئی دکن مغفرت مآب نظام الملک آصف جاہ اول نے دو ہزار ایکڑ اراضی کا بیش قیمت عطیہ اس مندر کو عطا فرمایا تھا۔

مرتبہ محمد فاضل

فرمانروا ہونے والے تھے اس لئے قدرت نے ان کی تمام تر
نشو و نما دکن میں کی تھی تاکہ یہاں کے پورے ماحول سے یہ واقف
ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جب نظام الملک نے واقعی دکن کی عنان حکومت
اپنے ہاتھ میں لی ہے اسوقت یہ دکن کی جغرافی اور سیاسی فضا سے اور یہاں کی مختلف
قومیتوں سے اس قدر واقف تھے کہ گویا یہ خاندانی دکھنی تھے دکن کی بہت سی لڑائیاں ان کی آنکھوں
کے سامنے ہوئی تھیں۔ اکثر ارباب سیاست جو دکن میں متعین تھے ان کے جان پہچان اور دیکھے بھالے تھے اور ان لوگوں کے
ذریعہ نظام الملک کو معلومات کا بہت کچھ ذخیرہ فراہم ہوگیا تھا اور یہ سن شعور کو پہنچتے ہی کام پر لگادئے گئے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ
شہنشاہ نے نوعمری میں ان کو منصب اور سوار عطا کئے تھے۔ جو اس عمر میں کسی مغل امیر کو نہیں ملے تھے اس کا باعث کچھ تو
انکی ذاتی قابلیت اور کچھ ان کے باپ دادا کی زرین خدمات تھیں جنکو سلطنت کبھی فراموش نہیں کرسکتی تھی اور بعد کو خطاب
چین قلیچ خاں ملگیا۔ اورنگ زیب کے انتقال کے وقت یہ بیجاپور کے گورنر تھے۔ فرخ سیر کے عہد میں ان کو نظام الملک
کا خطاب ملا اور دکن کے گورنر بنائے گئے۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں جب کہ مرہٹوں کا چوطرف سے غلبہ ہو رہا تھا نظام الملک کا
دکن میں رہنا بہت کچھ قرین مصلحت تھا کیونکہ اس وقت یہی تنہا مرہٹوں کی طاقت کا جواب دیسکتے تھے۔ لیکن سادات بارہہ کی
تنگ نظری اور خود غرضی نے تمام کام خراب کیا۔ سادات بارہہ اس ترکمان خاندان کے دشمن ہوگئے کیونکہ ان لوگوں کی ترقی
سادات کیلئے مضر تھی۔ نظام الملک کو دکن میں آئے ہوئے مشکل سے دو سال ہوئے ہونگے کہ ان کو یہاں سے معزول کردیا گیا اور
حسین علیخاں خود دکن کا گورنر ہوگیا۔ یہ ۱۷۱۵ء کا واقعہ تھا جب کہ نظام الملک دکن سے شمال آگئے یہاں یہ بہت دنوں تک
خاموش رہے۔ کچھ دنوں کے لئے ان کو مرادآباد کی گورنری دی گئی۔ لیکن تمام سیاسی حالات سادات بارہہ کے ہاتھ میں تھے
اور نظام الملک کو آگے بڑھنے کا کوئی موقعہ نہ تھا۔ سادات اسقدر چھائے تھے کہ تخت دہلی ان کے ہاتھ میں تھا جسکو چاہتے تخت نشین
کرتے۔ فرخ سیر کو قتل کردیا رفیع الدولہ اور رفیع الدرجات کو تخت نشین کردیا اور جب یہ مرگئے تو ۱۷۱۹ء میں روشن اختر محمد شاہ کو تخت نشین کردیا۔
محمد شاہ کی تخت نشینی ہونا کچھ زیادہ امید افزا نہ تھا کیونکہ یہ بھی دوسروں کیطرح غافل آدمی تھے۔ ان کی ماں کبھی کبھی ان کو خواب
غفلت سے چونکاتی تھی اور نظام الملک اور ان کا وفادار خاندان شہنشاہ کی تائید کے لئے تیار تہا۔ حسین علی خاں اور قطب الملک بھی اس
راز سے واقف تھے کہ ترکمان کس طرح تخت دہلی کے ہواخواہ اور سادات کے دشمن ہیں۔ اس خطرہ کو دور کرنے کے لئے نظام الملک کو
مرکزی حکومت سے دور رکھنا ضروری سمجھا گیا۔ پہلے ان کو پٹنہ کی گورنری پیش کی گئی لیکن نظام الملک بہت بیدار مغز آدمی تھے
وہ سمجھتے تھے کہ پٹنہ ان کے لئے مفید مطلب نہ ہوگا اس لئے پٹنہ جانے سے انکار کردیا اس انکار کے بعد ان کو مالوہ جانے کے لئے کہا گیا
مالوہ جنوب میں پڑتا تھا اور یہاں سے دکن جانے کے لئے راستہ صاف تہا اس لئے نظام الملک نے اس کو خوشی سے قبول کرلیا۔ اور
اپنے اہل و عیال کے ساتھ مالوہ چلے گئے لیکن شرط یہ تھی کہ ان کو وہاں سے معزول نہ کیا جائے۔ مگر چند روز کے بعد ہی سادات نے
محسوس کیا کہ نظام الملک کو مالوہ بھیجنا بڑی غلطی تھی کیونکہ اس طرح تو ان کو دکن کا راستہ دیدیا گیا۔ افسوس کرنا
لاحاصل تہا۔ تاہم انہوں نے نظام الملک کو معزول کرنے کے لئے احکام بھیجدئے۔ لیکن نظام الملک نے
دکن کا راستہ اختیار کرلیا۔ پہلے برہانپور اور قلعہ اسیر گڈھ میں مستحکم ہوگئے اور
شمال کی فوج کو شکست دیدی جو دلاور علیخاں کے تحت آئی تھی۔ اس کے بعد

دکن کیطرف پیشقدمی کی ۔ بالاپور میں عالم علی خاں نے مزاحمت کی تو
اسکاوٹ کے مقابلہ کیا اور اورنگ آباد پر قابض ہوگئے ۔ اس طریقہ سے
نظام الملک نے سادات بارہہ کے تمام منصوبے خاک میں ملا دئے ۔ حسین علی خاں نے
شہنشاہ کو ساتھ لیکر دکن پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن ابھی فوج راستہ ہی میں تھی کہ سازش کرکے
حسین علی خاں کو مار دیا گیا اور اس میں بھی نظام الملک کے اہل خاندان کا ہاتھ تھا ۔ ان لوگوں نے شاہی تخت و تاج کے
ساتھ انتہائی وفاداری کا ثبوت دیا ۔

۱۷۲۱ء میں نظام الملک اورنگ آباد پہنچے تھے اور ان کی یہ تگ و دو سادات بارہہ کی مخالفت میں ہوئی تھی ۔ اور اس نقل و حرکت سے شہنشاہ بہت خوش تھے جب سادات بارہہ کا خاتمہ ہوگیا تو محمد شاہ ذی اختیار ہوگئے اور سلطنت کی سنبھال کرنے لگے لیکن اس وقت مرکزی حکومت میں کوئی شخصیت ایسی نہ تھی جو امور سلطنت انجام دیسکتی تھی ۔ ناچار سب کی نظر نظام الملک پر پڑنے لگی جو اس زمانہ میں تنہا مدبر تھے ۔ سچ تو یہ ہے کہ اورنگ زیب کے انتقال کے بعد ہندوستان کا سیاسی مطلع ایسا صاف ہوگیا کہ اس وقت نظام الملک کے سوا کوئی مدبر نہیں تھا ۔ یہ اکیلے آدمی تھے جو اورنگ زیب کے عہد کو دیکھتے ہوئے آئے تھے اور مغلوں کی سیاست دانی کو جانتے تھے ۔ مرکزی حکومت کی تمام کمزوریوں کا یہی علاج کرسکتے تھے ۔ چنانچہ ۱۷۲۲ء میں دہلی بلائے گئے ۔ آصفجاہ کا خطاب دیا گیا اور وزارت کی خدمت جلیلہ سے سرفراز کیا گیا ۔ نظام الملک ۔ اس خدمت کو اپنا عین فرض سمجھتے تھے اس لئے وہ فوراً اپنے فرائض میں مصروف ہوگئے ۔ آیندہ اصلاح نظم و نسق کا ایک بڑا پیشنامہ مرتب کرلیا پیشنامہ نہایت غور و خوض کے ساتھ مرتب کیا گیا تھا اگر اسکی پابندی ہوتی تو مغل سلطنت ہمیشہ کیلئے نہیں تو کم از کم اور ایک صدی کیلئے مستحکم ہوجاتی لیکن محمد شاہ اور ان کا نااہل دربار اس کی تہ کرنے سے تیار نہ تھا ۔ قدم قدم پر نہ صرف مخالفت ہوتی تھی بلکہ ہنسی اڑائی جاتی تھی ۔ بیچارے نظام الملک بہت پریشان تھے ۔ وہ کام کرنا چاہتے تھے اور اپنی وفاشعاری کا ثبوت دینا چاہتے تھے مگر یہاں معاملہ الٹا ہوتا تھا ۔ اسی عالم مجبوری اور مایوسی میں انہوں نے دو سال گذارے اور بالآخر مجبور ہوکر چپکے سے دکن کی راہ لی ۔ یوں تو مراد آباد جانے کا بہانہ کیا تھا کیونکہ شہنشاہ جانے کی اجازت نہ دیتے ۔ لیکن شہنشاہ نے اس حرکت کو بھی مقاومت پر محمول کیا اور مبارز خاں صوبہ دار اورنگ آباد کو لکھا کہ نظام الملک کی مزاحمت کریں ۔ چنانچہ ۱۷۲۴ء میں شکر کھیڑہ کے مقام پر مبارز خاں اور نظام الملک میں گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں مبارز خاں کھیت رہا ۔ نظام الملک ۱۷۲۴ء میں کامیاب فاتح کی حیثیت سے اورنگ آباد میں داخل ہوگئے اور یہی سلطنت آصفیہ کی تاسیس کی مبارک تاریخ ہے ۔ اسی تاریخ سے سلطنت آصفیہ کی ابتدا ہوتی ہے ۔

نظام الملک کی عدیم المثال وفاداری

محمد شاہ نے نظام الملک کی اس نقل و حرکت کو بغاوت پر محمول کیا تھا اور وہ سخت ناراض تھے ۔ ممکن ہے کہ اور لوگوں کو بھی یہ غلط فہمی ہو ۔ لیکن پوست کندہ واقعات کو دیکھنے کے بعد صحیح حقیقت سامنے آجاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس نقل و حرکت سے بغاوت تو درکنار
نظام الملک نے مغل سلطنت اور ہندوستان کی سچی خدمت کی تھی مرکزی حالات سے واضح ہوگیا تھا کہ وہ روبراہ ہونے
والے نہ تھے اور وہاں نظام الملک بے بس تھے ۔ ایسی صورت میں دکن کو مرہٹوں کے حرص و آز
کا شکار بننا ناگہاں تک مناسب تھا ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر نظام الملک دکن میں
خود مختار نہ ہوتے تو یہاں مرہٹوں کا تسلط یقینی تھا کیونکہ حسین علی خاں نے

ان کو چوتھ اور سردیشمکھی کی سند لکھدی تھی اور قانوناً دکن ان کے
ہاتھ میں تھا۔ نظام الملک کے خود مختار ہونے سے نہ صرف دکن کی حفاظت
ہوگئی بلکہ مغل سلطنت کی صدہا روایتیں بچ گئیں جو آج بھی صاف نظر آتی
ہیں اس کے علاوہ دکن کی تمدنی اور علمی بساط بھی از سر نو بچھ گئی اور صدہا اہل علم و فن
سلاطین آصفیہ کے اردگرد جمع ہونے لگے۔ کیونکہ تسخیر گولکنڈہ کے بعد سے علم و فن کی شمع گل ہوگئی تھی۔ نیز یہ چیز
بھی مد نظر رہنی چاہئے کہ نظام الملک نے خود مختاری کا اعلان کبھی نہیں کیا نہ شاہی اور چتر نہیں استعمال کئے۔ مغلوں کا سکہ یوں کا
توں رکھا۔ ان چیزوں کو وہ اپنی وفاداری کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ مغل سلطنت کی آئندہ ہر خدمت کے لئے تیار تھے
شکر کھیڑہ کی جنگ کے بعد انہوں نے شہنشاہ کو نہایت وفادارانہ الفاظ میں مخاطب کیا تھا کہ میں حالت مجبوری میں دکن آیا ہوں کیونکہ
شاہی دربار نے مجھ سے کوئی کام نہیں لیا اور اس میں اپنی وفاداری کا ثبوت نہیں دے سکتا تھا لیکن میں یہاں سے شہنشاہ اور مغل سلطنت کی
ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ نظام الملک نے ان الفاظ کی پوری پابندی کی۔ جب ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کیا تو شہنشاہ کے
بلانے سے نظام الملک فوراً دہلی چلے گئے حالانکہ اس وقت وہ باجی راؤ پیشوا کے مقابلہ میں سخت لڑائی میں مصروف تھے اور اس میں ان کا
بہت نقصان ہوا۔ مگر نادری حملہ کے مقابلہ میں شہنشاہ کی مدد بھی ضروری تھی جس طرح ان کے بس میں تھا ایرانی فوجوں کا مقابلہ کیا۔
عین قتل عام میں بھی نظام الملک کی تنہا شخصیت تھی جو جرأت کے ساتھ نادر شاہ سے شفاعت کی درخواست کر سکتی تھی۔ انتقال
کے وقت بھی نظام الملک جو اپنی فطری وفاداری سے متاثر تھے۔ اپنے جانشین نواب ناصر جنگ کو جو وصیتیں فرمائی تھیں ان میں ایک وصیت
اظہار وفاداری کی تھی کہ ان کے جانشین بھی تخت دہلی کے ساتھ وفادار رہیں۔ ان حالات میں نظام الملک کی نقل و حرکت کو بغاوت پر محمول کرنا
بے معنی چیز ہوگی۔

نواب نظام الدولہ ناصر جنگ بہادر کا عہد حکومت

(سازش و قتل)

۱۷۴۸ء میں نظام الملک کا انتقال ہوا۔ چونکہ ان کے بڑے بیٹے غازی الدین خاں ثانی دہلی میں تھے اور وزارت پر
فائز تھے اس لئے مغفرت مآب کی وصیت کے مطابق ناصر جنگ دکن میں ان کے جانشین ہوئے۔ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب
ناصر جنگ اچھے سپاہی اور اچھے مدبر تھے اور دکن کے تمام سیاسی ماحول سے اچھی طرح واقف تھے اور ایسے خاص موقعہ پر جبکہ سلطنت
حیدرآباد کو ہندوستانی اور غیر ہندوستانی مختلف طاقتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا یہی سلطنت کی کمان کر سکتے تھے۔ باہر کے دشمن تو تھے ہی
لیکن خود گھر کے اندر ایسے دشمن تھے کہ ان کی بیخ کنی ضروری تھی۔ نظام الملک کے نواسے مظفر جنگ نے ایسی خود غرضی دکھائی کہ اس سے
دکن کا سیاسی مطلع تیرہ و غبار آلود ہوگیا۔ مظفر جنگ خود سلطنت حیدرآباد کے دعویدار ہوگئے اور اپنی طاقت بڑھانے
کے لئے چندا صاحب اور ڈوپلے کو اپنے ساتھ شریک کرلیا۔ چندا صاحب کرناٹک کے پچھلے نوابوں کے
خاندان سے تھا اور کرناٹک کی نوابی چاہتا تھا۔ ڈوپلے ہندوستان کی فرانسیسی عملداری کا
رہنما تھا اور دکن کی سیاست اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا تھا۔ تین آدمیوں کا یہ

اتحاد پیچیدہ ضرور تھا لیکن ناصر جنگ کی فوجی طاقت اور سیاسی قابلیت
اس اتحاد کا پورا جواب دیسکتی تھی چنانچہ جب ناصر جنگ نے اپنی پوری
طاقت کیساتھ پانڈیچری پر یلغار کیا تو تمام متحدین کے چھکے چھوٹ گئے اور مظفر جنگ
گرفتار ہوگیا۔ ڈوپلے کے تمام منصوبے خاک میں مل رہے تھے۔ اس نے دیکھا کہ ناصر جنگ کے
مقابلہ میں کسی تلوار بیکار ہے تو سازش کے ذریعہ نواب کا خاتمہ کرنا چاہا۔ کرنول کے بیوفا نواب ہمت خاں کو مختلف ترغیبوں
سے نواب کو قتل کرنے پر آمادہ کیا۔ جب ناصر جنگ قلعہ جنجی کے محاصرہ کے لئے پہنچے تو ہمت خاں نے نواب کو گولی ماردی اور یہ عین
جوانی میں ڈوپلے کی سازش کا شکار ہو گئے۔ اب ڈوپلے کی بن آئی۔ اس نے ایکطرف مظفر جنگ کو حیدرآباد کا والی بنادیا تو
دوسری طرف چندا صاحب کو کرناٹک کا صوبہ دار۔ مظفر جنگ گویا ڈوپلے کے ہواخواہ تھے اس طریقہ سے ڈوپلے تمام دکن کے سیاہ وسفید
کا مالک ہو گیا لیکن مظفر جنگ کی بادشاہی صرف چند دنوں کے لئے تھی ابھی راستہ میں تھا کہ راتچوٹی کے مقام پر ہمت خاں سے جھڑپ
ہوگئی اور اس کا راستہ ہی میں خاتمہ ہوگیا۔ پھر از سر نو انتشار پیدا ہوگیا۔ اس وقت دو فوجیں ان کے رہنما حالات کے مالک تھے۔ حیدرآباد کی
فوج کے رہنما راجہ رگھناتھ داس صلابت جنگ اور نظام علی خاں تھے اور فرانسیسی فوج جو مظفر جنگ کی رہنمائی اور حفاظت کے لئے
ساتھ کردی گئی تھی وہ بوسی کی رہنمائی میں تھی۔ ان دونوں کے مشورہ سے صلابت جنگ کی بادشاہی کا اعلان کردیا گیا
اگرچہ بعض عمائد نظام علیخاں کی بادشاہی کے طرف دار تھے مگر نظام علیخاں نے اپنے بڑے بھائی کے ہوتے ہوئے عنان حکومت
اپنے ہاتھ میں لینے سے انکار کردیا۔

حضرت غفران مآب نواب امیر الممالک صلابت جنگ بہادر کا عہد حکومت

صلابت جنگ ۱۷۵۰ء میں دکن کے حکمراں بنائے گئے تھے اور تقریباً ۱۷۶۲ء تک بارہ سال انہوں نے حکومت کی۔ یہ بارہ
سال کا دور حیدرآباد کی تاریخ کا بہت تاریک زمانہ ہے صلابت جنگ بہت کمزور آدمی تھے اور یہ آسانی سے لوگوں کے
اثر میں آجاتے تھے۔ اورنگ آباد پہنچنے کے چند ہی روز کے بعد فرانسیسی جنرل بسی نے ایسا اقتدار بڑھایا کہ خود ہی حاکم وقت بنگیا۔ برابر
صلابت جنگ اس وجہ سے اس کے زیر اثر تھے کہ اس کو بادشاہ گر سمجھتے تھے اور یہ خیال تھا کہ بسی نے ان کو بادشاہ بنایا ہے حالانکہ
وہ اپنی کلانیت کی بنا پر تخت نشین ہوئے تھے۔ ایک طرف بسی نے اپنے فرانسیسی فوج کے گذارہ کے لئے شمالی دکن کے زرخیز
اضلاع جو شمالی سرکار کہلاتے ہیں دبالئے جو بالآخر انگریزوں کے ہاتھ میں چلے گئے دوسری طرف مرہٹوں کی یورشیں آئے دن حیدرآباد
کی نوخیز سلطنت کو دق کرتی تھیں ۱۷۶۰ء کی جنگ اودگیر میں جو مرہٹوں سے ہوئی تھی حیدرآباد کا بہت نقصان ہوا
حیدرآباد کو شکست ہوگئی اور مرہٹوں نے (۶۲) لاکھ روپے سالانہ آمدنی کے زرخیز علاقے حاصل کرلئے ان
علاقوں میں قلعہ دولت آباد، قلعہ بیجاپور، اسیر گڑھ، ہرسول، ستارہ، احمد نگر، صوبہ اورنگ آباد کے بہت سے علاقے
صوبہ برہانپور اور صوبہ بیدر کے کچھ حصے شامل تھے۔ ان علاقوں کے نکل جانے کے
بعد سلطنت آصفیہ کے قبضہ میں صرف تھوڑا سا ملک باقی رہگیا تھا اور ان علاقوں
میں بھی مرہٹوں کو چوتھ وصول کرنے کا حق حاصل ہوگیا تھا۔ اور یہ سب

سلطنت آصفیہ کا سب سے زیادہ تعلق اسی سے تھا۔ اور اسکی
ابتدا شمالی سرکاروں سے ہوئی۔ یہ صلابت جنگ کے عہد میں تفویض
کر دئے گئے تھے۔ لیکن انگریزوں کی رقابت نے اسکی دوسری شکل کر دی
خود صلابت جنگ کے عہد میں کلائیو نے ان پر قبضہ کر لیا تھا کیونکہ ان کا فرانسیسوں کے
قبضہ میں رہنا انگریزوں کے مفاد کے منافی تھا۔ لیکن جب ۱۷۶۵ء میں شاہ عالم ثانی سے دیوانی بنگالہ کی سند لکھائی
گئی اس میں شمالی سرکاروں کا بھی ذکر تھا یعنی یہ علاقے سلطنت حیدرآباد سے نکال کر کمپنی کو دئے گئے۔ ظاہر ہے کہ اس سے حیدرآباد کا
بہت نقصان تھا اس لئے غفرانماب نے بنفس نفیس شمالی سرکاروں پر حملہ کرنا چاہا اور فوج کی نقل و حرکت کی لیکن اس زمانہ میں
کمپنی حیدرآباد کی سی بڑی سلطنت کے ساتھ آویزش کرنا نہیں چاہتی تھی لڑائی نہیں ہوئی بلکہ کمپنی نے غفرانماب کے مطالبات منظور
کر لئے۔ طے یہ ہوا کہ شمالی سرکار کے علاقے کمپنی کے تصرف میں رہیں گے لیکن ان کے معاوضہ میں ایک کثیر رقم سالانہ بطور پیشکش اور
ایک دستہ فوج کمپنی کی طرف سے حیدرآباد کو دئے جائینگے اس طرح معاملہ رفع دفع ہوا اور حیدرآباد کے اقتدار پر کوئی ضرب
نہیں لگی۔

مرہٹوں کا معاملہ بہت پیچیدہ تھا۔ نانا فرنویس کی رہنمائی میں مرہٹوں کی طاقت غیر معمولی طور پر بڑھی ہوئی تھی اور یہ نہ صرف
دکن اور جنوب ہند بلکہ شمالی سلطنتوں کو بھی دق کرتے تھے۔ اور ان لوگوں کی یورشوں سے بچنے کے لئے اکثر دیسی رئیس کمپنی کی حمایت
اختیار کر رہے تھے سلطنت آصفیہ پر مرہٹوں کو چوتھ کا دعوے تھا اور بڑی رقم کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اعظم الامراء ارسطو جاہ نے
جو اس زمانہ میں حیدرآباد کے جلیل القدر وزیر تھے اس رقم کے دینے سے انکار کر دیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نانا فرنویس نے اپنی پوری
طاقت کے ساتھ حیدرآباد پر یلغار کر دیا۔ دربار حیدرآباد نے بھی مدافعت کا سامان کیا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اس وقت حیدرآباد کو
صرف اپنے پیروں پر کھڑے ہونا پڑا کیونکہ کمپنی اپنے پچھلے معاہدہ کے خلاف مدد کے لئے آمادہ نہ ہوئی۔ سرجان شور گورنر جنرل
تھے۔ یہ عدم مداخلت کے اصول سے ایسے متاثر تھے کہ حیدرآباد کو انہوں نے اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ ۱۷۹۵ء میں لڑائی ہوئی جو
جنگ کھرڈا کے نام سے مشہور ہے۔ جنگ کا پہلا حصہ تو حیدرآباد کے موافق تھا۔ لیکن بعد کو پانسہ پلٹ گیا۔ بعض لوگوں کو اعظم الامراء
سے عداوت تھی۔ وقت پر کمک نہیں پہنچائی اور حیدرآباد کو سخت ہزیمت اٹھانی پڑی۔ سوائے صلح کے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ لیکن اس
وقت جو شرائط صلح طے ہوئے تھے وہ بہت سخت اور حیدرآباد کے لئے بہت ذلت آمیز تھے۔ دولت آباد کا قلعہ اور دریائے تاپتی سے
لیکر پرینڈہ تک کا سارا علاقہ مرہٹوں کو دینا پڑا جسکی آمدنی ۳۵ لاکھ سالانہ تھی پچھلا بقایا اور تاوان جنگ کی بابت تین کروڑ کی
رقم قرار پائی۔ ایک کروڑ تو نقد ادا کئے گئے اور باقی دو کروڑ بہ احتیاط سالانہ دینے کا وعدہ ہوا۔ اسپر طرہ یہ کہ مرہٹوں نے اسکی
ضمانت طلب کی ان کے لئے ارسطو جاہ سے بہتر ضمانت نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ مرہٹے انہیں کو جنگ کا بانی مبانی سمجھتے تھے اور ان پر
خار کھائے بیٹھے تھے۔ ان کا مطالبہ کیا۔ اس وفادار وزیر نے حیدرآباد کو آئندہ مصائب سے بچانے کے لئے کسی ایثار سے دریغ نہیں کیا اور
اسی وقت مرہٹوں کی نظربندی کے لئے تیار ہو گئے حالانکہ حضرت غفرانماب ارسطو جاہ جیسے مدبر سلطنت کو مرہٹوں کے
حوالہ کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ اس مطالبہ سے آبدیدہ ہو گئے اور پھر لڑنے کے لئے تیار تھے
"لیکن آں نمکخوار خیرخواہ و خیراندیش بممانعت پیش آمدہ عرض کرد کہ ملال خاطر نصیب
اعدا باشد غلام در عرصہ یک دو روز تصفیہ ایشاں کردہ حاضر دربار میشود"

ملک کی علمی خدمت ہی کی تھی علماء اور صوفیا کی بڑی قدر کی
اگرچہ علمی چہل پہل سب کچھ حضرت مغفرت مآب کے عہد سے شروع
ہو گئی تھی۔ اکثر علماء اورنگ آباد میں جمع ہونے لگے تھے تاہم اس عہد میں بھی
یہ سلسلہ جاری رہا شعر و سخن کی خدمت ہوئی اور اکثر تاریخیں لکھی گئیں

حضرت مغفرت منزل نواب سکندر جاہ بہادر آصفجاہ ثالث کا عہد حکومت

۱۸۰۳ء میں غفران مآب کا انتقال ہوا۔ چونکہ غفران مآب کے بڑے فرزند عالیجاہ کا پہلے انتقال ہو چکا تھا اس لئے دوسرے فرزند سکندر جاہ بہادر جانشین قرار پائے اس عہد میں ایسے واقعات اور لڑائیاں نہیں ہوئیں جیسے گذشتہ عہد میں ہوئی تھیں۔ صرف بعض رخ اندرونی نظم و نسق کے ایسے ہیں جن پر کچھ تبصرہ ہو سکتا ہے۔ حضرت مغفرت منزل سکندر جاہ بہادر غیر معمولی طور پر نیک نفس اور تمام برگزیدہ صفات کے مجسمے تھے۔ اتنے اچھے اخلاق تھے کہ اس کے بہت سے قصے اور فسانے اب بھی حیدرآباد میں بہت سوں کو یاد ہیں۔ ان اخلاق سے کچھ تو بیرونی حکومت نے بڑا فائدہ اٹھایا اور کچھ اندرونی وزرا نے کام خراب کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ مغفرت منزل کو اچھے وزرا نہیں ملے۔ غفران مآب کے انتقال کے بعد میں ارسطو جاہ کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔ ان کے مرنے کے بعد مدت تک حیدرآباد کو اچھا وزیر نہیں ملا یوں تو اس عہد کے اکثر وزرا اب قابل گرفت ہیں لیکن چندو لال کی وزارت نے تو بہت کام خراب کیا۔ انہیں وزرا کی کمزوری سے انگریزی فوجوں میں زیادتی ہو گئی اور اس کا غیر معمولی بار سلطنت پر پڑنے لگا۔ نیز ان اخراجات کی پابجائی کی کوئی سبیل نہ تھی۔ کیونکہ سلطنت میں آمد و خرچ کا ایسا باضابطہ انتظام نہ تھا جس کو موازنہ کہتے ہیں فوجی اخراجات کی سالانہ پابجائی نہیں ہو سکتی تھی اور یہ رقم بڑھتے ہوئے خطرناک صورت اختیار کر لی گئی اور بالآخر جب اس کا مطالبہ ہوا تو اس کے لئے آگے چلکر برار انگریزی کمپنی کو دینا پڑا۔ خود اندرونی اخراجات کا انصرام بھی بے ڈھنگا تھا۔ وزرا راندا دہندہ روپیہ لیتے تھے اور خرچ کرتے تھے۔ گھر کی آمدنی کافی نہ ہوتی تھی تو قرض لے لیتے تھے اور اس کے لئے حیدرآباد میں پامر کے نام سے ایک بڑا ساہوکارہ کھل گیا اور وہ حکومت کو حسب ضرورت قرض دینے لگا۔ یہ قرض اور اس کا سود ملا کر اتنا تشویشناک ہو گیا کہ اگر میٹکاف جو اس وقت کے رزیڈنٹ تھے بیچ بچاؤ نہ کرتے تو اس سے سلطنت کو بڑا نقصان پہنچتا۔ رزیڈنٹ مذکور نے شمالی سرکاروں کی رقم سے جو سلطنت حیدرآباد کو آتی تھی قرضہ کی پابجائی کر دی اور پامر اینڈ کو کا قصہ ختم کر دیا جو سلطنت کو کس کس طرح تنگ کر رہا تھا۔

حضرت غفران منزل نواب ناصر الدولہ بہادر آصفجاہ رابع کا عہد حکومت

۱۸۲۹ء میں حضرت مغفرت منزل کا انتقال ہوا اور غفران منزل

ناصر الدولہ بہادر تخت نشین ہوئے۔ غفران منزل اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بیدار مغز حکمراں تھے۔ ان کی بیدار مغزی سے سلطنت آصفیہ کے بہت سے مفاد محفوظ ہوگئے۔ گذشتہ عہد حکومت کی کمزوریوں سے ملک کو جو نقصان پہنچ رہا تھا اس کا بڑی حد تک سدّ باب ہوسکا۔ غفران منزل نے اپنی خاص بیدار مغزی اور قوت فیصلہ سے کام لیکر مرکزی حکومت کو مضبوط کر دیا۔ بیرونی حکومت کا دباؤ جو غیر معمولی طور پر بڑھ رہا تھا۔ اس کا آہستہ بند کردیا۔ یہ کمزوریاں سب کچھ وزرا کی بیوفائی کی وجہ سے ہوئی تھیں جو اپنے ذاتی مفاد کو سلطنت کے مفاد پر ترجیح دیتے تھے۔ غفران منزل نے اچھے آدمیوں کا انتخاب کیا۔ ایسے لوگوں کو سلطنت کے کام پر لگایا کہ جو واقع میں ملک کے وفادار تھے۔ سنہ ۱۸۵۳ء میں سراج الملک کا انتقال ہوا تو ان کی جگہ وزارت کا سوال درپیش تھا اور اچھے آدمی کی ضرورت تھی۔ غفران منزل کی نظر نواب علی خاں سالار جنگ پر پڑی جو سراج الملک کے بھتیجے تھے۔ اگرچہ سالار جنگ کی عمر اس وقت بیس بائیس سال سے زیادہ نہ تھی اس نوعمری میں وزارت کے جلیل القدر عہدہ کی ذمہ داری بالعموم بے موقع ہوتی ہے لیکن غفران منزل نے یہ محسوس کیا کہ سالار جنگ سے بہتر آدمی ملک کو نہیں مل سکتا۔ چنانچہ تقرر کے وقت غفران منزل نے فرمایا تھا کہ میں گھوڑے میں سے ہیرا چنا ہوں" اور واقعات بتاتے ہیں کہ یہ انتخاب کس قدر قابل قدر تھا۔ یہی سالار جنگ جو اس قدر نوعمری میں وزیر اعظم حیدر آباد ہوئے تھے سراج وزرائے حیدر آباد ہیں جن کا یہ ملک ہمیشہ ممنون رہے گا۔ اگر ہم غفران منزل کے اور کام کو بھول جائیں تو کم از کم اس کارنامہ کو تو کبھی نہیں بھول سکتے کہ انھوں نے حیدر آباد کے مستقبل کا خیال کر کے ایک بہترین آدمی کا انتخاب کیا تھا جو سلطنت آصفیہ کیلئے مبارک سے زیادہ کام کر گیا۔

حضرت مغفرت مکاں نواب افضل الدولہ بہادر آصفجاہ خامس کا عہد حکومت

یہ عجیب اتفاق ہے کہ ۱۸۵۷ء میں غفران منزل کا انتقال ہوا جس کے بعد ہی ہندوستان کے آسمان سیاست پر غدر کے مہیب بادل چھانے لگے۔ یہ انگریز کمپنی کے لئے بہت نازک موقع تھا کیونکہ اس میں اہل غدر کی بڑی تعداد تھی۔ اگر اس موقع پر حیدر آباد کی امداد نہ ہوتی تو کمپنی کو اس دار وگیر میں سے صحیح سالم نکلنا بہت مشکل تھا۔ حضرت مغفرت مکاں افضل الدولہ بہادر اور ان کے وزیر سالار جنگ کا انگریزی حکومت پر بڑا احسان ہے۔ جو کبھی فراموش نہیں ہوسکتا۔ ان ارباب سیاست کی حسن تدبیر سے حیدر آباد نہ صرف غدر سے علیحدہ رہا بلکہ وقت پر کمپنی کی مدد بھی کی اور اس سے غدر کی آگ فرو ہوگئی۔ سچ تو یہ ہے کہ جنگ عظیم تک حیدر آباد نے متعدد مرتبہ انگریزی حکومت کی نازک موقعوں پر مدد کی ہے۔ اور خود غدر کے زمانہ میں اس کی چنگاریاں حیدر آباد میں بھی پہنچ گئی تھیں اور شعلے بھڑکنے کیلئے کچھ دیر نہ تھی۔ لیکن حسن تدبیر سے ان کو بہت جلد فرو کر دیا گیا۔

حضرت مغفرت مکاں افضل الدولہ بہادر اپنے وقت کے بہت ہر دلعزیز حکمراں تھے۔ ان کی داد و دہش حیدر آباد تو کیا تمام ہندوستان میں ضرب المثل ہے" بیشمار اہل اللہ اور اہل علم کی مدد کی گئی اور ان کو معاشی جد و جہد سے

تخت نشین کر دئے گئے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ اس عمر میں پچھلے
حالات کا کیا احساس ہو سکتا ہے۔ دربار کیسے ہونا چاہئے اور بادشاہ
وقت کو کس طرح جلوس کرنا چاہئے۔ لیکن یہ حیرت کی بات ہے کہ باوجود
اس ناعلمی اور عدم مشاہدہ کے غفرانمکاں نے پچھلی روایتوں کو اس خوبی سے جاری
کردیا کہ گویا وہ پچھلے زمانہ سے بخوبی واقف تھے۔ شاہی رعب وداب اور شاہی آداب کا اس قدر پاس ولحاظ
ہوتا تھا کہ قرونِ وسطی کی شان وشکوہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتی تھی۔ اور مغل شہنشاہیت کا رنگ جمتا تھا۔ لوگ دور دور سے
یہ پُر رعب شاہی دربار اور شاہی جلوس دیکھنے کے لئے آتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ حضرت غفرانمکاں کا شاہی رکھ رکھاؤ
قرونِ وسطی کی تنہا یادگار تھا جواب ہندوستان میں کبھی نصیب نہیں ہوتا۔ گذشتہ بیس پچیس سال سے معاشی سادگی کیساتھ
یورپ کا اثر اس قدر چھا رہا ہے کہ شاہی درباروں کے اثر پھیکے پڑ رہے ہیں۔ وہ شان وشوکت کسی جگہ نہیں پائی جاتی۔

چونکہ حضرت غفرانمکاں کو بچپن سے سیاسی تعلیم وتربیت دی گئی تھی۔ اس لئے وہ اچھے خاصے ماہر سیاست تھے۔ ان کو
امورِ سلطنت پر کافی مہارت حاصل تھی۔ یوں دیکھنے کو بہت کم کام کرتے معلوم ہوتے تھے لیکن جب وہ کام کرنے بیٹھ جاتے تو اس قدر
دلچسپی کا اظہار فرماتے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ ہر امر جزئی وکلی سے کماحقہ واقف تھے۔ سر سالار جنگ نے جو نظام حکومت
حیدرآباد کے لئے تجویز کیا تھا اس کا پورا پورا لحاظ رکھا اور حسب ضرورت اس میں اضافے کئے۔ علوم وفنون کو بھی کافی ترقی دی گئی جتنا
اہل علم وفضل کی مالی امداد اور حوصلہ افزائی کی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ دہلی ولکھنؤ کے اجڑنے کے بعد حیدرآباد ہی تنہا اہل علم کی
پناہ گاہ باقی رہ گئی ہے۔ جو اپنی پچھلی روایتوں کے مطابق علم وفضل کی قدر کرتی ہے۔ حضرت غفرانمکاں کے عہد میں صدہا عالم و
شاعر یہاں آئے ان کی تنخواہیں اور وظائف مقرر ہوئے۔ ہندوستان کی اکثر درسگاہوں اور علمی حلقوں کی مالی اعانت کی گئی
اس کے علاوہ غفرانمکاں کی امتیازی خصوصیات ان کی رعایا پروری اور دلجوئی ہے جو حقیقت میں حیدرآباد کے لئے طغرائے
امتیاز ہے۔ یہ تو تمام سلاطین آصفیہ کی خصوصیت ہے کہ اپنی رعایا کو اولاد کے برابر سمجھتے رہے ہیں۔ لیکن غفرانمکاں نے اس میں
اس قدر دلچسپی دکھائی تھی جو ان کی خاص فطری چیز معلوم ہوتی تھی۔ اس میں کسی مذہب وملت کا امتیاز نہیں کیا گیا اس حقیقت کا
صحیح امتحان اس وقت ہوا ہے جبکہ ۱۹۰۸ء میں رود موسیٰ کی طغیانی ہوئی تھی۔ رود موسیٰ کا یہ بڑا سیلاب تھا جس میں ہزاروں جانیں
تلف ہوئیں اور ہزار ہا مکان ندی کے نذر ہوگئے۔ طغیانی کے ان مصیبت زدگان کے ساتھ حکومت نے جس قدر بھی ہمدردی کی تھی
تاریخ میں اس کی بہت کم مثال ملے گی۔ شاہراہوں پر ایسے بے خانماں افراد کا ٹھٹ لگا ہوتا تھا۔ طغیانی کے دوسرے یا تیسرے
دن حضرت غفرانمکاں چار مینار کے پاس سے گذر رہے تھے۔ سواری مبارک کو دیکھکر ان لوگوں نے دردبھری آواز سے چلایا
کہ ہم بے خانماں ہوگئے یا پیر! اعلحضرت آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا کہ "غلام کا گھر حاضر ہے"۔ یہ صرف الفاظ نہ تھے بلکہ ان
میں بہت بڑی حقیقت تھی ان مصیبت زدگان کے لئے محلات کے تمام دروازے کھول دئے گئے تھے۔ شاہی مطبخ خانہ سے
ان کو کھانا ملتا تھا۔ یہ انتظام برسوں تک ہوتا رہا اور اس میں ہندو اور مسلمان کا کوئی امتیاز نہیں تھا
جو گھر طغیانی میں بہے تھے ان سب کا سرکار سے معاوضہ دلایا گیا۔ یہ ایسا واقعہ ہے کہ اس کو ہم بھلا
نہیں بھول سکتے۔ اگر حضرت غفرانمکاں کی اور خصوصیات بھول جائیں تو کم از کم انکی یہ
امتیاز رعایا پروری کبھی فراموش نہیں ہوسکتی اب بھی بہت سے دردمند دل
اس یاد سے تڑپ کر رہ جاتے ہیں۔

مرتبہ محمد فاضل

موجودہ اعلیحضرت قدر قدرت خلد اللہ ملکہ ۱۹۱۱ء میں سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ یہ عہد مسعود جس کے پچیس سال نہایت آب و تاب کیساتھ ابھی ہماری آنکھوں کے سامنے گزرے بہت بڑی عظمت کا حامل ہے۔ اسی مبارک عہد میں حیدرآباد کی سلطنت پچھلی روایتوں کا پورا لحاظ کرتے ہوئے ترقی کی اس شاہراہ پر پہنچ رہی ہے جو زمانہ حال کے لئے ضروری ہے۔ بات یہ ہے کہ ہر سلطنت مختلف ادوار میں سے گزرتی ہے اور ہر دور اپنی جداگانہ خصوصیات رکھتا ہے۔ اور سلطنت کی ترقی کا اصل راز یہ ہے کہ وہ ان تمام خصوصیات کا پورا جواب دے۔ زمانہ حال کی گوناگوں خصوصیات ہیں۔ انگریزی عملداری میں ہندوستان ایک عبوری دور سے گزر رہا تھا لیکن اب نظر غائر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبور ختم ہو گیا ہے۔ اور اب سیاست اور معاشرت کا ایک مستقل نصب العین قرار پا رہا ہے۔ حیدرآباد کو بھی پہلے عبوری دور سے نکال کر ایک مستقل نصب العین پر ڈالنا ضروری تھا اور یہ حیدرآباد کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ اس زمانہ میں سیاست کی باگ ایک بہت ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور روشن خیال حکمران کے ہاتھ میں ہے۔ یہ ہم سب جانتے ہیں کہ اعلیحضرت قدر قدرت کی تعلیم و تربیت کس وسیع پیمانہ پر ہوئی تھی۔ وسیع علم و فضل کے اعتبار سے ہندوستان کا کوئی رئیس اعلیحضرت کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ زمانہ حال کی پیچیدہ سیاست میں امور مملکت کی گہرائیوں تک پہنچنا اور رعایا و برایا کے جملہ حقائق سے واقفیت پیدا کرنا وسیع علمیت کے بغیر نہیں ہوسکتا اور یہ علمیت ہم اعلیحضرت بندگان عالی میں بدرجۂ اتم پاتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے ملک کو غیر معمولی ترقیاں حاصل ہوئیں اور ہر روز ترقی کا نیا دروازہ کھل رہا ہے۔

جہاں تک غور کیا جائے ہر مملکت کا صحیح مقصد ایک طرف یہ ہے کہ افراد مملکت کی کماحقہ ذہنی و جسمانی تربیت ہو تاکہ خود افراد اور بہ حیثیت مجموعی مملکت ان ترقی یافتہ جسمانی اور دماغی قویٰ سے پورا فائدہ اٹھا سکے۔ سچ تو یہ ہے کہ مملکت انہیں قویٰ سے بنتی ہے۔ اگر یہ قویٰ کمزور ہوں تو مملکت بھی کمزور ہوتی ہے اور اس کو آگے بڑھنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا اور جس مملکت کو ترقی کے یہ راستے نہیں ملتے اس کو مملکت کہنا بے معنی ہے۔ دوسری طرف مملکت کا کام یہ ہے کہ ملک کے تمام قدرتی ذرائع سے پورا فائدہ اٹھائے ملک کی زمین اور اس کے ذرائع پیدائش اہل ملک کے استفادہ کے لئے ہوتے ہیں۔ جو لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اپنا دامن امید بھر لیتے ہیں۔ مزروعہ اراضی۔ جنگل معدنیات اور پانی کی سوتیں اور چشمے صدہا چیزیں قدرت کی ودیعت ہیں اور وہ استفادہ کی طالب ہوتی ہیں ان سے پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ مملکت کا بڑا مقصد یہی ہوتا ہے۔ مملکت کی تمام طاقت اسی میں مضمر ہے۔ اس وقت یورپ کی تمام مملکتوں پر نظر ڈالنے سے

معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نصب العین میں یہ دو مقصد شامل ہیں
اور ان کی تکمیل ہر مملکت کی بیش بہا دولت ہے اور ان کی ترقی کا
راز بھی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سلطنت حیدر آباد نے ان دو مقاصد کی
کہاں تک تکمیل کی۔

ذہنی و جسمانی تربیت جو ہر مملکت کا اولین مقصد ہونا چاہئے حیدر آباد کے ہمیشہ پیش نظر رہا ہے اور اس پچیس سال کے عہد مبارک میں اس کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ ذہنی تربیت بلند پایہ درسگاہوں اور علمی حلقوں سے ہوسکتی ہے۔ جب سے سلطنت آصفیہ قائم ہوئی ہے اس مقصد کی تکمیل کے لئے صدہا علماء کو یہاں دعوت دی گئی اور علمی حلقے زندہ کئے گئے۔ سالار جنگ اول نے حیدر آباد کی مشہور درسگاہ دار العلوم کی بنیاد رکھی تھی۔ جو برسوں تک اس ملک کی علمی ضروریات پوری کرتی رہی۔ آج سے بیس سال پہلے اکثر ارباب سیاست جو چھوٹی بڑی خدمات پر نظر آتے تھے وہ سب اسی درسگاہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ اس لئے دار العلوم نے ملک کی بڑی خدمت کی تھی۔ لیکن بیسویں صدی میں تعلیمی ضروریات بہت بڑھ گئیں اور ہر قسم کے علوم و فنون کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اس کی کو پورا کرنے کے لئے حضرت بندگان عالی نے جامعہ عثمانیہ قائم کر دیا۔ اس وقت جامعہ عثمانیہ کو قایم ہوئے کم و بیش بیس سال ہوتے ہیں۔ اس مختصر دوران میں اس جامعہ نے ملک کی جس قدر علمی خدمت کی ہے وہ کسی تعریف کی محتاج نہیں۔ غالباً چند سال پہلے تک اس میں قیل و قال تھا اور بعض طبیعتیں اس کو مشتبہ نظر سے دیکھتی تھیں۔ لیکن اس کے حصول اب مسلم ہوچکے ہیں اور اس کا ذریعہ تعلیم حیدر آباد تو کیا ہندوستان کے دوسرے حصوں کو بھی قائل کر چکا ہے اسی اصول تعلیم کا نتیجہ ہے کہ اس قلیل مدت میں اس جامعہ نے اچھے عالم۔ ادیب اور انشا پرداز اور شاعر پیدا کر دئے جو کسی اور جامعہ سے نہیں پیدا ہوئے۔ جامعی تعلیم کے ساتھ زراعت اور صنعت و حرفت کے ذیلی شعبے بھی قائم کر دئے گئے۔ گو ان کی تعلیم جامعی نہیں ہوئی مگر اس سے ذیلی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کا قیام عہد مسعود کا زرین کارنامہ ہے جس کو آیندہ نسلیں ہمیشہ یاد رکھیں گی ذہنی تربیت کا اس سے بڑھکر اور کیا انتظام ہوسکتا ہے۔

ذہنی تربیت میں اخلاقی و معاشرتی تعلیم بھی شامل ہے اور یہ وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس عہد مسعود نے اس خصوص میں بھی کافی اہتمام کیا۔ گذشتہ زمانہ کی بے ڈھنگی معاشرت درست کی گئی۔ اس کے جتنے بڑے مشاغل تھے سب بند کر دئے گئے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ حیدر آباد میں کھیل تماشے اور بے معنی لہو لعب ایسے بدنما مشاغل تھے کہ ان کو ایک زمانہ میں سرمایہ فخر و مباہات سمجھا جاتا تھا۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں نہ صرف عمر ضائع ہوتی تھی بلکہ روپیہ برباد جاتا تھا اور اس سے حال و مستقبل کا کوئی تعمیری کام نہیں ہوسکتا تھا۔ اعلیٰحضرت بندگان عالی نے متعدد فرمان کے ذریعہ یہ سب مشاغل بند کر دیئے اور اس اصلاح کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو دماغ ان بے نتیجہ مشاغل میں لگے ہوئے تھے وہ آج تعمیری کام میں لگے ہوئے ہیں اور ملک کو غیر معمولی فائدہ پہنچ رہا ہے۔ جو روپیہ برباد جاتا تھا وہ پیداآور ذرائع میں صرف ہو رہا ہے۔ نیز اعلیٰحضرت بندگان عالی نے اپنی بے نظیر مثال سے زندگی سادہ اور پاکیزہ بنانے کی ہر وقت کوشش فرمائی اور اس کے بیش بہا نتائج برآمد ہوئے۔ ظاہر ہے کہ لفظی تلقین سے اتنا گہرا اثر نہیں پڑتا جتنا عملی مثال سے ہوتا ہے۔ حضرت بندگان عالی کی سادہ زندگی نے بُرے رسم و رواج اور فضول خرچیوں کا ہمیشہ خاتمہ کر دیا اور ملک کو معاشرتی

پیسے صحیح اسلوب پر ڈالدیا ہے کہ اس کو کوئی فراموش نہیں کرسکتا اور یہ بھی ملک کی بہت بڑی دینی خدمت ہے۔

جس طرح اوپر ذکر ہوا مملکت کا دوسرا مقصد ملک کے قدرتی ذرائع سے فائدہ اٹھانا ہے۔ اس پچیس سال کے عہد مسعود میں اس خصوص میں بھی غیر معمولی کام ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ دکن میں بےشمار قدرتی ذرائع آب مزارع۔ جنگلات اور معدنیات کی شکل میں موجود ہیں اور ان کو روبراہ کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا اس عہد کا کام ہے قدرتی دولت کے یہ سرچشمے معاشی جدوجہد کے محتاج تھے جن سے مزروعہ زمین کو ان سے خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچتا تھا۔ اور غیر مزروعہ زمینوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس کے لئے پانی کے خزانوں کا انتظام کرنا تھا۔ سلطنت آصفیہ میں سوتوں کی کمی نہیں ہے۔ ان کا پانی بیکار جاتا تھا۔ لیکن پندرہ بیس سال کے دوران میں عثمان ساگر۔ حمایت ساگر اور نظام ساگر کی صورت میں پانی کے بند بنا دئیے گئے۔ نظام ساگر کا بند تو بہت بڑا ہے اور اس کے جیسے بند ہندوستان میں بہت کم ہیں۔ ان کی تعمیر میں لکھوکھا روپے صرف ہوئے اور غیر معمولی قابلیت کا اظہار ہوا لیکن اگر ان کے فائدوں کو دیکھا جائے تو غالباً ان کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے۔ ان سے آبرسانی کی تمام مشکلات حل ہوگئیں اور ہزارہا ایکڑ زمینیں جو بنجر پڑی ہوئی تھیں سب پیداآور ہوگئیں جو اس وقت اور آئندہ ملک کی عام معاشی ترقیوں کی ضامن ہیں۔ بنجر اراضی کو پیداآور بنانے سے نہ صرف اراضی کی اصلاح ہوئی اور ملک کی معاشی دولت میں اضافہ ہوا بلکہ بے روزگاروں کے لئے روزگار پیدا ہوگیا۔ بے روزگاروں کیلئے ملازمت کے سوا اور ذرائع معاش بھی پیدا ہوگئے۔ چنانچہ نہر نظام ساگر کے ارد گرد معاشی اور زراعتی جدوجہد کے خوشگوار مناظر دکھائی دے رہے ہیں۔ اور جو خوش آیند مستقبل کی پیشینگوئی کررہے ہیں۔ اگر تنگبھدرا کا کام بھی چل پڑے تو اس سے بھی غیر معمولی اضافہ ہوسکتا ہے۔ اس کے ساتھ معدنیات کی صحیح دیکھ بھال اور صنعت وحرفت کی خاطر خواہ گرفت اور ترقی قابل ذکر اور روزافزوں ہیں۔ صنعت وحرفت کے مختلف شعبوں میں تعلیم دی جارہی ہے اور پیداوار خام خاطر خواہ استعمال ہورہی ہے۔ آمدورفت کے وسائل میں توسیع اور ترقی ہورہی ہے۔ ان وسائل سے ملک کے طول وعرض کو آپس میں ملایا جارہا ہے اس سے نہ صرف ملک کی دولت میں اضافہ ہورہا ہے بلکہ تمام افراد مملکت کا ذہنی اور معاشرتی ربط وضبط بڑھ رہا ہے جو تمدنی ترقی کا صحیح ضامن ہے اس سرسری خاکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مملکت کے دونوں مقصد نہ صرف پیش نظر ہیں بلکہ ان کو اسی طرح عملی جامہ پہنایا جارہا ہے جو دنیا کی بڑی مملکت کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مختصر خاکہ میں دور عثمانی کی تمام ترقیوں کا جو بجائے خود ایک کتاب کی طالب ہیں حصر کرنا مشکل ہے۔ یہاں صرف اس خاکہ پر اکتفا کی جاتی ہے اور مضمون کو شہنشاہ اورنگ زیب کی اس دعا پر ختم کیا جاتا ہے جو شہنشاہ نے نظام الملک کے پدر بزرگوار غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ کو دی تھی اور اس میں غازی الدین خان کی تمام اولاد امجاد شامل ہے"۔ چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ از ترددخان فیروز جنگ شرم اولاد تیموریہ نگاہ داشت آبروئے اولاد او تا روز قیامت نگاہ دارد "فقط

محمد فاضل

ہز ہائینس پرنس آف برار و ولیعہد سلطنت آصفیہ

پرنسس حضرت درشہوار دردانہ بیگم صاحبہ

حضرت والاشان نواب معظم جاہ بہادر

حضرت نیلوفر فرحت بیگم صاحبہ

ولیعہد بہادر، سپہ سالار افواج باقاعدہ سرکار عالی - سپہ سالاری کا جائزہ حاصل فرما رہے ہیں

ولیعہد بہادر شان کے ... فوج کے ساتھ تشریف لیجا رہے ہیں

اس گروپ میں امرا، حکام اور عہدہ داروں کے لڑکے لڑکیاں موجود ہیں

والا شان نواب معظم جاہ بہادر مجلس آرائش کی صدارت کے حصول اعزاز کے بعد ارکان مجلس و خصوصی عہدہ داروں کے ساتھ

ایوانات شاہی

ہل فورٹ کا ایک رخ

ہل فورٹ کا دوسرا رخ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حیدرآباد دکن کا بیدار مغز شاہنشاہ

جہاں آفرین تا جہاں آفرید + چنیں شہریارے نہ آمد پدید

یوں تو دنیا بڑے بڑے الوالعزم بادشاہوں اور زبردست شاہنشاہوں اور سلطنتوں کے وجود کیلئے شہرت تامہ رکھتی ہے۔ چنانچہ شاہانِ الوالعزم و فرمانروایان باہمت و حوصلہ نے اپنی حکمرانی کے حدود کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہونچا یا۔ اور تاریخ میں ابدالآباد شہرت دوام چھوڑ گئے۔ جہاں یہ سب کچھ ہے وہاں اس سے بھی کسی طرح انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سرزمین ہند میں دکن بھی دورِ اسلامی کی ایک سلف السنہ نامور یادگار ہے جو قابل فخر شہریاروں کا گہوارہ رہا اور ہے۔ دکن کی تاریخ سے دنیا کی مخلوق یوں تو واقف ہے۔ اور یہاں کے شاہانِ آصفیہ سے بخوبی آشنا۔ مگر دنیا کے شش جہت میں آج سرزمین دکن کو جو اوج و عروج نصیب ہے اور دنیا کے ہر ایک فرد کی زبان پر نام جاری و ساری ہے۔ فی زمانہ دکن کا یہ طرۂ امتیاز محض اعلیحضرت نواب سر میر عثمان علیخان بہادر تاجدار دکن کے قدوم میمنت لزوم کی برکت اور نقش و فادر خشاں دور حکمرانی کے کامیاب نتائج ہیں۔

ہندوستان کی اسلامی تاریخیں بھری پڑی ہیں کہ سلطنتیں بڑھیں اور مٹ گئیں۔ شاہنشاہیاں بام عروج تک پہونچیں اور فنا ہوگئیں۔ مگر اون کے مستقل دیرپا اثرات و روایات کی اگر کوئی اس وقت یادگار ہے تو وہ سرزمین دکن اور نظام حیدرآباد ہے۔ اور اب زمانہ کا ہر فرد بشر ان دو ناموں سے اچھی طرح واقف و آشنا ہے۔ جس ہستی نے دکن کو دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کے بالمقابل کھڑا کیا۔ اور دنیا کے نہ ماننے والوں کو قائل اور دنیا سے روشناس کرایا۔ وہ اعلیحضرت آصفجاہ سابع ہی کی ذات فیض درجت ہے۔
دور عثمانی کی محیرالعقول ترقیاں اور دکن کا غیر معمولی ارتقاء و عروج اور ملک کے چپہ چپہ کے نقوش بیدار مغز شہنشاہ کی مدحت کے گیت گارہے ہیں۔ اور اپنی ساکت زبان حال سے عثمانی شان و عظمت کے نواسنج ہوکر عوام سے دکن کی سطوت و برتری کا لوہا منوا رہے ہیں۔ دنیا کا کونسا ایسا گوشہ ہے جہاں گمنام دکن بشہرہ آفاق نہ ہوگیا ہو۔ مدبران رہے ہیں۔ دنیا پہچان رہی ہے۔ اور ہر نوع کاروبار میں حیدرآباد کی ترقی نمایاں نظر آرہی ہے۔ یہ تمام فوق الفطرت محض کس کی بدولت اہلِ دکن کو نصیب ہیں۔ جس کے ہم عاشق و شیدا ہیں۔ جان نثار و مرید ہیں۔ اور جس کے ایک اشارہ پر جان فدا کرنا اپنا مقصد زیست سمجھتے ہیں۔ آج اسی ظل سبحانی کے ۲۵ سالہ مسعود دور حکومت کا جشن سیمیں منانے ہیں۔ جوش عقیدت سے زمزمہ ریز ہیں۔ فقط

مرتبہ محمد فاضل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عہد عثمانی کا خصوصی زرنگار کارنامۂ برار

خطاب یافتگی ہزہائینس اور پرنس آف برار و ولیعہد دولت آصفیہ

چومحلہ مبارک میں خریطہ دربار — جمعہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ کو پونے تین بجے چومحلہ مبارک میں خریطہ دربار منعقد ہوا۔ جس میں والاشان ولیعہد بہادر کو ملک معظم کے عطا کردہ خطاب "ہز ہائی نس اور پرنس آف برار" کا اعلان کیا گیا۔ اور برار کا معاہدہ (جو جریدہ میں شائع ہو چکا ہے) پڑھا گیا۔

دربار کے انتظامات صبح سے کئے جا رہے تھے۔ دو بجے سے قبل گارڈ آف آنر اور فوجی دستوں کی ایستادگی شروع ہوئی اور دو بجے سے اعلیٰ عہدہ دار جمع ہونا شروع ہوئے۔

سواری شاہانہ — ۲ بجکر ۳۵ کو سواری شاہانہ رونق افروز ہوئی۔ پونے تین بجے تک والاشان ولیعہد بہادر و والاشان نواب معظم جاہ بہادر، دلہن شہزادیاں، نواب بسالت جاہ بہادر تشریف فرما ہو چکے اس کے بعد آنریبل رزیڈنٹ مسٹر ڈی، جی، میکنزی اپنے اسٹاف کے ساتھ خریطہ لیکر تشریف لائے۔ گارڈ آف آنر نے سلامی دی۔ نواب مہدی یار جنگ بہادر نواب حامد یار جنگ بہادر، نواب ناصر نواز الدولہ بہادر وغیرہ نے خیر مقدم کیا۔

خریطہ کی خواندگی — تین بجے آنریبل رزیڈنٹ بہادر نے بارگاہ خسروی میں خریطہ پیش کیا جس کو نواب مہدی یار جنگ بہادر نے پڑھا ۳ بجکر ۲۰ کو خریطہ کی خواندگی ختم ہوئی۔ اور شرکاء دربار کو عطر اور پان پیش کئے گئے رزیڈنٹ بہادر کی واپسی کے بعد سواری شاہانہ اور شہزادگان والاشان کی مراجعت عمل میں آئی۔ رزیڈنسی کے اسٹاف اور یوروپین فوجی عہدہ داروں کے علاوہ تمام عمائدین و امراء اور عہدہ داران خصوصی شریک دربار تھے۔

ہز ہائی نس پرنس آف برار — سررشتہ معلومات عامہ کا ایک "پریس نوٹ" مورخہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ حسب ذیل ہے۔ "ہز اکسلنسی وائسرائے بہادر و گورنر جنرل آف انڈیا نے ملک معظم کی طرف سے ایک جانب اور حضرت اقدس و اعلیٰ نے دوسری جانب ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو معاہدہ برار پر دستخط ثبت فرمائے ہیں۔ اور جریدہ غیر معمولی جس میں حضرت اقدس و اعلیٰ کا فرمان مبارک نیز معاہدہ و ہز اکسلنسی وائسرائے بہادر و گورنر جنرل آف انڈیا کے متعلقہ مکتوب کا متن درج ہے۔ آج پبلک کی اطلاع کے لئے شائع کر دیا گیا ہے۔

آج چومحلہ مبارک میں ایک خریطہ دربار تین بجے منعقد ہوا۔ اس موقع پر معاہدہ و متعلقہ مکتوب نیز اس امر کا اعلان کیا گیا کہ ملک معظم نے بندگان عالی کے برار پر اقتدار اعلیٰ کا مزید اعتراف فرماتے ہوئے اعلیٰحضرت اقدس و اعلیٰ کے موروثی لقب شاہی میں حیدرآباد کے ساتھ برار کو بھی شریک فرمایا ہے اور بندگان عالی کے

ولی عہد اور ہند گاندانی کے جانشینوں کے ولی عہد کو ہز ہائی نس
دی پرنس آف برار" کا خطاب عطا فرمایا ہے"

جریدۂ غیر معمولی

جلد (٦٨) حیدرآباد دکن ۱۹ دی ۱۳۴۶ف م ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ یوم جمعہ نمبر (۱)

بحکم عالیجناب مہاراجہ بہادر سر کشن پرشاد یمین السلطنت بالقابہم پیشکار و صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی
اعلیحضرت مظفر الملک والممالک فتح جنگ آصف جاہ سابع کے آستان شرف ورود لایا ہوا فرمان نصرت نشان مورخہ ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ اطلاع عام کے لئے شائع کرنے کی عزت حاصل کی جاتی ہے فقط
حیدر نواز جنگ ۔ صدر المہام متعلقہ امور دستوری ۔

فرمان مبارک

میں نے اپنے فرمان مورخہ ۱۲ شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ میں لارڈ ولنگڈن کی حیدرآباد سے روانگی سے قبل ان انتظامات کے متعلق اپنا اطمینان ظاہر کیا تھا جو سرکار عظمت مدار کے ساتھ گفت و شنید کے نتیجہ کے طور پر ہندوستان میں نئے دستور قائم ہونے پر میرے ملک برار کے آئندہ نظم و نسق کی نسبت عمل میں آئیں گے ۔ اوسی فرمان میں میں نے یہ لکھا تھا کہ میری رعایا کو ان تدابیر کے تفصیلی اعلان کا سخت انتظار رہے گا ۔ جن کی رو سے میرے ملک برار کا نظم و نسق ملک معظم کے اس ملک کے ساتھ جو بنام ممالک متوسط موسوم ہے بشکل ایک صوبہ واحد کے ہوگا ۔ جس کا نام "ممالک متوسط و برار" رہے گا اور برار پر میری سلطنت عملاً اس طرح محیط ہوگی کہ اوس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے گی ۔ نیز یہ بھی ظاہر کیا تھا کہ برٹش گورنمنٹ اور میری گورنمنٹ دونوں کی امید ہے کہ ہندوستان کا دستوری نشو و نما بزودی حکمۂ اعلان مذکور کی اجازت دے گا ۔ تاکہ ابواب طے شدہ سے مجھے جو اطمینان حاصل ہوا اوس میں میری رعایا بھی شریک ہو سکے ۔ چونکہ گفت و شنید اب بحمد اللہ کامیابی کے ساتھ اختتام کو پہنچ چکی ہے ۔ اور میں نے بتاریخ ۲ شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء تہ نامہ برار پر جو ملک معظم کے ساتھ ہے دستخط بھی ثبت کر دئے ہیں ۔ اس لئے بفضلہ تعالیٰ اب وقت آگیا ہے جبکہ تہ نامہ کی دفعہ ۶ اور نیز منسلکہ مکتوب جو منجانب ملک معظم بدستخط ہز اکسلنسی وائسرائے بہادر میرے نام وصول ہوا ہے عوام کی اطلاع کی غرض سے شائع کر دئے جائیں موجودہ تہ نامہ اور اس کے منسلکہ مکتوب کے ذریعہ یہ قدیم تصفیہ طلب مسائل جس طرح طے پائے ہیں یا نیز معاہدہ ۱۹۰۲ء کی تنسیخ سے مجھے کمال اطمینان ہوا ہے ۔ اور مجھے امید ہے کہ اس یادگار موقع پر میری عزیز رعایائے حیدرآباد و برار میرے اطمینان و مسرت میں شریک ہوگی ۔
میرا یہ فرمان مع منسلکات جریدۂ غیر معمولی کے ذریعہ بغرض اطلاع عام شائع کیا جائے ۔

۲۷ شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ
ثبت دستخط مبارک

معاہدہ جو آج بتاریخ ۲۴ ماہ اکتوبر سنہ عیسوی انیس سو چھتیس ما بین ہز مجسٹی ملک معظم شہنشاہ کشور ہند
لفٹنٹ جنرل ہز اگزالٹڈ ہائینس آصف جاہ مظفر الملک والممالک نظام الملک نظام الدولہ
نواب سر عثمان علی خاں بہادر فتح جنگ یار وفادار سلطنت برطانیہ جی ۔ سی ۔ ایس
آئی ۔ جی ۔ بی ۔ ای نظام حیدرآباد دکن تکمیل پایا ۔

اور ہرگاہ اون ممالک محروسہ میں جو ہز اگزالٹیڈ ہائینس نظام
حیدرآباد کے اقتدار اعلیٰ کے تحت ہیں ۔ چند علاقہ جات موسوم بنام برار شامل ہیں۔
اور ہرگاہ بذریعہ معاہدہ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۲ء یہ قرار پایا تھا کہ ہز اگزالٹیڈ ہائینس
کے علاقہ جات موسوم بنام برار میں، جن پر ہز اگزالٹیڈ ہائینس کے اقتدار اعلیٰ کے متعلق اوس
معاہدہ میں مکرر اقرار کیا گیا تھا، سرکار عظمت مدار جس طریق سے مناسب تصور کرے انتظام نظم و نسق عمل میں لائے گی ۔

اور ہرگاہ ایک ایسے وفاق ہند کے قیام سے متعلق تجاویز پر جو مشتمل ہو اون ریاستہائے ہند پر جو وفاق مذکور میں شرکت پر رضامند ہوں اور ان صوبہ جات برطانوی ہند پر جو بطور صوبجات خودمختار قائم ہیں نمایندگان حکومت ہز مجسٹی و پارلیمنٹ سلطنت متحدہ و برطانوی ہند و والیان ریاست ہائے ہند میں مباحث ہو چکے ہیں ۔

اور ہرگاہ وفاق ہند کے لئے پارلیمنٹ نے ایک دستور منظور کیا ہے اور وہ قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء میں مدون کیا جا چکا ہے لیکن اوس میں اس امر کا انتظام کیا گیا ہے کہ قانون مذکور کے مختلف حصے مختلف تواریخ سے نافذ کئے جا سکیں گے ۔

اور ہرگاہ قانون مذکور کے کسی حکم کا ہز اگزالٹیڈ ہائینس کے کسی علاقہ پر اون کی رضامندی و اتفاق کے بغیر اطلاق نہ ہوگا ۔

اور ہرگاہ قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء میں اس امر کا انتظام کیا گیا ہے کہ ما بین ہز مجسٹی و ہز اگزالٹیڈ ہائینس ایک معاہدہ بدیں غرض طے پانے کی صورت میں صوبہ جات متوسط او برار کا نظم و نسق جبتک کہ ایسا معاہدہ نافذ العمل رہے تحت قانون مذکور بطور ایک گورنر کے صوبہ کے مشترکہ طور پر عمل میں آئے گا ۔

اور ہرگاہ ہز اگزالٹیڈ ہائینس اس امر کے خواہشمند ہیں کہ اون کے علاقہ جات موسوم بنام برار کا نظم و نسق بمعیت اون علاقہ جات ہز مجسٹی موسوم بہ صوبہ جات متوسط کے حسب احکام قانون مذکور عمل میں آئے اور وہ بمعیت علاقہ جات مذکور اوس وفاق کی جو تحت قانون مذکور قائم ہونے والا ہے ایک وحدت قرار دیجائے اور بدیں غرض یہ قرین مصلحت سمجھا گیا ہے ۔ کہ بعوض معاہدہ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۲ء ایک نئے معاہدہ کی تکمیل ہو" لہذا اب اس تحریر کے ذریعہ سے حسب ذیل قرار داد کی جاتی ہے ۔

فقرۂ اول | ہز مجسٹی برار پر ہز اگزالٹیڈ ہائینس کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم اور اوس کا مکرر اقرار فرماتے ہیں ۔

فقرۂ دوم | ہز اگزالٹیڈ ہائینس اپنی اور اپنے ورثاء اور جانشینوں کی جانب سے بذریعہ ہذا اس امر کا اظہار فرماتے ہیں کہ بمتابعت و مطابقت شرائط مندرجہ معاہدہ ہذا وہ اپنے اون علاقہ جات کے متعلق جو بنام برار موسوم اور آئندہ تحریر ہذا میں اوسی نام سے مذکور ہیں وفاق ہند میں جو تحت قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء تجویز کیا گیا ہے شرکت پر رضامند ہیں اور ہز مجسٹی بذریعہ ہذا اوس رضامندی کی نسبت اپنی قبولیت کا اظہار فرماتے ہیں ۔

فقرۂ سوم | ہز اگزالٹیڈ ہائینس اپنی اور اپنے ورثاء اور جانشینوں کی جانب سے بذریعہ ہذا قانون مذکور کے اون احکام کے متعلق جن کا برار پر اطلاق ہو اس غرض سے اظہار قبولیت فرماتے ہیں کہ بمتابعت و مطابقت شرائط معاہدہ ہذا اور باوجود اس کے کہ
برار پر ہز اگزالٹیڈ ہائینس کا اقتدار اعلیٰ برقرار رہیگا اور ہز مجسٹی کے وہ علاقہ جات جو صوبہ جات متوسط کے نام سے
موسوم ہیں دونوں کا نظم و نسق اس طرح عمل میں آئے کہ گویا وہ ایک ہی صوبہ ہیں جو بنام صوبہ جات
متوسط و برار موسوم ہوگا اور ہز مجسٹی اور جملہ وفاقی مرکزی و صوبجاتی ادارہ ہائے حکومت
صوبہ جات متوسط و برار کی نسبت وہ تمام اختیارات و فرائض انجام دیں جن کے

وہ قانون مذکور کی رو سے یا اوس کے تحت حاصل ہیں ۔

فقرۂ چہارم | صوبہ جات متوسط و برار کے گورنر کا تقرر بجانب ہز مجسٹی بعد مشورۂ ہز اگزالٹڈ ہائینس عمل میں آئیگا ۔ اور گورنر جو اختیارات و فرائض تحت قانون مذکور بجانب یا بہ نیابت ہز مجسٹی انجام دے سکیں گے وہ برار کی حد تک ہز اگزالٹڈ ہائینس کے اس معاہدہ کو منظور فرمانے کی بناء پر انجام دئیے جائیں گے ۔

فقرۂ پنجم | برار میں جب کبھی اور جہاں کہیں گورنر صوبہ جات متوسط و برار کے احکام کی بناء پر برطانوی پرچم بلند کیا جائیگا تو اوس کے پہلو بہ پہلو ہز اگزالٹڈ ہائینس کا پرچم بھی بلند کیا جائیگا ۔

فقرۂ ششم | ہز اگزالٹڈ ہائینس کا یہ حق بذریعۂ ہذا تسلیم کیا جاتا ہے کہ حیدرآباد کے اعزازی خطابات باشندگان برار کو عطا فرمائیں بشرطیکہ ہز مجسٹی کے اوس قائم مقام کا اتفاق قبل از قبل حاصل کیا جائے جو ریاستہائے ہند سے تاج برطانیہ کے تعلقات کے ضمن میں تاج کے اختیارات و فرائض انجام دینے کا مجاز ہو ۔

فقرۂ ہفتم | ہز اگزالٹڈ ہائینس کے اس حق کو ہز مجسٹی تسلیم فرماتے ہیں کہ وہ برار میں دربار منعقد فرمائیں بشرطیکہ ہر مرتبہ ہز مجسٹی کے قائم مقام مذکور کا اتفاق حاصل کیا جائے ۔

فقرۂ ہشتم | ہز اگزالٹڈ ہائینس کو اختیار ہوگا کہ ہز مجسٹی کے قائم مقام مذکور کے اتفاق سے گورنر صوبہ جات متوسط و برار کو موزوں تقاریب میں شرکت کیلئے حیدرآباد آنے کی دعوت دیں ۔

فقرۂ نہم | برار کی کسی مسجد میں ہز اگزالٹڈ ہائینس کے نام سے خطبہ پڑھے جانے پر ہز مجسٹی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا ۔

فقرۂ دہم | باوجود اختتام معاہدہ مذکورہ مورخہ ۵ نومبر سنہ ۱۹۰۲ء ہز مجسٹی سالانہ رقم پچیس لاکھ روپیہ جو برار کی بابتہ اس وقت تک ادا ہوتی رہی ہے ہز اگزالٹڈ ہائینس کو ادا فرماتے رہیں گے ۔

فقرۂ یازدہم | ہز اگزالٹڈ ہائینس کو یہ حق ہوگا کہ صوبہ جات متوسط و برار کے مستقر حکومت میں اپنا ایک ایجنٹ بدیں اغراض قائم رکھیں کہ وہ کسی ایسے معاملہ سے متعلق اپنی حکومت کے خیالات کی نمائندگی کرے جو صوبہ جات متوسط و برار اور حیدرآباد دونوں کے مشترکہ اغراض پر مشتمل ہو یا جو حیدرآباد کے اغراض پر بلا واسطہ موثر ہو ۔ لیکن بجز صورت معرضہ بالا ایجنٹ مذکور کو صوبہ جات متوسط و برار کے کسی داخلی معاملہ سے کوئی سروکار نہ ہوگا ۔

فقرۂ دوازدہم | گورنر صوبہ جات متوسط و برار نظم و نسق برار میں اپنی اوس خاص ذمہ داری کو ادا کرتے ہوے جو کسی ریاست ہند کے حقوق کی حفاظت سے متعلق ہو ریاست حیدرآباد کے تجارتی و معاشی اغراض کا لحاظ واجب رکھیں گے ۔

فقرۂ سیزدہم | گورنر جنرل کو لازم ہوگا کہ مجلس وضع قوانین صوبہ جات متوسط و برار کے کسی ایسے مسودہ قانون کی نسبت جس کا اطلاق برار پر ہوتا ہو اور جو اون کے غور کے لئے مختص کیا گیا ہو ہز مجسٹی کے نام سے اپنی منظوری کا اعلان کرتے وقت اس امر کی صراحت کریں کہ جہاں تک اوس کا اطلاق برار پر ہوگا مسودہ قانون کو جو منظور کیا گیا وہ ہز اگزالٹڈ ہائینس کے اس معاہدہ کو منظور فرمانے کی بناء پر ہے ۔

فقرۂ چہاردہم | اگر گورنر صوبہ جات برار کو لازم ہوگا کہ مجلس وضع قوانین صوبہ جات متوسط و برار کے کسی ایسے مسودہ قانون کی نسبت جسکا اطلاق برار پر ہز مجسٹی

کے نام سے اپنی منظوری کا اعلان کرتے ہوئے یا اس قسم کے کسی ایسے
مسودہ قانون کی نسبت جو ہز مجسٹی کے اظہار پسندیدگی کیلئے محفوظ کیا گیا ہو
ہز مجسٹی کی منظوری کا اظہار کرتے ہوئے اس امر کی صراحت کریں کہ جہاں تک
اوس کا اطلاق برار پر ہو گا مسودہ قانون کو جو منظور کیا گیا وہ ہز اگزالٹیڈ ہائینس کے اس
معاہدہ کو منظور فرمانے کی بناد پر ہے۔

فقرہ پانزدہم | معاہدہ ہذا میں کوئی امر کسی طرح اون فوجی کفالتوں پر موثر نہیں ہے اور نہ اون میں تخفیف کرتا ہے جن سے
ہز اگزالٹیڈ ہائینس کسی موجودہ عہد نامہ یا معاہدہ کے تحت مستفید ہو رہے ہیں اور معاہدہ ہذا میں کسی امر کی ایسی
تعبیر نہ کی جائے گی جس سے قومی جمعیت موسوم بنام حیدرآباد کنٹینجنٹ کو یا اوس کے جدید قائم مقام جمعیت کو برقرار رکھنے کیلئے ہز اگزالٹیڈ ہائینس
پر آیندہ کوئی ایسی ذمہ داری جو تاریخ معاہدہ ہذا موجود نہ ہو عاید کیجائے۔

فقرہ شانزدہم | مجالس وضع قوانین صوبجات متوسط و برار کے انتخابات کے متعلق اور بعد قیام وفاق انتخاب کونسل اسٹیٹ کے
متعلق احکام مندرجۂ ذیل کے بموجب عمل ہوگا۔

(الف) جس حد تک کہ رائے دہندوں کی قابلیت کسی امتحان کی کامیابی پر منحصر ہو حیدرآباد کے کسی مساوی درجہ کے
امتحان کی کامیابی کا برار کے حلقہ ہائے انتخاب کی نسبت وہی اثر ہوگا جو کسی ایسے امتحان کی کامیابی کا ہو کہ جو عموماً صوبجات
متوسط و برار میں فی الوقت رائے دہندوں کو رائے دہی کے قابل بناتی ہو۔

(ب) جس حد تک رائے دہندہ کی قابلیت کسی فوج باقاعدہ یا کسی جمعیت پولیس میں اوس کی یا کسی اور شخص کی شرکت پر
منحصر ہو ہز اگزالٹیڈ ہائینس کے افواج باقاعدہ کی اور جمعیت پولیس ریاست حیدرآباد کی رکنیت برار کے حلقہ ہائے انتخاب کی نسبت ایسی ہی تصور
کیجائے گی جیسی کہ علی الترتیب ہز مجسٹی کے افواج باقاعدہ کی اور کسی جمعیت پولیس برطانوی ہند کی رکنیت تصور کی جاتی ہو۔

فقرہ ہفدہم | قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء کے حوالہ جات مندرجہ معاہدہ ہذا کی یہ تعبیر کیجائے گی کہ اون حوالہ جات کا اطلاق قانون مذکور پر
بشمول ایسی جملہ ترمیمات کے ہوگا جو ابعد کے کسی قانون کی روسے یا اوس کے تحت ہوئی ہوں لیکن اگر کوئی ایسی ترمیم عمل میں آئے جو اس معاہدہ کی کسی
شرط کے متناقض ہو یا جس سے قانون مذکور کے کسی حکم مصرحہ ضمیمہ معاہدہ ہذا کی ترمیم ہوتی ہو اور یہ ترمیم ایسی نہ ہو جس کا برار پر اطلاق
ہونا ہز اگزالٹیڈ ہائینس نے منظور فرمایا ہو یا جس کا اطلاق صرف علاقہ جات ماسوائے برار پر ہوتا ہو تو ہز اگزالٹیڈ ہائینس کو اختیار ہوگا
کہ تاریخ ترمیم مذکور سے چھ ماہ کے اندر کسی وقت اس بارہ میں اطلاع دیکر معاہدہ ہذا کو ختم فرما دیں۔

فقرہ ہیجدہم | معاہدہ ہذا بعوض معاہدہ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۲ء نافذ العمل ہوگا اور اوس میں بجز رضامندی فریقین کوئی تغیر یا ترمیم
نہ ہوسکے گی اور بشمول شرائط مندرجہ آخر فقرہ ماسبق کسی ایک فریق کی جانب سے اوس وقت تک ختم نہ کیا جاسکے گا
جب تک کہ اوس کے محفوظ حقوق فریق ثانی کو پابندی کے ساتھ ملحوظ نہیں اور وہ اوس تاریخ سے نافذ ہو گا جو حصہ سوم قانون حکومت
ہند نافذہ ۱۹۳۵ء کے نفاذ کے لئے مقرر کی گئی ہے لیکن اس کے باوجود تاریخ مذکور کے قبل قانون مذکور کو صوبجات
متوسط و برار میں نافذ کرنے کی غرض سے برار میں ایسے تدابیر اختیار کئے جاسکیں گے جن کا
قانون مذکور کی روسے یا اوس کے تحت کسی آرڈر کا انگلو کونسل کی رو سے اختیار دیا جائے۔

فقرہ نوزدہم | قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء کی دفعہ (۶) کے

احکام کا معاہدہ ہذا پر اطلاق نہ ہوگا اور نہ وفاقی عدالت کا اختیار
سماعت کسی ایسی نزاع پر حاوی ہوگا جو اوس کے تحت پیدا ہو۔

فقرہ بستم | معاہدہ ہذا کا کوئی امر ہز اگزالٹیڈ ہائنس کے اون حقوق پر جو
اون کے عہد نامہ جات ماقبل کی بنا پر ان سے متعلق ہوں موثر نہ ہوگا اور بذریعہ ہذا

اس امر کا اظہار کیا جاتا ہے کہ قانون حکومت ہند نافذ شدہ ۱۹۳۵ء کے حصہ دوم کے احکام کی رو سے جس وقت ہند کی
تجویز ہوئی ہے اوس میں شرکت کے متعلق خواہ ہز اگزالٹیڈ ہائنس دستاویز کی تکمیل فرمائیں یا نہ فرمائیں اور خواہ ہز میجسٹی ایسی دستاویز
قبول فرمائیں یا نہ فرمائیں بہر حال اقرار نامہ ہذا نافذ العمل رہے گا۔
بہ توثیق امور مصرحہ صدر معاہدہ ہذا پر ہز اکسلنسی دی موسٹ آنریبل دی مارکوئیس آف لنلتھگو پی۔ سی۔ کے۔ ٹی۔ جی۔ ایم۔ ایس
آئی۔ جی۔ ایم۔ آئی۔ ای۔ او۔ بی۔ ای۔ ڈی۔ ایل۔ ٹی۔ ڈی۔ ی۔ جو ہز میجسٹی کے وائسرائے اور گورنر جنرل کشور ہند ہیں منجانب ہز میجسٹی
اپنے دستخط ثبت فرمائے ہیں اور لفٹننٹ جنرل ہز اگزالٹیڈ ہائنس آصف جاہ مظفر الملک والممالک نظام الملک نظام الدولہ نواب سر
میر عثمان علی خاں بہادر فتح جنگ یار وفادار سلطنت برطانیہ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ بی۔ ای۔ نظام حیدر آباد (دکن) نے اپنے
دستخط ثبت فرمائے ہیں۔

ضمیمہ

(ضمیمہ ہذا میں جہاں صوبہ اور گورنر کا ذکر آئے اوس سے صوبہ جات متوسط و برار اور وہاں کا گورنر مراد ہے)
قانون کے حصہ اول کا اوس قدر جز و جو ہز میجسٹی سے اور گورنر جنرل سے اور ہز میجسٹی کے اوس قایم مقام سے متعلق ہو جو ریاستہائے
ہند سے تاج برطانیہ کے تعلقات کی ضمن میں تاج کے فرائض و اختیارات کے استعمال کرنے کا مجاز ہے۔
حصہ جات دوم و سوم کے حسب ذیل احکام۔
دفعہ (۷) ضمن (۱) و ضمن (۲) دفعہ (۹) ضمن (۳) دفعہ (۱۲) ضمن (۲) دفعہ (۱۴) ضمن (۱) دفعات (۳۲) (۴۳) (۴۴) (۴۹)
دفعہ (۵۰) ضمن (۳) دفعہ (۵۲) ضمن (۳) دفعات (۵۴) (۵۷) (۷۶) (۷۷) (۸۹) (۹۰)
(جو عام احکام امور ذیل کے متعلق ہیں یعنے صوبہ میں وفاق کے انتظامی اختیار کا استعمال کارروائی منجانب گورنر جنرل
یا گورنر بہ لحاظ ان کے صوابدید کے یا باستعمال اون کی انفرادی قوت فیصلہ کے وزیر ہند کا گورنر جنرل پر اور گورنر جنرل کا گورنر پر
اختیار نگرانی، آرڈیننسز جو گورنر جنرل یا گورنر اپنے صوابدید سے نافذ کرے اور گورنر جنرل و گورنر کے نافذ کردہ قوانین)
دفعہ (۱۱) ضمن (۱) جس حد تک کہ اوس میں یہ حکم ہے کہ گورنر جنرل مدافعت کے معاملات میں اپنے حسب صوابدید عمل کریں۔
دفعات (۱۲) و (۵۲) جس حد تک کہ اون کی رو سے دفعہ (۱۲) ضمن (۱) کے فقرات (اے) و (جی) کی متذکرہ خاص
ذمہ داریاں گورنر جنرل پر اور دفعہ (۵۲) ضمن (۱) کے فقرات (اے) (الف) اور (جی) کی متذکرہ خاص ذمہ داریاں
نیز وہ خاص ذمہ داری متعلقہ برار متذکرہ ضمن (۲) دفعہ مذکور جو گورنر پر عائد ہوتی ہے۔
دفعہ (۳۸) ضمن (۱) اور دفعہ (۸۴) ضمن (۱) کی متعلقہ شرط کا اوس قدر
حصہ جس میں گورنر جنرل یا گورنر کے لئے یہ حکم ہے کہ اپنے صوابدید کے لحاظ سے
امور ذیل کے متعلق قواعد جمع کرے۔

(الف) متذکرۂ بالا خاص ذمہ داریوں کی ادائی سے متعلق وفاقی یا صوبہ جاتی
مجلس وضع قوانین کے ضابطۂ کارروائی اور طریق کار کو منضبط کرنا ۔
(ب) اون امور پر جو ریاستہائے ہند سے یا کسی والئ ریاست یا ریاست کے
حکمراں خاندان کے کسی فرد کی ذاتی روش سے متعلق ہوں بحث کرنے یا سوالات پیش کرنے کی بابت
بحکومہ شرط مذکورہ ممانعت ۔

اور دفعہ (۳۸) کے مذکورہ ضمن (۱) کی شرط کا اوس قدر حصہ جس میں گورنر جنرل کیلئے یہ حکم ہے کہ اُن کے حسب صوابدید اس غرض سے
قواعد وضع کریں کہ مداخلت متعلق وفاقی مجلس وضع قوانین کے ضابطۂ کارروائی اور طریق کار کو منضبط کریں اور صوبہ کے معاملات سے متعلق
کسی کارروائی پر جو وہ اپنے حسب صوابدید عمل میں لائیں بحث کرنے یا سوالات پیش کرنے کی بابت بحکومہ شرط مذکور ممانعت کی جائے ۔

دفعہ (۴۸) ضمن (۲) اور دفعہ (۸۶) ضمن (۲) جن کے تحت گورنر جنرل یا گورنر مجاز ہیں کہ وفاقی یا صوبہ جاتی مجلس وضع قوانین میں ایسے
مباحث پر قیود عاید کریں جو دفعہ (۱۲) ضمن (۱) کے فقرہ (ا ے) اور دفعہ (۵۲) (۱) کے فقرہ (ا ے) کی متذکرہ خاص ذمہ داریوں کی
ادائی پر موثر ہوتے ہوں ۔ (دفعہ (۷۴) جو برار سے متعلق ہے)

دفعہ (۱۰۸) جس حد تک کہ اوس کی رو سے محکوم ہے کہ ایسے مسودات قوانین یا ترمیمات کی پیشی یا اون کے متعلق تحریک کیلئے اولاً
گورنر جنرل کی منظوری اون کے حسب صوابدید یا گورنر کی منظوری اون کے حسب صوابدید حاصل کی جائے جن سے گورنر جنرل یا گورنر کے قوانین یا
آرڈیننسز کی جو انہوں نے اپنے حسب صوابدید مشتہر کرائے ہوں تنسیخ یا ترمیم ہوتی ہو یا جو قوانین یا آرڈیننسز مذکورہ کے مخالف ہوں یا جو مداخلت
سے متعلق امور پر موثر ہوں ۔

دفعہ (۱۱۰) باستثناء اون صورتوں کے جن میں وہ ایسے قوانین کے وضع کرنے سے متعلق ہوتی ہوں ۔ جو لا آف برٹش نیشنلیٹی آرمی ایکٹ
ایر فورس ایکٹ، نیول ڈسپلین ایکٹ، لا آف پرائز آر پرائز کورٹس پر با مرافعات مرجوعہ پریوی کونسل با اجازت خاص پر موثر ہوں ۔
باب اول حصہ نہم جو وفاقی عدالت سے متعلق ہے باستثناء دفعہ (۲۰۶) باب مذکور ۔

دفعات (۲۴ و ۶۷) دفعہ (۲۲) ضمن (۴) دفعہ (۳۱۱) ضمن (۷) اور ضمیمہ چہارم جس حد تک کہ وہ اون حلفوں اور اقرارات صالح
سے متعلق ہیں جو ایسے اشخاص کو اٹھانے یا کرنے ہوں جو برطانوی رعایا نہ ہوں ۔ نقل دستخط اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں بہادر

میرے مواجہہ میں
نقل دستخط ڈی - جی میکنزی رزیڈنٹ متعینہ حیدرآباد ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء

نقل دستخط لنلتھگو

بخدمت

لفٹننٹ جنرل ہز اکزالٹیڈ ہائی نس آصفجاہ مظفرالملک والممالک نظام الملک نظام الدولہ نواب میر عثمان علیخاں بہادر فتح جنگ وفادار سلطنت برطانیہ جی - سی - ایس - آئی جی - بی - ای نظام حیدرآباد (دکن)

میرے معزز دوست ۔
ہز مجسٹی ملک معظم شہنشاہ کشور ہند کیجانب سے مجھے حکم ہوا ہے کہ دربارہ معاہدہ
جدید مورخہ ۲۴ ماہ اکتوبر ۱۹۳۶ء جو برار کے آئندہ نظم و نسق سے متعلق ہے میں یور اگزالٹیڈ
ہائی نس کو اس غرض سے مخاطب کروں کہ صورت حال واضح اور اس طرح

آئندہ غلط فہمی کا سدِ باب ہوجائے۔
ہز میجسٹی نہیں چاہتے کہ معاہدہ میں کوئی ایسی چیز درج فرمائیں جس سے
اس کے اختتام کے امکان غالب کا تصور پیدا ہوسکے یا بطور اس کے لازمی نتیجہ کے
ایسے تجاویز تحریک فرمائیں جو اس صورت میں برار کے بابت کے انتظام کے لئے ہوں۔ تاہم اس خوف سے
کہ شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے ہز میجسٹی اس امر کی صراحت کردینا مناسب خیال فرماتے ہیں کہ وہ اس معاہدہ میں اس شرط صحیح کو ضرور
شریک ہوتے ہیں کہ اگر آئندہ کسی امر کی وجہ سے معاہدہ کا بدقسمتی سے اختتام ہوجائے، تو ہز میجسٹی کو اختیار رہے گا کہ ایک نئے معاہدہ کی عدم تکمیل
کی صورت میں یا اس کی تکمیل یا نئے سکیم نظم و نسق برار کے لئے باوجود کسی امر کے جو کہ عہدنامجات بابتہ ۱۸۵۳ء و ۱۸۶۰ء میں اس کے برخلاف ہو
ایسے انتظامات جو وہ ضروری تصور فرمائیں قائم کریں اور وہاں بلا شرکت غیرے کامل اختیارات استعمال فرمائیں لیکن مجھے یہ واضح کردینے کا حکم
ہوا ہے کہ اس سے نہ تو یور اگزالٹیڈ ہائی نس کے برار پر اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کیا جانا، سالانہ رقم پچیس لاکھ روپیہ کی ادائی اور نہ کوئی فوجی کفالت
جس سے اس وقت یور اگزالٹیڈ ہائی نس تحت عہدنامجات موجودہ مستفید ہوتے ہیں کسی طرح متاثر ہوں گی۔ اور نہ ہز میجسٹی یور اگزالٹیڈ
ہائی نس کی رضامندی کے بغیر اپنے کو اس کا مجاز تصور فرمائیں گے کہ نظم و نسق برار کے لئے کوئی انتظامات کسی ایسی بنیاد پر قائم کریں جو اس بنیاد
سے اصولاً مختلف ہو جو اس وقت قائم ہے۔

یور اگزالٹیڈ ہائی نس کی جو اعلیٰ وقعت میرے نزدیک ہے اوس کا میں اظہار کرنا چاہتا ہوں اور یور اگزالٹیڈ ہائی نس کے مخلص
دوست کی حیثیت سے دستخط کرتا ہوں۔ لنلتھگو وائسرائے و گورنر جنرل ہند (نئی دہلی) مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۶ء

جریدہ غیر معمولی | جلد (۶۸) حیدرآباد دکن ۱۱ اردی بہشت ۱۳۴۶ف م ۲۹ شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ یوم یکشنبہ نمبر (۲)
بحکم عالیجناب مہاراجہ بہادر سرکشن پرشاد یمین السلطنہ بالقابہم پیشکار و صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی۔

ہز اکسلنسی وائسرائے بہادر و گورنر جنرل ہند نے اعلان شائع کیا ہے کہ ہز امپیریل مجسٹی ملک معظم شہنشاہ کشور ہند نے بکمال الطاف
و مراحم حکم صادر فرمایا ہے کہ باعتراف اس اقتدار اعلیٰ کے جو ہز اگزالٹیڈ ہائینس کو علاقہ برار پر حاصل ہے ہز اگزالٹیڈ ہائینس دی نظام آف حیدرآباد
اور ان کے جانشینوں کا خاندانی لقب شاہی آئندہ سے ہز اگزالٹیڈ ہائینس دی نظام آف حیدرآباد اینڈ برار ہوگا۔ منقط
حیدر نواز جنگ۔ صدر المہام متعلقہ امور دستوری

جریدہ غیر معمولی | جلد (۶۸) حیدرآباد دکن ۱۱ اردی بہشت ۱۳۴۶ف م ۲۹ شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ یوم یکشنبہ نمبر (۳)
بحکم عالیجناب مہاراجہ بہادر سرکشن پرشاد یمین السلطنہ بالقابہم پیشکار و صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی

ہز اکسلنسی وائسرائے بہادر و گورنر جنرل ہند نے اعلان شائع کیا ہے کہ ہز امپیریل مجسٹی ملک معظم شہنشاہ کشور ہند نے بکمال الطاف
و مراحم ہز اگزالٹیڈ ہائی نس دی نظام آف حیدرآباد اینڈ برار کے ولی عہد کو ہز ہائی نس دی پرنس آف برار کا لقب عطا فرمایا ہے جو ہز اگزالٹیڈ
ہائی نس کے جانشینوں کے ولیعہد کا بھی لقب ہوگا۔ حیدر نواز جنگ صدر المہام متعلقہ امور دستوری۔

جریدہ غیر معمولی جلد (۶۸) حیدرآباد دکن ۱۶ اردی بہشت ۱۳۴۶ف م ۵ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ یوم جمعہ نمبر (۴)
بحکم عالیجناب مہاراجہ بہادر سرکشن پرشاد یمین السلطنہ بالقابہم پیشکار و صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی
اعلیٰحضرت اقدس بندگانعالی مدظلہ العالی کے جشنِ سلور جوبلی کے بابرکت تقریب سلطانیہ کے موقعہ پر جناب شاہی سے ہز ہائینس
میجر جنرل والاشان پرنس اعظم جاہ بہادر ولیعہد حکومت حیدرآباد و برار اور

ہز ہائینس علیا شہزادی دُردانہ بیگم پرنسز دُرشہوار کے نئے اعزاز اور تعطیل
یادگار حصول برار کی نسبت عز ورود لایا ہوا ۔ عالی شان فرمان رفعت نشان
سرشدہ ۴ رمضان اطلاع عام کیلئے شائع کرنے عزت حاصل کی جاتی ہے ۔ سید محمد مہدی
معتمد صدر اعظم و باب حکومت

فرمان مُبارک

چونکہ میں نے برار کے جدید معاہدہ پر ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو دستخط کیا ہے ۔ لہٰذا اسال آیندہ سے بطور یادگار ہر سال عیسوی کی ۲۴ اکتوبر کو ممالک محروسہ سرکار عالی میں عام تعطیل قرار دیجائے ۔

دیگر چونکہ اس معاہدہ کی روسے ولیعہد حیدرآباد کو "ہز ہائینس دی پرنس آف برار" کا لقب برٹش گورنمنٹ سے ملا ہے لہٰذا اون کے نام کے ساتھ لقب بھی استعمال ہو اور اس کے علاوہ صاحبزادی دُردانہ بیگم صاحبہ پرنسز دُرشہوار کے نام کے ساتھ "ہز ہائینس دی پرنسز آف برار" بھی استعمال ہو ۔

پبلک کی اطلاع کی غرض سے یہ جریدہ غیر معمولی میں شائع کیا جائے ۔

۴ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ

اعلیٰحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہم العالی
نثر دستخط مبارک

نقل جریدۂ غیر معمُولی

جلد (۶۸) حیدرآباد دکن ۲۶ اسفندار ۱۳۴۶ ف م ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ یوم پنجشنبہ نمبر (۷)

بہ حکم عالیجناب مہاراجہ بہادر سرکشن پرشاد یمین السلطنۃ بالقابہم پیشکار و صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی

بہ تعمیل فرمان اعلیٰحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہم العالی مورخہ ۷ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۵۵ھ معاہدہ برار مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء اور اعلیٰحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہم العالی کے خاندانی لقب شاہی میں لفظ "برار" کے اضافہ اور حضرت ولی عہد بہادر کو عطائے لقب "ہز ہائینس پرنس آف برار" کے متعلق جو مراسلت اعلیٰحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہم العالی و سابق ملک معظم و ہز اکسلنسی وائسرائے و گورنر جنرل ہند کے مابین ہوئی اس کو مع ترجمہ پبلک کی اطلاع کے لئے شائع کرنے کی عزت حاصل کیجاتی ہے ۔ فقط حیدر نواز جنگ

صدر المہام متعلقہ امور دستوری

بخدمت لفٹننٹ جنرل ہز اگزالٹیڈ ہائینس آصفجاہ مظفر الملک و الممالک نظام الملک نظام الدولہ نواب میر عثمان علی خان بہادر فتح جنگ یار وفادار سلطنت برطانیہ جی سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ جی ۔ بی ۔ ای نظام حیدرآباد (دکن) میرے معزز و ذی قدر دوست ۔

ہز مجسٹی ملک معظم شہنشاہ کشور ہند کی جانب سے مجھے حکم ہوا ہے کہ در بارہ معاہدہ جدید مورخہ ۲۴ ماہ اکتوبر ۱۹۳۶ء جو برار کے آیندہ نظم و نسق سے متعلق ہے میں یور اگزالٹیڈ ہائینس کو اس غرض سے مخاطب کروں کہ صورت حال واضح اور اس طرح آیندہ غلط فہمی کا سد باب ہو جائے

ہز مجسٹی نہیں چاہتے کہ معاہدہ میں کوئی ایسی چیز درج فرمائیں جس سے

اوس کے اختتام کے امکان غالب کا تصور پیدا ہو سکے یا بطور اوس کے
لازمی نتیجہ کے ایسے تجاویز شریک فرمائیں جو اوس صورت میں برار کے مابعد کے
انتظام کیلئے ہوں تاہم اس غرض سے کہ شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے ہز مجسٹی اس
امر کی صراحت کردینا مناسب خیال فرماتے ہیں کہ وہ اس معاہدہ میں اس صاف و صحیح سمجھوتہ پر
شریک ہو رہے ہیں کہ اگر آئندہ کسی امر کی وجہ سے معاہدہ کا بدقسمتی سے اختتام ہو جائے تو ہز مجسٹی کو اختیار ہوگا کہ ایک نئے معاہدہ کی
عدم تکمیل کی صورت میں اس کی تکمیل پا لینے تک نظم و نسق برار کے لئے باوجود کسی امر کے جو عہدنامجات بابتہ ۱۸۵۳ء و ۱۸۶۰ء میں اوس کے برخلاف ہو ایسے انتظامات
جو وہ ضروری تصور فرمائیں قائم کریں اور وہاں بلا شرکت غیرے کامل اختیارات استعمال فرمائیں لیکن مجھے یہ واضح کردینے کا حکم ہوا ہے کہ اس
سے نہ تو یور اگزالٹڈ ہائینس کے برار پر اقتدار اعلیٰ کا تسلیم کیا جانا نہ سالانہ رقم پچیس لاکھ روپیہ کی ادائی اور نہ کوئی فوجی کفالتیں جن سے آپ اس وقت
یور اگزالٹڈ ہائینس تحت عہدنامجات موجودہ مستفید ہو رہے ہیں کسی طرح متاثر ہونگی اور نہ ہز مجسٹی یور اگزالٹڈ ہائینس کی رضامندی
کے بغیر اپنے کو اس کا مجاز تصور فرمائیں گے کہ نظم و نسق برار کے لئے کوئی انتظام کسی ایسی بنیاد پر قائم کریں جو اوس بنیاد سے اصولاً مختلف ہو
جو اس وقت قائم ہے۔

یور اگزالٹڈ ہائینس کی جو اعلیٰ وقعت میرے نزدیک ہے اوس کا میں اظہار کرنا چاہتا ہوں اور یور اگزالٹڈ ہائینس کے مخلص دوست کی
حیثیت سے دستخط کرتا ہوں۔ (دستخط) لنلتھگو

نئی دہلی مورخہ ۲۶ر اکٹوبر ۱۹۳۶ء   وائسرائے و گورنر جنرل ہند

یور اکسلنسی

میرے علاقہ برار کے بابتہ معاہدہ جدید آئندہ نظم و نسق کے متعلق یور اکسلنسی کے مکتوب مورخہ ۲۶ر اکٹوبر ۱۹۳۶ء کے وصول ہونے کا
میں شکریہ کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں۔

مجھے اس مرحمت آمیز لحاظ کا احساس ہے جس کی بناء پر ہز مجسٹی کنگ امپرر نے نہیں چاہا کہ معاہدہ میں کوئی ایسی چیز درج کی جائے جس سے
اُس کے اختتام کے امکان غالب کا تصور پیدا ہو سکے یا بطور اُس کے لازمی نتیجہ کے ایسے تجاویز شریک کئے جائیں جو اُس صورت میں میرے علاقہ برار
کے مابعد کے انتظام کے لئے ہوں میں بخوبی واقف ہوں کہ ہز مجسٹی اس معاہدہ میں اس صاف و صحیح سمجھوتہ پر شریک ہو رہے ہیں کہ اگر آئندہ کسی امر کی
وجہ سے معاہدہ کا بدقسمتی سے اختتام ہو جائے تو ہز مجسٹی کو اختیار ہوگا کہ ایک نئے معاہدہ کی عدم تکمیل کی صورت میں اس کے تکمیل پا لینے تک میرے
علاقہ برار کے نظم و نسق کے لئے باوجود کسی امر کے جو عہدنامجات بابتہ ۱۸۵۳ء و ۱۸۶۰ء میں اس کے برخلاف ہو ایسے انتظامات جو وہ ضروری تصور فرمائیں
قائم کریں اور وہاں بلا شرکت غیرے کامل اختیارات استعمال فرمائیں میں اس امر سے بھی واقف ہوں کہ اس سے نہ تو میرے علاقہ برار پر میرے
اقتدار اعلیٰ کا کماحقہ تسلیم کیا جانا سالانہ رقم پچیس لاکھ روپے کی ادائی اور نہ کوئی فوجی کفالتیں جن سے میں اس وقت تحت عہدنامجات موجودہ
مستفید ہو رہا ہوں کسی طرح متاثر ہونگی اور نہ ہز مجسٹی میری رضامندی کے بغیر اپنے کو اس کا مجاز تصور فرمائیں گے کہ میرے علاقہ برار
کے نظم و نسق کے لئے کوئی انتظام کسی ایسی بنیاد پر قائم کریں جو اس بنیاد سے اصولاً مختلف ہو جو
اِس وقت قائم ہے۔ میں ہوں یور اکسلنسی کا مخلص دوست

۲۴ر نومبر ۱۹۳۶ء   (دستخط) میر عثمان علی خاں

بحضور لفٹننٹ جنرل ہز اگزالٹیڈ ہائینس آصف جاہ مظفر الملک والممالک
نظام الملک نظام الدولہ نواب سر میر عثمان علی خان بہادر فتح جنگ یار وفادار
سلطنت برطانیہ جی سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ جی ۔ بی ۔ ای نظام آف حیدرآباد اینڈ برار ۔
میرے معزز و ذی قدر دوست ۔

میں بڑی مسرت کیساتھ یور اگزالٹیڈ ہائینس کی خدمت میں یور اگزالٹیڈ ہائینس کا مراسلہ ہز امپیریل مجسٹی ملک معظم و شہنشاہ کشور ہند کا ملفوفہ خط ارسال کرتا ہوں جس میں ہز امپیریل مجسٹی نے نہایت درجہ اطمینان اوس معاہدہ کی نسبت ظاہر فرمایا ہے جسکی روسے علاقہ برار کا نظم و نسق باوجود اس کے علاقہ مذکور یور اگزالٹیڈ ہائینس کے اقتدار اعلیٰ ہی کے تحت رہے گا جس کی توثیق معاہدہ مذکور سے ہوئی ہے اوس طریقہ کے بموجب جو قانون حکومت ہند بابتہ ۱۹۳۵ء میں تجویز کیا گیا ہے ممالک متوسط کے ساتھ جاری رہے گا ۔ ہز امپیریل مجسٹی نے اس موقع سے استفادہ کرکے علاقہ برار پر یور اگزالٹیڈ ہائینس کے اقتدار اعلیٰ کا مزید اعتراف اس طرح فرمایا ہے کہ یور اگزالٹیڈ ہائینس کے خاندانی لقب شاہی میں حیدرآباد کے ساتھ برار کو شامل اور یور اگزالٹیڈ ہائینس کے ولیعہد کو ہز ہائینس دی پرنس آف برار کا لقب عطا فرمایا جو یور اگزالٹیڈ ہائینس کے جانشینوں کے ولیعہد کا بھی لقب ہوگا ۔

ہز امپیریل مجسٹی کا مکتوب اوس دوستی کی ایک نمایاں علامت ہے جو سلطنت برطانیہ اور یور اگزالٹیڈ ہائینس کے نامی گرامی خانوادہ کے مابین اس قدر عرصہ سے قائم ہے اور میں یور اگزالٹیڈ ہائینس کی خدمت میں نہایت گرمجوشی کے ساتھ ہز امپیریل مجسٹی کے اس نشان الطاف کی تہنیت پیش کرتا ہوں ۔

یور اگزالٹیڈ ہائینس کی بلحاظ یار وفادار سلطنت برطانیہ جو اعلیٰ وقعت میرے نزدیک ہے اوس کا میں اظہار کرنا چاہتا ہوں اور یور اگزالٹیڈ ہائینس کے مخلص دوست کی حیثیت سے دستخط کرتا ہوں ۔ (ترجمہ دستخط) لنلتھگو

نئی دہلی ۔ ۷ ؍ نومبر ۱۹۳۶ء
والسرائے و گورنر جنرل ہند

بحضور ۔ لفٹننٹ جنرل ہز اگزالٹیڈ ہائینس آصفجاہ مظفر الملک والممالک نظام الملک نظام الدولہ نواب سر میر عثمان علی خان بہادر فتح جنگ یار وفادار سلطنت برطانیہ جی سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ جی ۔ بی ۔ ای ۔ نظام آف حیدرآباد اینڈ برار ۔

یور اگزالٹیڈ ہائینس

مجھے یہ معلوم کرکے نہایت درجہ اطمینان ہوا ہے کہ ہز اکسلنسی دی والسرائے اینڈ گورنر جنرل نے میری جانب سے اور خود یور اگزالٹیڈ ہائینس نے اوس معاہدہ پر دستخط ثبت کردیئے ہیں جس کی رو سے علاقہ برار کا نظم و نسق باوجود اس کے کہ علاقہ مذکور یور اگزالٹیڈ ہائینس کے اقتدار اعلیٰ ہی کے تحت رہے گا جس کی توثیق معاہدہ مذکور سے ہوئی ہے اوس طریقہ کے بموجب جو قانون حکومت ہند بابتہ ۱۹۳۵ء میں تجویز کیا گیا ہے ۔ ممالک متوسط کے ساتھ جاری رہے گا ۔

مجھے خوشی ہوئی کہ میں اس موقع سے استفادہ کرکے علاقہ برار پر یور اگزالٹیڈ ہائینس کے اقتدار اعلیٰ کا مزید اعتراف اس طرح کروں کہ یور اگزالٹیڈ ہائینس کے خاندانی لقب شاہی میں حیدرآباد کے ساتھ برار کو شامل کیا جائے اور یور اگزالٹیڈ ہائینس کے ولیعہد کو ہز ہائینس پرنس آف برار کا لقب عطا کیا جائے جو یور اگزالٹیڈ ہائینس کے جانشینوں کے ولیعہد کا بھی لقب ہوگا ۔

میں امید کرتا ہوں کہ یور اگزالٹیڈ ہائینس مدت دراز تک صحت و اقبال سے لطف اندوز ہونگے
اور میں آپکے مخلص دوست اور شہنشاہ کی حیثیت سے دستخط کرتا ہوں ۔

۲۷ اکتوبر ۱۹۳۶ء (ترجمہ دستخط) ایڈورڈ ۔ آر ۔ آئی ۔

نواب بسالت جاہ بہادر

امرائے پائیگاہ

امیر کبیر عالیجناب نواب امانت جنگ معین الدولہ بہادر دام اقبالہ واجلالہ

امرا عظم حیدرآباد

امیر کبیر نواب میر یوسف علیخان بہادر سر سالار جنگ ثالث

1

2

3

خاندان سر سالار جنگ بہادر

وزرائے عہد حیدرآباد

نمبر شمار	اسمائے گرامی	تاریخ سرفرازی	تاریخ علیحدگی	تاریخ وفات
۱	راجہ رگھوناتھ داس بہادر	•	۱۰ محرم ۱۱۶۳ھ	۱۳ جمادی الثانی ۱۱۶۶ھ
۲	سید لشکر خان رکن الدولہ بہادر	۲۰ جمادی الثانی ۱۱۶۵ھ	۲۵ جمادی الثانی ۱۱۶۵ھ	۱۰ رجب ۱۱۶۹ھ
۳	سید شاہنواز خان صمصام جنگ صمصام الدولہ بہادر	۲ رجب ۱۱۶۷ھ	۷ ذی الحجہ ۱۱۷۰ھ	۳ رمضان ۱۱۷۱ھ
۴	نواب بسالت جنگ بہادر	۷ ذی الحجہ ۱۱۷۰ھ	ذیقعدہ ۱۱۷۱ھ	ذی الحجہ ۱۱۹۶ھ
۵	راجہ پرتاپ ونت بہادر	ذیقعدہ ۱۱۷۳ھ	۱۱۷۷ھ	آخر ذی الحجہ ۱۱۷۷ھ
۶	احتشام جنگ رکن الدولہ بہادر	۷ صفر ۱۱۷۷ھ	•	۲۶ صفر ۱۱۸۹ھ
۷	نواب ارسطو جاہ بہادر	یکم شوال ۱۱۹۵ھ	•	۲۴ محرم ۱۲۱۹ھ
۸	میر عالم سید ابوالقاسم بہادر	۴ ربیع الثانی ۱۲۱۹ھ	•	۲۱ شوال ۱۲۲۳ھ
۹	نواب میر سعادت علیخاں منیر جنگ شجاع الدولہ منیر الملک بہادر	۱۵ رجب ۱۲۲۴ھ	•	۷ شعبان ۱۲۴۸ھ
۱۰	راجہ چندو لعل بہادر	۷ شعبان ۱۲۴۸ھ	۱۱ شعبان ۱۲۵۹ھ	۸ ربیع الثانی ۱۲۶۱ھ
۱۱	نواب سراج الدولہ سراج الملک بہادر	۱۷ ذیقعدہ ۱۲۶۲ھ	۱۵ ذیقعدہ ۱۲۶۴ھ	۱۸ شعبان ۱۲۶۹ھ
۱۲	نواب امجد الملک بہادر	۱۱ ذی الحجہ ۱۲۶۴ھ	محرم ۱۲۶۵ھ	•
۱۳	نواب شمس الامراء محمد فخر الدین خاں بہادر	۴ ربیع الثانی ۱۲۶۵ھ	۱۰ رمضان ۱۲۶۷ھ	۱۹ شوال ۱۲۷۹ھ
۱۴	راجہ رام بخش بہادر	•	•	۳۰ جمادی الثانی ۱۲۸۵ھ
۱۵	نواب سراج الملک بہادر	۲۸ شوال ۱۲۶۷ھ	•	۱۸ شعبان ۱۲۶۹ھ
۱۶	نواب سالار جنگ اعظم شجاع الدولہ مختار الملک بہادر	۲۲ شعبان ۱۲۶۹ھ	•	۲۹ ربیع الاول ۱۳۰۰ھ
۱۷	مہاراجہ نریندر پرشاد بہادر	۳۰ ربیع الاول ۱۳۰۰ھ	ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ	۱۳ رمضان ۱۳۰[illegible]ھ
۱۸	نواب میر لائق علیخاں سالار جنگ بہادر ثانی عماد السلطنہ	۷ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ	۲۴ رجب ۱۳۰۴ھ	۶ ذیقعدہ ۱۳۰۶ھ
۱۹	نواب بشیر الدولہ عمدۃ الملک اعظم الامراء امیر کبیر آسمان جاہ بہادر	۱۰ ذیقعدہ ۱۳۰۴ھ	۶ جمادی الاول ۱۳۱۱ھ	۲۶ صفر ۱۳۱۶ھ
۲۰	نواب سر وقار الامراء بہادر	۶ جمادی الاول ۱۳۱۱ھ	۱۰ جمادی الاول ۱۳۱۹ھ	۲ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ
	عہد عثمانی کے وزراء			
۲۱	مہاراجہ سر کشن پرشاد یمین السلطنہ بہادر	۱۰ جمادی الاول ۱۳۱۹ھ	۲۵ رجب ۱۳۳۰ھ	•
۲۲	میر یوسف علیخاں نواب سالار جنگ بہادر ثالث	۲۵ رجب ۱۳۳۰ھ	۱۱ محرم ۱۳۳۳ھ	•
۲۳	زیر نگرانی اعلیحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی آصف جاہ سابع	۱۱ محرم ۱۳۳۳ھ	۲۷ صفر ۱۳۳۸ھ	•
	تنظیم جدید باب حکومت			
۲۴	سر سید علی امام نواب مؤتمن الملک بہادر صدر اعظم	۲۷ صفر ۱۳۳۸ھ	۱۲ محرم ۱۳۴۱ھ	۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ
۲۵	نواب فریدون الملک بہادر صدر اعظم	۱۲ محرم ۱۳۴۱ھ	۲۵ شعبان ۱۳۴۲ھ	۱۳ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ
۲۶	نواب ولی الدولہ بہادر صدر اعظم	۲۵ شعبان ۱۳۴۲ھ	۱۷ جمادی الاول ۱۳۴۵ھ	۲۰ ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ
۲۷	مہاراجہ سر کشن پرشاد یمین السلطنہ صدر اعظم بہادر	۱۷ جمادی الاول ۱۳۴۵ھ	•	•

ظلّ اللہ کی سادگی

از رائے گردھرن داس صاحب سکینہ

پچھلی باتوں کو چھوڑئے ۔ اب اس موجودہ زمانے میں ۔ راجاؤں اور نوابوں کا جو حال ہے اُن سے ہر شخص واقف ہے اور پھر اُن کے آئے دن کے حالات اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ کوئی یورپ کی سیر و سیاحت میں معروف ہے تو کوئی محفل رقص و سرود میں منہمک۔ کوئی حُسن و شباب کا دلدادہ ہوکر بھٹک رہا ہے تو کوئی ظلم و زیادتی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہے۔

غرض ہندوستان میں جہاں ان ہی راجاؤں اور نوابوں کے اسلاف نے حکومت کی۔ جنہیں ملک کی خدمت ۔ رعایا کے دکھ درد کا احساس تھا جو وضعداری کا پاس کرتے اور مشرقی روایات پر سر مٹتے تھے ۔ جنہوں نے میدان جنگ میں اپنے جوہر دکھلائے تھے ۔ بڑی بڑی مہمات سر کی تھیں۔ آج اِن ہی کی اولاد ہیں جو دنیا بھر کے لہو و لعب میں معروف ہیں جن کی عیش پرستی رعایا کا خون چوس رہی ہے اور یہ جن رعایا کے محافظ ہیں وہ نہ صرف ٹکڑے ٹکڑے کی محتاج ہے بلکہ آئے دن ان کے مظالم کا شکار ہو رہی ہے۔

خیر ہمیں اس جگہ ان تمام باتوں سے بحث کرنیکی ضرورت نہیں اور نہ ہمارے اس مضمون کا یہ خاص عنوان ہے۔

دورِ حاضر کے راجاؤں اور نوابوں کا تو یہ حال ہے لیکن خدا رکھے ہمارے بادشاہ سلامت شہریار دکن کی ذات ستودہ صفات کو جنکی رعایا پروری عدل گستری شہرۂ آفاق ہو چکی ہے کیا گھر کیا باہر سب شاہِ دکن کے مداح اور ثنا خواں نظر آتے ہیں۔

یوں تو حیدرآباد فرخندہ بنیاد ہندوستان جنت نشان کی سب سے بڑی ریاست ہونیکی فضیلت رکھتا ہے لیکن خوش بختی سے خدائے تعالیٰ نے اسکو ایسا بادشاہ عطا کیا ہے جسکی مثال تاریخ نہیں پیش کر سکتی۔

بندگانِ عالی میں جہاں اور صفات قدرت نے ودیعت کئے ہیں وہاں ظل اللہ کی سادگی بھی ایک خاص بات ہے جنہوں نے حضور پرنور کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کچھ وہی جانتے ہیں کہ ڈیڑھ کروڑ رعایا کا مالک کسطرح اپنی زندگی بسر کرتا ہے ۔ نہ جھوٹا تکلف ہے اور نہ بیجا کر و فر۔ تمکنت اور غرور چھو نہیں گیا۔ انکساری اور سادہ دلی سیرت شاہانہ کے خصوصیات ہیں۔ بقول خواجہ حسن نظامی صاحب "اعلیٰحضرت خدا داد کا یہ عالم ہے کہ بڑے بڑے قوی دل لوگ رعب شاہی سے مرعوب ہو جاتے ہیں"۔

جب وہ باریاب ہوئے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ بادشاہ سلامت جہاں تشریف رکھتے ہیں یعنی ایوان شاہی میں مختصر دو چار گز کا ایک حجرہ جس میں معمولی فرش کیا ہوا اور معمولی کرسیاں رکھی ہوئی ہیں۔ سب کیا چھوٹا کیا بڑا کیا اپنا کیا پرایا اسی مقام پر شرف باریابی بخشا جاتا ہے۔

ظل اللہ نہایت سادہ لباس زیب تن فرماتے ہیں۔ سیاہ ترکی ٹوپی جسکے پھندنا نہیں ہوتا۔ سادہ شیروانی پائجامہ اور سلیم شاہی جوتیاں پہنے ہوتے ہیں۔

ہو مچلے اور ستر کروڑ قلوب تیرہ صدی بعد بھی قربان ہونے تیار ہیں ؎

یوسفؑ کی تو عاشق تھی فقط ایک زلیخا / یوسف سے ہزاروں ہیں خریدار تمہارے

اس نیتاں والے سنوریا یہ نہ صرف مجھ جیسے مور مسکین ہی قربان ہیں بلکہ سلطنت والے

بھی قربان۔ تخت والے بھی قربان۔ تاج والے بھی قربان۔ شاہان ترک و ایران توران

سلاطین عرب و عجم قربان۔

خدا رکھے سلاطین سلف کی یادگار مسلمانوں کا سہارا صدیقؓ کا ایک لخت جگر بھی ہے۔ جو خادم اسلام بھی ہے مسلمانوں کا ہمدرد بھی ہے۔ ہمارا رئیس بھی ہے۔ شاہ بھی ہے۔ صاحب تخت و تاج بھی ہے۔ سلطان بھی ہے۔ سلطان العلوم بھی ہے ہاں وہ بھی تو فدا ہے اور دل سے فدائے محبوب خدا ہے۔ کوئی آئے اور اس فدائی رسول کریمؐ کے جلوے دیکھے کہ ایک ابر کرم ہے جو ہر طرف برس رہا ہے۔ ہند ہو کہ یورپ۔ ایران ہو کہ توران۔ عرب ہو کہ عجم۔ ترکستان ہو کہ تاتار وہ کونسا ملک اور کونسا شہر ہے جو اس بحر کرم سے مستفیض و مستفید نہیں! فیوض کا دریا جاری ہے تو کرم کے چشمے رواں۔ کیوں نہ ہو وہ صدیقؓ کا جگر گوشہ ہے۔ اہلبیت رسولؐ کا دامن گرفتہ۔ جد امجدؓ نے رسول کریمؐ پر سب کچھ قربان کر دیا تھا تو یہ امتی رسولؐ سب کچھ قربان کرنے تیار ہے۔ برکات عہد عثمانی کو کون ہے جو گن سکے۔ اس کے لئے مستقل کتابیں لکھی جا رہی ہیں اور لکھی جائیں گی۔ سلطان العلوم نے اپنے آقا کے علوم کی وہ نشر و اشاعت کی ہے کہ اگر آج مامون کی روح بھی دیکھے تو رشک کرے۔ کیا آج ہمارا شہر حیدرآباد رشک مصر و قسطنطنیہ نہیں؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو یہ سب برکات محبت شاہ طیبہ (روحی فداہ) سے ہے ؎ بنام آں شہ لولاک صدجان و دلم قرباں / کہ عثماں از طفیلش بر سلاطین است امیر آمد

ادام اللہ سلطنتہ و وسع اللہ مملکتہ و خلد اللہ ملکہ و نصر اللہ اعوانہ و انصارہ۔

از مولوی سید احمد سلیمان صاحب

علم ادب اتنا وسیع علم ہے کہ ادیبوں کی عمریں صرف ہو جاتی ہیں مگر اس کا اور چھور ہاتھ نہیں آتا۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ ادب انسانی زندگی کے تقریباً ہر شعبے پر اپنا تھوڑا بہت اثر ڈالے بغیر نہیں رہتا۔ آج ہم اہل برطانیہ کو اوج کمال پر پاتے اور ان کی ترقی کو رشک کی نظروں سے دیکھتے اور سنتے ہیں کہ ان کے مقبوضہ ممالک کے اندر سورج کسی وقت غروب نہیں ہوتا۔ اگر کسی وقت ٹھنڈے دل سے غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ انکی ساری ترقیوں کا راز انکی ادبیات میں مضمر ہے۔ ادب کو زبان سے چولی دامن کیطرح ساتھ ہے زبان جس قدر وسیع ہوگی اسی قدر ادب کی کائنات میں بھی وسعت پیدا ہوگی۔

ایک زمانہ تھا کہ ہندوستان میں سنسکرت کے راگ الاپے جاتے تھے عرب کا سکہ

تمام اسلامی ممالک پر بیٹھا ہوا تھا۔ فارسی نے الگ ایک طرف اپنی ڈیڑھ اینٹ

کی مسجد بنا رکھی تھی لیکن آج دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک

لحاظ سے بندگان عالی کے چند مختلف ایسے اشعار بطور نمونہ درج ذیل کئے جاتے ہیں جنکے مطالعہ سے اہل نظر پر طرز زبان کے چٹخارے یقیناً کھل جائینگے۔ ارشاد ہوتا ہے

بھیر کر آنکھ اُٹھ گئے بہاوت وہ شمل نظر ● ہم برنگ اذر دوے دے کے قسیں رہ گئے
ہمدم اے عثماں جو تھے چلتے ہوئے دم کیطرح ● آپ کیوں الجھے ہوئے تا نفس میں رہ گئے

(مطبوعہ اخبار رہبر دکن مورخہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۳ ہجری)

یا لا امید و بیم سے ناگاہ پڑ گیا ● دل کا بنا بنایا گھروندا بگڑ گیا
شربت کا گھونٹ جان کے پیتا ہوں خون دل ● غم کھاتے کھاتے منہ کا مزا تک بگڑ گیا

(مطبوعہ اخبار رہبر دکن مورخہ ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۵۳ ہجری)

شمع و پروانہ میں کیسی پھوٹ ڈالی آپ نے ● آگ دونوں میں لگا کر خود کنارے ہو گئے

(مطبوعہ اخبار رہبر دکن مورخہ ۹ جمادی الثانی ۱۳۵۳ ہجری)

شیشہ و جام و سبو کا لطف اب عثماں کہاں ● میکشی کو اک زمانہ ہو گیا چھوٹے ہوئے

(مطبوعہ اخبار رہبر دکن مورخہ ۲۰ رجب المرجب ۱۳۵۳ ہجری)

جس طرح حضرت جہاں پناہی کے منظومات تراکیب کی شستگی بیان کی شگفتگی ادائے خیال کی دلنشینی اور زبان کی لطافت سے مملو ہیں اسی طرح نثر نگاری میں بھی بے ساختگی سلاست روانی اور عام فہمی کے نمایاں عناصر پائے جاتے ہیں جیسا کہ متعدد جرائد غیر معمولی سے ظاہر ہے۔ آخر میں اہل حیدرآباد کی خدمت میں مخلصانہ اپیل کرونگا کہ وہ بھی اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ کی مصداق بلا درو کی حمایت و ترویج میں ممکنہ کوشش کریں۔ آجکل تعلیم یافتہ طبقے میں یہ بات اصلاح طلب ہے کہ اکثر و بیشتر مغرب زدہ نوجوان اپنی بول چال میں بلا تکلف انگریزی لفظوں کی اردو میں ٹھونس ٹھانس پیدا کر کے اردو کا ستیا ناس کر دیتے ہیں۔ اور ان کے برعکس جو لوگ عربی و فارسی کے منتہی ہیں وہ اپنی ٹھوس قابلیت جتلانے کے لئے نامانوس عربی لفظوں اور نادر ترکیبوں کی بوچھار سے اردو والیسی عام فہم زبان کو اسقدر مکدر کر دیتے ہیں کہ وہ اپنی اصلی لوچ سے معرا ہو کر عوام کے حق میں گورکھ دھندا بن جاتی ہے۔ اگر اس سقم کو اہل ملک دور کر دیں تو وہ دن دور نہیں کہ اردو کے جویا حیدرآباد کے آگے لکھنؤ کو بھی بھول جائیں

نظیر عدل و رواداری۔ عابد شاپ کے سامنے نواب سر افسر الملک بہادر نے ایک مسجد کی تعمیر شروع کی تھی۔ اس کے قریب میں ایک چھوٹا سا مندر بھی تھا جونہی اعلیحضرت کی توجہ اس دیول کیطرف معطوف ہوئی۔ باوجود اس کے کہ مسجد کی عمارت مکمل ہو چکی تھی اور کچھ حصہ باقی رہ گیا تھا فوراً اعلیحضرت نے امتناعی حکم شرف اصدار فرما کر مسجد کی تعمیر بند کرا دی جسمیں اب چھوٹا سا مدرسہ دینیہ ہے یہ آپ کی رواداری کی ایک زندہ مثال ہے اسی عدل و آئین کے تحت ہائیکورٹ کی فلک بوس شاندار عمارت کے ہر دو جانب کے دیول۔ اور چار مینار کے جنوب مشرقی گوشہ پر نصب شدہ پتھر کی بقار۔ رواداری و عدل عثمانی کے ناقابل فراموش نشان ہیں فقط

مرتبہ محمد فاضل

از جناب حاجی شیخ احمد علی صاحب (بمبئی)

اسلام کو غریبوں سے ایسا قریبی اور گہرا تعلق ہے کہ اگر یہ خیال کیا جائے تو بیجا ہوگا کہ اسلام غریبوں کے لئے پیدا ہوا۔ اور غریب اسلام کیلئے۔ انتہا یہ کہ اسلام کے بانی دونوں جہان کے سردار رسول عربی تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم غریبوں میں پیدا ہوئے۔ غریبوں میں رہے۔ اور غریبی کو پسند فرمایا۔ اور جب آپ نے دنیا کے سامنے اسلام کو پیش کیا ہے تو اُس کے قبول کرنے والوں میں زیادہ تر غریب نظر آتے ہیں۔ اور جن امیروں کو اسلام کی دولت نصیب ہوئی انھوں نے بھی اپنا سب مال و متاع اسلام کے راستہ میں لٹا دیا۔ یہاں تک کہ خود غریب ہو گئے اور غریب کیوں مقبول و پسندیدہ نہ ہوں جب کہ ساری بڑائی اور بزرگی صرف خدا کے لئے ہے۔ ہمارے اس خیال کی تصدیق کے لئے اس اجتماع عظیم پر غور کیا جا سکتا ہے۔ جو حج بیت اللہ کے موقع پر مکہ معظمہ میں اور زیارت روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مدینہ منورہ میں ہوتا ہے۔ اس مجمع میں زیادہ تر غریب ہوتے ہیں۔ دنیا کے طول و عرض سے اپنے پیدا کرنیوالے اور اس کے حبیب پاک کی سچی محبت دلوں میں لئے ہوئے ارض مقدس پر بے تابانہ پہونچتے ہیں۔ اور چونکہ قدرت کو ان کی محبت اور خلوص ہی کی آزمائش مقصود ہوتی ہے۔ اس لئے حج کے مبارک سفر میں ان کو جسمانی آرام و راحت کی بڑی بڑی قربانیاں پیش کرنی پڑتی ہیں۔ اس حال میں ہمارے آقائے ولی نعمت مظفر الملک والممالک معین الملت والدین اعلیحضرت سرمیر عثمان علیخاں بہادر فرماں روائے مملکت آصفیہ خلد اللہ ملکہ و دولتہ کی طرف سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غریب مہمانوں کی جو امداد اور رہنمائی کی جاتی ہے۔ اُس کا مختصر اور اجمالی تذکرہ سُننے اور غور کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔

سب سے پہلے تو اُن ملازمین سرکاری کو جو حج کا ارادہ کرتے ہیں
خواہ امیر ہوں یا غریب اعلیٰ عہدہ دار ہوں یا معمولی عمال و ملازمین
چھ ماہ کی رخصت دی جاتی ہے۔ اور رخصت بھی اُس عنوان کی جس کا مدت ملازمت
اور استحقاق وظیفہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ او راس پر لطف یہ کہ چھ مہینے کی پیشگی تنخواہ بھی عطا فرمائی جاتی ہے۔

موجودہ زمانہ میں حکومت حجاز نے بہترین انتظامات کے ساتھ مقامی محصولات اور مصارف ضروری میں معتدبہ اضافے کر دئے ہیں جس کی وجہ سے درجۂ اوّل کا مسافر تقریباً دو ہزار میں۔ درجۂ دوم کا بارہ چودہ سو میں اور درجۂ سوم کا پانچ چھ سو میں اچھی طرح سے حرمین شریفین کا سفر کر سکتا ہے۔ جس کے لئے ہمارے بادشاہ جم جاہ کی دریا دلی اور فیاضی کا یہ عالم ہے۔ کہ سو روپیہ ماہوار کا ملازم چھ سو۔ اور ایک ہزار مشاہرہ کا عہدہ دار چھ ہزار پاتا ہے۔ اسی حساب سے جس قدر واجب عہدہ داروں کو ہزار ہا روپے یکمشت سفر حج کے لئے ملتے ہیں۔ اور ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق بڑی آسانی سے حرمین شریفین کا سفر کر کے حج و زیارت کی سعادت حاصل کر سکتا ہے۔

اس کے علاوہ غریب کم استطاعت اشخاص کو جو کرایہ جہاز کی امداد ملنے پر فریضۂ حج ادا کر سکتے ہیں۔ جہاز کا ٹکٹ آمد و رفت کے لئے سرکار خرید کر دیتی ہے۔ اور اس غرض سے ایک کثیر رقم سرکار کا محکمۂ امور مذہبی سالانہ غریب حجاج پر خرچ کرتا ہے۔ یہ امداد غریب اور کم مواجب ملازمین سرکار کی حد تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ غیر ملازم سرکار بھی جو غریب اور مستحق ثابت ہوں مستفید ہوتے ہیں۔

ریاست ابد مدت کے عازمین حج کا قافلہ نہایت شان و شوکت اور ربط و ضبط کے ساتھ ملک سے روانہ ہوتا ہے۔ جو صرف اُن اشخاص ہی پر مشتمل نہیں ہوتا جو سرکار سے امداد ٹکٹ جہاز حاصل کرتے ہیں۔ بلکہ اس قافلہ میں ملک کے وہ تمام معزز مستطیع اور صاحب حیثیت افراد بھی شریک ہوتے ہیں۔ جن کو سفر حج میں سرکار عالی کے دیگر انتظامات اور سہولتوں سے فائدہ اُٹھانا منظور ہوتا ہے۔

اس قافلہ کی سرپرستی کے لئے کسی معزز اور اعلیٰ عہدہ دار کو جو عازم حج ہو۔ قافلہ سالاری کی اعزازی خدمت خاص سرامات کے ساتھ دی جاتی ہے۔ اور وہ قافلہ کے تمام انتظامات اور سفر کے جملہ نشیب و فراز کے ذمہ دار گردانے جاتے ہیں نائب قافلہ سالار اور دیگر ضروری عملہ کے اعزازی عہدے بھی مقرر کئے جاتے ہیں نیز اہل قافلہ کی طبی امداد کے لئے کسی طبیب حاذق یا لائق ڈاکٹر کو مامور کیا جاتا ہے اور تمام ضروری اور قیمتی ادویہ اہل قافلہ کے استعمال کے لئے سرکاری صرف سے مہیا کی جاتی ہیں مناسک حج کے رسالے کثیر طور پر مفت تقسیم کئے جاتے ہیں محکمۂ امور مذہبی کے خاص افسران و عمال قافلہ کی مشایعت اور جہاز پر سوار کرانے کے انتظامات کے لئے حیدرآباد سے بمبئی تک آتے ہیں۔ اور جب تک قافلہ بمبئی سے روانہ نہیں ہو جاتا بمبئی میں مقیم اور فرایض منصبی کی انجام دہی میں مصروف رہتے ہیں سفر حج میں ہر شخص کے پاس جو نقدی ہوتی ہے۔ اُس کی حفاظت بڑا مشکل کام ہے مگر اس کے لئے بھی سرکار سے یہ انتظام ہوتا ہے۔ کہ ہر شخص اگر چاہے تو اپنی رقم قافلہ سالار کے پاس جمع کر کے رسید حاصل کر سکتا ہے۔ اور جا بجا بقدر ضرورت روپیہ ملتا رہتا ہے جس کا حساب ہر طرح پاک و صاف رہتا ہے۔

سفر حج کے لئے ہیضہ اور چیچک کا ٹیکہ از بس لازمی ہے۔ جس کے لئے ہر ضلع کے سیول سرجن نہایت ہمدردی سے اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔ اور اون کے صداقت نامہ کو بمبئی میں تسلیم کر لیا جاتا ہے
بمبئی پہونچ کر پاسپورٹ یعنی پروانۂ راہداری اور جہاز کا ٹکٹ حاصل کرنا
بڑا وقت طلب کام ہے خصوصاً اون لوگوں کو جو معمر اور کمزور نیز بمبئی

کے لئے اجنبی ہوتے ہیں۔ اور زبان انگریزی سے ناآشنا۔ بہت
دشواری اُٹھانی پڑتی ہے مگر ہمارے اہل قافلہ اپنی قیامگاہ پر
آرام سے بیٹھے رہتے ہیں۔ اور محکمۂ امور مذہبی کا عملہ زیر ہدایت قافلہ سالار
تمام انتظامات کر دیتاہے۔ اور ایسے لوگوں کو بھی جو ذاتی صرفہ سے جہاز کا سفر کرتے ہیں
ٹکٹ اور پاسپورٹ لا دیتا ہے۔

جہاز پر جہاں مختلف ریاستوں اور مقامات کے مسافر سوار ہوتے ہیں۔ اور کوئی کسی کا پُرسان حال نہیں ہوتا۔ ریاست ابدمدت کے قافلہ والوں کی رہائیش کا خاص انتظام قافلہ سالار کی کوشش سے عمل میں آتا ہے۔ اور عمدہ سے عمدہ جگہ انتخاب کیجاتی ہے۔
سفر حج میں معلم کی خدمات حاصل کرنا اور اُس کے اشارہ پر چلنا ہر حاجی کے لئے ضروری ہے۔ اور یہ دیکھا اور سُنا گیا ہے کہ ایسے مُعلموں کو درجہ اکثریت حاصل ہے۔ جن سے حجاج کو بجائے راحت کے تکلیف پہونچتی ہے۔ اور لوگ ان کے طرز عمل سے غیر مطمئن رہتے ہیں۔ مگر حیدرآبادی قافلہ کے لئے ایک ذمہ دار۔ قابل اُردو داں اور با اثر معلم مقرر ہے۔ جو اہل قافلہ کی راحت کا پورا پابند و کرتا ہے
جدّہ پہونچ کر عام حجاج کو بڑی کشاکش میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ مگر اہل قافلہ کو کوئی دشواری لاحق نہیں ہوتی۔ ان کے ٹکٹ جہاز اور پاسپورٹ حاصل کر کے تا واپسی محفوظ کر دئے جاتے ہیں۔ تاکہ حفاظت میں دقت نہ ہو۔ اور سامان کے ساتھ جہاز سے اُتار کر آرام دہ مکانوں میں جو پہلے سے منتخب کر کے رکھے جاتے ہیں۔ سب کو خاطر و مدارات کے ساتھ ٹھرایا جاتا ہے۔ اور معلم و قافلہ سالار کے زیر اہتمام جدّہ سے مکہ مکرمہ تک جو شخص جس قسم کی سواری میں جانا چاہے اُس کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اور ہر شخص کا ایسا فاضل سامان جس کی ضرورت صرف جہاز تک تھی۔ اور مکہ معظمہ لیجانا بیکار ہو۔ اطمینان بخش طریقہ پر امانتاً محفوظ کیا جاتا ہے اور واپسی کے وقت آسانی سے ملجاتا ہے۔
مکہ مکرمہ میں سرکار عالی کی دو عظیم الشان کئی منزلہ سرائیں جن کو رباط کہتے ہیں حرم محترم سے قریب واقع ہیں۔ ان میں روشنی صفائی حفاظت سامان بیت الخلاء وغیرہ کا سرکار کی طرف سے پورا انتظام ہے۔ جس کے لئے ایک عملہ مقرر ہے ریاست ابدمدت کے حجاج ان سراؤں میں بے فکری اور آرام سے ٹھرتے ہیں۔ اور سرکار کی طرف سے عمدہ پیمانے پر سب کی ضیافت ہوتی ہے۔
حجاز میں خطوط رسانی کا ایسا باقاعدہ انتظام نہیں ہے۔ جیساکہ ہمارے یہاں ہے مگر اہل قافلہ کے خطوط کا یہ انتظام کیا جاتا ہے کہ معلم ڈاکخانہ سے تمام خطوط حاصل کر کے بڑی احتیاط کے ساتھ اہل قافلہ کو تقسیم کرتے ہیں۔ علالت ہو تو علاج معالجہ۔ موت واقع ہوجائے تو تجہیز و تکفین اور کوئی مشکل پیش آجائے تو پوری ہمدردی سرکار کے قافلہ سالار اور مقررہ معلم اس خوبی سے کرتے ہیں کہ غریب الوطنی کا احساس تک نہیں ہوتا۔

طواف بیت اللہ اور سعی صفامروہ وغیرہ کے مناسک ادا کرنے میں خاص سہولت بہم پہونچانے کی سعی کیجاتی ہے۔ حرم محترم کے صحن میں مصلّی مالکی کے سامنے اہل قافلہ کی نشست کے لئے فرش بچھا دیا جاتا ہے۔ جہاں بیٹھ کر سب اوراد و وظایف میں مشغول رہتے ہیں۔ اور ایک شخص جس کو زمزمی کہتے ہیں۔ آب زمزم کی صراحی لئے ٹہلتا رہتا ہے۔ اور اہل قافلہ کو پانی پلاتا جاتا ہے۔
مناسک حج کی ادائی کے لئے جب مکہ سے منیٰ کو جاتے ہیں۔ تو سواری کا بہترین انتظام ہر شخص کی خواہش کے لحاظ سے کیاجاتا ہے۔ اور منیٰ میں کثیر رقم سرکار سے ادا کر کے اعلیٰ درجہ کا ایک وسیع مکان
کرایہ پر لیا جاتا ہے۔ جس میں ریاست ابدمدت کے حجاج نہایت آرام
اور اطمینان کے ساتھ ٹھرتے ہیں۔ یہاں سرکار کی طرف سے اہل قافلہ

اسی سلسلہ میں یہ چیز بھی جاذبِ توجہ ہے کہ بادشاہ کے مالکِ تعلیم اور صاحبِ اقتدارات اتم
ہونیکی وجہ سے خود اسی سلسلہ میں خدا کا سایہ (ظلِ باری) رہتا ہے اور وہ خدا کے بندوں پر
سایہ فرما ہے ۔ خدایت مہربان و تو بعالم مہرباں باشی۔ اس کی غایت
اس کے سوا کیا ہوسکتی ہے کہ اس کے قلم اور اس کے حکم پر مالکِ حقیقی جل شانہٗ کی
نگرانی رہے اور صاف الفاظ میں یہ کہ اس کی کارفرمائی منشاء ایزدی کی تابع رہکر خلق پر
حکمراں رہے تاکہ اس طرح خدا کی مرضی مبارک سے مختلف ہو کر دنیا کے معاملات خراب نہو جائیں۔

اس بطونی نگرانی کے نظریہ بھی باور کیا گیا ہے کہ مردانِ خدا ارواحِ طیبات یعنی اولیاء کرام بھی اسکی دیکھ بھال پر باطناً مامور رہا
کرتے ہیں اس حقیقت کا خلاصہ ایک دو لفظ میں دیکھنا چاہو تو یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ صورِ مختلف انتظامیہ میں باری تعالیٰ کی توفیق
رفیقِ حالِ ذاتِ سلطانی رہا کرتی ہے یا یوں کہو کہ بادشاہ کے قلب مدبر میں صلاحیت اجرائے امن و امان منجانب اللہ ودیعت ہوتی ہے
الخاصیہ یہی وہ اصل ہے جس کی بناء پر بادشاہ کی ذات والا کو ظل اللہ فی الارض فرمایا گیا ہے (فی بھی سایہ کے معنی میں آیا ہے)
ظل کے معنی نعمت کے بھی ہیں اس مناسبت سے کیا بادشاہ کا قائم کیا ہوا امن و امان عدل و انتظام کچھ کم نعمت ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ
اس کے بغیر دنیا کی کسی نعمت سے استفادہ ہی ممکن نہیں ہوسکتا۔ امن کے بعد ہی ہر دوسری نعمت کی قدر ہوسکتی ہے۔ اسی طرح امن کے بعد ہی
سکونِ خاطر ایک حقیقی راحت مہیا کرسکتا ہے۔ اس لحاظ سے ظل کے معنی نعمت و راحت اور پھر اسکی نسبت بادشاہ حقیقی جل جلالہٗ سے ہو کر ظل اللہ کا
مفہوم نعمتِ الٰہی اور ایک بڑا احسان باری واقع ہوا ہے۔

غرض اسی تعلیم کے تحت فرزندانِ اسلام اپنے مالکِ مجازی کا بدرجۂ اتم احترام کرتے اور اس سے کمال ہی خلوص و عقیدت و ارادت
پیدا کرنے پر مذہباً مجبور ہیں۔ اسکی خلاف ورزی کو گناہ قرار دیا گیا ہے اس کا مرتکب نورِ بخت و ذلت ہو جاتا ہے۔

"السلطان ظل اللہ۔ من اکرمہ اکرمہ اللہ"
"ومن اہانہ اہانہ اللہ ——"

بادشاہ خدا کا سایہ ہے جو اس کا احترام و توقیر کرے گا خدا اس کو عزت عطا فرمائے گا۔ اور جو اسکی شان میں بدعقیدتی و بے ادبی
کرے گا خدا اسے ذلیل و خوار کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب سے لگاؤ رکھنے والی قومیں بادشاہ کی صمیم قلب سے دعا گو ہوتی ہیں۔
قلب ہی مذہب کی جگہ اور اس کے اثر و نفوذ سے پرکیف رہتا ہے۔ لہذا ایک مذہبی وجود ہی کافی حد تک وجود شاہانہ کا ظاہراً و باطناً قدر دان ہوسکتا ہے
جب بادشاہ کو خدا کا سایہ خدا کی نعمت ظل اللہ تسلیم کرنا حسب شرحِ صدر ناگزیر ثابت ہو گیا تو خدا کے وجود کا سب سے اول تسلیم کرنا مقدم پھر اس کے
بعد اس کے سایہ کا احسان ماننا لازم ہوا۔ اس لئے ایک بادشاہ کی وفادار رعایا وہی ہوسکتی ہے جو خدا کو بے دیکھے مان کر اس کی پرستار بھی ہو اور
اپنے مالک مجازی میں اسی مالک حقیقی کے سلطان و نفوذ و تصرف کو عیاں و نہاں دیکھتی رہے۔ تاکہ ظل اللہ کی حقیقت واضح ہوتی جائے۔ ان
ہی جذبات کے تحت آج رعایائے دکن اپنے لیل و نہار میں اپنے ہر دل عزیز محبوب خلائق شاہ ذیجاہ کی فرطِ عقیدت سے دہائی دیتی اور ہر آڑے
وقت میں یا عثمان یا عثمان کہتی نظر آتی ہے۔ الحاصل انہی مادی و روحانی دونوں تعلقات و روابط عقیدت و نسبت کے لحاظ سے اس مسعود جشن
سیمیں کے موقع پر فرزندانِ دکن خلوص و رجوع کے ساتھ بلا لحاظ اختلاف مذہب و ملت بارگاہ شہنشاہ حقیقی جل جلالہٗ میں اپنے مالک مجازی
اور اس کی آل و اولاد و اعزہ و اقارب کی صحت و سلامتی کیلئے دست بدعا رہتے ہیں۔ وہ جذبات عقیدت کا ایک مسرت آمود لائحہ
ارادت ہے جو اپنی آپ ہی نظیر ہوسکتا ہے۔

اللہم ابدہم دائماً و مزید ... دولۃ وعزاً و جدیداً و نعیم جدید ... تشاو مزید!

اے ز الطافِ تو لاشے شے شدہ	ہمسرِ اقبالِ تو کے کے شدہ
ہم خجل از عدلِ تو نوشیرواں	ہم بسایہ حاتمِ طے طے شدہ

(۱) اعلیٰحضرت حکیم السیاست ہیں۔ آپ کی معروف سیاسی قابلیت۔ قوت فیصلہ و فراست صحیحہ۔ اور بالغ نظری و اصابت رائے کو دنیا کے بڑے بڑے مدبر و ماہرانِ سیاست مان چکے ہیں۔

(۲) اعلیٰحضرت سلطان العلوم ہیں۔ اردو و فارسی اور عربی کی مہارت میں تو آفتاب ہیں۔ انگریزی زبان میں اس طرح تکلم فرماتے ہیں کہ اہلِ زبان بھی ششدر رہ جاتے ہیں۔ دیگر زبانوں پر بھی آپ کو کافی عبور حاصل ہے۔ علمی خدمات و مسائل سے بیحد و غایت خوش ہوتے ہیں اور اس کی ہر طرح معاونت و سرپرستی فرماتے ہیں۔ علوم سے آپ کو خاص شغف ہے۔

(۳) اعلیٰحضرت جامع الکمالات ہیں۔ قریب قریب ہر فن و شعبہ میں آپ کو دخل ہے۔ اطباء، ڈاکٹر۔ صناع۔ عالم قاری۔ حافظ۔ واعظ۔ شاعر وغیرہ الغرض تمام ماہران و پیشوایانِ فنون اِس در بار میں بکمالِ ادب آتے ہیں۔ اور حضور کے فنون و کمالات میں دخلیابی پر قائل و متعجب ہوکر جاتے ہیں۔

(۴) اعلیٰحضرت دنیا کے ممتاز دولتمند ہیں۔ حضور کے تمول کی نسبت ہم از خود کچھ کہنا نہیں چاہتے اس بارے میں ممالک ہائے مغرب کے اخبارات (لندن و فرانس وغیرہ) نے بارہا لکھا ہے۔ اور عوام اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں۔

(۵) اعلیٰحضرت انتہا درجہ کے فیاض ہیں۔ آپ کی فیاضی مستقل و بے پایاں ہے آپ مستحقین کی امداد فرماتے ہیں۔ اس باب میں آپ کا دستِ عطا بلا تفریق مذہب و ملت۔ ملک و بیرونِ ملک عام ہے آپ کی داد و دہش کی اگر تفصیلی فہرست لکھی جائے

مرتبہ محمد فاضل

تو ایک ضخیم جلد ہو جائے۔ صحیح معرفت کا مسلک آپ کی شاہراہ ہے
بنی نوع انسان کی ہمدردی اس صفت کی جزو اعظم ہے۔ محترم
مساعی دعا کی حمایت فرماتے ہیں۔ بے محل اور ناجائز معرفت سے
آپ کو سخت نفرت ہے۔ "وہ سخی ہے کہ در پر تو سے غنی محتاج ہو اے بادشاہ دکن ہے تری بڑی سرکار۔"

(۶) اعلیحضرت ایک بیدار مغز تاجدار ہیں۔ استرداد برار کے مطالبات۔ مسائل کنجنٹ وسکندرآباد اور بازیافت طلب علاقہ جات مدراس ومچھلی پٹم وغیرہ کی کارروائیاں۔ گول میز کانفرنس لندن کے لئے حسن نمائندہ کا انتخاب اور معاملہ فہمی کا بے نظیر نظریہ۔ شاہزادگان بلند اقبال کی شہزادیان ترکی سے شادی۔ علاقہ رزیڈنسی کی واپسی۔ عالمگیر اقتصادی عسرت کے زمانہ میں بھی سلطنت کا حسن انتظام اور اس کی مرفہ الحالی۔ ریاستی خوشگوار مالیہ اور اس کا استحکام۔ تمام مذاہب کے ساتھ بے مثل رواداریاں۔ ریلوے کی خریدی۔ محکمہ جات رفاہ عامہ کی ترقیاں۔ اصلاح عامہ کا شوق۔ اصلاح معززین وجاگیرداران تحفظات کتب وآثار قدیمہ۔ زراعت وصنعت وحرفت کی ترقیاں۔ بہترین نظم ونسق اور دائمی امن وامان۔ مساوات و رواداری۔ محنت سے شغف۔ بلند ہمتی۔ سادہ زندگی۔ اقتصادی ترقی۔ عدیم المثال علم دوستی۔ ہمارت پروری۔ عالمگیر محبوبیت و ہردلعزیزی۔ برطانیہ کا یار وفادار۔ تاجدار چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ۔

غرضکہ حیات عثمانی کا ایک ایک لمحہ اوراق تاریخ کا ایک ایک ورق عہد عثمانی کی شاندار برکات اور اعلیحضرت کی بیدار مغز عدیم النظیر شاہیت وفرماں روائی کے بین ثبوت ودلیل ہیں۔ ہر ایک صفت کی توضیح۔ ایک ضخیم کتاب کی حاجت رکھتی ہے۔

(۷) اعلیحضرت ہندوستان کی سب سے بڑی سلطنت حیدرآباد دکن کے مقتدر مالک ہیں۔ بحیثیت تقابل رقبہ۔ آبادی۔ محاصل وغیرہ دنیا کی بعض مشہور ومعروف آزاد سلطنتوں پر بھی اس ریاست کو تفوق حاصل ہے۔ جہاں سکہ۔ نوٹ۔ اسٹامپ۔ ریلوے۔ ہوائی جہاز وغیرہ تمام نظام کے رائج ہیں۔ ہر سال یہاں خود مختاری کی تعطیل منائی جاتی ہے۔ اعلیحضرت بنفس نفیس خود مختارانہ حیثیت سے واحد ضامن ونگہبان اور باختیار کل بادشاہ ہیں۔

(۸) اعلیحضرت خلیفۃ المسلمین ہیں۔ باوجود مقتدر شاہ اور فی زمانہ دنیا کی ممتاز ہستی ہونے کے اس روحانیت سے معدوم مادہ پرست زمانہ میں اعلیحضرت کا شغف دینی تمام صفات میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ عشق رسولؐ۔ آل رسولؐ پر شیفتگی۔ سیرت نبوی پر فریفتگی۔ مشروعات اسلام کی حمایت۔ مذہبی عقیدت۔ قرآن مجید سے انتہائی محبت۔ تزکیہ نفس۔ اسلامی مساوات۔ سادہ طرز زندگی۔ یہ وہ نمایاں عنوانات ہیں۔ جن پر قلم فرسائی کرنا۔ رقت انگیز کیفیات سے لاؤ اہل دل کے لئے رموز شاہی کی حاجت رکھتا ہے۔ فی زمانہ موجودہ سلاطین اسلام پر انتخاب خلیفہ کے نقطۂ نظر سے مذہبی اوصاف اور دینی و دنیاوی خوبیوں پر نظر ڈالنے کے بعد زاویۂ نظر جس ہستی کو ترجیح دیگا وہ اعلیحضرت کی ذات ہمایوں ہوگی۔ اُس وقت بیساختہ کہنا پڑے گا کہ (سلاطین سلف سب ہوگئے نذر اجل عثمان ● سلاطین کا تری سلطنت سے ہے نشان باقی) تاجدار عشق رسول کا مقصد زیست اعلائے کلمۃ الحق ہو۔

——— (جو ہو جائیں عثماں مدینہ میں خاک ● تو سمجھوں کہ مٹی ٹھکانے لگی) ———

(۹) اعلیحضرت ایک رفیع المرتبت بہت بڑے شاہی
خانوادہ کے بزرگ خاندان ہیں۔ علاوہ کثیر اقربا کے کئی
شاہزادگان بلند اقبال وشاہزادیان فرخ فال کے شفیق تاجدار ہیں۔

اپنے کامیاب مقاصد کے ساتھ نیکنام وجود رکھتے ہیں یہ اعلیحضرت کے فیض بخش درخشاں دور کی زندہ جاوید یادگار ہیں جنکی تجدید اور احیاء تعلیمات اسلامیہ سے قوم میں جان افزاء قوت پیدا ہو رہی ہے وہ دن دور نہیں کہ یہ اور اس قسم کی آئندہ قائم ہونیوالی

سلسلہ نشان	نام انجمن	اسماء سرپرست و معتمدین انجمن	دفتر کا پتہ	کیفیت
۱		۳	۴	۵
۱۱	انجمن پارچہ بانی مدینہ منورہ	مولوی ڈاکٹر خواجہ معین الدین صاحب	عابد شاپ حیدرآباد دکن	•
۱۲	صدر انجمن اسلامیہ حیدرآباد	" محمد عبدالعزیز خاں صاحب وکیل ہائیکورٹ	حسینی علم " "	•
۱۳	انجمن ترقی عرب	" حبیب حسین صاحب	مغل پورہ " "	•
۱۴	انجمن افاغنہ	" محمد نواز خاں صاحب	حویلی قدیم " "	•
۱۵	انجمن مجددیہ	" حکیم شفا صاحب	درگاہ حضرت پیر قیوم الدین شاہ رحمۃ پل قدیم "	•
۱۶	انجمن اہل حدیث	" محمد عبدالسلام صاحب	دریچہ بو نرہ حیدرآباد دکن	•
۱۷	انجمن مہدویہ	" سید یوسف صاحب تصور	چنچل گوڑہ " "	•
۱۸	انجمن احمدیہ	" سید بشارت احمد صاحب وکیل ہائیکورٹ	سعادت منزل چوک اسپل " "	•
۱۹	انجمن نعمانی عثمانیہ	" حکیم ابو الفدا محمود احمد صاحب	جلال کوچہ " "	•
۲۰	انجمن تحریک قرآنی	" ابو محمد مصلح صاحب	تالاب حسین ساگر " "	•
۲۱	انجمن احترام اوراق متبرکہ	" غلام محمد صاحب	دروازہ چادرگھاٹ " "	•
۲۲	مجلس اشاعت العلوم	" حکیم غلام مرتضیٰ صاحب مہتمم	مدرسہ نظامیہ شبلی گنج " "	•
۲۳	انجمن طلباء قدیم مدرسہ نظامیہ	" حکیم سید شاہ حسین صاحب گنج نشین	سلطان پورہ " "	•
۲۴	انجمن اسلامیہ	" سید نصیر الدین ہاشمی صاحب	دھول پیٹھ " "	•
۲۵	جلسۂ مجلس قراء	" محمد اکبر علی صاحب برصیفہ	چادرگھاٹ " "	•
۲۶	مدارس شبینہ	" ثناء اللہ صاحب پانی پتی	گنل منڈی " "	•
۲۷	مدرسۂ انوار العلوم	" جواہر خاں صاحب بی۔ اے	نامپلی " "	•
۲۸	مجلس اشاعت القرآن	" الحاج عبدالسلام صاحب صدیقی	مسجد خیریت آباد " "	•

انجمنیں اسی طرح اپنی بے لوث خدمات اور صحیح قوت کیساتھ کارفرمائی کے بعد کشتی ملت اسلامیہ کے رہن و لنگر بنکر گمراہی و ادبار کے دریا میں ڈوبتے ہوئے مسلمانوں کا سہارا اور ناخدا بنیں گی۔ جبکہ وہ محی الملت والدین کے زیر عاطفت اسلامی شمس لئے اپنے حقیقی نصب العین کو ڈھونڈ رہی ہیں۔

مرتبہ محمد فاضل

اعلیحضرت کی اصول تعلیمات اسلامیہ کی پابندی کے چند نمونے

مساوات اسلامی سے متعلق نصیحت آموز سیرت عثمانی کے جلوے

(۱) خدا کے گھر میں بادشاہ و فقیر برابر ہیں! پہلے بادشاہوں کے زمانے سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ جب نماز کیلئے تشریف لاتے تو تمام لوگ تعظیم کیلئے اٹھ کھڑے ہو جاتے تھے اعلیحضرت نے اپنے عہد میں اس دستور کو منسوخ کر دیا کہ یہ خدا کا دربار ہے (یعنی خانۂ خدا ہے) یہاں بادشاہ و فقیر سب برابر ہیں جب سے مسجد میں اعلیحضرت کی تشریف آوری پر تعظیم کی اجازت نہیں۔

(۲) یہ میرا دربار نہیں رسول اللہ کا دربار ہے! ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ اعلیحضرت وعظ کی مجلس میں تشریف لائے۔ ایک ملازم خاص جو پہلے سے وہاں بیٹھے تھے آپ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھکر فوراً گلوبند کمر سے باندھ لیا۔ جونہی آپکی نظر پڑی۔ دریافت فرمایا کہ تم نے یہ کیوں باندھا ہے؟ دست بستہ ملازم نے عرض کیا کہ حضور تشریف فرما ہیں۔ اُسوقت اعلیحضرت نے ارشاد فرمایا کہ "یہ میرا دربار ہے یا رسول اللہ کا"
اس ارشاد خاص کے ساتھ ہی وہ ملازم مو بر اندام ہوگئے۔ اور فوراً اپنی کمر سے گلوبند اُتار دیا۔

(۳) وعظ فرماتے ہوئے سلام کیوں کیا؟ ایک مرتبہ اعلیحضرت ایک وعظ کی مجلس میں تشریف لائے۔ دوران وعظ میں آپ کو دیکھکر واعظ صاحب نے سلام کیا۔ فوراً حضور پرنور نے فرمایا "مولوی صاحب! افسوس ہے کہ آپ وعظ فرما رہے ہیں یا سلام کر رہے ہیں۔ میں مخل ہوا ہوں مجھ پر سلام واجب تھا نہ کہ آپ پر۔ منبر رسول اللہ پر تشریف رکھتے ہوئے آپکو مجھ جیسے دنیادار کی تعظیم ضروری نہ تھی۔ اس جلسہ میں جسقدر مسلمان آرہے ہیں کیا آپ سب کو سلام کر رہے ہیں؟" ایک اولوالعزم مقتدر شاہ ہونیکے باوجود اعلیحضرت کی اسطرح کی کسر نفسی جو تعلیمات اسلامیہ کی پوری پوری حامل تھی اسکا حاضرین جلسہ پر سینکڑوں مواعظ اور ہزاروں پند و نصائح سے زیادہ اثر ہوا۔

(۴) مسجد میں بندہ کی عظمت کبھی بیان نہ ہونی چاہیے! عین مغرب کی اذان ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ کے ایک جمعہ کو اعلیحضرت حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کی زیارت کے بعد بغرض ادائی نماز جمعہ مسجد میں تشریف لائے۔ اسوقت ایک صاحب نے قصیدہ سنانا چاہا تو ارشاد ہمایونی ہوا کہ مسجد میں بندہ کی عظمت کبھی بیان نہ ہونی چاہئے۔ خانۂ خدا میں شاہ و گدا سب ایک ہیں۔ یہاں کوئی چھوٹا بڑا نہیں" اور پھر بر بناء عقیدت مندی تسکین بھی فرمادی کہ "البتہ مسجد کے باہر کہو تو مضائقہ نہیں"

(۵) ہم خود سلام کو آئے ہیں سلامی کی ضرورت نہیں! ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ میں حضور پرنور جب عمل در آمد بغرض شرکت عرس گلبرگہ شریف میں رونق افروزی کے بعد صندل شریف کے جلوس کیساتھ ساتھ پاپیادہ آستانہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز پر تشریف فرما ہوئے۔ اسوقت پولیس کے پاس گارڈ آف آنر کی سلامی کا انتظام تھا لیکن اعلیحضرت نے یہ فرماتے ہوئے کہ "ہم خود یہاں سلام کو آئے ہیں۔ سلامی کی ضرورت نہیں" سلامی کی ممانعت فرمادی۔

باوجود انتہائی مقدرت و منتظم ہستی ہونے کے۔ اعلیٰحضرت کا قرآن پاک سے اس قدر شغف جو عشق کے درجہ کو پہونچ جائے۔ صاحبِ بصیرت و اہلِ دل کے لئے رموز شناسی کی حاجت رکھتا ہے۔ کہ فنا فی القرآن عین فنا فی الحق ہے ع

حامئ دینِ مبیں عاشقِ قرآں تم ہو۔

اس بینہ ذوقِ قرآن کا نتیجہ ہے۔ کہ آپ نے ایک مستقل یادگار، مدرسہ حفاظ کہ مسجد کے جنوب جانب تعمیر کروایا ہے۔ جہاں صدہا طلبہ قرآنی تعلیم اور حفظ و قرأت سے فارغ ہو کر تعلیمات اسلامی سے سیراب اور مزوریات اسلامی کے حامل بن رہے ہیں۔

مدرسہ نظامیہ حیدرآباد کے ایک قابل فخر دینی مدرسہ نظامیہ کی روزافزوں سرسبزی اور ترقی محض اعلیٰحضرت کی جبلی و عملی توجہ کا نتیجہ ہے جس کے انتظامات کو بیدار مغز شاہ ذیجاہ نے قابل علما کی ایک کمیٹی کے تحت مقرر فرمایا ہے۔ جہاں کی تعلیم کا مقصد صرف حقیقی تعلیمات اسلام ہے۔ جس کو صحیح معنوں میں کامیاب منزل پر دیکھنا اعلیٰحضرت کا عین منشا رہے۔

خلعت نوازی مدرسہ نظامیہ اور مدرسہ حفاظ کے فارغ التحصیل اور نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے طلبہ کو حسب سفارش کمیٹی و ناظم صاحب امور مذہبی۔ خلعت اور دیگر مزوری الطاف سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

نیاز شریف اور دعوت اعلیٰحضرت کے پاس تمام نیازیں ہوتی ہیں جس کے لئے صرف خاص مبارک میں ایک مستقل دفتر نیازات قائم ہے جہاں لاکھ روپیہ کا خرچ معین ہے۔ اکثر خاص نیازات کے وقت اعلیٰحضرت مشائخین و طلبا و حفاظ وغیرہ کو مدعو فرماتے ہیں دیگر نیازات کے وقت مستحقین کے لئے بالعموم دسترخوان نیازات آصفی ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔

حضرت اقدس و اعلیٰ کی بے نظیر شاہانہ فیاضیوں۔ علمی سرپرستیوں اور اہم اسلامی خدمات کو پیش نظر رکھکر ہندوستان کے تمام مسلمانوں نے متفقہ طور پر ایک عظیم الشان جلسہ ۲۹ ستمبر ۱۹۱۸ء کو منعقد کر کے جس میں تمام فرقوں کے پیشوا سردار اور نمائندے شریک تھے عامۃ المسلمین کے بیشمار ہزار بالمجمع میں بہ یک زبان و یک دل یہ مجوزہ تحریک پاس کی کہ "اعلیٰحضرت حضور نظام کی خدمت میں

"محی الملۃ والدین"

کا معزز قومی لقب۔ بذریعہ خاص وفد پیش کیا جائے" چنانچہ اس قومی پیشکش کو حضور ممدوح نے قبول و منظور فرماکر۔ وفد کو سرمایۂ امتنان و تشکر بخشا۔

تاجدارِ عاشقِ رسولؐ کے فرامینِ مبارک

متعلق برقی روشنی حرمین شریفین

(۱) ارشادِ ملوکانہ: جو تجویز اس بارہ میں نظامت جنگ کی ہے۔ وہ بہت ہی ضروری و مناسب معلوم ہوتی ہے چنانچہ اس مسئلہ پر ریاست حیدرآباد غور کر رہی ہے کہ منجملہ اور امورِ خیرات و مبرات یہ مذہبی کام بھی بتقریب جوبلی سرانجام پائے۔ بشرطیکہ کوئی ممانعت منجانب سعودی گورنمنٹ حائل نہ ہو۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ کام ہم خرما و ہم ثواب ثابت ہوگا۔ جس صورت میں کہ تکمیل کو پہونچ جائے بقول۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔

(مطبوعہ اخبار رہبر دکن مورخہ ۶ شعبان المعظم ۱۳۵۴ھ)

(۲) فرمانِ مبارک۔ مژدہ برائے مسلمانانِ عالم

میں نے اپنے سلور جوبلی کے چندہ میں سے مبلغ [illegible] خاص طور پر مدینۂ طیبہ میں برقی روشنی اور دوسرے جزوی متعلقہ امور کی سربراہی کیلئے علحدہ رکھنے سے متعلق حکم دیدیا ہے اور اُمید ہے کہ قریب میں یہ مبارک و مذہبی کام انجام پائیگا (ایک کمیٹی کے توسط جو کہ گورنمنٹ کی مرتب کردہ ہوگی) تاکہ سعادت دارین کا موجب ہوسکے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

(مطبوعہ اخبار رہبر دکن مورخہ ۲ شوال المکرم ۱۳۵۴ھ)

(۳) فرمانِ مبارک۔ قندِ مکرر

میری سلور جوبلی کی تقریب میں صرف خاص کی حد تک جسقدر عام چندہ جمع ہوگا۔ اس میں سے کم از کم پچیس ۲۵ ہزار تک علحدہ اوٹھا رکھنے کیلئے صرفخاص کے نام حکم دیدیا ہے۔ تاکہ حرمین شریفین زاد اللہ شرفاً وتعظیماً کے ضروری ابواب کی تکمیل اس قسم سے کیجاسکے۔ تاکہ نجات اُخروی کا باعث ہو۔ بایں خیال کہ یہ ہر دو مرکز پیروانِ اسلام کے قبلہ گاہ ہیں۔ اس مقدس کام کی تکمیل اُوسی کمیٹی کے توسط سے عمل میں آئے گی۔ جسکو گورنمنٹ مقرر کرے گی جس کے صدرنشین نظامت جنگ ہونگے اور اراکین خواجہ معین الدین و یٰسین خاں (معتمد صرفخاص) اور اُمید ہے کہ کام بروقت اطمینان بخش طریقہ پر انجام پائیگا جسکی سعی ابھی سے کیجارہی ہے۔

(مطبوعہ اخبار رہبر دکن مورخہ ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بے نقاب حقیقت

از نواب میر خورشید علی خاں صاحب ایم۔ آئی۔ سی۔ بی (ڈیرہ دون دوم تعلقدار آصف آباد)

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ وضاعف افضالہٗ کا لاکھ لاکھ احسان اور اس کا شکریہ دائرۂ امکان سے خارج ہے کہ رب جلیل نے ہم کو اپنی حکمت بالغہ اور رحمت کاملہ سے ایک ایسا بادشاہ عنایت فرمایا ہے جس کے ارادت افزا اوصاف کی پرستش غائبانہ عقیدتمندی بھی اپنا فرض سمجھتی ہے۔ مشرق ہمیشہ سے بادشاہ پرست رہا ہے۔ اس نے دنیا میں بادشاہوں کو خدا کا نائب سمجھا اور اس کی شاہ پرستی نے اس حد تک ترقی کی کہ جب اس نے خدا کا تصور کرنا چاہا تو اس کے ذہن نے خدا کی جو بہتر سے بہتر تصویر اس کے پردۂ فکر پر کھینچی وہ ایک بادشاہ کی تصویر سے زیادہ نہ تھی۔ کیا اسی جذبہ کا اثر نہ تھا کہ جس نے آج بھی اکثر شہنشاہوں کو مافوق الانسان درجہ دے رکھا ہے مگر ہم ان اکابرین کے ممنون ہیں جنھوں نے ہم کو اللہ اور ظل اللہ میں فرق بتلا کر شرک سے بچا لیا۔

جب ہم کسی اندھی عقیدت کی بناء پر نہیں بلکہ اصلی واقعات کی روشنی میں اپنے بادشاہ جہاں پناہ کی اعلیٰ شخصیت پر غور کرتے ہیں تو اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ایسے ہی بادشاہ ہونگے جنھوں نے اپنے عیش و راحت کی قربانی کے ساتھ رعایا کے قلوب پر اپنی محبت کا سکہ جمایا ہوگا اور ظلوم و جہول و مرکز طغیان و عدوان انسان کی گردن عقیدت کو بجبر و اکراہ نہیں برضا و رغبت اپنے سامنے جھکایا ہوگا۔

بادشاہ کے دو ہی تو فرض ہیں۔ ایک یہ کہ خود کو سنوارے اور اپنی شجاع رعایا کے سامنے حسن سیرت و خوبیٔ فطرت کا ایک ایسا نمونہ بنا کر پیش کرے کہ سب اسے مشعل راہ بنائیں اور اس کی پر تنویر شعاعوں میں منزل سعادت تلاش کریں کیونکہ زمانہ نے ابتک (النَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ) کے اصول کو نہیں جھٹلایا ہے۔ دوسرے راعی کی حیثیت سے ان کی زندگی کو زیادہ سے زیادہ خوش گوار بنانے کی فکر میں لگا رہے۔ جن کی قسمت کو قدرت یا اتفاق نے اس کی نصیب کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔ جن بادشاہوں نے اپنے فرائض کے ان دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھا وہ دنیا کے کامیاب بادشاہ ہوئے اور جنھوں نے ان سے غفلت برتی اپنی قدر و منزلت کھو بیٹھے۔

ہمارے آقا نے بادشاہ ہی کی حیثیت میں نہیں بلکہ انسان کی

حیثیت میں اپنے آپ کو اہلِ ملک کے لیے ایک اچھا نمونہ
بناکر پیش فرمایا۔ جو ان کے حالات سے واقف ہے وہ جانتا ہے
اور کون نہیں جانتا کہ ایک بادشاہ کے لیے جتنے صفات کی ضرورت
ہے خود بدولت اُن سب کے جامع ہیں۔

علم و فضل

بادشاہِ بے علم کو الماس بے آب سمجھو یا تیغ بلا جوہر۔ الحمدللہ کہ ہم ایک آبدار الماس اور جوہردار تلوار رکھتے ہیں۔ ہمارے بادشاہ ظل اللہ محض علم پرور بلکہ علوم مشرق و مغرب کے جامع اور حقیقی معنوں میں سُلطان العُلوم ہیں۔ عربی و فارسی میں ہمارے سرکار کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ اُردو ان کے گھر کی ہے تو انگریزی بڑے بڑوں کے مسلمات سے ہے۔ چنانچہ اکثر یوروپین نژاد کو اس کا اعتراف ہے۔ سرکار کے کلام فصاحت التیام نے شعرائے عصریہ میں ہلچل مچادی ہے لاریب ہر اعتبار سے آپ ایک بلند پایہ شاعر ہیں۔ یہ مسلمہ ہے کہ جب تک کوئی خود عالم نہ ہو اس سے وہ ذوقِ علم جو گزشتہ پچیس سال میں اعلیٰحضرت کی ذاتِ خجستہ صفات سے آئینہ ظہور پر منعکس ہوا ہے ظاہر نہیں ہوسکتا۔ کیا یہ غلط ہے کہ موجودہ رؤسائے ہند پر سرکار ہی کو ترجیح فاضلہ حاصل ہے؟ آپ کے محیر العقول دماغی انکشافات نے جامعہ اسلامیہ علیگڈھ کو چانسلری یعنے امیر جامعہ کے باعزت عہدہ کے پیش کرنے پر اصرار کیا جس کو حضور نے باوجود گوناگوں مصروفیات و غایت عدیم الفرصتی کے نہایت خندہ پیشانی و بخشش انبساط سے قبول فرما کر نہ صرف ارباب جامعہ ملیہ کو بلکہ اس کے جمیع خیر سگالوں کی سرپرستی و عزت افزائی فرمائی۔ ہمارے سرکار کے عہد میمنت مہد میں جتنے فرامین عز و رودلائے شرف اشاعت پائے ہیں۔ اگر دکن کے سارے سلاطین باتمکین کو اکٹھا کرلیا جائے تو ان کے مجموعی دور میں بھی شاید عہد عثمانی کے مماثل تعداد نہ ہوگی۔

فرامین کے مضامین کیا ہیں طلسم ادب ہیں اور انشا بدیع کی دنیا ہیں سرکار کی رقم طرازی و جواہر نگاری اختراعات فائقہ جدت اسلوب و نوائے تراکیب کا ایسا دل نواز مرقع ہوتی ہے کہ بڑے بڑے سورما ادیب بھی یہاں اپنے قلمی ہتھیار ڈالدیتے ہیں۔ یہ ہمہ معجز نما ادبی قابلیت کچھ تو اکتسابی اور کچھ اللہ کی دین ہے اور اقبال شاہی ان سب کو لیئے ہوئے اس فخر روزگار تاجدار کو ایک کامل انسان کی حیثیت میں دنیا کے سامنے پیش کررہا ہے۔

سچ ہے "فَضَّلْنَا بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ" اور حق ہے "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ"۔

حُسنِ خُلق

حضرت کے اخلاق گرویدہ کُن سے کون واقف نہیں۔ جن کو باریابی کا شرف حاصل ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ ایک مرتبہ قدمبوسی کی عزت حاصل کرنے والا کبھی اس مسکراہٹ کو جو لطف و کرم کی ضامن ہے اس خوش گفتاری کو جو ادبیت کی سرمایہ دار ہوتی ہے اور اس بے تکلفی کو جس سے دامنِ وقار نہ چھوٹے بھول نہیں سکتا۔ حضرت اقدس کی زندگی کا کوئی پہلو راز نہیں ہے
وہ جیسے اپنی ڈیڑھ کروڑ رعایا کی کھلی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ کنگ کوٹھی کی
بلند دیواریں اپنے سایہ میں آپ کو اس سے کچھ مختلف نہیں پاتیں
وہی سادگی، وہی انکساری۔ وہی تیز اور ہر چیز کے

راجہ رائے ولکھم رام صاحب بی اے ایل ایل بی [illegible]

علامہ عبداللہ عمادی رکن و ناظر دار الترجمہ سرکار عالی

مولوی محمد عبدالرزاق صاحب راشد
مددگار معتمد فینانس

باطن کو ٹٹولنے والی نگاہیں وہاں بھی ہیں۔ عہد حاضر کے کسی بادشاہ
کی مثال پیش کیجئے جو ان کی طرح رعایا کی مذہبی تقریبوں میں بے تکلفی
کے ساتھ شریک ہوتا ہو اور اپنے لیئے کسی قسم کا امتیاز دیکھنا بھی گوارا نہ کرے
مجالس میلاد میں عام فرش پر آپ کے لیئے ایک سوزنی یا قالین بچھایا گیا تو باعث
تکدر ہوا۔ اور اس وقت تک تشریف فرما نہ ہوتے جب تک اُسے اٹھوا نہ لیتے۔ اس زمانہ میں
جبکہ مسلمان خصوصاً اور سارا ہندوستان عموماً سخت مشکل اقتصادی دَور سے گذر رہا ہے۔ حضرت نے باوجود انتہائی
مقدرت کے اپنی سادہ زندگی سے ان کے سامنے کامیاب زندگی کی ایک قابل تقلید مثال پیش کی۔

رواداری اور بے تعصبی بادشاہ کی مثال گلہ بانی کے چرواہے سے دی ہے جس کی لاٹھی کے اشارہ پر لاکھوں کروڑوں
بھیڑیں چل پھر رہی ہوں۔ اگر وہ صرف اچھی موٹی تازہ بھیڑوں کو اپنا بنائے اور دبلی پتلی
لاغر اندام کو اپنی نہ سمجھے تو نہ صرف ان بھیڑوں کو بے سہارا بنا دیگا بلکہ اپنی دولت کو بھی متاثر کریگا۔ باوصف ایک سُنّی
مسلمان ہونے کے اپنی گذشتہ پچیس سالہ حکمرانی کے لمحوں میں اس تعصب کا وہم بھی پیدا نہ ہونے دیا جو ہماری اصطلاح میں
اپنے اصلی معنی کو کھو چکا ہے۔ خود مسلمانوں کے دوسرے فرقے اہل تشیع کیساتھ برادرانہ محبت برتی۔ ان کی محافل و مجالس
میں بنفس نفیس شرکت فرمائی اور ایسے ایام میں جو ملازموں کے لیئے زیادہ قابل احترام ہیں تعطیلیں عطا فرمائیں یہی سلوک
اپنی ہندو رعایا کے ساتھ ہے۔ ان کے چھوٹے سے چھوٹے تہوار کے لیے تعطیلیں مقرر ہیں۔ بعض اہم مواقع پر خود بدولت
بنفس نفیس شرکت فرماتے ہیں۔ منادر و معابد کے لیے انعامات عطا ہیں اور اس کی طرف خاص نظر ہے کہ رعایا کے کسی طبقہ
کو یہ وہم بھی نہ ہونے پائے کہ وہ ایک دوسرے سے غیر ہے۔ دنیا میں ہر جگہ اقلیتیں مصیبت میں رہتی ہیں اور جب تک
انھوں نے جد و جہد نہ کی اپنے حقوق نہ پا سکے لیکن حضرت کی دقیقہ سنجی نے ہمارے مانگنے سے پہلے ان کا خیال کیا۔
پارسیوں کو نوروز کی اور عیسائیوں کو کرسمس و جنوری کی تعطیلیں دیں اور جب مجلس بلدیہ کی نوبت آئی تو ان کی نمائندگیاں
منجانب سرکار محفوظ کرائی گئیں۔ اس عنوان کے تحت بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن بخوف طوالت پیوستہ سال کے اس
فرمان مبارک کی یاد کافی ہے جس میں ایک پکے مسلمان بادشاہ نے غیر مسلم جماعتوں کو اطمینان دلایا کہ جہاں تک تمہارے
معاملات کا تعلق ہے ہم کو لامذہب سمجھو اور یقین رکھو کہ تمہارے ساتھ وہی برتاؤ ہوگا جو ہم مسلمانوں کے ساتھ کرینگے۔ آج دنیا
شاہد عادل ہے کہ سرکار کا اس پر عمل ہے۔

سیاست و تدبر بادشاہ کے لیئے تمام صفات اضافی اور اس کی اصلی صفت تدبیر و فراست ہے اس جوہر
کی کمی و زیادتی اس کی کامیاب و ناکام بادشاہت کی دلیل ہوتی ہے اگر اس موضوع پر کماحقہ
نہ سہی کما ینبغی ہی ہم کچھ کہنا چاہیں تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے ایک مستقل صحبت کی ضرورت ہوگی اور ویسے ایک جلد ضخیم کی
بر شیم میری دانست میں اس کا حق ادا نہ ہوگا۔ ہم مختصراً یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس مادہ میں

حضرت ظل سبحانی مظہر انوار رحمانی نواب سر میر عثمان علی خاں بہادر
آصف سابع خلد اللہ ملکہ دودمان آصفی کے طلائی سلسلہ کی مرصع کڑی
ہیں جو ہر زاویہ نگاہ سے عیاں اور یوں اس گھر کے لیئے

نواب مرزا یار جنگ بہادر میر مجلس عدالت العالیہ سرکار عالی

یادگار سلور جوبلی آصف سابع

ہدیۂ ناظرین کیا تھا کہ اگر یورپ میں کوئی بے تاج سلطنت محتاج
وجود شاہی ہوتی اور میر **عثمان علیخاں** جیسے دل و دماغ کا
انسان اس سرزمین پر ہوتا تو اس علاقہ کی رعایا آنکھ موند کر ان کے
حق میں قرعہ اندازی کرتی کہ یہی سریر آرائے اورنگ شاہی ہوں"۔ گویا آپ کا فوراً ہی
بلا مخمصہ انتخاب کرلیا جاتا۔ جب یورپ جیسے شہرۂ آفاق متمدن خطہ عالم کو سرکار جیسی ہستی کی ارمان اور
ضرورت ہے تو ایشیا یا ہندوستان کے حق میں آپ کے ارمغان قدرت و آیۂ رحمت ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔
حیدرآباد کو آرایش بلدہ نے جدید حیدرآباد کردیا ہے۔ اس ملک سے جس شخص کی غیر حاضری دس پندرہ برس رہی ہو وہ
یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ وہ شہر نہیں ہے جس کو اس سے پہلے اس کی آنکھوں نے دیکھا تھا۔
اس نواح دنیا کے نفاست پسند صفائی دوست شہریوں کی وجہ سے لطافت و پاکیزگی میں حیدرآباد کو مدارج عالیہ
حاصل ہیں اور اس باب میں یہ ہندوستان کا اولین شہر ہے۔ ممالک محروسہ و بلدیہ کی قدیم تاریخی و روایتی جدید دلکش
ونظر فریب عمارتوں کے ساتھ مل کر حسن و زیبائش میں دوبالا و ممتاز ہوگئیں اور اپنی صناعی کے مدنگاہ لاثانی ہیں۔
غرض سلطان دکن کے ان پچیس سالہ ایام حکمرانی نے سوتوں کو جگایا اور جاگتوں کے مضمحل قالب میں روح احیا پھونکدی۔
اور یہی وہ مسعود عہد ہے جس نے اس سلطنت کے اکثر شعبوں میں صحیح قسم و معیار کا انسانی مادہ تعلیم کرکے ملک کو شاہراہ ارتقا پر
گامزن کردیا اور ملکیوں کو بیدار کرکے انہیں جذبۂ خودداری بخشا۔ ملکیوں کے اس سلیقۂ احساس پر کہ ان کا موقف ان کی سمجھ میں آنے
لگا ہے زمانہ کا فتویٰ ان کو خراج تحسین کا مستحق اور قابل مبارکباد گردانتا ہے اور ہم حضرت اقدس و اعلیٰ کی پیشگاہ فلک پایگاہ
میں ملک کی اس بیداری پر جس کی فتح و نصرت کا تاج عالم پناہ کے سر ہے۔ نہایت ادب سے دست بستہ ہدیۂ تبریک
وتہنیت گذرانے کی عزت حاصل کرتے ہیں۔ آقا نے ابتدائے تخت نشینی سے آج تک تالیف قلوب سے کام لے کر دلوں پر حکومت
فرمائی ہے اور ہم اپنی خوش طالعی پر جس قدر مسرور ہوں و مفتخر سمجھیں کم ہے۔
عروج عثمانی کی ضیا پاشیوں کو لکھنے کی تاب و سکت اس عاجز کے غریب قلم میں کہاں جو اس کا صحیح نقشہ
کھینچ سکے۔ اس لیے اجمالی خاکہ پر اکتفا کیا گیا۔
الحاصل نظام لاسلکی سے متعلق نشر و مکبر الصوت کی سحر افزائیاں صنعت و حرفت کی معرکہ آرائیاں، طیاروں کی بلند پروازیاں
جدید آلات زرعی و باغبانی و مرغبانی کی نمائش آثار قدیمہ کی حفاظت، تعلیم و تربیت کی نظامت بائیسکوٹ و رضاکاروں
کی جلوہ نمائی اور سب سے بڑھکر مالیہ کا توازن نامعلوم اور کئے عنوان ہیں جو یکے بعد دیگرے خسرو دکن کی حیات
جامع البرکات پر غور کرنے والے کے سامنے آتے رہتے ہیں اور وہ سراسیمہ ہوکر چیخ اٹھتا ہے۔

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچین جمال تو ز دامن گلہ دارد

مذکورہ بالا واقعات ڈھارس دلاتے ہیں کہ
حال خوش تر مستقبل کا پیش خیمہ اور عظیم الشان انقلاب کا

ضامن ہے اور ہم صمیم قلب سے بارگاہ لم یزلی میں سربسجود
دعاگو ہیں کہ حق سبحانہ تعالے جس طرح آج ہمارے آقائے
عدل گستر شفیق رعایا، نواز ورعیت پرست بادشاہ کو جشن سیمین کا یوم سعید
کرامت فرمایا جس کو ہر دل کی زبان قومی جشن کہتی ہے۔ اسی طرح ترقی عمر و اقبال
سازگاری و کامرانی کے ساتھ طلائی جشن یا قوتی منانا نصیب فرمائے۔ آج ملک کے چھوٹے بڑے بلکہ بچے بچے کی
باچھیں کھل گئی ہیں اور اُن کے دل کی گہرائیوں سے فرط شادمانی کے ساتھ بیساختہ دعائیں نکل رہی ہیں کہ

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہو دن پچاس ہزار

مُبارک عہد اقدس و اعلیٰ میں خرافات کا انسداد

بہ اتباع ارشادات ظل سبحانی حسب ذیل خرافات کا انسداد عمل میں آیا جسکی سختی سے نگرانی ذریعہ پولیس عمل میں آتی ہے۔

(۱) محرم الحرام کے خرافات کا انسداد اور بہ تعمیل فرمان مبارک متر شدہ ۱۳۲۲ء رمضان المبارک ۱۳۲۲ عشرہ شریف میں ہر قسم کے بنگلوں اور سوانگ کی ممانعت جو انسی یا مسخری

(۲) حیدرآباد میں فاحشہ عورتوں کے داخلہ پر قیود

(۳) قرب مساجد، معابد و منادر اور شارع عام سے پیشہ ور عورتوں کی علحدگی۔

(۴) محلہ جات شرفاء اور شہر کے آباد علاقوں سے دوکانات سیندھی شراب وغیرہ کی برخاستی

(۵) گنجن خانہ جات، مدک خانہ جات، امبو خانہ جات کی برخاستی۔

(۶) ایام متبرکہ میں طبقۂ اسلام کیلئے سیندھی و شراب نوشی کی ممانعت۔

(۷) مخنث ہیجڑوں پر قیود اور آیندہ کیلئے امتناع

(۸) مینابازاروں کی قطعاً مسدودی

(۹) اعراس میں رنڈیوں کے اجتماع اور دیگر خرافات کی ممانعت

(۱۰) پیشہ ور دلالوں کی بیخ کنی

(۱۱) آسمانی آتشبازی مثلاً تارہ منڈل ۔ غبارہ ۔ ڈھیلا وغیرہ کی ممانعت

(۱۲) مریلوں کا انسداد ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلطنت عثمانیہ میں مذہبی آزادی کے خوشگوار نتائج

ہندوستان کی سب سے بڑی سلطنت حیدرآباد میں - ہندو، مسلم، عیسائی، پارسی، سکھ وغیرہ تمام مذہب کے لوگ رہتے بستے ہیں۔ اعلیٰحضرت خلداللہ ملکہ وسلطنتہ نے اپنے خاندانی دستور کے موافق نہ صرف ان تماموں کو مذہبی آزادی دے رکھی ہے۔ بلکہ ہر قسم کی سہولت بخش رعایتیں اور مذہبی رسوم وغیرہ کے فرائض کی ادائی میں معقول اہتمام کر دیا ہے۔ اور بیش قرار امداد بھی دیجاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب کے لوگ مابین اتحاد ومحبت نہایت امن وسکون، خوشحالی وفارغ البالی کے ساتھ شادان وفرحاں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور اپنے شاہ ذیجاہ کے سچے وفادار وجاں نثار ہیں۔ حضرت اقدس واعلیٰ اپنی رعایا کو جیسے عزیز رکھتے ہیں اس کی نظیر دنیا کی تاریخ نہیں پیش کر سکتی جسکی ایک گونہ تصدیق مسالمت عثمانی کے خاص باب کے ملاحظہ سے بخوبی ہو سکتی ہے اعلیٰحضرت کی بے تعصبی انسانی ہمدردی، حق شناسی، علم پروری، معارف نوازی اور مقتضیات مملکت کی دلیل بیّن طور پر واضح اور چار دانگ عالم میں شہرۂ آفاق ہے۔ یہاں کی رعایا شاہ پرست ہے۔ اور ظل اللہ کو عقیدتاً اپنا مرکز مجازی تصور کرتی ہے۔ اطاعت دیانت، امانت، پاس نمکخواری، جاں نثاری، وفاداری یہاں کے بسنے والوں کا سچا شیوہ وشعار ہے۔ اسلام کا طریقہ ہمیشہ فضائل اخلاق کے اظہار کا رہا ہے۔ اس نظریہ کے تحت اعلیٰحضرت کی مبدا فیضی و اولوالعزمی صفات مذہبی سے متصف ہو کر نقش وفا کا مصداق و موثر دستور اساسی بنجاتی ہے۔ اس خصوص میں راعی و رعایائے دکن کے باہمی خوشگوار تعلقات ومظاہرات وواقعات کا زمانہ کے دوربین مدبر فرنسیوں نے مشاہدہ کر کے جن الفاظ میں اقرار کیا ہے وہ جہاں پر روشن ہے۔ جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حیدرآباد نہ صرف یہاں کے رہنے بسنے والوں کے لئے دار الامان و دار السلام ہے بلکہ غیر ممالک کے حق میں بھی اپنے برکات کا ضوفشاں مرکز بنا ہوا ہے۔ جس کا نتیجہ ہے کہ بلا تفریق مذہب وملت، ملکی وغیر ملکی تمام نمکخوار وخیر اندیش، عقیدتمند، نہ صرف محدود دکن، بلکہ ہر خطۂ ملک کے تمام عالم میں لوگ اعلیٰحضرت حضور نظام نواب سر میر عثمان علیخاں بہادر خلداللہ ملکہ وسلطنتہ کی سلور جوبلی منانے میں مسرور وفرحاں ہیں۔ یہ ہے وہ بادشاہت جو خدا کے نام بندوں کی جاتی ہے۔ اور یہی منشائے الٰہی ہے فقط

حکومت نظام کی رواداری اچھوت اقوام کیساتھ

حیدرآباد میں اچھوت وہندوؤں کی بہت زیادہ تعداد ہے۔ اگر ان میں سے معتدبہ اقوام اچھوت کو علحدہ کر دیا جائے تو ہندو صرف (۱۱) فیصدی باقی رہجاتے ہیں۔ اچھوت اقوام ہند نے اپنے انسانی وسیاسی حقوق پر غور وخوص کرنے کے بعد اکٹوبر ۱۹۳۱ء میں دس ہزار نمائندوں کا ایک بہت بڑا جلسہ منعقد کیا۔ اور ڈاکٹر امبیڈکر کو اپنا خصوصی نمائندہ مقرر کر کے بغرض شرکت گول میز کانفرنس لندن روانہ کیا۔ اس اجتماع عظیم الشان جلسہ میں

ہوئے تھے تو ان سے بھی مل کر امور مذکورہ صدر پر دیر تک گفتگو
کر کے بار ہا ان کو اپنے خیالات وغیرہ میں معتدل پایا اور اس امر سے
محظوظ ہوا کہ وہ حالات موجودہ کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں اور میری گورنمنٹ کو
عند الوقت خاص اس بارے میں اگر ضرورت پیش آئے تو مدد دینے کے لیے اپنے

خدمات کو پیش کیا ہے۔

سردار مذکور کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ آج کل غلط افواہ جو نانڈیڑ کے گرودوارہ سے متعلق مشہور ہو گئی ہے (معلوم نہیں کہ اس کے بانی مبانی کون اشخاص ہیں) کہ گرودوارہ پر حملہ ہونے والا ہے جس کی وجہ پنجاب و امرتسر کے سکھوں میں بے چینی پھیلی ہوئی ہے چنانچہ چند سکھ سبھا گرودوارہ کی حفاظت کی غرض سے ایک جتھا نانڈیڑ بھجوانا چاہتے ہیں۔ وغیرہ اس پر سے جو کچھ جواب دینا تھا میں نے ان کو دیدیا ہے تاکہ سکھوں کی تسلی ہو جائے مگر پھر اس کا اعادہ اس جگہ کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ ہر گورنمنٹ کا فرض ہے کہ اپنے زیر سایہ جس قدر مذاہب کے لوگ بود و باش کرتے ہیں ان کے معابد و جان و مال کی حفاظت کرے۔ چنانچہ یہی وطیرہ میرے بزرگان سلف کا تھا اور چونکہ میں بھی اسی کا خوشہ چین ہوں۔ لہذا میرا بھی طریقہ کار وہی ہے جو کہ ان کا تھا یعنے حکمران قوم نے ہمیشہ اپنے مذہب کو اس سے بحث نہیں کہ وہ کس مذہب و عقائد کے تھے اصلح کل قرار دیا تھا۔ چنانچہ اسی خیال کو پیش نظر رکھ کر میں نے اپنی گورنمنٹ کو حکم دے رکھا ہے کہ نہ صرف گرودوارہ

بلکہ دوسرے معابد کی دیکھ بھال کرنا بھی اس کا فرض ہوگا تاکہ بلاوجہ اغیار کے دست برد سے وہ محفوظ رہیں اور خصوص معاملہ زیر بحث میں تو میں نے تاکیدی احکامات جاری کیے ہیں کہ گرودوارہ کی حفاظت مقامی پولیس کے ذریعہ کرائی جائے نہ صرف امور تنازعہ فیہ کے تصفیہ تک بلکہ ہمیشہ کے لئے تاکہ پھر زمانہ آئندہ میں اس قسم کے خلفشار وقوع میں نہ آئیں جو کہ ایک طرف گورنمنٹ کی دردسری کا باعث ہوں اور دوسری طرف مختلف مذاہب کے فرقوں کی دل آزاری کا باعث نہیں جو کہ ایک صدی سے زائد زیر سایۂ عاطفت سلطنت آصفیہ امن سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور اسی زریں اصول حکمرانی کی وجہ میری سلطنت آبائی کا نام روشن ہے اور امید قوی ہے کہ آئندہ بھی رہیگا کیونکہ ہم حکمران قوم کا مسلک یہی ہے کہ "مرنج و مرنجان"

نوٹ:۔ میرا یہ فرمان جریدۂ غیر معمولی میں پبلک کی اطلاع کی غرض سے طبع کر دیا جائے اور اس کی نقل چند معتبر اردو اخبارات میں طبع کرنے کی غرض سے بھجوا دی جائے۔ اور اس کا انگریزی ترجمہ جو ہوا ہے وہ معتبر انگریزی اخبارات کو دیا جائے تاکہ یہ مسئلہ جو کسی قدر پیچیدہ ہو گیا تھا اور جس کی وجہ چو طرف غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں اس کا ازالہ ہو جائے۔

مسلم غیر مسلم بھائی چارہ

حیدرآباد میں مسلم غیر مسلم بھائی چارہ کو دیکھ کر غیر ممالک کے لوگ متحیر رہ جاتے ہیں کہ یہاں کے باشندوں میں باہمی اتحاد و اتفاق کی کڑیاں اور اس کے شیرازہ کے تار و پود کس طرح آپس میں منسلک اور تعلقات برادرانہ وابستہ ہیں۔ ہندو اعراس میں اور مسلمان جاتراؤں میں جاتے ہیں۔ اور تمام اقوام ایک دوسرے کے غم و تقاریب میں شریک ہوتے ہیں۔ ایک نل سے پانی پیتے ہیں۔ یکجا اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ باہمی امداد و دستگیری کیوقت شیوۂ انسانیت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ یہاں ہندو مسلم محلے علحدہ علحدہ نہیں ہیں۔ بلکہ مخلوط طور پر رہتے بستے ہیں جو انسانی بھائی چارہ کی کھلی علامتیں ہیں فقط

اُصولِ سیاست

رائٹ آنریبل نواب حیدر نواز جنگ بہادر کے خطبہ کا ضروری اقتباس جو ۱۹۳۳ء کے جلسہ طیلسانیین عثمانیہ میں پڑھا گیا تھا

"میں آپ سے مختصر طور پر ان معاملات کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں جو ہمارے حیدرآباد کے لئے نہایت اہمیت رکھتے ہیں"

"آپ کو یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ جو لوگ آپ کے پیشرو اور آپ کے آئین ہیں اپنا فرض امانت کس طرح پورا کرتے ہیں اور آپ کے لئے کیا میراث چھوڑ جائیں گے۔"

میرا مطلب یہ ہے کہ آپ اس سے باخبر رہیں کہ خود آپ کے زمانے میں کیا ہو رہا ہے۔ بغیر اس کے کہ آپ سیاست میں دخل دیں، آپ کو اپنے زمانے کے سیاسی نظام اور سیاسی تحریکوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔"

قبل اس کے کہ میں اندرون ملک کے معاملات کا ذکر کروں میں اس کی تشریح کر دینا چاہتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ ہمارے لئے سب سے مقدم یہ بات ہے کہ ہم حیدرآبادی ہیں، اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہٗ ہمارے فرمانروا ہیں۔ اور حضور پُرنور کے سوا ہم کسی کی فرمانروائی کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ مگر اس کے ساتھ ہم ایک بڑی کل کے اجزا ہیں جس سے جغرافی حالات اور نسلی تعلقات کی بدولت ہمارا رشتہ اتحاد قائم ہے اس کل سے مراد "ہندوستان" ہے۔ اس خیال کو دل میں لے کر اعلیٰحضرت کے منشائے مبارک کے مطابق حیدرآباد گول میز کانفرنس کے دستور اساسی کے مباحثوں میں شریک ہوا جو انجام کو پہنچ چکے ہیں۔ . . .'

وہ ان دو بنیادی اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے، یعنی اعلیٰحضرت خلد اللہ ملکہٗ کی فرمانروائی کا بدستور قائم رہنا، اور حضور پرنور کا اتحاد ملک معظم کے ساتھ اسی شان سے باقی رہنا۔ ہم نے اپنے ہندوستانی بھائیوں کو جہاں تک ممکن تھا اس بات میں پوری پوری مدد دی کہ وہ دستور اساسی کے معاملے میں جس طرح چاہتے ہیں ترقی کر سکیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہم نے اس شرط کیا تھا کہ ہماری مستقل ہستی اور ہمارے اور ملک معظم کے باہمی تعلقات برقرار رہیں، بعض معاملات میں برطانوی ہند کے ساتھ شرکت عمل بھی منظور کر لی۔

جو کام اس طور سے انجام پایا ہے اس کے جانچنے اور ناپنے کے لئے

بہت بڑا پیمانہ دستکار ہے۔ وہ ہندوستان جو میرے خیال میں اس
وقت تین برس کی کوشش میں معرضِ وجود میں آرہا ہے گویا ایک وقت
ہے اور برطانوی ہند کے صوبے اور ہندوستانی ریاستیں اس کی شاخیں ہیں۔
جنہیں ایک ہی تنے سے زندگی کا رس چوسنا ہے۔ اس درخت کے نصب کرنے میں اعلیحضرت

نظام دکن کی دوراندیشی اور تدبر کی بدولت حیدرآباد نے نمایاں طور پر حصہ لیا ہے۔ اور حضور پرنور کی رعایا کو اس بات پر فخر کرنا چاہئے کہ مصالحت باہمی اور تعمیر جدید کے اس عظیم الشان کام میں جو کچھ ہم نے کر دکھایا ہے وہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ تاہم اس کے زعم میں ہمیں خانگی مسائل کی طرف سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ ہمیں معلوم کرنا چاہئے کہ ہمارے یہاں کن چیزوں کی کمی ہے اور کون سی چیزیں ناقابلِ اطمینان حالت میں ہیں۔ ہماری بہت سی کارگزاریاں ایسی ہیں جن پر ہم فخر کرسکتے ہیں۔ ہمارے محصول کی شرح بہت کم ہے ہماری مالیات یعنی (فینانس) کی حالت برطانوی ہند کے لئے قابلِ رشک ہے۔ ہمارے انتظامی وعدالتی صیغے جن پر ریاست کی حکومت کا انحصار ہے زیادہ منظم اور بہتر ہوتے جاتے ہیں ہمارے ذرائع آمد و رفت میں جن میں ریلیں اور شاہراہیں دونوں شامل ہیں، سال بسال توسیع ہو رہی ہے۔ ہمارے حفظانِ صحت، تعلیمات، زراعت، و آبپاشی کے محکمے روز بروز ترقی کر رہے ہیں۔

مختصر یہ کہ نظم و نسق ریاست کے ہر شعبہ میں نشوونما کے آثار نمایاں ہیں۔ ابھی تک فرقہ وارانہ تنازع کا زہر ہمارے یہاں نہیں پھیلنے پایا ہے۔ مگر ہمیں اپنے دل میں سوچنا چاہئے کہ کیا ہمارے یہاں مطلق کسی چیز کی کسر نہیں ہے؟ کیا اور کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی جس سے مملکت محروسہ کے باشندوں کے دائرہ زندگی میں مزید وسعت پیدا ہو اور وہ بلند تر مدارج پر پہونچ سکیں۔ کیا ہم اس کے زاویۂ نظر کو محدود ہی رہنے دیں یا اسے ترغیب دیں کہ آنکھ اٹھا کر دیکھیں اور دور تک نظر دوڑائیں کیونکہ نظر خطرے کا گھر ہے یا قوت کا خزانہ؟"

یہ سوال میرے دل میں بار بار اٹھتے ہیں اور مجھ پر کیا موقوف ہے، ہر شخص جسے اس ملک کے لوگوں سے محبت ہے اور سوچنے کی عادت ہے، اسی اُدھیڑبن میں رہتا ہوگا؛ اس کی کیا تدبیر ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ایک قوم ہونے کا احساس پیدا کیا جائے ہم لوگ ایک اعتبار سے سلطنت مغلیہ کی تہذیب و تمدن کے وارث ہیں اور یہ تہذیب تغیر و تبدل کے بعد دکنی قومی تہذیب بن گئی ہے۔ یہ تہذیب نہ ہندوانی ہے نہ اسلامی، بلکہ دونوں کے امتزاج سے بنی ہے اور اس میں جنوب کا کچھ مخصوص رنگ بھی شامل ہے۔ تہذیب کسی مذہب سے وابستہ نہیں، مثلاً ہم یورپ کی تہذیب کو عیسوی نہیں بلکہ مغربی تہذیب کہتے ہیں......"

حیدرآباد کے پہلے فرمانرواؤں کے زمانے میں دربار کی زبان فارسی تھی۔ رفتہ رفتہ فارسی ترک کردی گئی اور اس کی جگہ اُردو نے جو دکنی اُردو کہلاتی تھی لے لی۔ یہی اصل میں ممالک محروسہ کی اپنی تہذیبی زبان ہے، یہ ایک فرقے یا طبقے کی ملک نہیں بلکہ سب کی مشترک میراث ہے۔ اس لئے ہماری زبان ملک کے مختلف عناصر میں اتحاد پیدا کرنے کی بہت بڑی قوت بن سکتی ہے؛

غرض ہمیں اپنے اہلِ ملک کے دل میں یدنیت کا احساس پیدا کرنا چاہئے...سب سے
اول تو یہ کہ انہیں گاؤں یا قصبے یا ضلع کے معاملات میں حصہ لینے کا موقع
دیا جائے۔ دوسرے اس امر کی کوشش کی جائے کہ وہ حکومت

کے کاروبار سے دلچسپی کا اظہار کریں ،
پہلے ایسے تدابیر عمل میں لائی جائیں کہ رائے عامہ وجود میں آئے
اور پھر اس کا انتظام ہو کہ وہ صحیح طریقے پر ترتیب پائے اور حکومت اس سے
متاثر ہو اس وقت بھی ہماری حکومت اس ذمہ داری کے احساس سے خالی نہیں ہے بھی
کچھ رائے عامہ اس وقت موجود ہے اس سے حکومت فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتی ہے مگر جو چیز رائے عامہ
کے روپ میں ظاہر ہوتی ہے وہ اکثر اوقات کسی طبقے کی رائے نہیں بلکہ ایک چھوٹی سی جماعت کی رائے ہوتی ہے جس میں ذاتی اغراض
کا شائبہ ہوتا ہے ،

(لہذا) میں جو چیز چاہتا ہوں وہ مختلف طبقوں کی منظم رائے عامہ ہے ۔ مثلاً اس محکمہ میں جو میرے سپرد ہے اگر میں مالیات
سے متعلق کوئی تجویز عمل میں لاؤں تو اس بات کے معلوم کرنے کے ذرائع ہونے چاہئیں کہ ملک کے سرمایہ داروں اور تاجروں کا اس
کے متعلق کیا خیال ہے تاکہ ان کی تنقید پر غور کیا جا سکے اور محکمہ کا نقطۂ نظر سمجھا یا جا سکے ؛

گزشتہ سال اندرون ملک قرضے کے اجرا کرنے سے قبل اس کی کوشش کی گئی کہ سب سے پہلے اپنے ہاں کے سرمایہ داروں
کو بلا کر اُن سے اس معاملے میں گفتگو کی جائے ۔ چنانچہ ان سے بہت بڑی مدد ملی ۔ اس کام میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی !
اس کامیابی کی بناء تبادلۂ خیالات اور باہمی ہمدردی تھی اور یہ ہمدردی تبادلۂ خیالات کا نتیجہ تھی ۔ میری ذاتی خواہش ہے کہ
ایسی تدابیر اختیار کی جائیں کہ اس طرح کے مشوروں کا رواج حکومت میں ہو جائے اور اُس کے پاس ایسے ذرائع ہوں کہ اہم معاملات
میں اُسے معلوم ہو سکے کہ جو نئی پالیسی وہ اختیار کرنے والی ہے ، اس کے متعلق اُن لوگوں کا کیا خیال ہے جن پر اس کا سب سے
زیادہ اثر پڑے گا ۔ وہ اُس کے متعلق کیا تجویز پیش کرتے ہیں اور اس پر کیا تنقید کرتے ہیں ۔ دوسری طرف یہ مفاد عامہ کے تحفظ کی بڑی
اچھی صورت ہوگی کہ خاص خاص طبقوں کے نمائندوں سے یہ دریافت کیا جا سکے کہ فلاں قانون کا کیا اثر پڑ رہا ہے ، انہیں کے عمل درآمد
میں کیا نقص نظر آتے ہیں اور اُن کے نزدیک اُن نقائص کے دور کرنے کی کیا تدبیریں ہو سکتی ہیں ۔ اس سے اعلیٰ حضرت کے اقتدار شاہی
کو بڑی تقویت پہنچے گی اور اعلیٰ حضرت کے اقتدار پر اس سے کوئی پابندی عائد نہیں ہوگی ؛

میں ..... نے ذاتی حیثیت سے آپ کے سامنے وہ خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس کے مطابق میرے خیال میں حیدرآباد
کی نشو و نما عصر جدید کا عمل میں آنا مناسب ہوگا ۔ یہ کسی تخیل پرست کا خواب نہیں ، یہ اُس تجربہ کے نتائج ہیں جو مجھے ممالک محروسہ
سرکار عالی میں پچیس برس کی خدمت سے حاصل ہوا اور اُس سابقہ کے ثمرات ہیں ۔ جو مجھے بیرونی دنیا اور اُن تحریکات اور قوتوں
سے پڑتا رہا جو دنیا پر حکومت کر رہی ہیں میرے مد نظر سوائے اس کے اور کوئی مقصد نہیں کہ اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہٗ اور دودمان آصفیہ
کی عظمت و شوکت میں ترقی ہو اور اُن لوگوں کی فلاح و راحت میں اضافہ ہو جن کی حکومت قضا و قدر نے اعلیٰحضرت کے دست
قدرت میں سونپی ہے اور ممالک محروسہ کے مخصوص مسائل کے چوتھائی صدی کے تجربے اور سالہا سال کے غور و فکر کے بعد
میں وثوق کے ساتھ اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ مذکورۂ بالا مقاصد کے حاصل کرنے کا یہی ایک ذریعہ
ہے کہ ممالک محروسہ کے ہر متنفس کے دل میں یہ جذبہ پیدا کر دیا جائے کہ جب پبلک
کی شاہراہوں پر چلے تو اُسے یہ محسوس ہو کہ اس کی تشکیل و تعمیر میں میرا
بھی حصہ ہے .....،

یہ ہے وہ تعمیری نصب العین جس کو اعلیٰحضرت سلطان العلوم کے بذل
و نوال اور سیاسی تدبیر و فرزانہ حکمت عملی کی صدائے بازگشت کہا جاسکتا ہے
انہیں عاقلانہ اصول کو بہ طریق احسن قوت سے فعل میں لانے کے لئے جس طرح
مجالس لوکل فنڈ کی بنا، اضلاع میں ڈالی گئی تھی ۔ اسی طرح جدید قانون کے تحت بلدیہ کا
قیام دارالسلطنت میں عمل میں لایا گیا ہے درحقیقت یہ وہ درسگاہیں ہیں جہاں نہ صرف تنظیم اور اشتراک عمل کا سبق پڑھایا جاتا ہے بلکہ رعایائے ملک کو عملی طور پر اپنے افعال کی ذمہ داری سکھائی جاتی ہے اور باہمی صلاح و فلاح کی صلاحیت پیدا کیجاتی ہے ملک کے ہونہار نوجوانوں کو چاہئے کہ ان بیش قیمت خیالات کو اپنا لائحہ عمل بنائیں، نسلی، قومی، و مذہبی امتیاز کو دور کرکے ایک قومیت میں منسلک ہوجائیں اور سب ملکر اپنے بادشاہ ذیجاہ کی حکومت کی قوت اور سلطنت کی وسعت میں سعی کریں؛

ہندوستان کی تعلیمی و سیاسی رہنمائی کریں اور اقوامِ عالم میں اپنی قوم کے لئے بھی عزت و وقار کی جگہ محفوظ کرائیں ان تمام ترقیات کے ذکر سے جو ممالک محروسہ سرکارعالی کے ہر شعبے اور ہر ادارہ میں رونما ہیں دو مقاصد پیش نظر ہیں ۔ ایک تو یہ کہ ہم اپنے ترقی یافتہ موقف کا علم حاصل کرکے آگے بڑھنے کی شاہراہ متعین کریں، دوسرے یہ کہ اعلیٰحضرت بندگانعالی کی اُس عظمت و ایثار؛ فراست و تدبر کے نذر گزار ہوں جو رہتی دنیا تک حیدرآباد جدید کی تمام آئندہ ترقیوں پر آسمان کی طرح سایہ فگن رہیں گی فقط

سرفرازی نوبنیغام و تلوار ۱۰ مئی ۱۹۳۶ء میں نواب حیدر نواز جنگ بہادر صدرالمہام فینانس رائٹ آنریبل" کے اعزازی خطاب کے لوازم میں منجانب حکومت سرکار عالی یہ نوبنیغام و تلوار قیمتی سراپا بکہزار پر سکہ عثمانیہ .... سے سرفراز فرمائے گئے

اس سال ایسٹر کی تعطیلات میں حکومت سرکارعالی کی ریلوے کا رعایتی اعلان شائع ہوا ہے ۔ کہ ایام تعطیلات کی مدت تک صرف (ھ) روپیہ کا ٹکٹ خرید کر ہر شخص ممالک محروسہ سرکارعالی کی وسیع ریلوں کے ذریعہ جہاں چاہے ملک سرکارعالی میں سفر کرسکتا ہے ۔ یہ غیر معمولی رعایت اس لئے عدیم النظیر و مستحسن ہے کہ ایک جانب ریلوے کی آمدنی میں اضافہ ہوگا تو دوسری طرف رعایا ء سرکارعالی ایسے موقع کے استفادہ سے اپنے مقاصد میں ہر طرح فلاح و بہبود نتائج حاصل کرسکتی ہے ۔ چنانچہ ہزاروں اشخاص نے اس موقع کو غنیمت جانکر سفر کیا ۔ اور متمتع ہوئے ۔

یوں تو اکثر تقاریب (مثلاً جنوری ۔ اعراس ۔ دجاتراؤں) کے مواقع پر ریلوے کا رعایتی اعلان ہوتا رہتا ہے ۔ لیکن اس طرح کے غیر معمولی رعایتی اعلان کا یہ پہلا موقع ہے ۔ جو محض اعلیٰحضرت کے فیض بخش درخشاں دور کی امتیازی خصوصیت ہے

سلسلہ	نام	خطاب
۱	شاہزادہ نواب میر حمایت علیخاں بہادر	اعظم جاہ والاشان
۲	شاہزادہ نواب میر شجاعت علیخاں بہادر	معظم جاہ والاشان
۳	شہزادی صاحبہ درشہوار	دردانہ بیگم
۴	شہزادی صاحبہ نیلوفر	فرحت بیگم
۵	مرشد زادہ نواب میر محمد محی الدین علیخاں بہادر	بسالت جاہ
۶	صاحبزادہ نواب میر کاظم علیخاں بہادر	کاظم جاہ
۷	صاحبزادہ نواب میر عابد علیخاں بہادر	عابد جاہ
۸	صاحبزادہ نواب میر حشمت علیخاں بہادر	حشمت جاہ
۹	صاحبزادہ نواب میر ہاشم علیخاں بہادر	ہاشم جاہ
۱۰	صاحبزادہ نواب میر تقی علیخاں بہادر	تقی جاہ
۱۱	صاحبزادہ نواب میر بشارت علیخاں بہادر	بشارت جاہ
۱۲	صاحبزادہ نواب میر رجب علیخاں بہادر	رجب جاہ
۱۳	صاحبزادہ نواب میر سعادت علیخاں بہادر	سعادت جاہ

جاگیردار

شمشیر نواز جنگ مرحوم و مغفور سابق سلطان ملکہ

موجودہ سلطان ملکہ - و حصہ دار و جاگیردار
سلطنت حیدرآباد دکن

جاگیرداران

نواب مہدی جنگ بہادر

نواب کمال یار جنگ بہادر

نواب آغا یار جنگ بہادر

نواب شریف نواز جنگ بہادر

سلسلہ	نام	خطاب
۵۳	محمد ابراہیم فاروقی صاحب	فاروق یار جنگ بہادر
۵۴	ڈاکٹر سراج الحسن صاحب	سراج یار جنگ بہادر
۵۵	عبد اللطیف خاں صاحب	لطیف یار جنگ بہادر
۵۶	عبد الصمد خاں صاحب	صمد یار جنگ بہادر
۵۷	لطیف احمد مینائی صاحب اختر	اختر یار جنگ بہادر
۵۸	حبیب اللہ صاحب ادیب	ادیب یار جنگ بہادر
۵۹	سید جعفر حسین صاحب	جعفر یار جنگ بہادر
۶۰	وحید الدین صاحب	وحید جنگ بہادر
۶۱	حسن الدین خاں صاحب	حسن یار جنگ بہادر
۶۲	وحید الدین خاں صاحب	وحید یار جنگ بہادر
۶۳	ہاشم معز الدین صاحب	ہاشم یار جنگ بہادر
۶۴	ڈاکٹر ناظر الدین حسن صاحب	ناظر یار جنگ بہادر
۶۵	میر عنایت حسین خاں صاحب	عنایت جنگ بہادر
۶۶	دیوان بہادر کشتا چاری	راجہ بہادر
۶۷	عبد اللہ رضوی صاحب	محبوب نواز جنگ بہادر
۶۸	یوسف حسین خاں صاحب	یوسف جنگ بہادر
۶۹	آغا محمد علی خاں صاحب	آغا یار جنگ بہادر
۷۰	معشوق حسین خاں صاحب	معشوق یار جنگ بہادر
۷۱	نثار احمد صاحب	نثار یار جنگ بہادر
۷۲	معین الدین حسین صاحب	معین یار جنگ بہادر
۷۳	سخاوت حسین صاحب	سخاوت جنگ بہادر
۷۴	میر سردار علی خاں صاحب	سردار جنگ بہادر
۷۵	میر قادر علی خاں صاحب	قادر جنگ بہادر

سلسلہ	نام	خطاب
۷۶	مرزا خسرو بیگ صاحب	خسرو یار جنگ بہادر
۷۷	مرزا انور بیگ صاحب	انور یار جنگ بہادر
۷۸	مسٹر رستم جی فریدو جی	رستم جنگ بہادر
۷۹	حافظ محمد یٰسین صاحب	یٰسین جنگ بہادر
۸۰	محمد اصغر صاحب	اصغر یار جنگ بہادر
۸۱	وینکٹ راما ریڈی صاحب	راجہ بہادر
۸۲	راجہ شا مراج صاحب	راج ونت بہادر
۸۳	رام دیو صاحب	راجہ بہادر
۸۴	پنڈت گیر راؤ صاحب	راجہ بہادر
۸۵	محمد بہادر خاں صاحب	بہادر یار جنگ بہادر
۸۶	اضغر حسین صاحب	اضغر نواز جنگ بہادر
۸۷	تراب علی خاں صاحب	تراب یار جنگ بہادر
۸۸	کمال الدین حسین خاں صاحب	کمال یار جنگ بہادر
۸۹	محمد علی خاں صاحب	علی یار جنگ بہادر
۹۰	کاظم حسین صاحب	کاظم یار جنگ بہادر
۹۱	زین الدین حسین صاحب	زین یار جنگ بہادر
۹۲	ڈاکٹر رستم جی کور لا والا	رستم یار جنگ بہادر
۹۳	ڈاکٹر شاوک شاہ تاراپور	شاوک یار جنگ بہادر
۹۴	مسٹر کیقباد	کیقباد جنگ بہادر
۹۵	میر مصاحب علی صاحب	مصاحب جنگ بہادر
۹۶	محمد رحمت اللہ صاحب	رحمت یار جنگ بہادر
۹۷	میر مہدی علی خاں صاحب	مہدی جنگ بہادر
۹۸	علی محمد خاں صاحب	فخر نواز جنگ بہادر
۹۹	مرزا ابوالحسن صاحب	حسن نواز جنگ بہادر
۱۰۰	رائے بشیشور ناتھ صاحب	راجہ بہادر
۱۰۱	کندن لعل صاحب	راجہ بہادر
۱۰۲	سید زین العابدین صاحب	ساجد یار جنگ بہادر
۱۰۳	مرزا عبد اللطیف خاں صاحب	لطیف نواز جنگ بہادر

سلسلہ	نام	خطاب
۱۰۴	امیر سلطان صاحب	سلطان یار جنگ بہادر
۱۰۵	میر اصغر علی صاحب	اصغر جنگ بہادر
۱۰۶	مہدی علی صاحب شہید	شہید یار جنگ بہادر
۱۰۷	میر بہادر علی صاحب	بہادر نواز جنگ بہادر
۱۰۸	خواجہ پرشاد صاحب	راجہ بہادر
۱۰۹	دھونڈے راج صاحب	راجہ بہادر
۱۱۰	ترمبک راج صاحب	راجہ بہادر
۱۱۱	ڈاکٹر وی۔ ایس۔ راج	راجہ بہادر
۱۱۲	رشید الدین خاں صاحب	رشید نواز جنگ بہادر
۱۱۳	غازی الدین احمد صاحب	غازی یار جنگ بہادر
۱۱۴	احسن الزماں صاحب	احسن یار جنگ بہادر
۱۱۵	مسٹر داراب جی چینائی	داراب جنگ بہادر
۱۱۶	مرزا داؤد علی خاں صاحب	داؤد جنگ بہادر

گول میز کانفرنس

موقوعہ لندن

سن ۱۹۳۱ء لغایت ۱۹۳۳ء تین سال کے درمیان بمقام لندن گول میز کانفرنس کے تین عظیم الشان اجلاس منعقد ہوئے جہاں [illegible]
ہندوستان و دیسی ریاستوں کی سیاستوں کے خاص مسائل کا حل تھا۔ حیدرآباد کی جانب سے علیم الریاست اعلیٰحضرت بندگانعالی نے نواب
سر حیدر نواز جنگ بہادر کو نمائندہ خصوصی منتخب کرکے روانہ فرمایا تھا آپ نے گول میز کانفرنس کی تینوں نشستوں میں شرکت کی اور اعلیٰحضرت
کی ہدایات و رہنمائی کی صحیح تعمیل میں نمائندگی کا پورا پورا حق ادا کیا۔ بعض اجلاسوں میں دیگر ارکان کونسل (یعنی نواب مہدی یار جنگ بہادر
نواب سر امین جنگ بہادر، کرنل ٹرنچ وغیرہ) بھی روانہ کئے گئے تھے۔ ان ارباب حکومت نے بھی مستند نمائندہ کو قیمتی مشوروں سے مدد دی۔
تمام دیسی ریاستوں کے نمائندوں میں حیدرآباد کی نمائندگی کو ہر طرح تفوق حاصل رہا۔ اس اہتمام عظیم الشان کام کی
تفصیل نہایت خوشگوار نتائج پر مبنی ہوگی جس کے آثار ہویدا ہیں۔

داؤد منزل میں نزول اجلال حضرت اقدس اعلی و خاندان شاہی کا یادگاری گروپ

حیدرآباد میں ریذیڈنسی کا قیام

اور

حیدرآباد کے ریذیڈنٹ

آج سے (۱۵۷) سال قبل ۱۷۷۹ء میں حیدرآباد میں ریذیڈنسی کا قیام عمل میں آیا۔ سب سے پہلے ریذیڈنٹ مسٹر الینڈ ۶ اپریل ۱۷۷۹ء میں حیدرآباد کے ریذیڈنٹ مقرر ہوئے جو ۱۷۸۰ء تک اپنی خدمت پر مامور رہے۔

دوسرا ریذیڈنٹ مسٹر گرانٹ ۱۷۸۰ء تا ۱۷۸۴ء

تیسرا ریذیڈنٹ مسٹر آر جونس ۱۷۸۴ء تا ۱۷۸۸ء

چوتھا ریذیڈنٹ مسٹر کیپٹن کنوے ۱۷۸۸ء تا ۱۷۹۴ء

پانچواں ریذیڈنٹ مسٹر کیپٹن ڈبلیو اے کرک پیٹرک ۱۷۹۴ء تا ۱۷۹۷ء

چھٹا ریذیڈنٹ مسٹر کیپٹن جے۔ اے۔ کرک پیٹرک ۱۷۹۸ء تا ۱۸۰۵ء

اس چھٹے ریذیڈنٹ کو حکومت سرکار عالی کی جانب سے حشمت جنگ کا خطاب سرفراز ہوا تھا جن کے نام سے اب تک حشمت گنج موسوم ہے۔ جو علاقہ ریذیڈنسی حال موسوم سلطان بازار میں واقع ہے اس ریذیڈنٹ نے حیدرآباد کے ایک رئیس کی لڑکی خیرالنساء بیگم کے ساتھ جو میر عالم کے خاندان سے تھی ہندوستانی رسم ورواج کے مطابق شادی کی تھی اور اس بیگم کے لئے ریذیڈنسی میں ایک محل تعمیر کرایا تھا جس کا نام رنگین محل ہے۔ اس ریذیڈنٹ کا انتقال حیدرآباد ہی میں ہوا جو احاطہ کوٹھی کے اندر مدفون ہے ان کے دو لڑکے جو خیرالنساء بیگم کے بطن سے تھے انگلستان روانہ کردئے گئے۔

ساتواں ریذیڈنٹ مسٹر ایچ رسل ۱۸۰۵ء تا ۱۸۰۶ء۔

اٹھواں ریذیڈنٹ مسٹر کیپٹن ٹی سڈ ہم ۱۸۰۶ء تا ۱۸۱۰ء

نواں ریذیڈنٹ مسٹر لفٹننٹ سی بیلس ۱۸۱۰ء تا ۱۸۱۱ء

دسواں ریذیڈنٹ مسٹر سر تھری سیلس ۱۸۱۱ء تا ۱۸۲۰ء

گیارہواں ریذیڈنٹ مسٹر سر چارلس مٹکاف ۱۸۲۰ء تا ۱۸۲۵ء

بارہواں ریذیڈنٹ مسٹر کیپٹن ایچ۔ سی بیارٹ اگسٹ تا ستمبر ۱۸۲۵ء

تیرہواں ریذیڈنٹ مسٹر ڈبلیو۔ بی۔ بارٹن ۱۸۲۵ء تا ۱۸۳۰ء

چودہواں ریذیڈنٹ مسٹر ای۔ سی۔ اونسا اگسٹ تا نومبر ۱۸۳۰ء

پندرہواں ریذیڈنٹ مسٹر کرنل جے۔ رسٹورٹ ۱۸۳۰ء تا ۱۸۳۹ء

سولہواں ریذیڈنٹ مسٹر میجر جے۔ سی کیامرن جنوری تا جون ۱۸۳۹ء

سترہواں ریذیڈنٹ مسٹر بریگیڈیر ڈھب سی بی جون تا جولائی ۱۸۳۸ء

اٹھارواں ریذیڈنٹ مسٹر میجر ٹی۔ ٹاکنس جولائی تا ستمبر ۱۸۳۸ء

انیسواں ریذیڈنٹ مسٹر میجر جنرل جے۔ ایس فریزر ۱۸۳۹ء تا ۱۸۵۲ء

بیسواں ریذیڈنٹ مسٹر میجر ڈیوڈسن ۱۸۵۲ء تا ۱۸۵۳ء

اکیسواں ریذیڈنٹ مسٹر جنرل لو۔ سی۔ بی پارچ تا ستمبر ۱۸۵۳ء۔

بائیسواں ریذیڈنٹ مسٹر میجر آر ڈیو ڈسن ستمبر تا نومبر ۱۸۵۳ء

تیئسواں رزیڈنٹ مسٹر میجر جے
ایس۔ ایس۔ بی سنہ ۱۸۵۳ء تا سنہ ۱۸۵۶ء
چوبیسواں رزیڈنٹ مسٹر کپتان اے
آر تھارن ہل سنہ ۱۸۵۶ء تا سنہ ۱۸۵۷ء
پچیسواں رزیڈنٹ مسٹر کرنل آر ڈیوڈسن سنہ ۱۸۵۷ء تا سنہ ۱۸۶۲ء۔
چھبیسواں رزیڈنٹ مسٹر جارج یول جنوری تا اپریل سنہ ۱۸۶۳ء
ستائیسواں رزیڈنٹ مسٹر سر رچرڈ ٹمپل سنہ ۱۸۶۳ء تا سنہ ۱۸۶۵ء
اٹھائیسواں رزیڈنٹ مسٹر جے۔ جی کارڈری جنوری تا مارچ سنہ ۱۸۶۸ء۔
انتیسواں رزیڈنٹ مسٹر اے۔ ایچ۔ اے۔ رائیرسن مارچ تا مئی سنہ ۱۸۶۸ء
تیسواں رزیڈنٹ مسٹر جے۔ جی کارڈری مئی تا جون سنہ ۱۸۶۸ء
اکتیسواں رزیڈنٹ مسٹر سی۔ بی سانڈرس سنہ ۱۸۶۸ء تا سنہ ۱۸۷۰ء
بتیسواں رزیڈنٹ مسٹر کرنل پی۔ ایس بیمڈن جولائی تا دسمبر سنہ ۱۸۷۲ء
تینتیسواں رزیڈنٹ مسٹر سی۔ بی سانڈرس سنہ ۱۸۷۲ء تا سنہ ۱۸۷۵ء
چونتیسواں رزیڈنٹ مسٹر سر رچارڈ میڈ سنہ ۱۸۷۵ء تا سنہ ۱۸۸۱ء
پینتیسواں رزیڈنٹ مسٹر سر اسٹیورٹ بیلے سنہ ۱۸۸۱ء تا سنہ ۱۸۸۲ء
چھتیسواں رزیڈنٹ مسٹر میجر جی۔ ایچ ٹریور جون سنہ ۱۸۸۲ء
سینتیسواں رزیڈنٹ مسٹر ڈبلیو بی جونس سنہ ۱۸۸۳ء
اڑتیسواں رزیڈنٹ مسٹر جے۔ جی کارڈری سنہ ۱۸۸۳ء تا سنہ ۱۸۸۴ء
انتالیسواں رزیڈنٹ مسٹر سر ایور سینٹ جان سنہ ۱۸۸۴ء تا سنہ ۱۸۸۶ء
چالیسواں رزیڈنٹ مسٹر کرنل وی۔ سی۔ راس اپریل تا اکتوبر سنہ ۱۸۸۶ء
اکتالیسواں رزیڈنٹ مسٹر جے۔ جی کارڈری اکتوبر سنہ ۱۸۸۶ء
بیالیسواں رزیڈنٹ مسٹر ڈی رابرٹسن سنہ ۱۸۸۶ء تا سنہ ۱۸۸۸ء
تینتالیسواں رزیڈنٹ مسٹر اے۔ پی۔ ہول سنہ ۱۸۸۸ء تا سنہ ۱۸۸۹ء
چوالیسواں رزیڈنٹ مسٹر سر ڈینس فزپیٹرک
اگست تا نومبر سنہ ۱۸۸۹ء
پینتالیسواں رزیڈنٹ مسٹر سر ٹی
ہولڈن سنہ ۱۸۹۱ء تا سنہ ۱۹۰۰ء

چھیالیسواں رزیڈنٹ مسٹر ڈوک
پارک سنہ ۱۹۰۰ء تا سنہ ۱۹۰۵ء
سینتالیسواں رزیڈنٹ مسٹر سر چارلس
بیلی سنہ ۱۹۰۵ء تا سنہ ۱۹۰۸ء
اڑتالیسواں رزیڈنٹ مسٹر سر مجل اڈویر سنہ ۱۹۰۸ء
تا سنہ ۱۹۱۱ء۔
انچاسواں رزیڈنٹ مسٹر سر الگزنڈر پنتھے سنہ ۱۹۱۱ء تا سنہ ۱۹۱۴ء
پچاسواں رزیڈنٹ مسٹر ایس۔ یم فریزر اپریل سنہ ۱۹۱۴ء
اکاونواں رزیڈنٹ مسٹر سر الگزنڈر پنتھے سنہ ۱۹۱۴ء تا
سنہ ۱۹۱۶ء۔
باونواں رزیڈنٹ مسٹر سر اسٹیورٹ فریزر سنہ ۱۹۱۶ء تا سنہ ۱۹۱۹ء
ترپنواں رزیڈنٹ مسٹر سی۔ ایس رسیل سنہ ۱۹۱۹ء تا سنہ ۱۹۲۴ء
چوپنواں رزیڈنٹ مسٹر ڈبلیو پی بارٹن سنہ ۱۹۲۴ء تا سنہ ۱۹۳۰ء
ان کے کچھ عرصہ رخصت کے زمانہ میں مسٹر بل۔ یم کرپ
منصرم رزیڈنٹ بھی تھے۔
پچپنواں رزیڈنٹ مسٹر ٹی۔ ایچ کیز سنہ ۱۹۳۰ء تا یکم جولائی سنہ ۱۹۳۳ء
چھپنواں رزیڈنٹ مسٹر میکنزی یکم جولائی سنہ ۱۹۳۳ء سے
تاحال

جس میں اعزازی لقب و خاص خطاب "یار وفادار حکومت برطانیہ" سے مخاطب فرمایا گیا ہے جس کا اعادہ گول میز کانفرنس موقوعہ لندن میں بھی اثناء تقریرات سر اکبر حیدری نمایندۂ حیدرآباد دکن و سر سیموئیل ہور وزیر ہند ہو چکا۔ ہے جو بجنسہٖ درج ذیل ہے۔

قصر بکنگھم۔ ۲۴ جنوری ۱۹۱۸ء ان زبردست خدمات کے لیے جو آپ نے دوران جنگ میں میری سلطنت کی خاص انجام دی ہیں اپنے جذبۂ پسندیدگی و ستایش کے اظہار میں آپ کو ہز اگزالٹڈ ہائنس کا خاص خطاب اور رسماً "یار وفادار حکومت برطانیہ" کا اعزازی لقب عطا کرکے جس کے ذریعہ یور اگزالٹڈ ہائنس اور آپ کے اجداد نے میرے اجداد اور میرے ساتھ اپنی وفاکیشی پر ایک عرصہ سے دولت برطانیہ اور ریاست حیدرآباد کے ابتدائی معاہدات پر دستخط ثبت کیے اور بعد میں ہندوستان کے غدر کے وقت بھی نذر دیتے رہے ہیں مجھے بڑی طمانیت حاصل ہو رہی ہے یور اگزالٹڈ ہائنس نے پھر بذات خود اہم وقت میں جس سے ہندوستان کے ایک فائدہ سلامتی فرمانروا کی حیثیت سے یور اگزالٹڈ ہائنس لطف اندوز ہیں اس تاریخی لقب کو حاصل کرنے کا صاف صاف ثبوت دیدیا ہے۔ آپ کی وفاکیشی اس جنگ کے ابتدائی مہینوں ہی میں اس اعلان کے ذریعہ حاصل ہو گئی جس میں آپ کی رعایا اور سارے ہندوستان کے اہم رہیوں کو آپ نے یہ فریضہ سکھلایا تھا کہ میرے تخت و سلطنت سے مضبوط و مستقل عقیدت

رکیس جنگ سے متعلقہ اغراض کے لئے وقتاً فوقتاً
یور اکز الٹڈ ہائنس نے جو مفید فیاضیاں دکھائی ہیں ان سے
اس پائدار رشتہ کی مضبوطی کی پائیدار اور عام شہادت ملتی ہے
جو برطانیہ عظمیٰ اور حیدرآباد کی قسمتوں کو متحد کرتی ہے۔

اس تمنا کے ساتھ کہ یور اکز الٹڈ ہائنس صحت اور خوش حالی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے آپ ایک عرصۂ دراز تک سلامت رہیں۔ میں اپنے دستخط کرتا ہوں۔

آپ کا مخلص دوست اور شاہنشاہ جارج پنجم

یار وفادار کا خطاب خالی خولی نہیں ہے

برطانیہ "نظام حیدرآباد" کی دوستی میں پکا رہیگا

سر اکبر اور وزیر ہند کی تقریر

سر اکبر حیدری کی تقریر

لندن ۸ ر اکتوبر ۱۹۳۱ء۔ حیدرآبادی وفد گول میز نے سر سموئیل ہور اور لیڈی ہور کے اعزاز میں ہائیڈ پارک ہوٹل میں ایک ضیافت ترتیب دی۔

ایک سو تیس سے زیادہ مہمان مدعو تھے جن میں حضرت ولیعہد بہادر و برادر معظم جاہ بہادر بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ مہمانوں میں لارڈ ہیڈلے، سر چارلس اور لیڈی ووڈ، سر روزک جونس، سر اسٹیورٹ اور لیڈی فریزر، سر آغا خاں، و بیگم آغا خاں کے علاوہ گول میز کے اراکین کی ایک بڑی تعداد تھی۔

سر اکبر نے "جام وفاداری" تجویز کیا اور سر سموئیل ہور وزیر ہند نے حضرت اقدس و اعلیٰ کا جام صحت تجویز کیا۔

مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے سر اکبر نے کہا کہ جب انگلستان کی

حکومت میں تغیر ہوا تو ہندوستان کے لئے ایک اہم سوال یہ تھا
کہ وزیر ہند کون ہوگا کیونکہ بہت کچھ انحصار وزیر ہند کی شخصیت
ہمدردی اور قابل رسائی ہونے پر ہے۔ سر سیموئیل ہور ہندوستان کے لیے
کوئی اجنبی نہیں ہیں۔ سب کو یاد ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کے ساتھ جدید دہلی کو
پرواز کی تھی۔ گول میز کے نمایندوں کو سر سیموئیل ہور کی ہندوستان کے ساتھ دلچسپی کا کافی ثبوت مل چکا ہے اور
وہ جانتے ہیں کہ ہندوستان کے بہت سے مسائل کے صحیح حل تک پہنچنے کے وہ کس قدر متمنی ہیں اور وہ صورت حال کے
حقایق سے کس قدر باخبر ہیں۔

سر اکبر حیدری نے سلسلۂ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اکثر ان کو یہ الزام دیا گیا ہے کہ وہ سیاسیات میں قدامت
پرست ہیں کیونکہ وہ قومی جدوجہد کی ترقی میں پرامن ترقی اور جماعت سیاسیہ کے استحکام کے متمنی رہے ہیں۔ حیدرآباد نے
اسی جذبہ کے تحت گول میز میں حصہ لیا ہے اور وفاقیہ کا ساتھ دیا ہے اپنے کسی خاص مقصد کے لیے نہیں بلکہ عام
تصفیہ میں مدد دینے کی غرض سے۔

حیدرآباد کوئی فصل دور نہیں کرنا چاہتا اور نہ گول میز میں کسی خود غرضی کو لے کر شریک ہوا ہے اور وہ وفاق میں
شرکت سے پہلے کسی صلہ کا بطور شرط کے متمنی نہیں ہے۔ سرکار عالی کی پالسی کا ہمیشہ سے مقصد یہ رہا ہے کہ استحکام
حاصل کیا جائے تاکہ معاشی اور دیگر صیغہ جات میں مسلسل ترقی کو یقینی طور پر حاصل کیا جائے۔ تقریر کرتے ہوئے
سر اکبر حیدری نے کہا کہ حیدرآباد برطانیہ عظمیٰ کے ساتھ اپنی دوستی کو پالسی کا اہم جزو قرار دیا ہے خواہ حالت جنگ ہو
یا حالت امن۔ حیدرآباد نے کبھی اپنے وفادارانہ تعلقات کو متزلزل نہیں کیا اس کے جواب میں حیدرآباد نے استحکام
اور اپنی پالسی میں آزادی کی خواہش کی تاکہ وہ ایسی پالسی اختیار کرسکے جو ممالک محروسہ کے باشندوں کی ضروریات کے
مناسب ہو۔

سر سیموئیل ہور کی تقریر

سر سموئیل ہور نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ جب میں نے ہندوستان کو پرواز کی تھی تو اس وقت مجھے بمشکل
یہ خیال آسکتا تھا کہ ہمارے افق پر ہندوستان اس قدر نمایاں ہوجائے گا افسوس ہے کہ مجھے حیدرآباد جانے کا موقع نہیں ملا
میرے اور میری بیوی کی دوسری پرواز کے وقت اس کو بھی مسرت حاصل ہوگی۔

میں حضور نظام کو ان کے فیصلہ کی دانشمندی پر مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ نے ایک ایسے شخص کو حیدرآباد کا
نمایندہ بناکر بھیجا جو ہماری کارروائیوں کی نمایاں شخصیتوں میں سے ہے۔

سر اکبر حیدری نے ہمیشہ دوستانہ لیکن صاف صاف حیدرآباد کی نمایندگی
کی ہے میں نے دیکھا ہے کہ جب گول میز کے نمایندے حیدرآباد سے
سوئیل دور جا پڑتے ہیں تو وہ صرف سر اکبر حیدری ہی تھے جو

اس رد عمل کی طرف توجہ دلاتے تھے جو گول میز کے فیصلوں
کی وجہ سے حیدرآباد پر پڑتا تھا اس قدر عمدہ طریقے پر
انہوں نے نمائندگی کی۔
تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کانفرنس کے عمومی نقطۂ نظر سے ہمارے
درمیان ایک ایسی شخصیت کا وجود بہت بیش قیمت ہے جو نہ صرف ریاست کے مفاد کی نمائندگی
کرتی ہے بلکہ سارے ہندوستان کے وفاق کے عام کام میں (جس کی تعمیر میں ہم مصروف ہیں) دور اندیشانہ اور
ہمدردانہ دلچسپی لیتی ہے۔

انہوں نے کہا کہ لندن میں حیدرآباد کے دو شہزادگان کا وجود ایک بہتم بالشان واقعہ ہے توقع ہے کہ وہ اپنے وعدہ
کی خوشگوار یاد لیتے جائیں گے جو ایشیا اور یورپ کے باہمی تعلقات کا ایک اہم واقعہ ہے۔ نظام حیدرآباد کو ملک معظم
کے یار وفادار کا لقب حاصل ہے جس کی یورپ میں نظیر نہیں ملتی۔ یہ لقب کوئی خالی خولی نہیں ہے۔ نظام
حیدرآباد تاریخ میں برطانوی حکومت کے نازک وقت میں ہمیشہ برطانیہ کا مددگار رہے ہیں۔ جس طرح حضور نظام حیدرآباد
برطانیہ عظمیٰ کی دوستی میں وفادار ہے۔ اس طرح برطانیہ کا بھی یہ مصمم ارادہ ہے کہ وہ اپنی دوستی میں راسخ و مستحکم رہے۔

سر سیمویل ہور نے تقریر ختم کرتے ہوئے کہا کہ مشرق و مغرب کے باہمی تعلقات میں خواہ کوئی تغیر ہو اگر کوئی چیز
برقرار رہے گی تو وہ برطانیہ عظمیٰ کا باہمی وفادارانہ رشتۂ دوستی اور حضور نظام کی ملک معظم کے ساتھ غیر متزلزل وفاداری ہو گی

جنگِ عظیم یورپ میں اعانت کی امداد سلطنتِ برطانیہ کو

سنہ ۱۹۱۴ء میں جبکہ یورپ میں جنگ عظیم چھڑ گئی تھی اس وقت سلطنت برطانیہ کے موت و حیات کا سوال درپیش ہو گیا تھا اسی باعث یہ سوال دنیا کی تاریخ
میں نہایت اہم نظروں سے دیکھا جاتا ہے ایسے نازک وقت میں اعلیٰحضرت نواب سر میر عثمان علیخان بہادر نے سلطنت برطانیہ
کے ساتھ جو وفاداری اور عملی دوستی کا ثبوت دیا ہے اسکی نظیر دنیا کی تاریخیں نہیں پیش کر سکتیں۔

چنانچہ حضرت اقدس و اعلیٰ نے اپنے دستور و خاندانی روایات کو پیش نظر رکھ کر اس وقت اپنی آمدنی کے ذرایع دولت برطانیہ کے لیے وقف کر دیئے۔ پہلی ہی دفعہ بیس لاکھ کی
مصروانہ فرما کر فوجی مدد دی۔ ایک کروڑ پچاس لاکھ روپیہ کا گرانقدر عطیہ مرحمت فرمایا۔ علاوہ چندہ لاکھ روپیہ محکمہ بحری کی آبدوزی کے احکامات کے لیے دیئے اسکے علاوہ جنگ کے
ختم ہونے تک ہر قسم کے سامانِ حرب کی امداد کے ساتھ ساتھ مزید لاکھ روپیہ سے بھی برطانیہ عظمیٰ کی مدد فرمائی۔ اور اپنی عزیز رعایا کو ہزاروں کی تعداد میں بھرتی
کر کے میدان کارزار میں روانہ فرمایا۔ آغاز سے اختتام جنگ تک باضابطہ مالی و فوجی امداد کے ساتھ ساتھ ان کا تمام خرچ بھی اعلیٰحضرت نے اپنے خزانہ سے ادا کیا
حکومت ہند کی مالی مشکلات کے زمانہ میں پچاس لاکھ روپیہ کی چاندی کی اینٹیں مستعار دیں اور بیش قیمت تحفہ و تحائف کا سلسلہ دوستانہ اعانتوں کے ساتھ ہمیشہ جاری رکھا۔

حضور کی عدیم النظیر رواداری و وفاداری اور بےپایاں عنایات سے متاثر ہو کر احسان شناسی اعتراف جمیل کے طور پر ۱۹۱۸ء میں
اعلیٰحضرت کو عز اکز اللہ ہائی نس کے لقب کے ساتھ "یار وفادار سلطنت برطانیہ" کے
خطاب سے ملک معظم نے اپنے ایک تخلیٰ مکتوب کے ذریعہ مخاطب فرمایا۔

عہد عثمانی میں حیدرآباد وارد شدہ وائسرائے

از تخت نشینی مبارک تا جوبلی ہمایوں

نمبر شمار	تاریخ و سنہ ورود حیدرآباد	نام وائسرائے معہ لیڈی	مختصر کیفیت
۱	۲	۳	۴
۱	۲۲ آذر ۱۳۲۳ف ۲۲ شوال ۱۳۳۱ھ م ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۳ء	ویر اکسلینسی لارڈ و لیڈی ہارڈنج	ہز مجسٹی جارج پنجم کے مراسم تخت نشینی وجلوس کے وقت دہلی میں بعض ناعاقبت اندیش افراد کیجانب سے جو ناگوار حادثہ گذرا تھا اُسکے مد نظر حیدرآباد میں وائسرائے بہادر کی آمد کے انتظامات خاص اہمیت رکھتے تھے لیکن حیدرآباد میں پرامن طریق پر حسب دستور شان شایاں انتظامات عمل میں لائے گئے۔ اور بافضال الٰہی و باقبال خداوندی یہ معزز مہمان جملہ تقاریب و تفریحات میں شرکت کے بعد خیر و خوبی سے مراجعت فرما ہوئے۔
۲	۲۲ اردی بہشت ۱۳۲۸ف م ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۳۷ھ م ۲۴ مارچ ۱۹۱۹ء	ویر اکسلینسی لارڈ و لیڈی چیمسفورڈ	اس زمانہ میں ہندوستان کی عام اقتصادی حالت بالکل خراب تھی قحط و گرانی کے عذاب میں لوگ مبتلا و پریشان حال تھے۔ اکثر بلاد ہند میں لوٹ و غارتگری کی اطلاعین عام تھیں ہندوستان کا سیاسی مطلع کدر رہتا۔ ایسے پرآشوب زمانہ میں وائسرائے بہادر کی حیدرآباد میں آمد سر رشتہ پولس کے لئے بڑی اہم تھی۔ لیکن پولس کے حسن انتظامات اور ملک کے دستوری امن و امان کے تحت میں قیام وائسرائے بہادر کوئی ناگوار بات رونما نہیں ہوئی۔ حکومت کے یہ معزز مہمان شاداں و فرحاں تمام تقاریب و رسوم میں شرکت کے بعد۔ بصد اطمینان و خیر واپس ہوگئے۔
۳	۲۸ دی ۱۳۳۳ف م ۲۱ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ م ۲۴ نومبر ۱۹۲۳ء	ویر اکسلینسی لارڈ و لیڈی ریڈنگ	یہ زمانہ بھی ہندوستان میں سیاسی انقلابات اور خلافت کی سرگرم جدوجہد کا تھا بایں ہمہ حیدرآباد کی پرسکون فضا میں قیام وائسرائے بہادر نہایت خوشگوار رہی اور وائسرائے بہادر بعد فراغ تقاریب شاہی۔ خیر و خوبی سے واپس ہوگئے۔
۴	۱۳ بہمن ۱۳۳۸ف م ۱۴ رجب ۱۳۴۸ھ م ۱۴ دسمبر ۱۹۲۹ء	ویر اکسلینسی لارڈ و لیڈی اروِن	اس زمانہ میں ہندوستان کی حالت نہایت خراب و ناگفتہ بہ تھی۔ کانگریس کا تشدد۔ جدوجہد کے تحت عام گرفتاریاں

انقلاب پسندوں کی روک تھام حکومت برطانیہ کیلئے پریشان کن تھی۔
چنانچہ عام حالات کے تحت گول میز کانفرنس لندن میں نمایندوں
کی شرکت نتیجہ کی ناکامی فضائے ہند کو خوف وخطر سے پُر کردی تھی۔ ایسے
وقت میں بھی اس وائیسرائے کی آمد پر حیدرآباد نے اپنے کامل امن وامان کا ثبوت دیا
حکومت کے یہ مہمان بفضلہ خیر انجام سے واپس ہوگئے۔

۵	۲۵ ذی قعدہ ۱۳۵۲ ف م ۱۳۴۳ ف ۲۹ نومبر ۱۹۳۳ء	ویر اکسلنسی لارڈ و لیڈی ولنگڈن	اس وقت بھی کانگریس کی انقلاب پسند فضاء کا دور دورہ تھا۔ وائیسرائے بہادر کی ملائم پالسی نے آخر میں فضائے گرم کو نرم کیا۔ بزمانۂ قیام حیدرآباد مختلف مقامات کا معائنہ فرمایا۔ عہد عثمانی میں حیدرآباد کی شاندار ترقی پر خوشنودی کا اظہار کیا۔ اعلحضرت کو شاہزادوں کی شادی اور کرنل نواب مکرم جاہ بہادر کی ولادت باسعادت کی مبارکبادی جملہ تقاریب و رسوم میں باحسن الوجوہ شرکت کے بعد بخیر وعافیت نہایت شاداں و فرحاں اس ریاست سے اپنے اچھے خیالات لیکر مراجعت فرما ہوئے۔ فقط۔
۶	۰	ویر اکسلنسی لارڈ و لیڈی لن لتھگو	۱۰ اپریل ۱۹۳۶ء کو در لیجہاز بمبئی ساحل ہند پر فائز ہوکر اسی علیشان شام... ساڑھے چار برس کامل جو ایک ہے اور اپنی خدمت وائسرائی کا جائزہ حاصل فرمایا ۱۸ اپریل ۱۹۳۶ء کو لارڈ و لیڈی ولنگڈن بمبئی سے انگلستان روانہ ہوئے۔

جنگ عظیم یورپ کے بخیر انجام اختتام پر حضور پرنور اعلیحضرت نظام اور ملک معظم کے درمیان مبارکبادی کے خوشنودی کے تہنیتی پیغامات

تار منجانب حضور پرنور نواب میر عثمان علیخان بہادر آصفجاہ ہفتم شہریار دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ "حکومت برطانیہ کے یار وفادار کی حیثیت سے یور امپریل مجسٹی کی خدمت میں برطانیہ عظمیٰ اور اس کے حلیفوں کی نمایاں فتح پر۔ نیز تمام دنیا پر چھائی ہوئی جنگ عظیم کے خاطر خواہ خاتمہ پر گرمجوشی کیساتھ اپنی عقیدتمندانہ و مخلصانہ مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ خدا کرے کہ سارے عالم میں غیر متزلزل امن قائم ہوجائے۔ اور اُن برکات میں اضافہ ہوجائے۔ جن سے ساری سلطنت برطانیہ آپکی درخشاں فرمانروائی میں مستفید ہورہی ہے۔"

جوابی تار منجانب ملک معظم۔ قیصر ہند جارج پنجم شاہ انگلستان

"اس ہولناک جنگ کے انجام پر آپ نے جو مہر آمیز اور موثر پیام روانہ فرمایا ہے۔ اُسکی میں بڑی قدر کرتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ امپائر کو آئندہ بہ توفیق الٰہی دیرپا امن نصیب ہو۔ مجھے اس پر فخر و ناز ہے کہ جنگ میں میری ہندوستانی افواج نے شاندار خدمات انجام دیں۔ اور ریاستہائے متحدہ ہائینس اور دیگر والیان و سرداران ہند نے ہمیشہ بڑے غیر متزلزل اور موثر طور پر امداد دی۔ ہندوستان کے رؤسا و راجہ کے اقوام کی شجاعت کی یاد امپائر میں تا ابد تازہ رہے گی۔ میری تمنا ہے کہ افواج حیدرآباد کی گرانبہا خدمات پر آپکو بذات خود مبارکباد دوں"۔

ہز رائل ہائینس پرنس آف ویلز حال الڈورڈ ہشتم کا سفر سعید

قیصر موصوف نامہ پرنس حیدرآباد میں

۱۹۲۲ء میں جب کہ ملک معظم جارج پنجم نے اپنے اس جانشین لخت جگر شہزادہ کے سفر ہند کا پروگرام مرتب فرمایا۔ پرنس موصوف کو سفر ہند کے عزم مستقل و شاداں پاکر۔ اس نظام العمل کو شان شایاں انتظامات سے توشیح بخشی۔ اس سفر کا مقصد انگلشیہ اصول و دستور کے تحت سیر تفریح کے علاوہ شہزادہ کو دنیا کے ممالک سے واقفیت حاصل کرنا۔ اور سیاسی معلومات میں وسعت بہم پہونچانا تھا۔ چنانچہ شہزادۂ موصوف نے جب و ریائی مسافت طے کرکے ساحل بمبئی پر قدم رکھا۔ اُس وقت برٹش انڈیا کی عام فضا اسقدر مکدر تھی کہ ہڑتال کا بازار گرم اور ہر طرف بائیکاٹ کی صدائیں گونجتی تھیں۔ سیاسی حالت نہایت نازک۔ اور حکومت برطانیہ ہند۔ غیر قابو مظاہرات سے سخت سراسیمہ و پریشان حال تھی۔

ایک باپ اپنے بیٹے کیلئے کیا چاہتا ہے۔ محتاج اظہار نہیں۔ ہر صاحب اولاد اپنے دل سے اس کیفیت کو بخوبی محسوس کر سکتا ہے اسی جذبۂ محبت پدری کے تحت۔ ملک معظم جارج پنجم نے بھی اپنے اس نور العین شہزادہ کی مفارقت کے عدم تحمل و برداشت اثر سے تسکین کے لئے ایک ایک لمحہ کی کیفیت کے ملنے کا انتظام فرمایا تھا۔ شہزادہ کی آمد کے موقع پر ناروا مظاہرات سے جو باشندگان برٹش انڈیا نے کیا۔ ملک معظم کو دلی صدمہ پہونچا۔ کیونکہ اسباب و علل عین صدمہ رس تھے۔ اللہ رے عزم و استقلال۔ بایں پُرخوف فضائے ہند۔ پرنس موصوف کو واپس نہیں بلوا لیا جاتا۔ بلکہ حسب پروگرام سفر کی پوری پوری تکمیل کرائی جاتی ہے۔

ایسے پُرآشوب خوفناک زمانہ میں پرنس آف ویلز کی حیدرآباد میں آمد سیاسی حالات کے مدنظر خاص اہمیت رکھتی تھی۔ احتمال تھا کہ بیرونی اثرات کی چنگاریاں کہیں یہاں کے خرمن امن میں نہ گر جائیں۔ اور کوئی نا عاقبت اندیش فتنہ پرداز یہاں بھی مذموم حرکت نہ کر بیٹھے منجانب پولس خاص انتظامات عمل میں لائے گئے۔ جو موقع محل کے لحاظ سے نہایت ضروری اور بہت مناسب تھے۔ کمیٹی استقبالیہ نے بھی پر تپاک خیر مقدم کے نہایت شاندار انتظامات کئے۔ حتیٰ اسٹیشن سے مہمان سرا تک حیدرآباد کو آرائش پیرائش اور بیرقوں سے سجاکر برقی روشنی سے بقعہ نور بنا دیا گیا تھا۔ جس پر کئی لاکھ روپیہ کا صرفہ ہوا۔

۲۶۔ جمادی الاول سنہ ۱۳۴۰ھ م ۲۳ اسفندار ۱۳۳۱ ف م ۲۰ جنوری سنہ ۱۹۲۲ء کو ہز رائل ہائینس پرنس آف ویلز معہ پارٹی دن کے ٹھیک ۱۰ بجے ذریعہ اسپیشل گاڑی بلوفائر اسٹیشن نامپلی ہوئے۔ پُرشکوہ استقبال عمل میں لایا گیا۔ اسٹیشن سے ایوان فلک نما تک

پبلک کا اسقدر ہجوم تھا کہ تل دھرنے جگہ نہ تھی۔ جسوقت سواری بادبہاری
چند گھوڑوں کی مرصع بگی میں جو نگاہ کو چکا چوند کردینے والی تھی جس کے سامنے
میجر جنرل نواب سر افسرالملک بہادر بیٹھے ہوئے تھے اور جس میں صرف اعلیحضرت اور بائیں
جانب پرنس آف ویلز رونق افروز تھے۔ چتر و پنکھے کی دلفریب فضا، اور راستہ کے دو رویہ مشتاق
مجامع کی تالیوں اور خوشی کے نعروں کی گونج میں۔ قیام گاہ کو روانہ ہوئی۔ شہزادہ موصوف نے بیحد دلچسپی اور اطمینان کیساتھ یہاں قیام
فرمایا۔ حیدرآباد کے حسن انتظامات و شاندار استقبال سے بیحد و غایت مسرور ہوئے۔ بلا خوف و خطر ہر قسم کے تفریحات و کھیلوں میں حصہ لیا۔
اور تمام رسوم و تقاریب شاہی سے از حد محظوظ ہوئے۔

چنانچہ پرنس ممدوح نے بینکوٹ کے موقع پر اعلیحضرت کی تقریر کے جواب میں جو تقریر کہ فرمائی وہ درج ذیل ہے۔ جس سے واضح ہوگا کہ
کسطرح حضرت اقدس و اعلیٰ کے عظیم الشان کارہائے نمایاں اور ایثار کا سچے دل سے اعتراف کیا گیا ہے۔ (ترجمہ تقریر)

"یور اگزالٹیڈ ہائینس، لیڈیز و جنٹلمن! "میں یور اگزالٹیڈ ہائینس کا ان پر اثر الفاظ کیلئے جن سے میرا جام صحت تجویز کیا گیا ہے اور شاہانہ
دعوت کیلئے جو آپ نے مجھے دی ہے نہایت شکرگزار ہوں۔ میں حیدرآباد آنے کا خواہشمند تھا کیونکہ میں چاہتا تھا کہ جو دوستی و رشتہ اتحاد
ہمارے خاندان اور حیدرآباد کے حکمرانوں کے درمیان قائم ہے میرے ذاتی تعارف کی وجہ سے وہ مستحکم ہو جائے۔ تاریخ میں حیدرآباد
اور حکومت برطانیہ کے باہمی رشتہ اتحاد و دوستی کو صاف صاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ جب سے ہندوستان میں حکومت
برطانیہ قائم ہوئی ہے حیدرآباد اور اس کے حکمرانوں نے یکساں طور پر ہمارے مفاد کے مطابق کام کیا ہے۔ ٹیپو سلطان، مرہٹوں اور
پنڈاریوں کے برخلاف اٹھارویں اور انیسویں صدی کے ابتدائی معرکے اس رشتے کے استحکام کا بین ثبوت ہیں اور جن عہد ناموں
اور اتحاد باہمی کی بنا پڑی وہ تاریخ ہند میں بہت بعد کے واقعات ہیں۔ زیادہ قریب کے واقعات اس مبارک ابتدا کا لازمی نتیجہ
ہیں جو واقعات یعنی ہندوستان کا غدر اور حالیہ جنگ عظیم حکومت برطانیہ پر اثر انداز ہوئے ہیں ان دونوں اہم واقعوں اور ان
دونوں مشکل واقعات کے رونما ہونے پر اپنی قدیم روایات برقرار رکھتے ہوئے حیدرآباد نہایت ہی ثابت قدم رہا ہے۔ وہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں
حیدرآباد کی مسلمہ وفاداری نے سلسلہ ست پڑا سے اقصائے جنوب تک سارے ہندوستان کو عالمگیر فسادات سے جس نے ہمارے
اضلاع شمالی کو پریشان کر رکھا تھا۔ پاک و مامون رکھنے کے لئے بہت کچھ مدد کی۔ جنگ عظیم میں جو اب ختم ہو چکی ہے۔ (جس سے مجھ کو
مسرت ہوئی ہے) موجودہ نیک نام حکمراں کے زیر حکومت حیدرآباد نے ایسی اخلاقی اور مادی امداد دی ہے جس سے بلاشبہ یہ پایا
جاتا ہے کہ یور اگزالٹیڈ ہائینس نے وفادار دوست سلطنت برطانیہ کے القاب کے مفہوم کو جسے حال ہی میں حضور ملک معظم نے باضابطہ
طور پر تسلیم فرمایا ہے۔ بڑی ثابت قدمی کے ساتھ صحیح طور پر عملی جامہ پہنایا ہے۔ میرے دائرہ تقریر میں غالباً یہ ناممکن ہوگا کہ جو جو امداد
یور اگزالٹیڈ ہائینس نے دی ہے ان سب کا اعادہ یہاں کر سکوں میں صرف مشہور مشہور واقعات کا ذکر کروں گا سب سے اول
تو یہ کہ امپیریل سروس لانسرز اور بیسویں دکن ہارس کو آغاز جنگ سے اس کے ختم تک تقریباً ڈیڑھ کروڑ روپیہ کے ذاتی خرچ سے
میدان جنگ میں موجود اور تیار رکھا گیا۔

"امپیریل سروس لانسرز کے قابل تعریف کارنامے یور اگزالٹیڈ ہائینس کے لئے باعث
فخر ہیں۔ دکن ہارس کے متعلق میں صرف یہ کہوں گا کہ بلحاظ اسکی خدمات حسنہ کے
ہز میجسٹی ملک معظم نے سال گذشتہ اس کے نام کے ساتھ رائل کا لقب ابزاد

فرما دیا ہے ۔ اس فوج کے کرنل ہونے کی حیثیت سے آپ نے
اُن کو جدید قسم کی تلواریں اور افسروں کو گھوڑے دے کر اپنی دلچسپی کا
اظہار فرمایا ہے ۔ مالی امداد غیر محدود طور پر دی ہے ۔ منجملہ دیگر فتوحات
کے میں ان چیزوں کا ذکر کروں گا ۔ ایک کروڑ چونسٹھ لاکھ روپیہ بطور قرضہ جنگ
اور دو لاکھ پونڈ آبدوز لڑائی اور بہم رسانی حوض و ہوائی جہاز وغیرہ میں آپ نے دئیے ۔ ۲۵ ہزار پونڈ
سلور ویڈنگ فنڈ میں برائے امداد پس ماندگان و ناکارگان ۲½ لاکھ روپے امپریل انڈیا ریلیف فنڈ کے لئے اور ایک لاکھ
میرے اپنے فنڈ میں آپ نے اور عنایت کئے ۔ کسی معاملہ میں یہی خفیف سے خفیف تعلق ہم سے کیوں نہ ہو اور خواہ کوئی ضرورت ہو
مثلاً سروین ریلیف فنڈ ، بلجیمن ریلیف فنڈ ، یا جنگ کے آفت زدہ افسروں کا امدادی فنڈ ہو ۔ یور اگزالٹیڈ ہائینس سے جو
اپیل کیا گیا وہ کبھی خالی نہیں گیا ۔ اُن سپاہیوں کو جو جنگ میں شریک ہو کر اپاہج ہو گئے تھے اور اُن لوگوں کے پس ماندگان کو جو
جنگ میں کام آئے تھے ۔ یور اگزالٹیڈ ہائینس نے بطور یادگار ضلع ایک قطعہ اراضی عطا فرمایا اور ان کو وہاں آباد کر کے اس مقام کا
نام ضلع نگر رکھا ۔

علاوہ ازیں اور معاملات میں بھی یور اگزالٹیڈ ہائینس نے ہمارے ساتھ اپنی گہری دلچسپی اور کم نہ ہونے والی دوستی کا اظہار
فرمایا ۔ یور اگزالٹیڈ ہائینس آپ کو ملک معظم کی جانب سے اعتراف کے طور پر بڑے بڑے امتیازات حاصل ہیں اور وہ معزز القاب
جو یور اگزالٹیڈ ہائینس کو عطا ہوئے ہیں جو حیدرآباد کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے اُن لاثانی کارناموں اور قابل فخر منزلت کو
جو اس ریاست کے حکمران کو حاصل ہے دنیا کے روبرو ظاہر کرتے ہیں ۔ آپ کی مہربانی اور عنایت کا میں بے حد ممنون ہوں
اور اب میں حاضرین سے جس ریاست کے کارناموں کا معترف ہوں اُس کے نامور حکمران کی درازی عمر و اقبال کے لئے میرے ساتھ
جام صحت پینے میں شریک ہونے کی تحریک کرتا ہوں ۔

بہرحال پرنس آف ویلز و محترم پارٹی نے حین قیام حیدرآباد استقبالیہ کمیٹی اور پولس کے انتظامات کو بہ نظر استعجاب و
استحسان دیکھا ۔ اس طرح حکومت کے یہ معزز مہمان نہایت امن و سکون کے ساتھ بخیر و عافیت مراجعت فرما ہوئے ۔ جس طرح
ورود پر شاندار استقبال عمل میں آیا تھا ۔ اسی طرح پُرشکوہ طریق پر واپسی بھی عمل میں آئی گویا حیدرآباد نے اپنے دیرینہ روایات
کی پابندی میں یہ بتاکید خیر مقدم و مہمان نوازی سے اپنی یار وفاداری کا ثبوت بہم پہونچایا جس سے شہزادہ بالقابہم و ملک معظم
جارج پنجم کو دلی و روحی مسرت ہوئی ۔

واپس ہوتے ہوئے خود شہزادۂ موصوف نے جو تار کہ اعلیٰحضرت کے نام روانہ فرمایا ۔ اوس کی نقل درج ذیل ہے جس سے
حقیقت الامر کی بالاستیعاب تصدیق و توثیق ہوتی ہے ۔

نقل ترجمہ تار ہز رائل ہائینس پرنس آف ویلز موسومہ اعلیٰحضرت بندگانعالی ۔ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

۲۸ جنوری ۱۹۲۲ء حیدرآباد سے رخصت ہوتے ہوئے میں یور اگزالٹیڈ ہائینس کا آپکی اس مہمانداری کیلئے
جو آپ نے دوران قیام حیدرآباد میں آپنے ظاہر فرمایا ہے ۔ شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ یور اگزالٹیڈ ہائینس
کی ریاست میں آکر میں بیحد مسرت اندوز ہوا ۔ اور یور اگزالٹیڈ ہائینس کی رعایا نے جس طرح
میرا استقبال کیا ۔ اُسکو میں نے تہ دل سے پسند کیا ۔" فقط
ایڈورڈ شاہزادہ

نقل ترجمہ تار معتمد خانگی منجانب ہز اکسلنسی وائسرائے بہادر موسومہ رزیڈنٹ بہادر حیدرآباد۔

"از دہلی - مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۲۲ء - آپ کا تار در بارہ تشریف آوری ہز رائل ہائنس آف ویلز بہادر وصول ہوا - ہز اکسلنسی کو یہ سن کر بیحد مسرت ہوئی کہ استقبال بیحد کامیاب رہا - اور تماشائی نہایت پرتپاک رہے - براہ مہربانی - ہز اگزالٹیڈ ہائینس کی خدمت میں ہز اکسلنسی کی مبارکباد پہونچا دیجئے - ممدوح الشان کو اور آپ کو نیز جملہ اُن اصحاب کو جنہوں نے اس رونق افروزی کے کامیاب بنانے میں محنت شاقہ اٹھائی ہے - بہت کچھ مسرت ہوئی ہوگی فقط

معتمد خانگی وائسرائے بہادر۔

حیدرآباد کے حسن انتظامات سے متعلق انگریزی اخبارات کے آراء

اخبار اسٹیٹس مین لکھتا ہے کہ ہندوستان کے درجہ اول کے والئی ریاست نظام حیدرآباد نے (جن کا قابل فخر و مباہات خطاب "وفادار سرکار عظمت مدار ہے") آج اپنے دارالسلطنت میں شہزادہ ولی عہد بہادر کا پُر از خلوص خیر مقدم فرمایا - حیدرآباد کے آج والی روشن سے کسی سیاسی فساد کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا تھا - ان بازاروں سے جہاں سے جلوس قصر فلک نما کو روانہ ہوا (لفظ بائیکاٹ) دبی زبان میں بھی بطور سرگوشی نہیں سنائی دیا - میں بشمول بمبئی مختلف مقامات کے جلوس شاہی کے مناظر کا معائنہ کر چکا ہوں - ان سب کے مقابلہ میں یہ جلوس نہایت ہی شاندار اور قابل دید تھا ہر ایک عمارت عامہ اقامت گاہ دوکان اور میدان (جو جلوس کے رستے میں واقع تھے - ادیسی لوگوں سے پُر تھے جو خوش لباس میں ملبوس تھے مجامع کا رنگا رنگ لباس جو عمارت کے سفید دیواروں کے روبرو اس پر از مسرت استقبال کے لئے موجود تھا نہایت دلکش منظر پیش کرتا تھا - یہ نظارہ دوسری دیسی ریاستوں کے مناظر مماثلہ سے مختلف تھا -

اخبار پائنیر کا خاص نامہ نگار تحریر کرتا ہے کہ اگرچہ کہ شہزادہ کے مقررہ تقریبات حیدرآباد زیادہ نہیں تھے لیکن حضور ممدوح دیگر اوقات میں بہت سارے مناظر کی دلچسپیوں سے لطف اندوز ہوتے رہے"

اقتباس مضمون اخبار ملیٹین مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۲۲ء حضور نظام کی ایک خانگی ضیافت سے شہزادہ بالقابہم کی مراجعت فرمائی کے موقع پر پھر شہر اور بازارات رزیڈنسی کی سڑکوں پر روشنی کی دل فریبیوں اور شہزادہ کے جلوس کی دلچسپیوں سے متمتع ہونے کے لئے جم غفیر ہو گیا تھا - کثیر التعداد موٹر کاریں مجامع سے پُر سکندرآباد سے آرہی تھیں - تماشائیوں کی سواریوں کی اگرچہ کہ بعض اوقات عرصۂ طویل تک روک ٹوک ہوتی تھی جو ذرا بھی بار خاطر نہ تھی کیونکہ خود جم غفیر دلچسپیوں سے پُر ہوتا تھا جو صرف اظہار مسرت و پُر خلوص جوش کے لئے مجتمع ہو گیا تھا - لیکن بایں ہمہ یہ مجامع پُر از قابو تھے - گزشتہ چند ایام سے کسی ذرا سی تکلیف کا شائبہ بھی نہیں ہے جو مجیر العقول افسران کوتوالی کی حیرت خیز قوت انضباط کی تعجب خیز شہادت ہے - فقط

واپسی رقبۂ رزیڈنسی

حضرت بندگان اقدس و اعلیٰ کی حکیمانہ سیاست اور تدبیر کی ایک دائمی تاریخی یادگار رقبہ رزیڈنسی کی واپسی ہے۔ جو عہدِ عثمانی کا جلیل الشان زرین کارنامہ ہے۔ یہ علاقہ تقریباً ایک صدی تک برضامندی سرکار عالی۔ برطانوی سفراء یعنی رزیڈنٹوں کے زیر انتظام رہا۔ بالآخر ۱ر مئی ۱۹۳۳ء م ۹ر تیر ۱۳۴۲ ف م ۱۸ر محرم ۱۳۵۲ھ روز یکشنبہ دن کے بارہ بجے بزمانہ ہز ایکسلنسی جنرل رزیڈنٹ کرنل کیز حکومت سرکار عالی کے قبضہ میں واپس دیدیا گیا۔ ۴ر مئی کو ہز اکسلنسی مہاراجہ صدر اعظم بہادر نے سرکار عالی کے جملہ سررشتوں کے معتمدین کی ہمراہی میں۔ رزیڈنٹ بہادر و قت کیتھسارت (؟) شدہ علاقہ کا معائنہ فرمایا من بعد رسم حوالگی عمل میں آئی۔ رزیڈنسی روڈ اور رزیڈنسی بازار کا نام شاہ راہ عثمانی اور سلطان بازار رکھا گیا۔ یہ متعلقہ عہدہ داران سرکار عالی نے متعلقہ دفاتر و کاروبار کا جائزہ حاصل کیا اس رقبہ کی واپسی کی ضمن میں ضوابط و نظم و نسق کا سرکاری اعلان ذریعہ جریدۂ غیر معمولی مورخہ ۹ر تیر ۱۳۴۲ ف شائع کیا گیا۔ جس میں انتظام و اختیارات ۔ تحفظات و مستثنیات ۔ تحفظ دستاویزات ۔ سنٹ جارج چرچ کی تولیت ۔ منتقل شدہ ملازمین کے بعض حقوق کا تحفظ ۔ بنک ۔ اور بنک کا پہرہ ۔ حدود اربعہ ۔ عمارات ۔ وغیرہ کی نسبت توضیح کی گئی ہے۔ نیز اس رقبہ کی واپسی جو ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ذریعہ جریدۂ غیر معمولی مورخہ ۱۶ر تیر ۱۳۴۲ ف م ۲۵ر محرم الحرام ۱۳۵۲ھ یوم یکشنبہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں ۴ر مئی کو ایک دن کی عام تعطیل قرار دیگئی۔ جو اس تہنیت کی یادگار میں ہر سال ہوتی ہے یوم واپسی ۔ قدسی صفات شاہِ ذیجاہ کی عزیز و پرستار رعایا نے

عام اظہار مسرت کے طور پر اس دن شاندار چہل پہل کے پر خلوص
نظارے پیش کئے۔ اس حصہ میں ایک میلہ کی طرح آدمیوں کی چہل پہل تھی
مقامی باشندوں نے جس میں ساہوکار بنکر وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اپنی اپنی دکانوں
مکانوں اور شوارع عام کو برقی قمقموں اور رنگ برنگ کی جھنڈیوں سے آراستہ پیراستہ
کیا تھا۔ اور ایک خوش وضع کمان بھی بنائی گئی تھی۔ مبارک سلامت کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ اس طرح یہ مدتوں
سے بچھڑا ہوا علاقہ۔ بمصداق "حق بحقدار رسید" مل گیا۔ عام طور پر شکرگاہ ظل سبحانی میں استرداد رزیڈنسی پر تہنیت نامے
پیش کئے گئے۔ چنانچہ فرقہ ہائے اسلامی کی واحد نمایندہ مجلس نے بھی اعلیحضرت کی خدمت میں اہم بالشان کامیابیوں کے
پیش خیمہ پر پر از خلوص دعاؤں کے ساتھ۔ تہنیت نامہ پیش کیا۔ اس رقبہ کے واپس مل جانے سے رعایا کو آمد و رفت اور ہر قسم کے
کاروبار میں سہولتیں حاصل ہوگئیں۔ اور وقتی عملی مٹ گئی۔ واپس شدہ علاقہ کا حدود اربعہ حسب ذیل ہے۔

شمال ۔ شمال مشرقی گوشہ املاک نواب خورشید جاہ بہادر سے۔ بشمول۔ ایس۔ پی۔ جی۔ چرچ سڑک ورکشاپ تک پھر
بشمول عمارات سب اسپکٹر مشرقی کنارہ ورکشاپ روڈ تا بمقام اتصال سڑک ہائے کنگ کوٹھی مبارک و امپریل پوسٹ آفس۔ پھر
شمالی کنارۂ سڑک امپریل پوسٹ آفس کے برابر بشمول لیڈیز ریکریشن کلب۔ جنوبی دیوار احاطہ کنگ کوٹھی مبارک تک پھر گرجا گلی
کے شمالی کنارہ سے بشمول املاک سینٹ جارج چرچ اور مشن اسکول دوکان جان کمپنی تک۔

جنوب ۔ جنوبی کنارہ سڑک رنگ محل سے مقام اتصال سڑک محبوب پورہ وافضل گنج۔ بجانب جنوب شرق دروازہ بیرونی
دیوار رزیڈنسی تک پھر وہاں سے جنوبی کنارہ کا پارک پلے گراونڈ سے پل چادر گھاٹ تک۔

مشرق ۔ مغربی کنارۂ سڑک چیل بازار۔ شمالی کنارہ کوچہ مینار پیٹ۔ وہاں سے مشرقی کنارہ سڑک قطبی گوڑہ سے ٹامس چرچ تک پھر
مشرقی اور شمالی کنارہ ہائے املاک کریمیام نزدیک کونڈواڑہ۔ رزیڈنسی بازار سے شرقی گوشہ املاک خورشید جاہ تک۔

مغرب ۔ مشرقی کنارہ سڑک بشیر باغ دوکان جان کمپنی سے ناکہ کوتوالی پتلی باؤلی تک اور ناکہ کوتوالی پتلی باؤلی سے کنارہ
رزیڈنسی روڈ امپریل کارونیشن گارڈن تک۔

مقبول عام قطعات تاریخ بتقریب بازیافت رقبہ رزیڈنسی

از نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل

مبارک شاہ عثمان کو زمانہ کامگاری کا — مسرت کا طرب کا تہنیت کا بختیاری کا
وہ دیرینہ علاقہ آگیا پھر آج قبضہ میں — جو تھا اک گوہر شہوار تاج شہریاری کا
ادائے شکر میں شاخ گل تر سربسجدہ ہے — عنادل کی زباں پر ہے ترانہ حمد باری کا
چٹک کر ہر کلی مثل جرس آواز دیتی ہے — کہ اترا ہے دکن میں کارواں باد بہاری کا

جلیل اک مصرع تاریخ تو بھی نذر دے لکھکر
رزیڈنسی ملی اب در کھلا مقصد برآری کا
۱۳۵۲ ہجری

ازالحاج مولانا ابوالخیر صاحب خیرؔ

شکر صد شکر گویم بیزداں — باز در دست رزیڈنسی آمد
حق مبارک بہ حق دار عثماں — باادب تذر تاریخ گفت خیرؔ

۵۲ ھ ۱۳

ازمولوی شجاع الدین صاحب شجاعؔ صیغہ دار محکمہ معتمدی تعمیرات عامہ

قبضہ حاصل کیا بحمد اللہ — شہر یار دکن نے باآخر
رزیڈنسی تجھیں مبارک شاہ — گلشن حسن سے ملی تاریخ

۳۳ ۶ ۱۹

ازمولوی محمد امام الدین صاحب اماؔمی صیغہ دار معتمدی مال

باِ نام تو عثمان کند ناز رزیڈنسی — اقبضۂ شہ شد چہ سرافراز رزیڈنسی
عثمان! مبارک بدکن باز رزیڈنسی — ایں مصرعۂ سال است کند نذر اماؔمی

۱۹۱ ۲۶۳ ۶۲ ۱۰ ۳۴۱

۵۲ ھ ۱۳

ازمولوی کمال الدین صاحب دوم تعلقدار وظیفہ یاب

شہ عثمان علیخاں کی ہے قایم جہاں بانی — الٰہی ملک میں وسعت ہو دولت میں فراوانی
رزیڈنسی ملی واپس بعہد عثمانی — سنہ فصلی میں یہ مصرع ہوا برجستہ تاریخی

قطعہ

۴۲ ف ۱۳

رحمتؔ۔ مولوی رحمت اللہ صاحب

جو ہوا قبضہ رزیڈنسی — بات ہی کیا ہوئی ایسی
ملگئی اوس کو چیز تھی جس کی — ملک مالک کی مالک کا

حیدرآباد میں رزیڈنٹوں کی آمد اور رزیڈنسی کی مختصر تاریخ

ایسٹ انڈیا کمپنی اور فرانسیسی کمپنی کی باہمی رقابت اور ایک دوسرے کی قوت واثر کو زائل کرنیوالی باہمی کشمکش میں موقع محل کو غنیمت پاکر حضور نظام کے دربار میں باریابی کے بعد جو نمایندگی کرتے تھے وہ اسوقت "وکیل" کہلاتے تھے۔ یہی موجودہ رزیڈنٹوں کے پیشرو تھے ان کی حیثیت ایک سفیر کی سی تھی سلئلہ۱۷۶۶ء میں جب حکومت برطانیہ اور سلطنت آصفیہ میں مستقل تعلقات قایم ہوئے۔ اس وقت سے ان سفراء کا قیام حیدرآباد میں ہونے لگا ابتداءً ان کے قیام کیلئے کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ اکثر وہ وزیر وقت کے پاس ٹھیرا کرتے تھے پہلے وکیل نے اپنے قیام کے لئے ایک مستقل مکان کی اجازت حاصل کی جنمیں موجودہ کوٹھی قیام کے لئے دی گئی سنہ ۱۸۵۵ء تک اس کوٹھی کو کوئی حصار نہ تھا۔ غدر کے بعد اس کا حصار تعمیر ہوا۔ اس کوٹھی میں مستقل سکونت نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ رزیڈنٹ اکثر بلارم میں رہا کرتے تھے۔ جب کبھی حضور نظام سے ملنا مقصود ہوتا یا دربار میں حاضری دینی پڑتی تو بلارم سے یہاں آکر کوٹھی میں اطمینان لیا کرتے یا ٹھیرجاتے تھے رفتہ رفتہ یہ مقام رزیڈنٹ صاحبان کا مستقل مسکن بنگیا۔ اب بھی رزیڈنٹ بہادر بلارم یا دارالسلطنت کی اسی عمارت (یعنی کوٹھی) میں مقیم رہا کرتے ہیں۔ فقط

سررشتہ آثار قدیمہ سرکار عالی

از جناب مولوی محمد سردار علی صاحب اسسٹنٹ اڈیٹر مشیر دکن و سابق اڈیٹر رسالہ تجلی

دکن کو آثار قدیمہ کی حیثیت سے بھی بہت اہمیت حاصل ہے اور یہ اہمیت ہندوستان کے آثار تاریخی سے کسی طرح کم نہیں۔ ان آثار کا تعلق زمانہ حجریہ سے لیکر بیسویں صدی کی یادگاروں تک ہے۔ زمانہ تاریخی کے آثار میں راجہ اشوک کے کتبے۔ اجنٹہ کی تصاویر۔ ہنمکنڈہ کا دیول ہزار کھم۔ تنجاپور کا مندر۔ پالم پیٹ وغیرہ میں چالکیہ طرز تعمیر کی عمارتیں اور دیگر مقامات کے منقش مناد خاص اہمیت کی چیزیں ہیں۔

گلبرگہ کی عمارتیں۔ دولت آباد کا چارمینار۔ بیدر کے مقبرے مکہ مسجد۔ چارمینار۔ اور سلاطین قطب شاہیہ کے مقبرے اسلامی تمدن کی لازوال یادگاریں ہیں۔ آثار قدیمہ "قومی میراث" کہلاتے ہیں۔ ان کی بقاو استحکام اور ان کی حفاظت حکومت کی اہم ذمہ داریوں میں سے ہے۔

سررشتہ آثار قدیمہ کے قیام کے قبل ممالک محروسہ کے آثار محکمہ تعمیرات سرکار عالی کی زیر نگرانی میں تھے جو گرے پڑے کی حد تک تعمیر و ترمیم کر دیا کرتا تھا۔ صدہا ایسے آثار تھے جن کی حالت نہایت خراب تھی اور بہت سے ایسے تھے جو گائے بیل باندھنے کے کام آتے تھے اور ان کو عام طور پر اتنی اہمیت حاصل نہیں تھی جتنی کہ اب حاصل ہے۔ مبارک دور عثمانی ہزارہا فیوض و برکات کا حامل ہے۔ یہ دور آیا اور رعایائے دکن کے نصیب جاگ اٹھے۔ ملک کے گوشہ گوشہ میں جان پڑگئی اور چاروں طرف ترقی و اصلاح کا دور شروع ہوگیا۔ قدیم محکمہ جات کو اصلاح و ترقی سے رونق دی گئی اور حسب ضرورت جدید سررشتہ جات قائم ہوئے۔ انہیں جدید سررشتوں میں سررشتہ آثار قدیمہ بھی ہے جس کے قیام نے قوم کی بھولی ہوئی عظمت کو زندہ کردیا۔ اس کے لئے تاریخ کے اوراق میں مبارک عہد عثمانی آفتاب کی طرح تابناک و درخشاں رہے گا کیونکہ آثار قدیمہ کی حفاظت و صیانت اس ملک ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لئے ایک قابل قدر اور بیش قیمت کام ہے۔

سنہ ۱۹۱۴ء (۱۳۲۳ فصلی) میں سررشتہ آثار قدیمہ کا قیام عمل میں آیا۔ حکومت نے سرجان مارشل صدر ناظم آثار قدیمہ ہند کے مشورہ سے مولوی غلام یزدانی صاحب ایم۔اے ماہر کتبات اسلامیہ کو جو اس وقت راج شاہی کالج میں پروفیسر تھے اس سررشتہ کا مہتمم مقرر فرمایا (بعد میں اس عہدہ کا لقب ناظم قرار دیا گیا) مولوی صاحب موصوف نے حیدرآباد آکر اس سررشتہ کا کام شروع کیا اور اس وقت سے اب تک اسی خدمت پر کارگزار ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس خدمت کے لئے ہندوستان میں آپ سے بہتر آدمی ملنا محال تھا۔ ابتدائے قیام سے اب تک اس سررشتہ کی سرگرمی اور کارگزاری بہت ہی قابل ستائش رہی ہے اس نے قدیم و کہنہ عمارات کے بقاو استحکام میں لائق قدر خدمت انجام دی جس سے ان کے دائمی بقا کی ضمانت ہوگئی۔ اس نے ہندو اور اسلامی تمدن کے بہت سے آثار دریافت کئے جو امتداد ایام سے مٹی اور گھاس کے پردے میں مستور تھے اور کسی نے ان پر بھولے سے بھی نظر ڈالی تھی۔ اجنٹہ کی قدیم نقاشی کا لاقیمت خزانہ اس قدر عمدہ طریقہ سے مستحکم کیا گیا ہے کہ آئندہ نسلیں اس کو دیکھ کر اسلاف کے

پیپائی اور کپڑے کی عمدہ قسمیں اور ارنڈی کی پھلی کی کھاد جو اس قدر عام ہوگئی ہیں اور مواضعات میں بڑے رقبوں پر پھیل گئی ہیں انہی تجربات کا نتیجہ ہیں۔

تبلیغ سررشتہ کا یہ وہ شعبہ ہے جس کے ذمہ مواضعات میں ترقیات رائج کرنے کا کام ہے اور جس کو کاشتکاروں سے براہ راست سابقہ رہتا ہے اس شعبہ کے عملہ کی تعیناتی اضلاع میں ہے اس کے فرائض یہ ہیں کہ مواضعات میں دورہ کرے ترقی یافتہ چیزوں کے متعلق کاشتکاروں کو تفصیل سے سمجھائے اور مظاہرہ کرکے ان کے ذہن نشین کردے کہ یہ چیزیں مفید ہیں کاشتکاروں کے لئے ان ترقی یافتہ چیزوں کی سربراہی کا انتظام کرنا بھی جو وہ خود حاصل نہ کرسکتے ہوں اسی عملہ کے ذمہ ہے مثلاً تخم۔ کھاد اوزار۔ پانی حاصل کرنے کے لئے سوراخ اندازی کھیتوں کے لئے بند تعمیر کرنے کی نسبت مشورہ وغیرہ دیا جاتا ہے اسلئے کہ کاشتکاروں کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ جب کبھی کسی عمدہ چیز یا مشورہ کی ضرورت ہو تو ان کو چاہئے کہ اپنے ضلع کے عہدہ دار زراعت کے پاس رجوع ہوں اگر کوئی ایسا معاملہ ہو جس میں اس سے بڑے عہدہ دار کی مدد کی ضرورت ہو تو ان کو چاہئے کہ اپنی سمت کے نائب ناظم زراعت کے پاس رجوع ہوں۔ ریاست ہذا میں چار سمات اور چار نائب نظار ہیں جن نائب ناظم صاحب کے تحت اضلاع اطراف بلدہ۔ میدک نظام آباد اور محبوب نگر ہیں ان کا مستقر حمایت ساگر ہے۔ اضلاع ورنگل۔ کریم نگر۔ نلگنڈہ اور عادل آباد ان نائب ناظم صاحب کے تحت ہیں جن کا مستقر ورنگل ہے جن نائب ناظم صاحب کے تحت اضلاع اورنگ آباد۔ پربھنی۔ ناندیڑ اور بیڑ ہیں ان کا مستقر پربھنی ہے۔ اضلاع رائچور۔ گلبرگہ۔ بیدر اور عثمان آباد ان نائب ناظم صاحب کے تحت ہیں جنکا مستقر رائچور ہے۔ فقط

انجمن ہائے زرعی و غیر زرعی مملکت آصفیہ

زرعی ۱۰۸۹
غیر زرعی ۹۴
میزان ۱۱۸۳

گوشوارہ اراکین

مدارج	زرعی: ہندو	زرعی: مسلمان	زرعی: دیگر اقوام	زرعی: جملہ	غیر زرعی: ہندو	غیر زرعی: مسلمان	غیر زرعی: دیگر اقوام	غیر زرعی: جملہ
جن انجمنوں کا سرمایہ زیر استعمال ۳۰۰ روپیے سے ۶۰۰ روپیہ تک ہے	۱۹۰۴۳	۲۳۱۳	۴۱۰	۲۱۸۰۶	۲۱۰۱	۲۷۰۳	۱۱۸	۴۹۳۲
〃 〃 〃 ۶۰۰ 〃 ۹۰۰ 〃	۱۸۶۵۶	۲۲۵۱	۳۲۹	۲۱۲۳۶	۱۹۳۹	۲۶۶۵	۱۱۶	۴۷۱۰
〃 〃 〃 ۹۰۰ 〃 ۱۰۰۰ 〃	۱۸۱۳۱	۲۱۹۲	۳۳۹	۲۰۶۶۲	۱۸۹۳	۲۶۳۴	۱۱۶	۴۶۴۳
〃 〃 〃 ۱۰۰۰ 〃 ۱۵۰۰ 〃	۱۶۹۷۷	۲۱۱۱	۳۲۹	۱۹۴۱۷	۱۸۶۲	۲۶۲۲	۱۱۳	۴۵۹۷
〃 〃 〃 ۱۵۰۰ 〃 ۱۸۰۰ 〃	۱۵۶۹۷	۱۹۶۶	۳۲۴	۱۷۹۵۹	۱۷۴۱	۲۵۳۸	۱۱۰	۴۳۸۹
〃 〃 〃 ۱۸۰۰ 〃 ۲۴۰۰ 〃	۱۴۰۵۲	۱۷۸۱	۳۰۷	۱۶۱۴۰	۱۶۶۷	۲۳۸۴	۱۰۸	۴۱۵۹
〃 〃 〃 ۲۴۰۰ 〃 ۳۰۰۰ 〃	۱۰۹۲۹	۱۴۸۴	۲۹۰	۱۲۷۰۳	۱۴۶۳	۲۲۰۸	۱۰۵	۳۷۷۶
〃 〃 〃 ۳۰۰۰ 〃 ۳۶۰۰ 〃	۷۷۱۸	۱۰۶۲	۲۵۴	۹۰۳۴	۱۳۲۵	۱۹۲۳	۹۶	۳۳۴۴
〃 〃 〃 ۳۶۰۰ 〃 ۴۲۰۰ 〃	۵۸۴۰	۷۲۷	۲۳۹	۶۸۱۳	۱۲۳۷	۱۸۸۹	۹۶	۳۲۲۲
〃 〃 〃 ۴۲۰۰ 〃 ۵۰۰۰ 〃	۴۲۷۹	۵۳۰	۲۲۹	۵۰۴۸	۱۱۹۴	۱۶۹۵	۹۲	۳۰۸۱
〃 〃 〃 ۵۰۰۰ سے اوپر ہے	۳۱۰۳	۳۸۱	۲۲۲	۳۷۰۶	۱۰۸۰	۱۶۱۲	۸۵	۳۷۷۷

دیہی رعایا کی مرفہ الحالی اور ترقی سے متعلق فرمان مبارک وارشاد شاہانہ۔ بورڈ اور کنیدگی باؤلیات کے سررشتہ کا قیام اور اسکی تنظیم و ترقی کارگذاری.

حیدرآباد میں دیہی ترقیات کی ابتدا ۲۹ شعبان ۱۳۳۹ھ کے اس مشہور فرمان مبارک سے ہوئی ہے جس میں حضرت اقدس و اعلی کا یہ حکم شرف صدور لایا تھا۔

فرمان مبارک

میری عزیز رعایا کے آرام و آسایش کے ذرائع میں واجبی سہولیت پیدا کی جائیں پینے کے لئے صاف پانی کا مہیا کیا جانا اور ایسے ہی دوسری مقامی ضرورتیں جن کا مجھے اثنار دورۂ ثانی مشاہدہ کی بنا پر علم ہوا ہے ان کی تکمیل کے واسطے مستقل انتظام ضروری ہے۔

بنابریں ۱۳۳۴ف میں معزز اراکین باب حکومت کی ایک کمیٹی موسومہ واٹر اینڈ ڈرینج بورڈ بنائی گئی اس بورڈ کی رہنمائی اور نگرانی میں اورنگ آباد جالنہ اور رائچور جیسے مقامات پر چالیس لاکھ روپیہ کے صرفہ سے آبرسانی اور ڈرینج کی اسکیمیں نافذ کی گئیں کنیدگی باؤلیات کے لئے جو خاص سررشتہ قائم کیا گیا اس کے تحت اکیس لاکھ روپیہ کے صرفہ سے (۱۱۶۷) دیہات میں (۱۵۵۰) باؤلیات کی تعمیر یا ان میں تبدیلی کی گئی۔

بارش کی کمی کی وجہ سے ضلع رائچور میں آب نوشیدنی کی قلت محسوس ہوتی تھی بسا اوقات ایک موسم باراں کی ناکامی سے گاؤں کے گاؤں خالی ہو جاتے تھے۔ مرض نارو کا ہر جگہ دور دورہ تھا اور اکثر مقامات پر خاص ارضی حالات کے باعث زمین دوز پانی کھارا ہوا کرتا تھا لیکن اب حالات بالکل بدل چکے ہیں۔ موزوں مقامات پر نئی باؤلیات تعمیر کی گئی ہیں جن کے کنارے سمنٹ کے چبوترے بنائے گئے ہیں دیہی آبادی کے لئے محفوظ آبرسانی کا انتظام کیا گیا ہے اور ضلع کے اندر مرض نارو میں ۹۰ فیصدی تخفیف ہو گئی ہے۔ اب تک جسقدر کام ہوا ہے اس کی تین قسمیں قرار دی جا سکتی ہیں۔

(الف) جہاں باؤلیاں موجود نہ تھیں وہاں نئی باؤلیوں کی کنیدگی۔

(ب) موجودہ باؤلیوں کی گہرائی میں اضافہ اور ان کی ترمیم۔

(ج) پرانی باؤلیوں کو بند کر کے حتی الوسع جدید قسم کی باؤلیوں میں لانگی

مرتبۂ محمد فاضل

تبدیلی افراد پر ذات پات کی جو پابندیاں عائد ہوتی تھیں ان کی وجہ سے
ابتداً اکثر مشکلات کا سامنا ہوا جن کا حل ضروری تھا۔ ایک عجیب بات یہ
ہے کہ اونچی ذات والوں کی نسبت پست اقوام کے مطالبات زیادہ سخت ہوا کر
تے تھے چنانچہ دھیڑ بیگاروں کا معاملہ ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے ایک صدی پہلے یہ دونوں ایک ہی
ذات رکھتے تھے لیکن آج بیگار دھیڑوں سے علحدہ ہو گئے ہیں اور ان کے ساتھ کھانا پینا پسند نہیں کرتے نتیجہ یہ ہے کہ
انہوں نے علحدہ باؤلیاں کا مطالبہ پیش کیا جن دیہات میں پست اقوام کے مختلف ذیلی فرقوں کی آبادی اس قدر کثیر تھی
کہ ان کے لئے ایک سے زیادہ باؤلیاں تعمیر کی جاسکتی تھیں وہاں ان کے مطالبات پورے کئے گئے جہاں مصارف
کی معقول وجہ موجود نہ تھی وہاں مشترکہ باؤلیات بنا کر درمیانی اوٹ کے ذریعہ ان کے ہر دو حصے بالکل علحدہ کر دئے گئے
چونکہ رائچور کے کام اہتمام پا چکے ہیں سررشتہ کندیدگی باؤلیات اب شمال کی طرف منتقل ہوا ہے تاکہ گلبرگہ۔ عثمان آباد اور شورا پور کے
مختص مسائل کو حل کرے۔ دیہی تنظیم کے سلسلے میں صرف کندیدگی باؤلیات ہی پر اکتفا نہیں کی گئی مجالس صفائی اضلاع اب پہلے
سے زیادہ سرگرمی کے ساتھ کام کرنے لگے ہیں دیہی آبرسانی کی ترقی۔ دیہی سڑکوں کی تعمیر اور نگہداشت اور دیہی مواقع کی توسیع جیسے
مختلف رفاہی کاموں پر رقوم صرف کیجا رہی ہیں بعض تعلقوں میں چیدہ چیدہ گاؤں قابل تقلید دیہات بنائے جا رہے ہیں اور
بعض میں نئے مواقع پر باقاعدہ نقشوں کے مطابق دیہات آباد کئے جا رہے ہیں۔ نظام ساگر اسکیم کے تحت جو وسیع رقبہ جات آباد
کئے جائینگے ان سے بھی استفادہ کیا گیا ہے ناواقف دیہاتیوں کو ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو اکثر دفعہ وہ ذرائع صفائی اور آمد
رفت کے مبادی اصول پر بھی عمل نہیں کرتے لیکن جہاں ان کی خاطر خواہ رہنمائی کی گئی وہاں یہ کام ڈرینج اور سڑکوں وغیرہ کا پورا لحاظ
رکھتے ہوئے انجام دیا گیا۔ ضلع نظام آباد کے اکثر دیہات میں ویران فصیلوں اور خندقوں کے نشان باقی تھے جو کبھی کسی زمانہ میں
کار آمد ہونگی لیکن آج انسے ہوا کی آمد و رفت کو روکنے اور مچھروں کی پرورش کے سوا کوئی اور مقصد حاصل نہیں ہوتا ایسے تمام گڑھے بھروا
دینا ضروری تھا علاوہ ازیں دیہات کے قرب وجوار میں اراضی حاصل کئے گئے ہیں تاکہ مکانات سے کسقدر فاصلہ پر تری کی کاشت
منتقل کیجا سکے اور اس طرح سابقہ رقبہ پر باغات زار کے لئے چبوترے اور نئے مکانات کے واسطے مواقع نکل سکیں۔

دیہی زندگی کو عام طور پر ترقی دینے کی غرض سے شہر حیدرآباد سے بیس میل کے فاصلہ پر موضع پٹنچرو میں ترقیات دیہی کا ایک مرکز قائم
کیا گیا ہے اس مشہور مرکز میں مرغبانی اور کاشتکاروں کے مظاہروں کے لئے شعبہ جات قائم کئے گئے ہیں اس مرکز کے زیر اثر
دستی پارچہ بافی رنگ سازی اور وارنش جیسی دیہی صنعتیں ابھر رہی ہیں دیہی ترقی کے کام میں خود دیہاتیوں کو تربیت دینے کی خاطر اکثر
مقامات پر دیہی ترقی کی انجمنیں قائم کی گئی ہیں بچوں کے لئے مدارس روزینہ اور بڑوں کے واسطے مدارس شبینہ چند دار المطالعہ اور
کتب خانے بھی کھولے گئے ہیں دیہی تنظیم کے مرکزی بورڈ کا تذکرہ بھی اس وقت بے محل نہ ہوگا جس کے تفویض ممالک محروسہ
کے لئے ایک ایسے جامع اسکیم کی تیاری ہے جو سرکاری اور غیر سرکاری عناصر کے اشتراک عمل پر مبنی ہوگی اور جس کی روح رواں
گاؤں کا استاد ہوگا۔

موجودہ حالات اور آئندہ امکانات پر احتیاط کیساتھ غور کرنے کے بعد ایک اسکیم
مرتب کی گئی ہے مرکزی بورڈ کا متوقعہ کام تطبیق پیدا کرنا اور باہمی تبادلہ معلومات
کے لئے مرکز مہیا کرنا ہوگا۔

اضلاع اور تعلقوں کے بورڈ جو مقامی عہدہ داروں اور غیر سرکاری اراکین
پر مشتمل ہونگے بحیثیت عاملہ اور نگرانکار اداروں کے لئے مفید ثابت ہونگے
حتی الوسع منتخبہ دیہات کے تمام خاندانوں کو دیہی ترقی کے کام میں دلچسپی لینے کی
ترغیب دیجائیگی اور یہ کام امداد باہمی کے اصول پر انجام دیا جائیگا۔

دیہی مدارس کے اساتذہ مقامی حالات سے واقف اور شائستہ ہونے کی وجہ سے دیہی تنظیمات کے سرپنچ قرار دیئے جائینگے
ان دیہی عہدہ داروں کی خدمات سے بھی جو پٹیل کہلاتے ہیں پہلے سے زیادہ استفادہ کیا جائیگا توقع ہے کہ اس تحریک کی
بدولت ترقی یافتہ طریق کاشت جانوروں کی بہتر نگہداشت اور زیادہ نفع بخش دیہی صنعتوں کی ترویج کے ذریعہ دیہی تنظیم کی اسکیمیں
نافذ ہوسکینگی اور یہ تحریک صحت اور رفاہ عام کے کاموں کو انجام دیتے ہوئے ایسی دیہی سرگرمیوں کی محرک ہوگی جو اخلاقی
اور مادی ترقی کے لئے ناگزیر ہیں۔

حضرت اقدس واعلیٰ کو دیہی آبادی کی فلاح میں جو گہری اور دائمی دلچسپی ہے اس کا اظہار پھر ایک دفعہ نہایت وضاحت اور تاکید
کے ساتھ فرمایا گیا ہے مقامی کار بارئے آبرسانی کے حالیہ افتتاح کے موقع پر رائچور میونسپلٹی کی طرف سے جو اڈریس پیش کیا گیا
تھا اس کے جواب میں حضرت اقدس واعلیٰ نے حسب ذیل ارشادات کو شرف تلفظ بخشا۔

ارشاد شاہانہ

حکومت کی جانب سے جو سہولتیں بہم پہونچائی جاتی ہیں ان سے استفادہ تم کو مبارک ہو مگر تم
خود بھی اپنی سود و بہبود کا خیال رکھو۔ زراعت و تجارت میں ترقی کرو، محنت و کفایت شعاری
کا خود کو عادی بناؤ۔ قرض داری و فضول خرچی سے بچو۔ تم کو سبق سکھلانے کے لئے سررشتہ
زراعت تجارت و حرفت انجمن اتحادی وغیرہ قائم ہیں ان سے فائدہ اٹھاؤ۔
دیہی ترقیات سے مجھے گہری دلچسپی ہے میری خواہش ہے کہ دیہی رعایا کی زندگی دن بدن مرفہ
الحال ہوتی جائے۔"

تعداد محتسبین حیدرآباد

(۱) ضلع اورنگ آباد میں (۵) ہیں۔ (۲) ضلع بیڑ میں (۶) ہیں۔ (۳) ضلع پربھنی میں (۱۱) ہیں۔ (۴) ضلع گلبرگہ میں (۱) ہے
(۵) ضلع ورنگل میں (۲) ہیں۔ (۶) ضلع عادل میں (۷) ہیں۔ (۷) ضلع رائچور میں (۲۴) ہیں۔ (۸) ضلع عثمان آباد میں (۱۸) ہیں۔
(۹) ضلع بیدر شریف میں (۸) ہیں۔ (۱۰) ضلع کریم نگر میں (۴) ہیں۔ (۱۱) ضلع عادل آباد میں (۵) ہیں۔ (۱۲) ضلع میدک میں (۱۶) ہیں۔
(۱۳) ضلع محبوب نگر میں (۹) ہیں (۱۴) ضلع نلگنڈہ میں (۲) ہیں۔
(۱۵) ضلع اطراف بلدہ میں (۶) ہیں (۱۶) علاقہ فوج میں (۱۰) ہیں۔

مرتبہ محمد فاضل

حیدرآباد دکن ہمیشہ سے صنعت و حرفت اور دستکاری کا مرکز رہا ہے۔ یہاں تلنگانے کی روئی سے جو مل مل تیار کی جاتی تھی اوس کی نفاست اور خوبصورتی ضرب المثل تھی انیسویں صدی کے اختتام پر مسٹر پولو ایک وینس کا مشہور سیاح گولکنڈہ آیا تھا اس نے ورنگل کے متعلق لکھا ہے کہ اس ملک میں نہایت لاجواب بگرم تیار کی جاتی ہے اس کے تار مکڑی کے جالے کی طرح نرم اور مہین ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسی شے ہے کہ اگر اس کو دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ بھی پہنے تو اس کو ایک خاص قسم کی مسرت ضرور حاصل ہوگی۔

اورنگ آباد اور پیٹھن کارچوبی۔ سنہری۔ روپہلی اور زردوزی فیتے اور لباس کے کام میں مشہور رہے ہے۔ جامہ وار۔ ہمرو اور مشروع کے تھان اورنگ آباد میں اب بھی تیار کئے جاتے ہیں۔ جامہ وار کشمیری دو شالہ کی طرز کا ہوتا ہے۔ جس کی زمین اون کی اور گل بوٹے ریشم سے بنائے جاتے ہیں۔ ہمرو گویا جامہ وار کی نقل ہے۔ دونوں میں صرف فرق اس قدر ہوتا ہے کہ ایک میں زمین ریشم اور سوت کی ہوتی ہے۔ اور دوسرے میں اون کی۔ مشروع ریشم کی وضع کا ہوتا ہے۔ جس میں چمک ساٹن کی سی ہوتی ہے۔ اور اس پر بیل بوٹے یا کوئی اور خوبصورت جھاڑی۔ پشت ماہی، کھجور چھپڑ کے نمونے بنائے جاتے ہیں ورنگل میں شطرنجیاں کمبل اور قالین نہایت لاجواب بنائے جاتے ہیں گذشتہ نمائش میں یہاں سے جو نمونے یورپ بھیجے گئے تھے، وہ بے حد پسند کئے گئے اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوئے۔ اسی طرح گلبرگہ جیل میں بھی دریاں شطرنجیاں ڈیرے اور قالین وغیرہ تیار کئے جاتے ہیں۔

اورنگ آباد اور کریم نگر میں سونے چاندی کے تار کا کام بہت عمدہ ہوتا ہے تاروں سے نہایت ہی نازک خوبصورت سبک اور نظر فریب سامان معاشرت و آرائش تیار کیا جاتا ہے۔ الائچی دان، پاندان، خاصدان، عطردان، اور چکنی ڈلی کی ڈبیوں پر تاروں کے جال دار نمونے بنا کر ان میں جو پھول پتے نکالے جاتے ہیں ان کا ڈزاین بڑا ہی دلفریب ہے بدری برتن تمام عالم میں مشہور رہیں۔ یہ شہر بیدر میں تیار کئے جاتے ہیں وہاں کی تیار شدہ صراحیاں۔ لوٹے۔ آفتابے۔ اگالدان۔ سیلاب چیاں۔ حقے پاندان۔ تلواروں کے قبضے وغیرہ اب تک قدیم امراء و رؤسا کے محلوں کی رونق بڑھا رہے ہیں۔ اور دیدہ زیب گلدان اور شمع دان وغیرہ رونق بزم اور زینت محفل بنے ہوئے ہیں یہ جست۔ تانبے قلعی اور سیسے کو ملا کر ڈھالے جاتے ہیں پھر اس کی سطح پر سونے اور چاندی کے تار یا پتر سے پچی کاری کی جاتی ہے۔ اور آخر میں پھول پتوں پر کو کے ڈزائن کو سبک بنا دیتے ہیں یہ کام نہایت نازک اور خوبصورت ہوتا ہے واقعہ یہ ہے کہ عام افلاس بیرونی اشیاء کے مقابلے اور غیر ممالک سے آئے ہوئے سامان کی ارزانی نے اس سلطنت کے صنعتی اور تجارتی بازار کو سرد کر دیا تھا اور ہماری بے توجہی سے ملکی صنعتیں مردہ ہوگئیں تھیں۔

جنگ عظیم کے بعد اہل ہند کو ہوش آیا اور ملکی صنعتوں کو فروغ دینے کا عام خیال پیدا ہوگیا اعلیحضرت حضور نظام نے ۱۳۲۷ف میں محکمہ صنعت و حرفت قائم کیا تاکہ قدیم صنعتوں کے مردہ قالب میں ترقی کی روح دوڑ سکے اور صنعت قدیم کے تحفظ کے لئے ۱۳۲۹ف میں ایک کمیٹی کا قیام ہوا جس نے مقامی حالات کا اندازہ لگا کر تجارتی نقطۂ نظر سے یہاں کے جملہ پہلوؤں پر اچھی طرح نظر ڈالی اور ملکی صنعتوں کو ترقی دینے کے لئے ایک زبردست اسکیم مرتب کی۔ اور نئے ساز و سامان نو ایجاد مشینوں، سائنٹیفک طریقوں اور معاشیاتی اصول کے تحت کاروبار صنعت کا آغاز ہوگیا۔

مرتبۂ محمد فاضل

قیام بابِ حکومت عالی

خطبۂ مبارک اعلیٰحضرت حضور پرنور بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی

بہ دربارِ افتتاحِ بابِ حکومت

آج کا دربار ایک ایسے امر کو نمایاں کرنے کی غرض سے منعقد کیا گیا ہے جو اس مملکت کی تاریخ میں نہایت مہتم بالشان واقعہ ہے۔ سب کو معلوم ہوگا کہ اس مملکت کا قدیم طرز حکومت ذاتی حکمرانی رہا ہے جسمیں انصرام کار کا ذریعہ دیوان ہوتا رہا ہے اور یہی ایک تاریخی واقعہ ہے کہ باستثناء چند قابل افراد کے وزراء سلف نے کن کن طریقوں سے اپنے آقا کی حکومت میں ضعف پیدا کرنے کی تدابیر پیش نظر رکھیں گو رعایا اور ملازم کی حیثیت سے وفاشعاری ان کا عین فرض تھا۔ دفاتر سرکاری میں وافر مواد موجود ہے جو حدود اختیار سے تجاوز کرکے باہمی تعلقات میں بدمزگی۔ خوبیِ انتظام میں خلل۔ اور فلاح عامہ میں نقصان پیدا کرنے کی شہادت دیتا ہے۔ حکومت کی ہوس نے خواہ وہ حکومت کیسی ہی ناجائز یا خلاف ضابطہ کیوں نہو لازمی طور سے تدبیر و اصلاح کے سرچشموں کو خشک کردیا یکے بعد دیگرے متعدد وزراء کے طرز عمل نے ان نقائص کو اور بھی واضح کردیا جو اس طریقہ حکومت میں موجود تھے۔ ہمارے والد مرحوم حضرت غفران مکاں نے سالار جنگ اول کی وفات کے بعد ان کی مرتبہ نظم حکومت کی کافی آزمایش کرکے ان نقائص کو محسوس فرمایا جو اس میں موجود تھے اور ۱۸۹۳ء میں "قانونچۂ مبارک" نافذ فرمایا جس میں مدارالمہام اور معین المہاموں کے اختیارات و فرائض کے حدود معین کئے گئے۔ اس کے بعد اور ایک دفعہ اصلاح انتظام کی طرف ان کی توجہ مبذول ہوئی اور قواعد قانونچہ کی اشاعت عمل میں آئی جبکہ خود مابدولت نے اپنے تخت نشینی کے بعد ہی مسائل انتظام مملکت کا نظر غائر سے ملاحظہ شروع کیا تو یہ خیال یقین کے درجہ تک پہنچ گیا کہ موجودہ طریقہ حکومت کے نقائص کو دور کرنا ممکن نہیں ہے تاوقتیکہ اسکی ترکیبی حالت میں اصلاح نہ کی جائے۔ بس کامل غور و فکر کے بعد مابدولت نے انتظام مملکت کا بار گراں خود برداشت کرنا قبول فرمایا۔ اس پانچ سال کی مدت دراز تک انتظام کار کی سعی بلیغ کے ساتھ ساتھ اپنی عزیز رعایا کی فلاح و بہبود کے ذرائع کا قیام و استحکام مابدولت کے مطمح نظر رہا ہے کیونکہ انکی ترقی و خوشحالی اور فارغ البالی میں مابدولت کی شفقت آمیز دلچسپی لازوال ہے۔ اس وقت تک کے خاص ذاتی تجربہ نے مابدولت پر ظاہر کردیا کہ موجودہ انتظام میں تبدیل کی ضرورت ہے۔ انقلاب زمانہ حال کی زندگی کے پیچیدہ مسائل مشرقی اقوام کے جدید سیاسی احساسات اور خود اس ملک کے اندرونی و بیرونی تعلقات کے نازک مسائل نے ذاتی حکومت کے بار کو اسقدر گراں کردیا ہے کہ اس سے ایک حد تک سبکدوشی حاصل کرنے کے لئے پوری تدبیر کی ضرورت ہے۔

چونکہ یہ ناممکن تھا کہ پھر وہی طریقہ اختیار کیا جائے جسکی ناکامی اسکو
غیر مفید ثابت کر چکی تھی۔ لہٰذا ما بدولت نے غور و خوص کے بعد تنظیم
جدید کا مصمم ارادہ کیا تاکہ اس سے انتظام ریاست کی کافی اصلاح اور اس
قوت کے قیام کا جس پر ترقی منحصر ہے کافی تیقن ہوجائے۔ اور ممالک کے تجربہ نے یہ ثابت

کر دیا ہے کہ جو حکومت کونسل کے ذریعہ عمل میں آئے اسکو کئی وجوہ سے ایسی حکومت پر ترجیح ہے جو کسی ایک عہدہ دار
کے ہاتھ میں رہے خواہ وہ کیسا ہی لایق و سربرآوردہ کیوں نہو۔ پس ما بدولت کی دلی خواہش یہ ہے کہ اپنی رعایا کو اس
مرجح طرز حکومت کے فوائد سے مستفید ہونے کا موقعہ دیں نظر برآں ما بدولت نے بذریعہ فرمان امروزہ آئین اگزیکیٹو کونسل
ریعنی باب حکومت قایم فرمایا ہے جو ایک صدر اعظم سات ارکان معمولی اور ایک رکن اختصاصی (جن سے کوئی صیغہ متعلق
نہ ہوگا) سے مرکب ہوگی۔ کافی غور کے ساتھ صدر اعظم اور ارکان باب حکومت کے اختیارات کے متعلق قواعد منضبط اور ان کے
مجموعی اور انفرادی ذمہ داریوں کے حدود معین کئے گئے ہیں۔ انتخاب ارکان میں نہایت احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔
اور ایسے اشخاص مقرر کئے گئے ہیں جن کا تجربہ اور قابلیت مسلم ہے۔ صدر اعظم سر علی امام ہیں جو تعارف کے محتاج نہیں کیونکہ
برٹش انڈیا میں انکے کارنامے سب پر روشن ہیں۔ ایسی کونسل کے قیام سے ہر شعبۂ نظم ملک کو تقویت ہوگی اور ان مسائل
کے حل کرنے میں جو اس ملک کے وسیع اور اہم اغراض سے متعلق ہیں (اور جن کا خاص ما بدولت کے حکم سے تصفیہ ہوگا)
کونسل کے مشورہ سے بیش بہا مدد مل سکیگی۔ اسکے اجتماعی عمل سے انتظام میں یکجہتی اور اس سے ایسے نتائج پیدا ہوں گے

جو رعایا کے حق میں مفید ثابت ہوں۔
اشاعت تعلیم۔ ذرائع معیشت کی ترقی۔ تجارت اور صنعت و حرفت کی ترغیب۔ حفظان صحت کے جدید اصول پھیلانے
کی تدابیر۔ ذرائع آمد و رفت کا قیام اور ان کی توسیع۔ اور ایسے ہی بہت سارے مسائل ابھی تصفیہ طلب ہیں۔ ان امور میں
جو اندرونی اصلاحات سے متعلق ہیں۔ کونسل کی کارگذاری اسی طرح قابل قدر ثابت ہوگی جس طرح امور سیاسی میں
ما بدولت اور سرکار عظمت مدار کے تعلقات کے لحاظ سے مفید ہوسکتی ہے۔ یہ تعلقات ہمیشہ دوستانہ رہے ہیں کیا ماسلف
میں کیا آج۔ اقلیم ہند میں آغاز حکومت برطانیہ سے تا ایں وقت اس خاندان کے ساتھ دوستی اور اتحاد کا سلسلہ برابر
قائم رہا ہے۔ ایسے زیادہ معرکوں میں سلطنت برطانیہ کی حرمت و بقا کے لئے شمشیر آصف جاہی نیام سے نکل چکی ہے۔
حال کے جنگ عظیم میں جس سے ابھی سلطنت برطانیہ فتحمندی کے ساتھ فارغ ہوئی ہے جو کچھ امداد ما بدولت کی جانب سے
کی گئی ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ ان خاص حالات میں باب حکومت کو وا پسئی ملک برار کے اہم مسئلہ پر غور کرنے کا
ایسا نادر موقع میسر ہوگا جس کا مستقبل نہایت خوش آیند ہے۔ ما بدولت کی مملکت کے اس جزو لاینفک کا وعدے
انصاف اصلی پر مبنی ہے۔ اور اگر اس کی تنقیح بلا طرفداری کیجائے تو یہ امر خارج از قیاس ہے کہ وہ دعوے قابل تسلیم
نہ قرار پائے۔ پس اس اہم مسئلہ کی نسبت کونسل کے مشورہ کا ما بدولت کو خاص دلچسپی کے ساتھ انتظار رہے گا
ما بدولت اپنے تمام امرا و عہدہ داران اور عزیز رعایا کو اس جدید انتظام کی طرف متوجہ
و مائل کرا کے متوقع ہیں کہ وہ سب اپنی ارادت و عقیدت سے اسکو کامیاب بنانے میں
ہمیشہ ساعی رہیں گے۔ کیونکہ کوئی انتظام حکومت کامیاب نہیں ہوسکتا

قوم کو اپنے افراد کی زندگی کی راہیں نکالنی چاہئیں۔ اگر کوئی قوم
یہ سمجھ کر ہاتھ پر ہاتھ باندھے بیٹھی رہے کہ وہ جس قدر ترقی کر سکتی تھی
کر چکی اور اس سے زیادہ اور کچھ ممکن نہیں ہے تو اس میں شبہ نہیں ہے کہ
اس قوم کا زوال قریب تر ہے۔ تواریخ میں اس کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ بابل اور
رومۃ الکبریٰ اور یونان کی سلطنتوں کا کیا حشر ہوا انہوں نے تو نہایت تیزی کے ساتھ ترقی کی لیکن جب وہ
اس خیال میں مست ہو گئیں کہ ان کو معراج ترقی حاصل ہو گیا تو انہوں نے عیش و عشرت میں پڑ کر اپنے تئیں زیادہ تباہ و برباد
کر دیا۔ جرمن کا جو حشر ہوا وہ بھی ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ جو قوم عروج حاصل کرنے کی خواہشمند ہو تو
اس کے ہر فرد کا محنت و مشقت سے گریز کرنا اس کے حق میں مہلک ثابت ہوگا۔ اور ملک کی تباہی کا باعث۔ پس قومی
اور ملکی ترقیوں کے دلدادہ حضرات کو چاہئے کہ وہ اپنے ملک کے مستقبل کو شاندار بنانے کے لئے ترقی زراعت صنعت
و حرفت۔ اور تجارت میں ہمہ تن مصروف ہو جائیں۔ بقول حضرت حالیؔ۔

آبرو اس میں ہے شان اس میں ہے عزت اس میں — فخر اس میں ہے شرف اس میں شرافت اس میں
پیشہ سیکھیں کوئی فن سیکھیں صناعت سیکھیں — کاشتکاری کریں آئین فلاحت سیکھیں
گھر سے نکلیں کہیں آداب و لیاقت سیکھیں — الغرض ہو کے بنیں جرأت و ہمت سیکھیں
کہیں تسلیم کریں جا کے نہ آداب کریں — خود وسیلہ بنیں اور اپنی مدد آپ کریں

(از مولوی محمد احمد خانصاحب برتر وکیل مصنف نظام اللغات (قانونی) اردو وغیرہ و موسس و مہتمم دار التصنیف حیدرآباد دکن)

عہد عثمانی میں سررشتۂ انجمنہائے امداد باہمی کا قیام اور اسکے فوائد

دنیا کے اندر یورپ نے اتحاد و امداد باہمی کے ذریعہ زراعت و صنعت و حرفت و تجارت میں ہر اعتبار سے جو ترقی حاصل کی ہے وہ کسی
فرد بشر سے پوشیدہ نہیں ہے ایشیائی ممالک میں ہندوستان جیسا آباد ملک جس میں دکن بھی شامل ہے ترقیوں کے نظر کرتے سب سے زیادہ
پیٹ کے بل چلنے والا ہی ایک ہے حالانکہ قدرت کی فیاضیوں نے جو نعمتیں اس کو بخشی ہیں وہ شاید ہی کسی ملک کو حاصل ہوں
لیکن اہل ملک ان نعمتوں سے مستفاد ہونے کے بجائے مستبعد ہو رہے ہیں جو ان کی بدقسمتی پر دلالت کرتا ہے۔ اب بھی ان غفلتوں سے
بیدار ہونے کے لئے وقت باقی ہے۔ اور اپنے پیروں کی خداداد طاقت پر اٹھکر میدان عمل میں گامزن ہونے کے واسطے کسی قسم
کی مزاحمت نہیں ہے خصوصاً اہل دکن کے لئے تو وہ سہولتیں اور شاہراہیں اپنے آقائے ولی نعمت اعلیحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی کے
ظل عاطفت و حکومت کی بدولت نصیب ہیں جو ظاہر ہیں۔ اہل ملک کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اہل یورپ کو
جو ترقیات نصیب ہوئی ہیں وہ باوجود ان کے حضیض ادبار میں گرفتار ہونیکے بتدریج حاصل
ہوئی ہیں گرچہ انکی تدریجی رفتار ترقی میں بہت کچھ دقتوں کا سامنا رہا ہے
لیکن انکی استقامت تدبر عزم بالجزم ثابت قدمی انکے ارادوں اور

ترقیوں کی موئید رہی ہے جس کی بدولت آج اہل یورپ کو
دنیا میں وہ تفوق حاصل ہے جو ایشیا میں کسی اہل ملک کو نہیں۔ میں
اسوقت نمونتاً اٹلی کے ان نازک حالات کا ذکر اس محل پر کردینا مناسب
خیال کرتا ہوں جو مسٹر جان کینی سابق ناظم زراعت ملک سرکار عالی نے اپنی کتاب
"انٹسیو فارمنگ انڈیا" میں فرمایا ہے۔

"اٹلی کے مزارعین دیگر مغربی ممالک کے مزارعین سے بھی بدتر حالت میں تھے عوام کی یہ کیفیت تھی کہ غربت اور فلاکت کے مرض میں مبتلا تھے اور انقلاب سیاست سے اس کی جڑیں مضبوط ہو گئی تھیں۔ اس انقلاب کا بوجھ ملک کے ان مزارعین کی گردنوں پر تھا جو اکثر چھوٹی چھوٹی اراضیات کے مالک تھے۔ ان میں بعض اضلاع کے اکثر ارکان اراضی ایسے بھی تھے کہ فیصدی پچیس پائی پاؤ ایکڑ زمین پر قابض تھے یورپ میں اگر کوئی بربادی کی سرحد پر پہنچ چکا تھا تو وہ اٹلی ہی تھا۔ اگر کہیں زراعت کی حالت ناگفتہ بہ تھی تو وہ اسی اٹلی کی متحدہ جماعت مزارعین کی تھی تمول نام کو بھی نہ تھا اہل تمول جنھوں نے راہ دستبرداری کی تھی ہو رہی تھے اہل اٹلی ان کے سودی لین دین میں کچھ ایسے گرفتار تھے کہ ان کے چنگل سے نجات ہی نہیں ملتی تھی الغرض اٹلی تنزل کی حیثیت سے یا دیگر حیثیتوں سے یورپ کے اندر اٹلی ادبار مالی وملکی کا اپنی آپ نظیر تھا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ تمول کا یہ حال ہے اور امریکہ کی جدید زمینات کی پیداوار کی درآمد بکثرت یورپ میں ہو رہی ہے تو انکو اپنے نقصانات کا خود بخود احساس ہونے لگا اور آنکھیں کھل گئیں اسوقت تک قومی اتفاق کا فخر اٹلی کو حاصل نہ تھا اپنے نقصانات کا علاج خود ان کو سوچنا پڑا انھوں نے اپنی فلاح متفقہ اور متحدہ مساعی میں دیکھی۔ چنانچہ انھوں نے بیدار مغزی سے زراعتی۔ اور صنعتی وحرفتی فوائد سے بہرہ اندوزی انجمن اتحاد وامداد باہمی کے قیام میں سمجھی۔ اور ان کے قیام کو ایسا لابدی خیال کیا کہ بجز اسکے تلافی نقصانات اور ترقی ناممکن ہے۔ تو پس بلحاظ نوعیت زراعت کے انتظام کی انجمنوں کا انعقاد علٰحدہ کیا۔ اور اسی طرح صنعت و حرفت کی انجمنوں کا علٰحدہ۔ الحاصل ہر نوعیت کے اعتبار سے انجمن ہائے انتظامی علٰحدہ علٰحدہ قایم کی گئیں اور ان کے چلانے کے لئے روپیہ کی جیسی کچھ ضرورت تھی اس کا احساس بھی ان کو ہو چکا تھا۔ بجز امداد زر کے انتظامی انجمنیں چل نہ سکتی تھیں۔ ان کے ساتھ انجمن ہائے خزائن امداد باہمی کا قیام بھی منظور کرلیا جن میں ملک کے افراد ذی ثروت کو خواہ وہ چھوٹی حیثیت کے ہوں یا بڑی حیثیت کے باقاعدہ طریقہ سے شریک ہونے کا موقع حاصل ہوا گویا اس طریقہ عمل اتحاد باہمی سے اپنی کمزوریوں کا علاج اپنا آپ ہی اہل اٹلی نے کرلیا یہی ذرائع تھے جو اہل اٹلی کی ادنی حالت کو تنزل سے ترقی کے زینہ پر پہونچا دئے۔ چند سال پیشتر اٹلی میں (۷۶۵) بنک تھے اور ان کے کل اراکین کی تعداد (۳۸۱۰۰) تھی اور رقم سرمایہ ستاون لاکھ پندرہ ہزار روپیہ تھی۔ اسی طرح وہی خزائن امداد باہمی (۱۰۵۰) تھے اور ان کے اراکین بچانوے ہزار تھے۔ سرمایہ تین لاکھ پچتر ہزار روپیہ کا تھا۔ انجمنہائے انتظامی اتحاد باہمی مزارعین کی تعداد (۱۹۲) تھی اور اراکین کی تعداد (۴۵۰۰۰) تھی" بس اب ہمکو غور کرنا چاہئے کہ اہل یورپ نے بھی جو ترقی اپنے اتحاد وامداد باہمی کے

ذریعہ کی ہے وہ اپنی جن مصائب خیز غفلتوں سے بیدار ہونے کے بعد کی ہے۔ انکا
انکشاف واقعات اٹلی میں کر دیا گیا ہے۔ صرف اٹلی ایک سلطنت کے ایسے واقعات
ہیں۔ یورپ کی اور دیگر سلطنتوں کے واقعات بھی کم وبیش ان

قبیل ہی ہیں جنھوں نے اس طریقہ کو کام میں لاکر اپنی مادی طاقتوں میں
ترقیات حاصل کی ہیں۔ ہندوستان کے حالات موجودہ پر نظر ڈالی جائے
یا دکن کے حالات پر لیکن بہ نسبت حالات سابقہ اہل یورپ کے بدرجہا غنیمت ہیں
قدرت کی فیاضیوں نے ان کو کیا بلحاظ زراعت اور کیا باعتبار صنعت و حرفت غیر ممالک کی امداد کا
محتاج نہیں رکھا ہے۔ لیکن انکی غفلت و لاپروائی ان پر ایسی طاری ہے کہ ابھی وہ اس سے چونک نہیں رہے ہیں۔
خداوند عالم انکو جلد ان غفلتوں اور لاپروائیوں سے بیدار فرمائے۔ اہل دکن خوش نصیب ہیں کہ انکی صلاح و فلاح کے ہر ممکن
طریقہ کو عمل میں لانے کے لئے ایسے بادشاہ ظل اللہ کا سایۂ عاطفت نصیب ہوا ہے کہ لاکھوں اور کروڑہا روپیہ صرف
ہو رہا ہے۔ اور ان کی مادی حالت میں ترقی ہونے کے لئے سررشتۂ انجمن ہائے امداد باہمی کو قایم فرما دیا ہے اور اسکے جملہ
انتظامات ہمدرد ملک تعلیم یافتہ بیدار مغز اعلیٰ عہدہ داروں کے حیطۂ اقتدار میں دئے گئے ہیں جنکی ہمہ تن مصروفیت سے کافی انجمنوں کا
قیام اضلاع اور تعلقات اور دیہات میں ہو چکا ہے جو نہایت کامیابی کے ساتھ طبقات مزارعین اہل پیشہ ور اہل صنعت و حرفت
اور تجارت کی امداد میں اپنے اوقات و فرائض صرف کر رہے ہیں۔ اور انجمنوں کے فرائض کی نگرانی کے لئے تعلقات و
اضلاع پر سب انسپکٹر و انسپکٹر اور اسامات پر اسسٹنٹ مامور و کار گزار ہیں۔ سب انسپکٹر و انسپکٹر صاحبان ماہانہ دورہ
کرتے ہیں اہل ملک کو ان کی زبان میں فوائد و قواعد اتحاد امداد باہمی کی اشاعت اور تفہیم اپنے دلچسپ اور دلآویز لکچرز
اور تقاریر کے ساتھ جس خوش اسلوبی سے کرتے ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ سررشتۂ اتحاد امداد باہمی خوش اسلوبی اور
عمدگی کے ساتھ ترقی کر رہا ہے ناظم صاحب سررشتۂ اتحاد باہمی کی خدمات بلحاظ ان ترقیوں کے جو یوماً فیوماً ملک میں ہو رہی ہیں جنکی
رفتار نہایت تیزی پر ہے جن میں آپ کی ہمہ تن مصروفیت اور اعلیٰ قابلیت کا بہت بڑا حصہ شامل ہے قابل ستائش ہے
اور امید کی جاتی ہے کہ آپ کی حسن توجہ سے اہل ملک کی مادی ترقیات میں بہت سہولتیں حاصل ہوں گی جس کی وجہ ملک
جلد ایک ممتاز قابلیت پیدا کرے گا۔ اور آپ کی نظامت کا زمانہ ان ترقیات کے نظر کرتے تاریخ دکن میں ایک عمدہ یادگار رکھنے کے قابل ہوگا۔

باغات کی کثرت میوہ جات کی فراوانی

اعلیحضرت کی تخت نشینی سے قبل حیدرآباد میں میوؤں کی قلت تھی جسقدر باغات یہاں تھے۔ ان کے اثمار مالکان باغات سے بچکر
دوسروں کیلئے بالکل ناکافی تھے۔ اکثر بیرون ممالک سے میوہ یہاں آتا تھا۔ اور بہت گراں فروخت ہوتا تھا۔ جس سے عوام خاطر خواہ
مستفید نہیں ہو سکتے تھے۔ مبارک عہد عثمانی میں اولاً وسیع ذرایع آبپاشی پیدا کئے گئے اور ان سے ہر سو نہریں نکالی گئیں۔ پھر محکمہ زراعت
کی ترغیب و توجہ سے۔ (جو کہ عہد ہمایوں ہی میں قائم ہوا ہے) رعایا میں باغات کا شوق پیدا ہوا چنانچہ ملک کے
طول و عرض میں باغات کی کثرت و میوہ جات کی فراوانی بسرعت ہوگئی۔ اب ہر قسم کا میوہ سستے
دام بہا ملتا ہے۔ امیر و غریب یکساں طور پر ثمر خوری کے مزہ لوٹتے ہیں۔ اگرچہ حیدرآباد
پہلے سے ہندوستان میں باغات کیلئے مشہور ہے مگر اس میں دوتا اضافہ ہو کر
اب یک گونہ یہاں کی مرفع الحالی رعایا کیلئے کتنی نمایاں ہے۔ فقط

مرتبہ محمد فاضل

دکن کا عروج

از جناب مولوی محمد عبد الرزاق صاحب راشد ایچ سی ایس مددگار معتمد فینانس سرکار عالی

آج ملک اپنے اوج پر جتنا فخر کرے زیبا ہے اور قوم اپنے بخت پر جس قدر ناز کرے بجا ہے کیونکہ آج اس جہانبان آسمان تمکین کا جشن سیمیں ہے جس کی سلطنت کا ذرہ ذرہ آفتاب آثار ہے جس کی مملکت اجتماع اہل علم و فضل و کمال کے باعث گویا اکبری دربار ہے جو عہد حاضرہ میں عظمت دیرینۂ ہند کی تنہا یادگار رہے۔ آج بلا تفریق مذہب و ملت ریاست دکن کے تمام باشندوں کے دل غیر معمولی مسرت سے معمور ہیں۔ ہر جگہ اعلیٰحضرت بندگان عالی کی ہر دلعزیز حکمرانی کے تذکرے اور نشاط افزا مبارک جشن کے چرچے ہو رہے ہیں۔ مسلح فوجیں صف بستہ تہنیت کو کھڑی ہیں۔ توپیں عظمت شاہی کا اعلان کرنے سر ہو رہی ہیں۔ اعیان و ارکان دولت کے قلوب میں غیر متزلزل عقیدتمندی اور وفاکیشی کے جذبات موجزن ہیں۔ ذرا دیکھئے کہ آخر ممالک محروسہ کی ساری رعایا کو بادشاہ دکن کے ساتھ اس قدر ارادت کیوں ہے؟

یوں تو جب سے نظام الملک آصفجاہ اول نے صوبۂ دکن کی عنان حکومت اپنے قوی ہاتھوں میں لی اس وقت سے آج تک سر برآوردہ دکن کا نصب العین یہ رہا ہے کہ "ملک آباد اور رعیت شاد رہے" لیکن واہب العطایا نے اس بلند و بزرگ نصب العین کی تکمیل آصف سابع اعلیٰحضرت نواب میر عثمان علی خاں بہادر خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کی ذات بابرکت کے ساتھ مخصوص کر دی جیدرآباد دکن کو اس سے قبل ایسا عروج اور حکومت کو ایسا فروغ کبھی میسر نہ ہوا تھا۔ یہ چہل پہل۔ یہ لہر بہر۔ یہ اوج و موج جو آج دیدہ افروز ہے محض اعلیٰحضرت کی ذاتی اور بے نظیر قابلیت و خداداد حکمت کی بدولت ہے۔ حضرت سلطان العلوم کے جذبات و خیالات میں الہامی کیفیتیں نظر آ رہی ہیں چنانچہ کلام دلنشیں نہ صرف دکن میں بلکہ سارے ہندوستان و افغانستان و ایران میں زبان زد ہو کر اعجاز مسیحائی دکھا چکا ہے۔ ہر وہ لفظ جو زبان فیض ترجمان سے نکلتا ہے گنجینۂ معانی ہوتا ہے۔ اور وہ خیال جو قلب آئینہ تمثال میں آتا ہے عکس جمال بن کر خلق اللہ کے دلوں میں اترتا ہے۔ یہ عکس جمیل تصویر مانی سے بہتر اور یہ نقش بدیع مرقع بہزاد سے خوشتر ہے۔ ہیچمداں راشد کی زبان میں طاقت ہے اور نہ قلم میں قدرت کہ عہد ہمایوں کے تمام نقش و نگار صفحۂ قرطاس پر کھینچ سکے۔ ذات ہمایونی کی بیشمار خصوصیتوں کے منجملہ ایک آدھ خصوصیت کا بھی نقشہ اتر جائے تو ہیچمیرز کی خوش نصیبی ہے۔

حضور پرنور کی سب سے بڑی و بے مثال صفت بیداری ہے اور پھر رواداری اس درجہ کمال پر پہونچی ہوئی ہے کہ۔

سلک صلح کل سے جوڑے ہیں ❋ ایک رشتہ میں سبحہ و زنار
جس سے مربوط رشتۂ اقوام ❋ جس سے مضبوط سلطنت کا حصار

ترشحۂ قلم

کلام الملوک کا بالالتزام مطالعہ اور استفادہ کرنے والوں پر یہ امر روشن کیطرح
ظاہر ہے کہ اعلیٰحضرت کو شہ لولاک لما سے کس درجہ عشق ہے ۔
اعلیٰحضرت نے ممالک محروسہ سرکار عالی پر جو احسانات و نوازشات فرمائے ہیں انکو قلمبند
کرنا اہل قلم کی بساط سے باہر ہے اس کے لئے صدہا ضخیم مجلدات بھی کافی نہ ہوں گے۔ ربع صدی میں

ملک کی ہیئت کذائی بدلدینا اور قوم کی کایا پلٹ دینا کسی اور بادشاہ کے بس کی بات نہ تھی حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے شاہ جم مرتبت پر جہانداری ختم ہے
کیونکہ ایک جہان حضور پرنور کا سپاس گزار ہے ۔ اعلیٰحضرت کا معیار بادشاہت بے بدل و بے نظیر ہے اس سبب سے دکن روز بروز عروج پذیر ہے۔
ہندوستان اور برطانیہ ہی پر موقوف نہیں تمام دنیا کے ممالک واقف ہیں کہ عہد موجودہ میں دکن تہذیب کی منزلیں سرعت کے ساتھ طے
کررہا ہے اور حکومت زمانہ کے قدم بقدم چل رہی ہے ! اس وقت نہایت ترقی یافتہ مفید نظم ونسق باب حکومت کی شکل میں موجود ہے اسکا مقصد وحید یہ ہے
کہ تنظیم حکومت سے رعایا کی خوشحالی آئے دن بڑہائی جائے اس کے قیام تشکر میں شاہ دکن کے ساتھ ہماری وفاداری میں استواری کا پیدا ہونا اور حکومت
کی پالیسی پر کاربند رہنا ہم سب کے واسطے لابدی ہے ۔ کیونکہ رعایا کا تعاون در اصل اسکی بہبود کے لئے نفع بخش ہے گزشتہ تاریخ کے مطالعہ سے نیز
تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ دکن کا وقار دودمان آصفجاہی کی وابستگی اور آصف سابع کی ذات و فاکیشی پر منحصر ہے ۔ برکات عہد
عثمانی پر نظر ڈالئے پچیس برس سے ملک میں اس سرے سے اس سرے تک امن قایم ہے ایک بچہ بھی ملک کے طول و عرض میں بخوف و خطر سیم و زر اچھالتا ہوا جاسکتا ہے
منظم اور باقاعدہ فوج کے بہادر جانباز افراد کے باعث ملک بیرونی حملوں سے محفوظ ہے سررشتہ صرفخاص کو خود اختیاری عطا ہوئی ہے جو ریاست کے
اعلان خود مختاری کا قدرتی ضمیمہ ہے ۔ والاشان نواب ولیعہد بہادر کو یورپ اور مختلف مقامات کے سفر کرائے گئے شادی خانہ آبادی اس خاندان میں کیگئی ہے
جسکی تیغ چھ صدیوں سے اسلام کی حمایت میں بے نیام رہی ہے ۔ ملکی ترقی کی صدہا راہیں کھل گئی ہیں قحط کے انسداد کی ہزاروں تدبیریں کیگئی ہیں ۔ پرانی
صنعتیں زندہ کی جارہی ہیں موٹر بسیں چلائی جارہی ہیں سارا شہر برقی قمقموں سے روشن کردیا گیا ہے ۔ سڑکیں پختہ ہموار مسطح و صاف و شفاف ہوگئی ہیں
جنکی نظیر بجز کلکتہ کے کسی دوسرے شہر میں نہیں ہے جنکی سطح پر سطح گردوں کو بھی رشک ہے ۔ کوبکو لالہ و گل کے نظارے اور سو بسو آب شیریں کے فوارے ہیں ۔ ٹین، صابون
دیاسلائی ، گلاس ، برتن ، سگریٹ ، پارچہ بافی کے کارخانے چل نکلے ہیں نئے آلات کے ذریعہ زراعت کے متعدد تجربے کئے جارہے ہیں کھاد اور پیداوار میں اضافے ہورہے
ہیں کسانوں کے حصول روزگار میں مدد دی جارہی ہے ۔ پولٹری اور ڈائری فارم منصۂ شہود پر آچکے ہیں ۔ عثمان ساگر ایک جانب اہالیان بلدہ کیلئے آسایش آب اور
دوسری طرف رود موسیٰ کی طغیانی کا سد باب کررہا ہے اسکی موجیں سواد شہر کی زیبایش اور دور عثمانی کی ستایش کررہی ہیں ۔ حمایت ساگر سے ادہر سیلاب عیسیٰ کے حملوں کی
حفاظت اور اراضی کی سیرابی کی حمایت ہورہی ہے ۔ نظام ساگر اضلاع میں مسیحا کیطرح نمودار ہوا ہے بیجان زمینوں میں جان ڈال رہا ہے ۔ کاشت کا رقبہ وسیع اور خشک و بنجر زمین کو شاداب
کررہا ہے ! اتحادی انجمنیں قیام پذیر ہوئی ہیں جنکے سبب سے ساہوکاروں کے پنجوں سے نجات ملگئی ہے ۔ بیمہ خانوں میں سیونگس بنک کھولدئے گئے ہیں جن سے کفایت شعاری کی تعلیم مقصود
ہے ۔ ملک کے ذہین و زیرک کو جلا دینے کیواسطے تعلیمات کا صرفہ ایک کروڑ تک پہونچادیا گیا ہے بیسیوں شفاخانے صدہا مدرسے متعدد کالج عظیم الشان عثمانیہ یونیورسٹی اور اس کا
جزو لاینفک دارالترجمہ اور کئی نئے سررشتہ قایم ہوئے ہیں کئی عمارتیں جدید تیار کیگئی ہیں جن کے مینار آسمان سے سرگوشیاں کررہے ہیں ۔ دربار سے رسم رکوع برخاست کردی گئی ہے
اور بہت سی نامشروع رسموں کا قلع قمع کردیا گیا ہے ۔ گاؤکشی ممنوع ہے ۔ رسم بیگاری اٹھادیگئی ہے ۔ کاہلی و غفلت کے تار و پود بکھر گئے ہیں ادہر طرف زندگی کے
آثار نظر آرہے ہیں تمام سررشتوں کا معیار قابلیت بڑھ گیا ہے ۔ غرض چپہ چپہ گلزار ارم بنا ہے اور خط طلسم حسن معلوم ہوتا ہے شہر حیدرآباد دلہن بنا ہوا ہے اور اسکے جمال
دلفریب کی دید کو آسمان نے ستاروں کی عینکیں چڑہائی ہیں ۔ یہ سب کس کا طفیل ہے ؟ اس شاہ بے نظیر و بے عدیل کا جسکی بنا دانی اور ارادت
کیشی ہمارا فرض اولین ہے اور اس فرض کیواسطے آج کا روز نہایت مبارک و مسعود ہے کہ آج اس شاہ نیکنام کا یوم جشن سعید ہے
جسکی ذات گرامی ہماری آسایش زندگیوں کا دار و مدار ہے ۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے خسرو ذیجشم کے سایہ ہما پایہ کو
ملک و اہل ملک کے سر پر تا ابد قایم و دایم رکھے اور ہمارے شاہ کی سلطنت کو بصد عزت و سلامت برقرار رکھے آمین ثم آمین ۔

Two Views

Banjara Hill

بنجارہ ہل کے دو مناظر جس کا نام جوبلی ہل رکھا گیا ہے

بنسی لعل بیٹ

حیدرآباد پرنٹنگ ورکس

آصف جاہ اول کا اعلان خود مختاری نہ صرف تاریخ دکن بلکہ تاریخ ہند میں انقلاب آفریں واقعات سے ہے جنھوں نے اس ملک کی سیاست وتمدن پر گہرے اثرات سے داغ بیل ڈالی۔ اس کا نتیجہ ہے کہ آج اہل دکن تمدن کے شاندار آثار دیکھ کر مشاہدہ کے درمیان ملتے ہیں یہ اُس اعلان خود مختاری کی برکت ہے کہ قابل فخر تہذیب کامل تباہی سے بچ گئی جو دکن میں ہندو مسلم اشتراک عمل سے کئی صدیوں کے اندر پیدا ہوئی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تہذیب برباد ہو جاتی اور تمدن مٹ جاتا۔ اور موجودہ حالت بالکل مختلف ہوتی جس کو ہر ایک متمدن تہذیب یافتہ بخوبی محسوس کر سکتا ہے۔ اس واقعہ کے متعلق جو غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں وہ محض یورپین مورخین کے ناموافق نظریہ کی جس کو اُنھوں نے اپنی سیرت کے نقطۂ نظر سے دیکھا۔ اور جا بجا رنگ دیا۔ تاریخ کا صحیح مطالعہ بتلاتا ہے کہ جنوبی دکن کی اُسوقت موجودہ فضا کے مطمح نظر آصفجاہ اول نے حریفوں سے اہل دکن کو بچا کر ہمیشہ کے لئے امن کا پیام دیا۔ اور حکومت شاہی کو مقبولیت کا استحکام بخشا۔ جس کی بیداری مغربیات وفاداری کی نظیر نہیں ملسکتی۔

حیدرآباد سے جس قدر معاہدات ہیں وہ کسی نوع سے ایسے نہیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جاسکے کہ وہ کمتر مرتبہ ریاستوں میں عمل میں آئے ہیں حیدرآباد اپنے تمام داخلی اُمور ریاست میں کامل آزادی اور خود مختاری کا مالک اور اپنی ساورنٹی میں تمام قید و بند سے آزاد ہے چنانچہ ۲۴ جمادی الاول ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی شرائط کو پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرکار عظمت مدار اور سرکار عالی نے ایک دوسرے کے مرتبہ میں کبھی کوئی فرق وامتیاز پیدا نہیں کیا اس معاہدہ کی شرط چہارم یہ ہے کہ سرکار کمپنی بذریعہ ہذا اقرار کرتی ہے کہ اس کو اعلیحضرت کے بچوں اور رشتہ داروں اور ملازمین سے جنکی نسبت اعلیحضرت کے اختیارات قطعی ہوں گے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ ۱۸۰۰ء تک حیدرآباد کا سفیر کلکتہ میں رہتا تھا

ہندوستان کا کل رقبہ برہما کو چھوڑ کر (۱۵۷۱۶۲۵) مربع میل ہے۔
اور ریاستوں کا کل رقبہ (۵۹۸۱۳۱) مربع میل ہے۔ ریاستوں کی تعداد بموجب
کتاب انڈین اسٹیٹس جو حکومت ہند کی جانب سے شائع ہوئی ہے (۵۶۰) ہے
اور بموجب رپورٹ اسٹائیوٹری کمیشن (۵۶۲) ہے۔ اور بموجب کتاب "ریاست ہائے ہند"
(۶۹۳) ہے ان کل ریاستوں کا رقبہ بموجب رپورٹ کمیٹی ریاست ہائے ہند۔ (۵۹۸۱۳۸) مربع میل ہے۔
یعنی ہندوستان کا کل رقبہ $\frac{1}{3}$ سے (۲۶۳۲۴۷) مربع میل زیادہ ہے۔ آبادی کل ریاستوں کی (۶۸۶۵۲۹۷۴) بموجب
رپورٹ انڈین اسٹیٹس کمیٹی ہے۔ حالیہ مردم شماری میں اور بھی اضافہ ہوا ہے۔ اس آبادی کی تقسیم اس طرح کیجا سکتی ہے کہ صرف
۲۰ ریاستیں ایسی ہیں۔ جن کی آبادی ساٹھ لاکھ اور اس سے زیادہ کی ہے۔ باقی ریاستوں کی آبادی ساٹھ لاکھ سے کم ہے محاصل کے
اعتبار سے ایسی ریاستیں جنکی آمدنی ۲۵ لاکھ سے زیادہ ہے۔ صرف ۳۲ ہیں۔ (۱۵ سے ۲۵ لاکھ) محاصل کی ریاستیں صرف (۱۴) اور
(۵ سے ۱۵ لاکھ) محاصل کی ریاستیں (۶۲) (۱ سے ۵ لاکھ) تک محاصل کی ریاستیں (۷۲) اور ایک لاکھ سے کم محاصل پانے والی ریاستیں
(۳۸۰) ہیں ان (۳۸۰) ریاستوں میں سے جو ایک لاکھ سے کم محاصل کی ہیں (۳۸) ریاستیں ایسی ہیں جنکی آمدنی ایک ہزار سے بھی کم ہے
لیکن ان کا نام ریاستوں میں شریک ہے ان میں صرف (۴۰) ریاستیں ایسی ہیں جن کا معاہداتی تعلق سرکار عظمت مدار سے ہے یہ اعداد
کتاب ریاست ہائے ہند سے اخذ کئے گئے ہیں جو حکومت ہند کی اجازت سے شایع ہوئی ہے۔

ریاست حیدرآباد کا رقبہ بشمول برار ایک لاکھ مربع میل ہے اور باخراج برار بیاسی ہزار چھ سو اٹھانوے (۸۲۶۹۸) مربع میل ہے
بشمول برار اگر رقبہ کو دیکھا جائے تو جملہ ریاست ہائے ہند کے رقبہ کے ($\frac{1}{6}$) سے کچھ کم صرف ایک ریاست حیدرآباد کا رقبہ ہوتا ہے۔ موجود
رقبہ (۸۲۶۹۸) مربع میل سے (۵۶۵۸) رقبہ اس وقت راست سرکار عالی کے نظم و نسق کے تحت ہے۔ تقریباً (۱۰) فیصدی
رقبہ صرف خاص مبارک (۳۲) فیصدی رقبہ امرائے پائیگاہ، سمستانات اور جاگیرداروں کے قبضہ میں ہے۔ اور بقیہ رقبہ انعام ہے۔
(۱۴۴۳۶۱۴۸) نفوس کی آبادی تمام ریاست ہند کی مجموعی آبادی کے ($\frac{1}{5}$) سے کچھ زیادہ ہی ہے۔ ($\frac{1}{2}$۸ سے ۹ کروڑ) تک
محاصل صرف اُس رقبہ سے وصول ہوتا ہے۔ جو راست سرکار عالی کے نظم و نسق کے تحت ہے۔ انڈین اسٹیٹس کمیٹی کی رپورٹ میں ($\frac{1}{2}$۶ کروڑ)
محاصل تبلایا گیا ہے جو کم و بیش رقم متذکرہ صدر کی معادل کلدار رقم ہوتی ہے۔ اگر اس رقبہ کے محاصل کو شامل کر لیا جائے جو راست
سرکار عالی کے نظم و نسق میں نہیں ہے تو اس کی مقدار تخمیناً (۱۴) کروڑ ہوتی ہے۔ اس طرح ریاست حیدرآباد نے صرف اپنی جاگیرات کے
لئے جو حصہ محاصل چھوڑ رکھا ہے وہ انگریزی بڑی ریاستوں کے محاصل کے لگ بھگ ہے۔

ان مختصر مجمل اعداد سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ریاست حیدرآباد کو کیا تفوق حاصل ہے۔ اور بلحاظ اپنی سطوت
و عظمت یہ ریاست کس قدر بلند پایہ درجہ رکھتی ہے۔

جریدۂ ترکی

ہمارے محترم ترک بھائیوں کے مشہور ترکی جریدہ نے ایک مضمون اعلیٰحضرت کی شان میں
لکھا تھا۔ جس کا عنوان تھا "شیر ہندی کو عرض سلام" اس مضمون میں
جریدۂ وقت نے حضرت اقدس و اعلیٰ کی دلیری اور جرات کی تعریف
کی تھی۔ اُس خط سے متعلق جو مکتوب کہ اعلیٰحضرت نے مسئلہ برار کے بارے میں لارڈ ریڈنگ وائسرائے
بہادر کی خدمت میں وا فرمایا تھا جس سے کہ اعلیٰحضرت کی صداقت آگیں ہمت، جرات اور شاہانہ دبدبہ
و عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

ترجمہ بندہ فاضل

فخر ملک الحاج نواب بہادر یار جنگ بہادر کی پرمغز و پرتاثیر تقریر کا اقتباس

(۲۳- دی ۱۳۵۳ف)

اعلان یوم خود مختاری کے جلسہ میں الحاج نواب بہادر یار جنگ بہادر نے حیدرآباد اور بعض خود مختار ممالک پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے آج کے اجتماع کا مقصد آپ سب کو معلوم ہے کہ ہم تقریباً دو سو سال کے بعد آج اس اعلان کی یاد منانے کے لئے جمع ہوئے ہیں جو اعلیٰحضرت نواب میر نظام علی خان بہادر آصف جاہ نے سلطنت دکن کی خود مختاری کی نسبت فرمایا تھا جس طرح انسان کی زندگی کے علامات میں ایک اہم چیز رنج و مسرت کا احساس بھی ہے اسی طرح وہ قومیں زندہ کہلانے کی زیادہ مستحق ہیں جو اپنی خوشی اور رنج کا احساس رکھتی ہیں اور ان احساسی تیزات کو ہمیشہ یاد رکھتی ہیں جو ان کی تاریخ حیات کی ترتیب کا مواد بننے کے لئے اس ماہ نومبر کے مہینہ میں آپ اس لمحہ سے گزر چکے ہیں. جبکہ گزشتہ جنگ عظیم ایک فتحمندانہ صلح سے بدل گئی تھی وہ تاریخ وہ لمحہ آج بھی اتحادیوں کے نزدیک ایک یادگار دن ہے آپ نے دیکھا کہ اس اس یادگار کے منانے میں مارکٹوں میں خرید و فروخت عدالتوں اور محکموں میں کاروبار میدانوں میں کھیل ہی نہیں بلکہ سمندروں میں جہاز اور فضاؤں میں طیارے ساکن و صامت ہو کر اس دن کی یاد مناتے ہیں. دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح حیدرآباد کی تاریخ بھی اپنے اوراق پر پچاسوں ایسے واقعات رکھتی ہے. جن میں سے ہر ایک ملکی جشن اور ملکی عید کے لئے منتخب کیا جا سکتا ہے. لیکن کسی ملک کے لئے اس سے بڑھ کر مسرت خیز اور قابل یادگار کوئی اور دن نہیں ہو سکتا جبکہ اس کے بادشاہ نے ایک کرو فر شہنشاہ کے بے جا استبداد اور تفوق سے نجات حاصل کرکے اپنی خود مختاریت اور استقلال کا اعلان فرمایا ہو اور اس ملک کو دنیا کے دوسرے آزاد خود مختار ممالک کے ساتھ دوش بدوش کھڑے ہونے کا امتیاز بخشے مشرق اور خصوصاً حیدرآباد کی غیر سیاست دانی نے گزشتہ دو سو سال سے اس یوم سعید کو اپنے طاق نسیاں کا سرمایہ بنا دیا تھا بالآخر وہ دن بھی آیا کہ حیدرآباد کی خوش نصیبی اس کے تخت پر ایک ایسے بیدار مغز بادشاہ کی رونق افروزی کی صورت میں نمایاں ہوگئی جو نہ صرف رعایا کی جسمانی و معاشرتی فلاح و بہبود کی فکر میں لگا رہتا ہے بلکہ اس نے اس کی روحانی اصلاح کا اہتمام

مرتبہ محمد فاضل

تربیت کا بھی بیڑا اٹھایا ہے تعطیل کے اعلان سے اس یوم سعید کی اہمیت
حضرت حکیم ایاست نے ہم کو بتا دی اگر ہم اس سے فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں۔
اور وہ بھی ہماری دوسری تعطیلوں کی طرح بیکاری میں گزر رہی ہے تو یہ ہماری بدبختی ہے آج
کے جلسہ کے قیام کا مقصد یہی ہے کہ ہم اس اعلان کی اہمیت کا اندازہ کریں اور اس کے تذکرہ سے اپنے

آپ کو اس قابل بنائیں کہ ہم اپنی آپ کی قدر کرنے کے قابل ہو جائیں آپ نے اپنے ملک کی گزشتہ اور موجودہ تاریخ سے متعلق بہت کچھ سنا اور اپنی سلطنت اور ہندوستان کی دوسری ریاستوں کی طرح ایک دیسی ریاست کہنے کو آپ اپنی اور اپنے ملک کی ذلت تصور فرماتے ہیں آپ نے معلوم کر لیا کہ آپ ایک مستقل سلطنت ایک کمل اور ایسے معاہدات کے ساتھ جو خصوصیت برطانیہ کے حلیف اور یار وفادار ہیں جو آپ کو سلطنت عالیہ برطانیہ کا ایک حاکم اور خود مختار دوست ثابت کرتے ہیں اب میں یہ بتانے کے لئے سامنے کھڑا ہوا ہوں کہ دنیا کے آزاد خود مختار ممالک کی فہرست بنا کے جائیں اور تقسیم کیا جائے آپ کی حکومت و سلطنت کا مختلف نوعیتوں اور حیثیتوں سے مقابلہ کیا جائے تو آپ کسی سے کم ثابت نہ ہوں گے اور اکثروں سے حیثیت مختلف آپ کا تفوق مسلم ہوگا۔ کسی سلطنت و مملکت کا جب ہم دوسری سلطنت یا مملکت سے مقابلہ کرتے ہیں تو اس تقابل میں چند ہی چیزیں دیکھی جاتی ہیں۔ رقبہ مملکت آبادی (مردم شماری) رقبہ اور آبادی کا لحاظ سے فی مربع میل آبادی کا تناسب آمدنی اور اس کے ذرائع اور امکانات تعلیم و شائستگی وغیرہ اور اب بیسویں صدی میں فوجی و جنگی طاقت سب سے زیادہ قابل لحاظ چیز بن گئی ہے۔ دنیا کے جغرافیہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائے گا کہ اس وقت جو ممالک دنیا کی بساط پر سب سے اہم مہروں کا پارٹ ادا کر رہے ہیں ان میں بھی اکثروں سے حیدرآباد امتیازات خاص رکھتا ہے۔ رقبہ کی نسبت جب ہم کسی ملک کی عظمت و بزرگی کا تخیل کرنے لگتے ہیں تو سب سے پہلا اور اہم سوال جو کسی شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ اس کے رقبہ حکومت کا خیال ہے اس کی بڑائی صرف اس میں تھی اور ہے کہ وہ ایشیا اور یورپ کے بہت بڑے رقبہ کا مالک ہے آج بھی سلطنت برطانیہ کی عظمت سب سے پہلے اس خیال سے پیدا کی جاتی ہے کہ اس کے حدود مملکت سے کہیں آفتاب کی روشنی دور نہیں ہوتی لیکن آپ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوگی کہ دنیا میں بعض ایسے بھی آزاد و خود مختار ممالک ہیں جن میں سے بعض کا رقبہ حیدرآباد کے کسی صوبہ کے برابر بھی نہیں ہے۔ لیکن وہ آزادی اور خود مختاری کے دن تمام لوازم سے بہرہ اندوز ہیں جو ایک بڑی سے بڑی آزاد سلطنت رکھتی ہے۔ مثلاً یونان کا رقبہ (۴۹،۰۰۰) مربع میل ہے۔ بلغاریا کا (۴۰،۰۰۰) پرتگال کا (۳۵،۵۰۰) البانیا کا (۲۰،۰۰۰) ڈنمارک کا (۱۵،۰۰۰) ہالینڈ کا (۱۲،۷۶۰) بلجیم کا (۱۱،۰۰۰) مربع میل ہے اور ان سب کے مقابلہ میں حیدرآباد کا رقبہ اپنی موجودہ حالت میں (۸۲،۶۹۸) مربع میل یعنی (۵۲،۹۲۶،۷۲۰) ایکڑ ہے گویا جن آزاد بادشاہتوں اور جمہوریتوں کا ذکر کیا گیا ان میں سے بعض سے دگنا بعض سے چار گنا اور بعض سے چھ بلکہ سات گنا زیادہ ہے۔ لیکن اگر حیدرآباد سے اس موجودہ رقبہ میں آپ برار کے رقبہ کو بھی شامل کر لیں جو بلا شبہ اور جائز طور پر مملکت حیدرآباد کا ایک جزو ہے تو بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس کا رقبہ مملکت یورپ کے درجہ اول کی سلطنتوں انگلستان جرمنی فرانس اٹلی اور ہسپانیہ سے زیادہ نہیں تو ان کے برابر ضرور ہو جائے گا۔ دوسری اہم وجہ امتیاز جو ایک مملکت کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی حکومت کے زیر سایہ کتنے نفوس انسانی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ بعض ایسے ملک بھی دنیا کے نقشہ پر ملیں گے جن کا رقبہ ایک براعظم کے اس کنارہ سے اس کنارہ تک پھیلا ہوا ہے۔ لیکن آبادی

اس میں ایسی ہی ملے گی جیسے ایک صحرائے لق و دق میں سترہ دگیاہ کا نشان آبادی
کی کمی اور زیادتی کے اسباب مختلف ہو سکتے ہیں لیکن اراضی کے بڑے

عہدہ داران سرکار عالی

نواب میر عالم علیخاں صاحب

جناب رائے برکت رائے صاحب اول تعلقدار

انسپکٹر جنرل عدالت ہائے ملک سرکار عالی

اول تعلقدار گلبرگہ شریف

حصہ کا بنجر صحرا پہاڑ اور اسی طرح دوسرے اسباب کی بنا پر نا قابل
کاشت ہونا لیکن مملکتوں کا غلط نظام حکومت اور رعایا کا اس سے مطمئن
نہ ہونا کہیں اقتصادی معاشی حالت کی خرابی وغیرہ حیدرآباد کی آبادی گزشتہ مردم شماری
کی رو سے بلا شمول صوبہ برار (۱۴۴۳۶۱۴۸) ہے اگر اس کو رقبہ مملکت پر تقسیم کیا جائے
تو فی مربع میل (۱۷۵) کے نفوس کا اوسط آتا ہے برخلاف اس کے دنیا میں بہت سے ایسے خود مختار اور آزاد ممالک ملیں گے
جن کی آبادی کو حیدرآباد کی آبادی سے کوئی نسبت نہیں ۔ اس تناسب آبادی کے قرار داد میں ہم ان ممالک کو نظر انداز کرتے ہیں
جن کے رقبہ سے متعلق اوپر بحث ہوئی کیونکہ ظاہر ہے کہ ان کی آبادی بھی رقبہ کے تناسب سے کم ہوگی اور ہے مثلاً یونان جس کی آبادی
صرف (۷۰) لاکھ ہے اور فی مربع میل اس کی آبادی کا اوسط (۶۷) نفوس ہے ۔ بلغاریہ جس کی آبادی صرف (۵۵) لاکھ ہے اور فی
مربع میل (۱۳۷) نفوس ہے ۔ البانیہ جس کی آبادی صرف (۱۰) لاکھ ہے اور فی مربع میل (۵۰) نفوس ہے ۔ نیپال جس کی آبادی صرف
(۵۶) لاکھ ہے اور فی مربع میل (۱۰۰) نفوس ہے مذکورہ بالا ممالک کی آبادی کے اعداد و شمار پر غور کرتے ہوئے یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ یہ
یورپ کے وہ ممالک ہیں کہ زرخیزی کے اعتبار سے مشہور اور ہر قسم کے اقتصادی اور معاشی تفوق سے سرفراز ہیں ان میں سے اکثروں کی اپنی
بندرگاہیں ہیں زراعت تجارت صنعت کسب معاش کے بیسوں ذرائع ان کو حاصل ہیں اور ان کا طریقہ حکومت بھی ترقی یافتہ کہا جا سکتا ہے
جو باوجود اس کے وہ حیدرآباد کی آبادی اور رقبہ کے ساتھ اس کے تناسب میں مقابلہ نہیں کر سکتے ۔ اب چند ان ممالک پر بھی نظر
ڈالتے ہیں جو گو رقبہ اراضی حیدرآباد سے دو چند سہ چند اور بعض صورتوں میں چہار چند کہتے ہیں لیکن آبادی میں حیدرآباد کے ساتھ ان
کو کوئی نسبت نہیں دی جا سکتی ۔ مثلاً شہنشاہیت ایران جس کا رقبہ حیدرآباد سے تقریباً آٹھ گنا زیادہ ہے یعنی چھ لاکھ تیس ہزار مربع میل
حیدرآباد سے کم ادنی صرف ایک کروڑ ہے ۔ آبادی کا تناسب فی مربع میل صرف (۱۹) نفوس پر مشتمل ہے حکومت نجد و حجاز کا رقبہ گو حیدرآباد
سے بارہ گنا زیادہ یعنی دس لاکھ مربع میل ہے ۔ لیکن آبادی صرف پندرہ لاکھ اور تناسب ½ اکس فی مربع میل عراق کا رقبہ حیدرآباد
سے تقریباً دو گنا زیادہ یعنی ڈیڑھ لاکھ مربع میل لیکن آبادی صرف تیس لاکھ اور تناسب بیس کس فی مربع میل مصر کا رقبہ حیدرآباد سے
چار گنا زیادہ یعنی تین لاکھ ترسٹھ ہزار دو سو میل لیکن آبادی تقریباً برابر یعنی ایک کروڑ چالیس لاکھ اور تناسب آبادی (۴۱) ایشیائی ترکی کا رقبہ
تقریباً پانچ گنا زیادہ یعنی چار لاکھ مربع میل لیکن آبادی حیدرآباد سے کم یعنی صرف ایک کروڑ بیس لاکھ ہے اور تناسب صرف (۳۰) افغانستان
کا رقبہ بھی تقریباً تین گنا زیادہ یعنی دو لاکھ (۵۲) ہزار مربع میل ہے لیکن آبادی نصف سے زیادہ کم یعنی ترسٹھ لاکھ اسی ہزار تناسب صرف (۲۶)
اب اندازہ کیجئے حیدرآباد اپنی آبادی کے اعتبار سے نہ صرف یورپ کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں بلجیم ہالینڈ البانیہ یونان پرتگال ڈنمارک
بلغاریہ وغیرہ سے بڑھ کر ہے بلکہ ایشیا کی بڑی بڑی سلطنتوں ایران، ترکیہ مصر، نجد، حجاز، عراق، افغانستان اور نیپال وغیرہ سے بھی
بڑھ کر ہے ۔

یہ تمام تقابل برار کو شامل کئے بغیر ہے جو مملکت آصفیہ کا ایک زرخیز اور آباد صوبہ ہے اگر اس کو شامل کر لیا جائے تو شاید یورپ
کی بڑی بڑی سلطنتیں بھی حیدرآباد کا آبادی کے لحاظ سے مقابلہ نہ کر سکیں آپ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ ایشیا
کے بعض ممالک جو اپنے رقبہ میں زیادتی پر ناز کر سکتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے ان کے
رقبہ مملکت کا بیشتر حصہ غیر آباد ویران اور سنسان ہے اگر کوئی شخص ویرانوں
کھنڈروں اور غیر آباد مقامات میں کھڑا ہو کر اپنی سن کر دسو کی طرح

صدا بلند کر سکتا ہے اور دنیا اس کو ایک باعظمت وجبروت بادشاہ
مان سکتی ہے تو پھر غیر آباد ممالک بھی بجنگ حیدرآباد کے مقابلہ میں اپنا تفوق
جتا سکتے ہیں، لیکن اگر مملکت کے لئے آبادی شرط ہے اور وہ حیدرآباد کی مناسبت
سے ان کے یہاں کچھ بھی نہیں تو ان کو حیدرآباد کے تفوق کو ماننا پڑے گا۔ برخلاف ان ممالک
کے جہاں میلوں تک رقبہ اراضی صحرا یا پہاڑوں کی شکل میں بیکار ہیں۔ حیدرآباد میں اس وقت (۲ ½) فیصدی اراضی
کاشت پر اٹھی ہوئی ہے۔ بقیہ (۲۰ ½) فیصدی رقبہ میں سے بھی (۲۰ ½) فیصدی جنگل اور کنچہ وغیرہ کی صورت میں ذریعۂ آمدنی ہے صرف
چھ فیصدی رقبہ کو اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں عظمت وجلال کی ایک بڑی علامت دولت اور آمدنی تصور کی گئی ہے۔
اور یہ ایک حد تک بجا بھی ہے زر کا ستار العیوب اور قاضی الحاجات ہونا تو ایک حکیم مشرقی کی زبان سے صدیوں پہلے تسلیم کر لیا گیا ہے۔
اب ہم دیکھتے ہیں کہ جو ممالک دنیا میں آزاد اور ممتاز ہیں ان کے مقابلہ میں بلحاظ اپنی آمدنی اور دولت کے حیدرآباد کا کیا درجہ ہے اس
وقت ایک بڑی دشواری ہم کو یہ درپیش ہے کہ ہم مغربی و مشرقی سکوں کے شرح تبادلہ سے واقف نہیں ہیں اسلئے نہیں کہا جاسکتا کہ ان کی
جو آمدنی ہم کو معلوم ہوئی ہے وہ کتنے پاؤنڈ یا کتنے روپیہ کے مساوی ہے۔ ہم کو یقین ہے کہ اگر تھوڑا وقت ملے اور ان سکوں کے شرح
تبادلہ سے ہم واقف ہو جائیں تو آسانی سے ہم اس میدان میں بھی حیدرآباد کے تفوق کو ان دوسرے ممالک پر ثابت کر سکیں گے۔
فی الحال جن ممالک کے سکوں کا ہم کو علم ہے اور جن کی آمدنی پونڈز میں ہم کو معلوم ہو سکی ان سے حیدرآباد کا مقابلہ کرنے کی کوشش
کرتے ہیں نجد وحجاز کو چھوڑئیے کیونکہ وہ یوں بھی ایک بے آب وگیاہ ملک ہے جس کے ایک حصہ کو آسمانی زبان میں وادیٔ غیر ذی زرع کا لقب
دیا گیا تھا اور جس کی بڑی آمدنی کا انحصار حجاج کی تعداد پر ہے۔ نیپال جو ہندوستان کے شمال اور ہمالیہ کے دامنوں میں دوسرے آزاد
ممالک سے الگ کونے میں استقلال بجا رہا ہے اس کی سالانہ آمدنی صرف ایک ملین پونڈ یعنی (۱ ½) کرو‌ڑ روپیہ سکہ عثمانیہ ہے۔ ایران حیدرآباد
سے چھ گنا زیادہ رقبہ مملکت رکھتا ہے اور عراق عرب کے کناروں سے لیکر بلوچستان کے حدود تک اور شمال میں تبریز و آذربائیجان کے
علاقہ میں ایک وسیع سلسلہ بندرگاہوں کا رکھتا ہے اور خلیج فارس، بحر ہند، خلیج قفقاز میں اس کی آزاد تجارت جاری ہے باوجود اس کے
اس کا محاصل حیدرآباد کی آمدنی سے کچھ بہت زیادہ نہیں صرف (۷) ملین پونڈ یعنی ۱۰ ½ کروڑ روپیہ سکہ عثمانیہ ہے افغانستان کے رقبہ
کو آپ نے سنا کہ حیدرآباد سے تقریباً (۳) گنا زیادہ ہے لیکن آمدنی کو آپ سنیں گے تو حیرت کریں گے کہ ایسے ممالک بھی دنیا میں آزاد
اور خود مختار ہیں اور اپنی خود مختاری کو دنیا سے تسلیم کرا رہے ہیں۔ افغانستان کی موجودہ آمدنی چار کروڑ (۵۰) لاکھ روپیہ افغانی ہے جس کا
شرح تبادلہ اس وقت جبکہ میں افغانستان میں تھا ۳ روپیہ کابلی اور ایک روپیہ کلدار تھا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ افغانستان کی موجودہ
آمدنی صرف ڈیڑھ کروڑ روپیہ ہے۔ عراق کا رقبہ حیدرآباد سے دو گنا زیادہ ہے اور یہ وہ ملک ہے جس میں سے دجلہ و فرات جیسے دریا
بہتے ہیں جس کو بصرہ جیسی بندرگاہ میسر ہے جو تین آزاد مملکتوں ایران، ترکیہ، اور نجد و حجاز سے اپنے حدود اور تجارت کو وابستہ رکھتی ہے
لیکن باوجود اس کے اس کی آمدنی (۴) ملین پونڈ یعنی ۶ کروڑ سکہ عثمانیہ ہے جب ہم اپنے مملکت کی آمدنی کا دوسرے ممالک سے
مقابلہ کر رہے ہیں تو ایک روایت ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ حیدرآباد کی طرح ان ممالک میں جاگیرات، انعامات
اور دیولوں اور درگاہوں کی معاشیں منفرد نہیں ہیں۔ یہاں بادشاہ کے لئے ایک علحدہ رقبہ
اراضی صرف خاص کی طرح الگ ہے بلکہ اُن کی آمدنی کی کائنات وہی
ہے جو اوپر بیان کی گئی۔ برخلاف اس کے صوبہ برار کو نظر انداز

کرنے اور جاگیرات ستان، پائیگاہ اور صرف خاص مبارک کو خارج
کرنے کے بعد جن کا اندازہ ایک ثلث سے بھی زیادہ کیا جاسکتا ہے۔ اور
کسی بندرگاہ کی عدم موجودگی میں کیونکہ حیدرآباد کی بندرگاہ میولی ٹیم کا سوال
ابھی زیر بحث ہے۔ حیدرآباد کی آمدنی (۹) کروڑ سکہ عثمانیہ یعنی (۶) ملین پونڈ ہے جس کا مطلب
یہ ہوا کہ حیدرآباد کی آمدنی عراق سے دوگنی افغانستان اور نیپال سے چوگنی زیادہ ہے اور ایران کی آمدنی کے تقریبا
مساوی ہے۔ ایک بات اور آپ کی توجہ کے قابل ہے وہ یہ کہ دنیا میں صرف وہی شخص مالدار نہیں کہلایا جاسکتا جس کی آمدنی زیادہ
ہو بلکہ اس کے تمول کے اندازہ کے لئے اس کے خرچ اور قرض کا اندازہ بھی ضروری ہے دنیا میں بہت سی ایسی عظیم المرتبت سلطنتیں
بلکہ شہنشاہتیں آپ کو ملیں گی جو حیدرآباد سے کہیں زیادہ آمدنی رکھتی ہیں۔ لیکن سال میں دو مرتبہ امریکہ کے قرضہ کے صرف سود کی ادائی
کا سوال ان کے لئے سوہان روح بن جاتا ہے گزشتہ جنگ عظیم نے ان کے خزانوں کو خالی اور ان کی جیبوں کو ہلکا کر دیا۔ لیکن حیدرآباد
اپنی روزافزوں ترقیوں اور اخراجات کی زیادتیوں کے باوجود کسی حکومت اور سلطنت کے روبرو شرمندہ اور مجل نہیں ہے۔ اس کا
موازنہ خود موجودہ زمانہ میں کساد بازاری رعایا کے ساتھ عدیم المثال حسن سلوک کے باوجود اپنے توازن کو نہیں کھوتا بلکہ دنیا کے مختلف گوشوں
سے نگاہیں حسن طلب کے انداز میں ان کے خوان نعمت کی طرف اٹھتی رہیں، پھر ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ حیدرآباد کی
انتہائی آمدنی ہے اور اس نے اپنے تمام ذرایع آمدنی کو بہ تمام وکمال آزمالیا ہے۔ نہیں ابھی سیکڑوں اس کے معدن زمین کی
چادر اوڑھے گمنامی کی نیند سو رہے ہیں اس کی زراعتی ترقی کی پہلی کروٹ پوری بیداری کی شکل اختیار نہیں کر سکی ہے اس کی
صنعت وحرفت کی زندگی ایام طفولیت سے گزر کر عہد شباب میں قدم نہیں رکھنے پائی ہے۔ اس کی تجارت بندرگاہ کے فقدان اور
رعایا کی عدم رجحان طبع کی وجہ سے ابتدائی مدارج میں ہے اگر روئی اور تیل نکلنے والے اجناس کی کاشت میں محکمہ زراعت کی کوششیں
کامیاب ہو جائیں اور ہمارا محکمہ صنعت وحرفت اپنی تمام خام پیداوار کو کارآمد بنانے کے قابل ہو جائے اور ہمارے منڈیاں
اپنے مال سے بے بہرہ ہو کر دوسرے مارکٹوں میں اپنی پیداوار بھیجنے لگیں تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کا ملک دنیا کے بڑے بڑے ممالک
کے روبرو کس قدر افتخار و ناز کر سکے گا ان تمام نقاط نگاہ سے غور کیجئے اور اپنے آپ کو پہچانیے کہ دنیا کے ممالک میں آپ کا کیا
درجہ ہے یہ مقولہ کہ آپ اپنی قدر کرو صرف انفرادی زندگی میں نہیں اس سے زیادہ اجتماعی زندگی میں آزمایا جانے کے قابل ہے
لیکن آپ اپنی قدر اسی وقت کر سکیں گے جب پہلے اپنے آپ کو پہچان لیں گے۔ تعلیم وشائستگی کے متعلق کہا کہ رقبہ آبادی اور دولت
ہی کسی ملک کی قابل تعریف خصوصیات نہیں ہو سکتیں۔ اگر وہاں کے رہنے والوں میں اس رقبہ اور آبادی پر حکومت کرنے اور اس دولت
کو کام میں لانے کی صلاحیت نہ ہو حیدرآباد میں انتظامی معاملات سے اطمینان حاصل کرنے میں اپنی سب سے بڑی توجہ اپنے فرزندوں
کی تربیت وتعلیم کی طرف دی۔ کیا آپ ہمارے ان نتائج تعلیمی کو یورپین ممالک کے مقابلہ میں رکھتے ہیں تو بیشک ہم ان سے ابھی پیچھے
ہیں لیکن اگر مشرقی آزاد وخود مختار ممالک سے ہمارا مقابلہ کیا جاتا ہے تو ہم بلا خوف وتردید کہہ سکتے ہیں کہ ان میں سے اکثروں کے لئے ہماری
مثال دن اور رات روشنی اور تاریکی کے مقابلہ کی مانند ہے ہماری خود مختار رعایا پرور حکومت نے
اپنی رعایا کی تعلیم ہی کا خیال نہیں کیا بلکہ اس کی تربیت پر بھی توجہ کی۔ برطانوی
ہند کے قابل اور تجربہ کار اشخاص کی خدمات بڑی بڑی بیش قرار تنخواہوں
پر صرف اس لئے حاصل کی گئی کہ وہ ملک کے فرزندوں کو ملک کی

ضروریات کے مطابق تیار کریں تاکہ آیندہ حیدرآباد کسی دوسرے کی
امداد کے بغیر اپنے پاؤں پر کھڑا ہوسکے۔ ہم اس غرض سے بلائے جانے
والوں اور ہمارے ملک کے خدمات انجام دینے والوں کی خدمات کا اعتراف کئے بغیر
نہیں رہ سکتے جنھوں نے اب حیدرآباد کے فرزندوں کو اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ ان کے سہارے
کے بغیر کھڑے ہی نہیں بلکہ میدان کارزار میں بلاخوف وخطر دوڑ سکتے ہیں۔

دنیا میں ہمیشہ اقوام وممالک کی برتری وعظمت کا دارومدار ریاست، اسباب وعلامات سے قطع نظر جن کا اوپر ذکر کیا گیا کسی ملک کے اکثریت اور طاقت جبری کے اندازے پر رہا ہے اب ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ تم نے دوسرے ممالک آزاد پر رقبہ آبادی تمول، تعلیم، اور شائستگی کے اعتبار سے تو اپنا تفوق ثابت کیا۔ لیکن اس زمانہ میں چھوٹی سی چھوٹی مملکت بھی اپنا مکمل فوجی نظام رکھتی ہے۔ کیا تم اس حیثیت سے بھی اپنے امتیاز کو ثابت کر سکتے ہو۔ میرا جواب بلاتردد اس بات میں ہے۔ اعتراض کرنے والوں نے حیدرآباد پر بہت سی سرسری نظر ڈالی ہے، انھوں نے اس کے تاریخ اور جغرافیہ کا پورا مطالعہ نہیں کیا وہ صرف امپریل سروس ٹروپس گولکنڈہ لانسرز، کیاولری گارڈ، انفنٹری توپ خانہ اور نظم جمعیت کو ہی حیدرآباد کا کل نظام عسکری خیال کرتے ہیں اور الوال، ترنگیری، بلارم کی افواج کو انھوں نے بالکل جداگانہ طاقت تصور کر رکھا ہے حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ فوجیں ابتدا ہی نگرانکار فوجیں نہیں بلکہ عسکر آصفی ہیں جو حیدرآباد کے خرچ پر حیدرآباد کے لئے اس کے قابل احترام حلیف سلطنت عالیہ برطانیہ نے تیار کیا اور تیار رکھا ہے۔ اب ان سب قوتوں کو یکجا کرو اور بتاؤ کہ کیا حیدرآباد کا نظام فوجی کسی اور نظام عسکری سے کم ہے۔ پھر جغرافی حیثیت کو بھی نظرانداز نہ کرنا چاہئے کہ دوسری حکومتیں اپنے اطراف وجانب اعتبار کا ہجوم رکھتی ہیں افغانستان کے ایک طرف انگریز ہیں جن سے اس کی کبھی نہیں بنتی دوسری طرف روس ہے جو اپنے موقع کو کبھی ہاتھ سے نہیں دینا چاہتا۔ تیسری طرف ایران ہے جسے ایک حریف حکومت کہا جا سکتا ہے جو تاریخ قدیم میں بھی بستان اور اس کے مشرقی علاقوں سے ہمیشہ برسر پیکار رہے ہیں یہی حال خود ایران، عراق، حجاز، ترکیہ اور تمام یورپ کے آزاد اور خودمختار ملکتوں کا ہے۔ برخلاف اس کے حیدرآباد اپنے اطراف صرف ایک مملکت رکھتا ہے جو اس کی دوست اور ایسی حلیف ہے کہ جس کے عہد میمنت کو سلاطین آصفیہ نے تاریخ کے ہر دور میں مضبوط رکھا ہے جنوب اور مغرب کی طاقتیں جن سے حیدرآباد کو آئے دن برسرپیکار رہنا پڑتا تھا تاریخ کے ابتدائی اس دور میں ختم ہوگئیں جبکہ وہ اعلان خودمختاری کیا گیا تھا جس کی ہم یادمنا رہے ہیں۔ اب حیدرآباد کو کسی سے لڑنا نہیں ہے بلکہ جو تیاری بھی اس نے کی ہے وہ اس لئے زیادہ ہے کہ وہ صرف اپنی طاقت اور حلیف کی وقتاً فوقتاً امداد کے لئے کی گئی ہے۔ اندرونی انتظام کے لئے وہ جمعیت کافی سے کچھ زیادہ ہی کہی جا سکتی ہے۔ کیونکہ حیدرآباد، افغانستان، ترکیہ، حجاز، و نجد کی طرح سازشوں کی آماجگاہ نہیں بلکہ یہاں امن وعافیت واطمینان ہے غالباً ان تمام حالات کو سن کر اور اپنی مملکت کی عظمت کا تصور کرکے آپ کو حیرت ہوگی اور اس میں اضافہ اس حقیقت نے کیا کہ باوجود دنیا کے اکثر خودمختار و آزاد ممالک کا ہمسایہ بالکلیہ بلند پایہ ہونے کے حیدرآباد اس مرتبہ سیاسی (پولیٹیکل اسٹیٹس) سے محروم ہے

جو دوسروں کو حاصل ہے۔ آپ پوچھتے ہیں کہ کیوں ہمارے آپ کے بادشاہ جم جاہ
اعلیٰ حضرت قدر قدرت نواب میر عثمان علی خان بہادر نظام الملک آصف جاہ
سابع خلد اللہ ملکہٗ کے اسم گرامی کے ساتھ ہز مجسٹی کا لقب شامل

نہیں ہے۔ آپ بےچینی سے دریافت کر رہے ہیں اور آپ کو
کرنا چاہئے کہ کیوں آپ کا سکہ کم از کم حدود ہندوستان میں نہیں چلتا جبکہ
ہم سے نہایت کم حیثیت رکھنے والے ممالک کی ٹکسال ان ہی کے سکہ پر دنیا
کے طول و عرض کو طے کر رہی ہے کیوں آپ کے سکہ کی قیمت حیدرآباد سے باہر نکل کر
ٹھیکری اور پیسے سے زیادہ نہیں رہ جاتی اور بمبئی مدراس کے مارکٹ میں اس کے لئے گنجائش تبادلہ نہیں ہے۔

آپ کا یہ سوال بھی ایک حد تک بجا ہے کہ کیوں لنڈن اور دہلی میں سفارت خانہ حیدرآباد کی کوئی عمارت نظر نہیں آتی میں حیران ہوں کہ آپ کے اس سوال کا کیا جواب دوں۔ اول تو مجھے کوئی جواب سوجھ نہیں رہا ہے۔ دوسرے شاید جناب صدر بھی اس مقام پر مجھے اپنی حدود سے گزرا ہوا محسوس فرمائیں۔ اس لئے صرف یہ کہہ کر خاموش ہو جاتا ہوں۔ کل امر مرہون باوقاتہا اور شاید آپ کا احساس اور طلب صادق اس وقت کو جلد لادے۔

آخر میں آپ سے اپنی دعا میں شرکت کا امیدوار ہوں کہ خدا حیدرآباد دکن کی اس خود مختاری اور استقلال کو مدارج کی ترقیوں اور مراتب کی بلندیوں کے ساتھ برقرار رکھے۔ اعلیحضرت خسرو دکن خلد اللہ ملکہ کا سایہ ہما پایہ اس خود مختار سلطنت دکن پر تا ابد رہے اور سلطنت آصفیہ اور شہنشاہیت برطانیہ کی محبت و دوستی مستحکم تر اور پائندہ تر ہوتی جائے۔

آمین ثم آمین

بجے چاروں طرف آصف کا ڈنکا | خراج اُس کو ملے سارے جہاں سے

۲۵ محرم الحرام ۱۳۵۱ھ م ۲۷ تیر ۱۳۴۱ ف م یکم جون ۱۹۳۲ء سے نظام اسٹیٹ ریلوے نے موٹر بس سرویس جاری کی بس خوش وضع "تیز رفتار" آرام دہ اور نہایت شاندار ہیں جن کے انتظامات بلحاظ ماحول ملک بہت اچھے ہیں۔ نرخناموں میں ہر طرح سہولت اور اوقات کی پابندی حسن انتظام کی بہترین نظیر ہیں۔ اس سرویس کے جاری ہونے سے اہل ملک کو اپنے ہر نوع کے کاروبار میں بڑا آرام نصیب ہوا۔ اس سرویس کی دن بدن ترقی عوام الناس کو سہولت بخش و آرام رسانی کا سبب بن رہی ہے دار السلطنت حیدرآباد سے اس کو وسعت دیکر اب اضلاع تک چلایا جا رہا ہے۔ ہر ہفتہ اس کے نظم و نسق اور جمع و خرچ کی روئداد شایع ہوتی ہے۔ جس کو دیکھنے سے اس سرویس کی روز افزوں ترقی کے خوشگوار نتائج نظر آتے ہیں مستقبل قریب میں اس سرویس کو ممالک محروسہ سرکار عالی کے گوشہ گوشہ تک چلانیکا انتظام ہماری شفیق حکومت کے زیر غور ہے یہ پر آسائش سواری اہل ملک کے لئے بیحد مفید ثابت ہوئی مبارک عہد اقدس و اعلیٰ کے انگنت فلاح عامہ کاروبار کے منجملہ یہ بھی ایک ہے۔ جسکو تاریخ عثمانی تکمیل حالات کے ساتھ نقش کالحجر بنائیگی۔

A Tourist Car of H.E.H. the Nizam's State Railway.

ہوائی پرواز کلب مع توڑہ ایرپورٹ حیدرآباد دکن کے شاندار مناظر

اس ریاست ابدمدت میں بدوران حکومت اعلیحضرت بندگانعالی متعالی حضرت سلطان العلوم مدظلہ العالی ہر سررشتہ میں جو عدیم النظیر اصلاحات و ترقیاں ہوئی ہیں اُس سے ہر فرد بشر بخوبی واقف ہے۔ خصوصاً سررشتۂ تعلیمات میں ملاذنا ان حضرت اقدس و اعلیٰ مدظلہ العالی نے ایسی غیر معمولی فیاضی فرمائی کہ حصول علم کے لیے بیحد تشویق عام لوگوں میں پیدا ہوئی اور تقریباً بلدہ کے ہر بڑے بڑے محلہ میں اور اضلاع و تعلقات کے اہم مقامات میں مدارس قائم ہوئے اور کتبخانہ جات کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔

کتب خانۂ آصفیہ جو عام استفادہ کے لیے پہلے سے قائم تھا۔ راس سے عام لوگوں کو مستفید ہونے کا کما حقہٗ خیال نہیں ہوتا تھا لیکن اعلیحضرت سلطان العلوم حضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی کی شاہانہ توجہ کے باعث عام طور پر لوگ کتب خانہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کی زیادہ کوشش ہونے لگی اور شائقین علم و ہنر کی روزانہ کتب خانہ میں زیادتی ہوتی چلی۔ اس کے بعد حضرت اقدس و اعلیٰ مدظلہ العالی کی توجہ مبارک اس کتب خانہ کی عمارت کی جانب ہوئی۔ چنانچہ فرمان واجب الاذعان شرف صدور لایا کہ "کتب خانۂ آصفیہ کے لیے ایک عالیشان عمارت تعمیر کی جائے۔ جو ریاست کے شایان شان ہو" اس فرمان فیض نشان کی بناء پر کتب خانۂ آصفیہ کے لیے ایک عالیشان عمارت کی تیاری شروع ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی کتب خانہ کی شہرت میں اور اضافہ ہوا طبقہ ذی علم کے علاوہ عوام اور کم علم اشخاص بھی بہت شوق سے اس عمارت کو دیکھنے لگے گویا اس چشمۂ فیض سے فیضیاب ہونے کے لیے کم علم طبقہ بھی اس طرف رجوع ہوا اور کتب خانہ میں شائقین علم و ہنر کی تعداد میں کثیر اضافہ ہونے لگا۔ چنانچہ ۲۵ سال پہلے ناظرین کی تعداد ۲۵ ہزار اور کتب مطالعہ کردہ کی تعداد تقریباً ۲۶ ہزار سالانہ ہوتی تھی اور اب مطالعہ کنندگاں کی تعداد سالانہ تقریباً ۴۷ ہزار ہوتی ہے۔ ۱۳۴۳ف کی تعداد ناظرین و کتب مطالعہ کردہ ناظرین کی

تعداد حسب ذیل تھی

تعداد ناظرین (۶۳۸۴۴) = تعداد کتب مطالعہ کردہ

ناظرین (۳۱۷۷۷) = اخبارات و رسائل علمیہ کا مطالعہ

اس کے علاوہ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تقریباً دو ثلث شائقین علم کی

تعداد میں اضافہ ہوا۔ اور پچیس سال پہلے کتب خانہ میں تقریباً (۱۹۰۰۰) کتب موجود تھے اور اس مبارک زمانہ میں تقریباً پندرہ ہزار کتب قلمیہ و مطبوعہ عربی فارسی انگریزی وغیرہ کا اضافہ ہوا ہے۔ خریداری کتب کے لیے پہلے موازنہ میں سالانہ آٹھ ہزار روپے شریک ہوا کرتے تھے۔ بلا زمان حضرت اقدس و اعلیٰ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ نے اس میں اور بارہ ہزار روپیہ کا اضافہ فرما کر سالانہ بیس ہزار روپیہ کی منظوری صادر فرمائی تاکہ عربی فارسی و دیگر زبان کی نایاب قلمی و مطبوعہ کتب کے علاوہ انگریزی کتابوں کا ذخیرہ بھی زیادہ کیا جائے جو زمانۂ حال کی تعلیم کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اب کتب خانہ آصفیہ کی پُر عظمت و شان عمارت جدید بھی مکمل ہو چکی ہے۔ جس میں اب سابقہ کتب خانہ منتقل عمل میں آچکی ہے۔ جو کتب خانہ آصفیہ کے نام موسوم ہے۔

کتب خانۂ آصفیہ کی جدید عمارت عربی وضع کی خوبصورت رود موسیٰ کے کنارے نہایت پُر فضا مقام پر تعمیر ہو چکی ہے۔ جس کی تعمیر پر (   ) روپیہ صرف ہوا ہے جو آئندہ دکن کی بیش قیمت شاندار مستقبل یادگار ہے جس کا افتتاح حضرت اقدس و اعلیٰ نے اپنے دست مبارک سے فرمایا۔

یہ کتب خانہ اپنی ممتاز نوعیت و خصوصیت کے ساتھ بلحاظ اپنے نوادرات کتب دنیا کے کتب خانوں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

کتب خانۂ آصفیہ کے علاوہ حیدرآباد میں بڑے بڑے بہت سے کتب خانے متفرق طور پر خانگی ایسے ہیں جن کو دیکھنے دیگر ممالک کے لوگ یہاں آتے ہیں۔ یورپ و امریکہ کے قدردانوں نے روپیہ پیسہ کا معقول لالچ بتلا کر جب ان خانگی کتب خانوں سے نوادرات عالم پرانے کتب، تصاویر، آثار قدیمہ وغیرہ کو حاصل کر لینا شروع کیا تو بیدار مغز شاہ ذیجاہ نے فوراً اس نقص کو محسوس فرما لیا اور ایک فرمان مبارک نافذ فرما کر ان قیمتی خزانوں کی خریدی کا عام اعلان کروا دیا جس سے علمی خزانوں کی حفاظت کا معقول انتظام ہو گیا۔

کتب خانۂ آصفیہ کے جملہ کاروبار زیر نگرانی کمیٹی طے پاتے ہیں جس کے صدر ہز اکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت و صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی اور نائب صدر علامہ نواب ضیا یار جنگ بہادر ہیں۔ یہ کتب خانہ دنیا کے عظیم الشان کتب خانوں کے مماثل ہے۔ سلطنت حیدرآباد کا واحد علمی مرکز و خزانہ ہے۔ جس کے استفادہ سے اہل ملک کی مستقبلہ سنہری زندگی کی امید وابستہ ہے۔ من حیث الوجوہ ہر طرح مثل دیگر سررشتہ جات کتب خانۂ آصفیہ میں بھی ہر امر میں ترقی ہوئی اور ہو رہی ہے، عمدہ اور کمیاب کتب کا اضافہ ہو رہا ہے۔ شائقین مطالعہ کے شوق و شغف میں پہلے سے زیادہ مستفید ہو رہے ہیں اور علوم و فنون کی دلچسپی بڑھتی جا رہی ہے۔

بقیہ مضمون صفحہ ۱۷۱ کلب کی سرگرمیاں زیر انتظام کمیٹی روز افزوں ترقی پذیر ہیں کئی طیارے روزانہ آسمانی فضا میں پرواز کرتے نظر آتے ہیں۔ بمبئی مدراس وغیرہ سے بھی ڈاک و مسافر سروس کا مستقل سلسلہ قائم ہو گیا ہے خدا سے بڑی توقع ہے کہ حیدرآبادیوں کے یہ قوی دست و بازو فن پرواز میں بلند ہو کر اپنے شاندار مستقبل دور میں مغربی تہذیب و ترقیوں کو بھی نیچا دکھائیں گے۔

مرتبۂ محمد فاضل

ہر حکومت و سلطنت کے قیام امن و امان اور اس کے تحفظ و حکمرانی کا دار و مدار چونکہ سیف و قلم کی مستحکم قوتوں پر موقوف ہے اس لئے ان کی غیر متزلزل بقا ان ہی دو طاقتوں پر مبنی ہے۔ جو ایک ہی مرکز پر قایم اور اعلیٰ اقتدار ہستی کے تحت ہو چونکہ صاحبانِ سیف (یعنی افواج) سے متعلق اس وقت ہمیں مختصر طور پر کچھ عرض کرنا ہے۔ اس لئے ان کی تفصیل و تطویل کے قطع نظر ہم صرف یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ عہدِ عثمانی میں افواج آصفی نے تنظیماً کیا ترقی حاصل کی۔ اور وہ جانبازو فادارانہ حیثیت سے کس حد تک مستعد و تیار رہے۔

مملکت آصفیہ کی افواج از قسم سوار۔ پیادہ۔ توپ خانہ وغیرہ جملہ ضروریات جنگ سے مسلح اور منظم ہے۔ ہم اس کو حسب ذیل حصوں پر منقسم کر کے اس کا مختصراً خاکہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) کنٹیجنٹ (۲) امپریل سرویس ٹروپس (فسٹ لانسر و سکنڈ لانسر) (۳) تھرڈ گولکنڈہ لانسرز۔ گولکنڈہ انفنٹری۔ کیوالری ٹریننگ اسکواڈرن۔ کیوالری بریگیڈ۔ انفنٹری بریگیڈ۔ اسٹرنگ بیانڈ۔ کیولری بیانڈ۔ توپخانہ اے بیاٹری۔ توپخانہ بی بیاٹری۔ فسٹ بٹالین انفنٹری۔ سکنڈ بٹالین انفنٹری۔ نظامس اون تھرڈ بٹالین انفنٹری۔ فورتھ بٹالین انفنٹری انفنٹری ٹریننگ کمپنی۔ پرنس باڈیگارڈ۔ باڈی گارڈ اسکواڈرن۔ جمعیت نظام محبوب وغیرہ۔ (۴) فوج بے قاعدہ (نظم جمعیت) (۵) افواج صرف خاص مبارک (۶) افواج امراء پائیگاہ و معزز جاگیرداران۔

(۱) کنٹیجنٹ۔ یہ فوج برطانیہ ہند کی اعانت کی غرض سے وزیر افواج ہند کی زیر نگرانی ہے جس کے اخراجات کی کفالت میں مملکت حیدر آباد کا ایک زرخیز وسیع صوبہ برار تا حال گورنمنٹ ہند کے سپرد ہے۔

اس فوج سے قطع نظر کرنے کے بعد باقی ۲۔۳۔۴ متذکرہ صدر

افواج راست اعلیحضرت بندگانعالی کے زیر اختیار واقتدار ہیں

(۱۳۵) یہ وہ فوج ہے جس کا تعلق خاص شاہی اسٹیٹ سے ہے

جو سوار و پیادہ فوج کی شکل میں مسلح و منظم ہے۔

(۶) یہ وہ فوج ہے جو حکومت سرکار عالی کے اشارہ پر امراء پائیگاہ و جاگیرداران نے اپنی نمک حلالی و وفاکشی کے ثبوت میں جاں نثاری کے لئے تیار کر رکھی ہے۔

نمبر ۱-۵-۶ ان معاونتی کثیر تعداد افواج کو نظر انداز کرتے ہوئے۔ اب ہم صرف راست زیر نگیں سرکار عالی افواج ۲-۳-۴ کے خصوصیات و اعداد کا ذکر کرتے ہیں۔

نمبر ۱ تا ۶۔ اگر جملہ افواج کا صحیح تخمینہ کیا جائے تو افواج آصفیہ کی تعداد یقیناً تحیر پذیر ثابت ہوگی جس کا خرچ دیوانی و صرف خاص مبارک سے برداشت کیا جاتا ہے۔ اس فوجی اعداد سے ہی دنیا کی بعض بڑی بڑی آزاد سلطنتوں کے مقابل ہر طرح حیدرآباد کے تفوق و ہمسری کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

تعداد فوج اور مصارف جس وقت اعلیحضرت سریر آرائے سلطنت ہوئے ہیں افواج آصفی کی جملہ تعداد تقریباً اکیس ہزار تھی جس میں (۶۹۸۵) فوج باقاعدہ اور (۱۴۳۰۲) فوج بے قاعدہ و نظم جمعیت تھی جس کے مصارف تقریباً باون لاکھ روپے تھے۔

عہد ہمایوں میں جدید اصلاحات و ترقیوں کے مد نظر غیر معمولی تبدیلیاں عمل میں آکر فوج باقاعدہ میں کچھ اضافہ اور نظم جمعیت میں کچھ کمی ہو گئی۔ رپورٹ ۱۳۴۱ف سے ظاہر ہے کہ فوج باقاعدہ کی تعداد (۷۲۰۰) اور نظم جمعیت کی تعداد (۱۲۵۵۹) رہی اس طرح جملہ افواج کی تعداد (۱۹۷۵۹) قرار پائی جس پر چھتر لاکھ روپے کے سالانہ مصارف ہوئے چنانچہ اس وقت افواج آصفی کا سالانہ جملہ خرچ بروئے موازنہ ([illegible]) ہے۔

تنظیم و اصلاحات افواج کے لئے باقاعدہ تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ اور عثمانیہ ملٹری کالج کھولا گیا۔ ناکارہ ملازمین کو علیحدہ کر کے مستعد اشخاص کی بھرتی عمل میں لائی گئی۔ تمام افواج باقاعدہ کی تنظیم جدید اصول پر کی گئی۔ گھوڑوں کے لئے جدید اصول کے تحت اصطبل تیار کرائے گئے۔ نئے نئے ہتھیار و جدید اسلحہ جنگ خرید کر فوج کو اس میں ماہر کیا گیا۔ قانون و قواعد افواج کا باضابطہ نفاذ بہترین آئین کے تحت عمل میں آیا۔ فوج کے لئے راشن کا انتظام اور ان پر قواعد جدیدہ کا لزوم قرار دیا گیا۔ ہر سال جنگی مظاہروں کے لئے بہ قیام کیمپ آزمائش کی جاتی ہے۔ افواج انگلشیہ اور افواج آصفیہ کے مصنوعی مقابلے عمل میں آتے ہیں۔ ہر قسم کے فوجی سامان سے فوج کو آراستہ پیراستہ کیا گیا ہے۔ بہر حال اس مبارک عہد میں افواج آصفی کو بیشمار اصلاحات و تنظیمات سے شائستہ کر کے محاذ جنگ کے لئے بالکل مستعد و قابل کارزار بنا دیا گیا ہے۔ اس فوج کے جملہ اصول و قواعد افواج انگلشیہ کے موافق ہیں۔

فوجی بارکسوں کی تعمیر دور جدید کے بہترین آئین کے تحت شہر کے اطراف کھلے ہوادار مقاموں میں ہر رسالہ و پلٹن کے لئے فوجی منوال پر علحدہ علحدہ نئی بارکسیں تعمیر کی گئیں اور ان کے ایک ایک فوجی پریڈ میدان مختص کیا گیا۔ ان فوجی بارکسوں کی

تعمیر پر لاکھوں روپیے کا صرفہ کیا گیا۔ جس میں اب افواج آصفی
اپنے روزانہ مفوضہ فرائض کو انجام دیتے ہوئے قیام پذیر ہے۔

افواج آصفی میں تمام اقوام کے لوگ ہیں اچھوت، سکھ۔ ہندو
عیسائی۔ پارسی۔ افغان
عرب۔ حبشی وغیرہ اور عام مسلمانوں پر افواج آصفی مشتمل ہے۔ ہر ایک کے ساتھ اون کے مذہبی
احکام کے مطابق عام رعایت و رواداری ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اور فوجی شرائط و حلف کی سب پر یکساں ذمہ داری عاید ہے

افواج آصفی کا نمایاں کارنامہ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم یورپ میں جب حکومت ہند نے امپیریل سروس ٹروپس
کی اعانت چاہی تو میدان جنگ میں دونوں ٹروپس بھیجے گئے۔ ایک رسالہ نے جنگ
میں شرکت کی دوسرے کو آیندہ ضرورت کے لئے محفوظ رکھا گیا۔ تقریباً چھ سال بعد محاذ جنگ سے یہ فوجیں ۱۹۲۰ء میں
حیدرآباد واپس ہوئیں۔ حیدرآبادی فوج نے جو نمایاں خدمات میدان جنگ میں انجام دیں ان سے متعلق خود کمانڈر انچیف
اور اون کے ارباب حکومت نے ان لانسرز کی وفاداری۔ جانبازی اور بہادری کا پرزور الفاظ میں اعتراف
کیا ہے۔ چنانچہ ملک معظم کے حکم سے طبع شدہ تاریخ "پندرھویں امپیریل سروس کیولری بریگیڈ" اس امر کی بخوبی شاہد عادل ہے
ازیں قبیل اور بھی بہت سے افواج آصفی کے درخشاں کارنامے ہیں جن پر ایک مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے۔
لیکن عدم گنجایش کے مدنظر ہم صرف اسی حد پر اکتفا کرتے ہیں۔

افواج آصفی غیروں کی نظر میں افواج آصفی کا نظم و نسق و طریق قواعد اور اس کی مستعدی و کرتب کو دیکھکر اکثر
غیر ممالک کے افسران فوج نے تعریفیں کیں اور اس فوج کو ہر فن میں ماہر و کامیاب
پاکر ہمارے سررشتہ فوج کے قابل تحسین کارناموں پر اظہار مسرت کیا۔

زرد پرچم آصفی فوج کا نشان ہے افواج آصفی اپنے پرچم کے زیر سایہ اس کے اشارہ پر اپنی فنا و بقاء
ایک سمجھتی ہے۔ جو کہ قومی نشان کے علاوہ ہر فوجی کے حق میں فوجی
نشان بھی ہے۔ اس کا رنگ صبح صادق کے شفق کی زردی کا پتہ دیتا ہے۔ جس میں کمال عروج کی تقدیمی جھلک پنہاں ہے۔

افواج آصفی کے سپہ سالار جس وقت اعلیحضرت جلوہ افروز تخت شاہی ہوئے۔ اس وقت اس فوج
کے کمانڈر انچیف ملک و مالک کے سچے مونس و یاور اور حقیقی جاں نثار و وفادار
نواب سر افسر الملک بہادر تھے۔ آپ کا دور سپہ سالاری بہت طویل عرصہ تک رہا۔ آپ کے انتقال پر ملال کے بعد آپ کے
حقیقی جانشین و قابل فرزند میجر نواب عثمان یار الدولہ بہادر نے بہ حیثیت کمانڈر اس فوج کی کمان کی۔ جب
یہ بھی واصل حق ہوگئے تو کمانڈری کے عہدہ پر کرنل قادر یار جنگ بہادر کو مامور فرمایا گیا۔ حکیم السیاست اعلیحضرت
قدر قدرت نے اس فوج کے ذمہ دارانہ مہتمم بالشان عہدہ جلیلہ کو حضرت والاشان
ولیعہد بہادر سے رونق و تمکنت بخشی

یوں تو افواج آصفی کی بہتر سے بہتر تنظیم محض
اعلیحضرت بندگانعالی کی حکمت آموز دور بین نظر و نگاہ کا نتیجہ ہے

مرتبہ محمد فاضل

قصر فلک نما کا منظر [illegible] کی جانب سے
افضل محل

از جناب مولوی محمد سید ہادی صاحب بی اے (کنٹب) ناظم اسکاوٹس رعایا

عہدِ عثمانی کا زرین دور جس میں ہر شعبہ نے ترقی کی اور افرادِ ملک کے نشو و نما میں ممکنہ کوششیں کی گئی ہیں کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو ان احساناتِ عظیم سے محروم رہا ہو۔ انہیں میں سے ایک ورزش جسمانی کا انتظام بھی ہے جو اس سے پہلے ملک کے ہونہار نسلوں کی بقاءِ صحت کے لئے اس وسیع سلطنت میں نہ تھا جوں جوں تعلیمی ترقیاں ہونے لگیں اوس کے ساتھ طلباء کے جسمانی نشو و نما کے لئے اس کا خیال پیدا ہوتا گیا کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ تا وقتیکہ کھیل کود اور جسمانی ورزش کا سامان فراہم نہ کیا جائے ہونہار طلبا کی صحت قایم نہیں رہ سکتی۔

چنانچہ ۱۹۱۸ء میں ابتداءً محکمہ ورزش جسمانی کا قیام عمل میں آیا اور یہ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے کی مدد سے چلتا رہا جس کو سالانہ ڈھائی ہزار روپیہ حکومت کی جانب سے دیا جاتا تھا۔ جن کی ذمہ داری صرف اسی قدر تھی کہ ڈرل ماسٹر کی ٹریننگ وغیرہ کا معائنہ کیا جائے۔ چونکہ کام زیادہ تھا اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ اس کا بھی خاص محکمہ علٰحدہ عمل میں آجائے چنانچہ حکومت نے مجھے جو اس وقت کیمبرج میں زیر تعلیم تھا۔ ورزش جسمانی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے حکم دیا جب میں ۱۳۳۵ف میں بعد ختم تعلیم انگلستان سے واپس ہوا تو محکمہ اسکوٹس اور ورزش جسمانی کا صیغہ بالکلیہ میرے زیرِ نگرانی دیدیا گیا۔ میں نے یوسف مرزا صاحب۔ اور مسٹر گڈون سے جس کا جائزہ حاصل کیا۔ باقاعدہ قیام محکمہ سے پہلے ڈرل ماسٹر عموماً فوجی وظیفہ خوار غیر تعلیم یافتہ ہوتے تھے جوں جوں محکمہ ترقی کرتا گیا ڈرل ماسٹر تعلیم یافتہ کو ترجیح دی جانے لگی جس کی وجہ سے روزانہ غیر معمولی ترقی ہوتی گئی اور کام نہایت عمدگی سے بروقت انجام پانے لگا اور محکمہ نے غیر معمولی ترقی کرنی شروع کی اس وقت (۱۲۵) ڈرل ماسٹر دارالسلطنت حیدرآباد میں اپنے فرائض نہایت دلچسپی سے انجام دے رہے ہیں ورزش جسمانی تمام مدارس وسطانیہ میں لازمی قرار دیگئی ہے چنانچہ مدارس کے صدر صاحبان کے اتحاد عمل سے ہر مدرسہ میں کام انجام پا رہا ہے۔ گزشتہ دس سال کے عرصہ میں طلبا کی صحت پر اس کا نمایاں اثر ہوا ہے۔ چونکہ ڈرل ماسٹروں کو موجودہ عہد سائنس میں ڈرل کی تعلیم حاصل کرنے کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ تھا جہاں وہ حالت حاضرہ سے واقف و آگاہ ہوتے اس لئے ان کی تعلیم کے لئے بھی خاص جماعتیں کھولی گئیں جہاں انہیں بالکل نئے طریقہ پر تیار کیا جاتا ہے تاکہ وہ آیندہ طلبا کی ذمہ داری اپنے دوش پر لیں تو اپنے فرائض و کافی ذمہ داری کا بخوبی احساس کرنے لگیں۔

کھیل کود سنہ ۱۹۲۰ء میں اس کا وجود عمل میں آیا۔ نواب مسعود جنگ بہادر سابق ناظم تعلیمات اس کے صدر مقرر ہوئے اور یہ کچھ نیم سرکاری حیثیت رکھتا تھا۔ طریقہ یہ تھا کہ ہر مدرسہ سے (ایک) روپیہ چندہ لیا جاتا تھا اور حکومت کی جانب سے تین ہزار سالانہ عطا کئے جاتے تھے اور مجلس انتظامی کے نو اراکین تمام کاروبار انجام دیا کرتے تھے چنانچہ ہر سال انجمن انتظامی کے اراکین منتخب کئے جاتے ہیں ابتداءً ان کھیل کود میں صرف بلدہ کی حد تک مدارس کو حصہ لینے کی اجازت دیگئی بعد میں اس کو وسعت دیکر سکندرآباد کے مدارس کو بھی ایک عمیم کردیا گیا سالانہ اسپورٹس ہونے کے لئے ان کے علاوہ فٹبال۔ ہاکی۔ کرکٹ۔ باسکٹ بال کے باقاعدہ ٹورنمنٹ ہوتے ہیں۔ سال حال سے ٹینس ٹورنمنٹ کا بھی آغاز ہوچکا ہے۔ ٹورنمنٹس کے انتظامات کے لئے ہر مدرسہ کے مدرسین سے امداد لیجاتی ہے عنقریب محکمہ کی طرف سے (باکسنگ) اور کشتی کے ٹورنمنٹ بھی ہونے والے ہیں۔ چونکہ ایسے کھیل کود اور کاروبار کے لئے کوئی خاص میدان نہ تھا اس لئے اس کو ملتوی رکھا گیا تھا۔ اب یہ کوشش کی جارہی ہے کہ محکمہ کی جانب سے اسپورٹس کے لئے زمین حاصل کیجائے۔ چنانچہ ہماری درخواست حکومت کی خدمت میں پیش ہوچکی ہے اور توقع ہے کہ عنقریب اس مبارک تقریب کے سلسلہ میں اس کو شرف پذیرائی حاصل ہوجائیگا۔ پھر ہم اپنے اسی خاص میدان پر نہایت منظم طور پر ان کی نمائش کرنے لگیں گے۔ محکمہ کا خیال ہے کہ اس کو وسعت دیکر آئندہ اسپورٹس میں اضلاع والوں کو بھی دعوت دیں کہ وہ آئیں اور اپنے بادشاہ کے نوازشات شاہانہ سے مستفیض و متمتع ہوں۔

محکمہ اسکوٹس سلطنت آصفیہ کی برکات میں ورزش جسمانی اور اسکوٹس بھی داخل ہیں اس محکمہ کی ابتدا اسی عہد زریں میں ہوئی ہے اور اس وقت بہت سرعت کیساتھ ترقی کے راستہ پر ہے چنانچہ حکومت نے جناب سید محمد اعظم صاحب پرنسپل سٹی کالج اور مسٹر شراف سابق پرنسپل جاگیردار کالج کو کلکتہ اسکوٹس کانفرنس میں بہ حیثیت نمائندہ سلطنت بھیجا تھا ان کی واپسی پر حکومت نے ۱۳۳۰ف میں محکمہ اسکوٹس کے قیام کی منظوری صادر کی مسٹر سید محمد اعظم بہمن ۱۳۳۰ف میں ڈائرکٹر اسکوٹس مقرر ہوئے۔ آپنے نہایت خوش اسلوبی کیساتھ امرداد ۱۳۳۲ف تک اپنے فرائض انجام دئے اس کے بعد یوسف مرزا صاحب کے ذمہ یہ کام کیا گیا ۱۳۳۲ف میں ایک کمیٹی کا قیام عمل میں آیا اور حیدرآباد اسکوٹس کے قواعد و ضوابط ترتیب دئے گئے اساتذہ کو اس کی ٹریننگ کے لئے مدراس سے مسٹر کاسٹ کی خدمات حاصل کی گئیں آپنے ہر طرح سے ہماری اعانت کی۔ ڈپٹی اسکوٹس ہیڈ کوارٹر مقرر ہوا۔ پانچ ٹروپس قائم کئے گئے اس وقت جملہ اسکوٹس (۱۵۴) تھے۔

اس وقت حیدرآباد میں ایکسو دس ٹروپس اور تین ہزار اٹھاون اسکوٹس ہیں۔ اسکوٹس کے وجود نے ملک میں حب وطن اور سلطان و مالک سے محبت کا ناقابل فراموش جذبہ پیدا کردیا ہے۔ یہ جذبۂ اطاعت اور وطن پرستی آنیوالی نسلوں میں بہترین اخلاق۔ حب وطن اور جانثاری پیدا کردیگا۔ چنانچہ ہر سال ٹروپس کا معائنہ کیا جاتا ہے کئی اسکوٹس نے غیر معمولی بہادرانہ کام انجام دئے ہیں جس کے صلہ میں دوسروں کو ترغیب اور تشویق دلانے اور ان کی ہمت بڑھانے کے لئے طلائی تمغے عطا کئے گئے ہیں ہر سال اسکوٹس ماسٹر کے لئے ایک کیمپ مقرر کیا جاتا ہے جہاں اسکوٹس ماسٹر کو ٹریننگ دیجاتی ہے چنانچہ اب تک اس قسم کے سالانہ دس کیمپس ہوچکے ہیں جب کسی اہم مسئلہ میں گفت و شنید کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کے لئے ایک کمیٹی ترتیب دیجاتی ہے اور مسئلہ مابہ البحث کا تصفیہ ہوتا ہے ورنہ عموماً میرے اور دو مددگار جناب علی موسیٰ رضا صاحب اور جناب الہ داناسی صاحب تمام کام انجام دیتے ہیں۔ اسطرح برکات عثمانیہ کے ظل عاطفت ہونہار نسلوں کی ارتقاء میں نمایاں کامیابی ہورہی ہے۔ اور یقین ہے کہ مستقبل قریب چمک اٹھیگا۔ اور ملک کا ہر فرد جذبۂ وطن پرستی اور جان نثاری میں مشہور ہوجائیگا۔ فقط

مرتبہ محمد فاضل

حیدرآباد پرنٹنگ ورکس

اس جشن سیمیں کے موقع پر ملک کے ہر شعبہ میں جو اصلاحات و ترقیاں کہ عمل میں آئی ہیں، علوم و فنون جو اس دور میں نشو نما پا چکے ہیں، مختلف ادارہ جات جو عالم وجود میں آئے ہیں۔ جب یہ ہر ایک اپنی اپنی ترقی کے کارنامے پیش کر رہے ہیں تو ان میں قیام بیمہ فنڈ سرکار عالی پر بھی اگر ایک نظر ڈالی جائے جو ملازمین سرکار عالی کے لئے اپنا فرض ادا کر رہا ہے تو ہرگز خالی از دلچسپی نہ ہوگا فی زمانہ کسی ملک کی معاشی زندگی میں بیمہ بھی ایک ضروری عنصر قرار دیا جاتا ہے جس سے اہل ملک کی خوش حالی اور انکی آسایش و ضروریات کا لحاظ کیا جا کر اسکو دیگر ضروریات کی طرح ہر فرد بشر کے لئے لازم گردانا گیا ہے۔

حیدرآباد اسٹیٹ فیملی پنشن فنڈ ابتداءً یکم خورداد ۱۳۲۹ف کو قایم ہوا اسکے قیام کی اصل غایت یہ تھی کہ ملازمین سرکار کو کفایت شعاری کی عادت ڈالی جائے اور یہ کہ جبراً انکے لئے ایک رقم بچانے کا ذریعہ پیدا کیا جائے تا کہ وقت ضرورت اگر ملازم سرکار کی بے وقت موت واقع ہو جائے تو اسکے ارکان خاندان کیلئے معاشی مشکلات کا ایک گونہ سدباب ہو ورنہ ان ورثا کیلئے بجز سرکار سے رعایتی وظیفہ کے خواہاں ہونے کے اور کوئی ذریعہ نہ تھا جسکے لئے بھی ایک کافی صبر آزما انتظار کی ضرورت ہوا کرتی تھی اس وظیفہ فنڈ کی حسب ذیل دو غائیتیں تھیں۔

(۱) بمعاوضہ دو فیصدی لازمی وضعات جو ماہ بماہ ملازمین سرکار سے لیجاتی تھیں ایک وظیفہ ورثاء مرحوم کے نام بلحاظ چندہ ماہانہ ملتا تھا

(۲) مقررہ چندہ کے معاوضہ میں ایک دستیقہ عطا ہوتا تھا جسکی رقم چندہ دہندہ کے انتقال کے بعد اسکے ورثا کو واجب الادا قرار پاتی تھی۔

قواعد مذکورہ میں چند ایسی کمزوریاں اور سختیاں پائی گئیں کہ جسکے باعث عام طور پر یہ فنڈ ناپسند ہونے لگا۔ اسکے علاوہ پسماندگان کو جو وظیفہ کہ ملتا تھا وہ چونکہ بہت قلیل ہوا کرتا تھا جسکی وجہ سے مقبولیت عام میں کمی ہوتی رہی۔ اسلئے اسکو موقوف کیا جا کر اعلیحضرت خسرو دکن کی تخت نشینی کے دوسرے ہی سال بعد بذریعہ فرمان مبارک مشرفہ ۹ ذیحجہ ۱۳۳۰ھ ایک فنڈ بنام "حیدرآباد اسٹیٹ لایف انشورنس فنڈ" منظور فرمایا گیا جو یکم اسفندار ۱۳۲۲ف کو عالم وجود میں آیا۔ سابقہ چندہ دہندگان کو اس سے مستفید ہونے کی غرض سے جدید فنڈ میں منتقل کر لیا گیا جس سے معدودے چند دہندگان سابقہ فنڈ یعنے فیملی پنشن فنڈ میں باقی رہگئے۔

اس طرح موجودہ حیدرآباد اسٹیٹ بیمہ فنڈ اور پراویڈنٹ فنڈ بجائے فیملی پنشن قایم ہوا اور سابقہ دو فیصدی لازمی وضعات انہیں قایم رہی مگر بیمہ فنڈ کے قیام کا یہ طریقہ ہے کہ ماہانہ چندہ کے معاوضہ میں بلحاظ عمر بوقت شرکت بہ معاملہ طبی ایک پالیسی چندہ دہندہ کے

کے نام جاری کیجاتی ہے تاکہ پچپن سال کے قبل چندہ دہندہ انتقال کرجائے
اسکے ورثاء کو کامل رقم پالیسی ادا ہو بشرطیکہ مرحوم ملازم سرکار ماہانہ اقساط چندہ
تاریخ انتقال تک برابر ادا کرے۔

بلحاظ قواعد بیمہ فنڈ اسکے کاروبار ایک انتظامی کمیٹی کے تفویض ہیں جو حسب ذیل ارکان پر مشتمل ہے (۱) رائیٹ آنریبل نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر صدر المہام فینانس (۲) نواب فخر یار جنگ بہادر معتمد فینانس (۳) مولوی مرزا نصر اللہ خاں صاحب صدر محاسب سرکار عالی (۴) نواب علی نواز جنگ بہادر (۵) نواب اکبر یار جنگ بہادر (۶) نواب محمد یار جنگ بہادر (۷) نواب ہاشم یار جنگ بہادر (۸) کرنل جے نارمن واکر (۹) مولوی غلام علی محمدی صاحب (۱۰) پنڈت نارائن راؤ صاحب۔

صدر محاسب صاحب سرکار عالی کا وہ مددگار جو شاخ بیمہ پر متعین ہو کیمٹی بیمہ فنڈ کا معتمد کہلاتا ہے۔

تحت قواعد بیمہ فنڈ ہر ملازم سرکار کو جسکی پچیس روپیہ سے زائد یافت ہو اس کے لئے بیمہ کرانا لازمی کیا گیا ہے بشرطیکہ وہ مستقل ہو اور کسی غیر موروثی جائداد قابل وظیفہ پر اسکا تقرر عمل میں آیا ہو رقم چندہ بیمہ ماہانہ حیدرآباد اسٹیٹ بیمہ فنڈ میں جمع کیجاکر اسکے معاوضہ میں اسکو ایک پالیسی دیجاتی ہے۔ رقم پالیسی چندہ دہندہ کی ۵۵ سالہ عمر تکمیل پانے پر خود اسکو یا اسکے قبل انتقال ہونے کی صورت میں اسکے ورثاء کو قابل ایصال ہوتی ہے۔ شرح چندہ اگر (ﷲعـہ) روپیہ سے زائد اور (ﷲ) روپیہ سے کم یافت ہو تو (عـہ) روپیہ ماہانہ اگر (ﷲ) روپیہ سے زائد اور (ﷲ) روپیہ سے کم یافت ہو تو (عـہ) روپیہ چندہ ماہانہ اور ہر (ﷲ) یا ہر جز (ﷲ) کے لئے (عـہ) ماہانہ چندہ مقرر ہے۔

موجودہ قاعدہ کے تحت بلالحاظ تنخواہ (ﷲ) روپیہ ماہانہ چندہ سے زیادہ چندہ ادا کرنے کی اجازت نہیں دیجاتی مثلاً اگر کسی ملازم سرکار عالی کی عمر ۱۸ سال ہو جو شرکت بیمہ فنڈ کے لئے ضروری ہے تو بمعاوضہ (ﷲ) روپیہ ماہانہ چندہ انتہائی مبلغ (ﷲعـہ) روپیہ کی پالیسی دیجاتی ہے۔

سرکار عالی کے وہ ملازمین جنکی یافت (ﷲعـہ) روپیہ سے کم ہو انکو بھی اس سے متمتع ہونے کا موقع ۱۳۳۶ف سے دیا گیا ہے۔ جنکی شرکت انکی مرضی پر منحصر ہے۔ عام طور پر یہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ اسٹیٹ بیمہ فنڈ سے چندہ دہندگان بیمہ فنڈ کو رقم ادا شدہ سے کم رقم بوقت پالیسی ادا کیجاتی ہے۔ یہ غلط فہمی خصوصاً ناواقف وغیر ذمہ دار اشخاص کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ حالانکہ یہ بالکل خلاف اصلیت ہے۔

اول یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ سرکار عالی کا مقصد اس ادارہ کے قیام سے محض اپنی عزیز رعایا کی فلاح و بہبود ہے۔ دوم تقسیم منافعہ کا اعلان جس سے خود سارے شکوک جو گورنمنٹ بیمہ پالیسی کے خلاف پیدا کئے گئے ہیں رفع ہو جائینگے۔

شرکت بیمہ کیلئے درخواست تحت قاعدہ پیش ہونا ضروری ہے۔ درخواست گذار کی ملازمت اور عمر وغیرہ کی تصدیق ہونے پر معائنہ طبی کی اجازت دیجاتی ہے۔ ملازمین سرکار جو اضلاع پر ہوں وہ راست ضلع کے سیول سرجن کے پاس اپنی درخواست کارنامہ کے ہمراہ پیش ہوتے ہیں۔ معائنہ کی تکمیل کے بعد منظوری کی صورت میں صیغہ ملے تنقیح متعلقہ کو وضعات کے احکام جاری کئے جاتے ہیں پہلی وضعات کی تصدیق ہوتے ہی شاخ بیمہ سے پالیسی اجرا کیجاتی ہے۔

مجلس انتظامی جسپر کہ کمپنی کا دارومدار ہے کیسے افراد پر مشتمل ہے۔ ان ارکان کی ذاتی قابلیت انکا تجربہ انکی دیانت انکی فراست اور انکا رتبہ کمپنی کو اعلیٰ درجہ پر پہونچانے کا ذریعہ ہیں۔ اگر اس کے برعکس ہو تو یقین ہے کہ کمپنی کے لئے غیر مفید ثابت ہونگے۔

کسی ملک کی خوش حالی اس بات پر منحصر ہے کہ جس قدر ایسے ادارے ملک میں نشوونما پاتے ہیں ملک کے لوگ ان اداروں سے کیا دلچسپی رکھتے ہیں جس قدر روپیہ کہ ایسے کاروبار میں ملک سے باہر جاتا ہے وہ ملک اسی قدر مفلوک ہوتا ہے۔ لہٰذا ان تمام اجزاء پر صرف اسی قدر غور قابل لحاظ نہ ہوگا کہ محفوظ روپیہ سے معاوضہ بصورت منافع کیا حاصل ہوسکتا ہے؟ بلکہ یہ امر بھی قابل لحاظ و غور و طلب قرار پاتا ہے کہ ملک و اس کے افراد بھی آیا اس روپیہ سے اس ملک میں فائدہ اٹھاسکتے ہیں یا نہیں۔ جان کا بیمہ تحریک امداد باہمی ہے۔ جو انسان کو اپنے اور اپنے خاندان کے لئے ایک گونہ فارغ البال کرتا ہے۔ انسان اپنے حیات میں خود اس سے مستفید ہوسکتا ہے۔ اور اگر زندہ نہ رہے تو اس کے منشاء کے بموجب اس کے خاندان کے لئے بیمہ مفید ثابت ہوتا ہے۔ بظاہر موجودہ حالت میں بیمہ کی قدر زیادہ نہو مگر بتدریج اس سے انسانی ضروریات کا ایک سرچشمہ قایم ہوتا ہے۔

پس بلا تشبیہ بلحاظ اس کے کہ اب بیمہ کمپنیوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوگیا ہے اور حیدرآباد میں بھی لوگ بیمہ کے عادی ہورہے ہیں مگر حیدرآباد کے دیہاتی رعایا کے لئے کوئی خاص لحاظ سے ترغیب کے اسباب خاطرخواہ نہیں ہیں جس سے لوگ اپنی محدود آمدنی سے بچت کا کوئی ذریعہ فراہم کرسکیں جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر مقروض پائے جاتے ہیں۔

بسا غنیمت کہ حیدرآباد کو اپریٹیو انشورنس سوسائٹی محدود ایسے موقع پر اس طبقہ کے افراد کے خدمات کے لئے عالم وجود میں آئی ہے جس کا آیندہ زمانہ نہایت ہی پُر امید اور روشن معلوم ہوتا ہے۔ کارپردازان انجمن سے توقع ہے کہ ایسی انجمن جس نے ملک کی بہبودی و خوشحالی میں قدم اٹھایا ہے اس کی خدمت نہایت احتیاط اور دیانت سے انجام دیکر اس کا مستقبل اور درخشاں بنائیں گے۔ لہٰذا جس ملک کی رعایا کے لئے ایسی سہولتیں موجود ہوں اور اہالیان ملک متحدہ طور پر اس کے لئے کوشاں ہوں کہ ملک کی خوشحالی میں اضافہ ہوتا رہے تو یہ ملک اپنے شاہ ذیجاہ کے زیر سایہ بیحد ترقی کرسکتا ہے۔ تمنا ہے کہ اہل ملک دیگر ممالک کے مفید اور ضروری تجربوں سے فائدہ اٹھا کر سرزمین دکن کو معاشی اور اخلاقی اور دیگر ترقیوں کا سرسبز و شاداب گہوارہ اور اہل وطن کو خوشحال دیکھیں جسمیں ہر پہلو فلاح عامہ کا راز مضمر ہے اور دعا ہے کہ ظل عثمانی تمام خواہان دولت ابد پایدار کے سروں پر قایم و دایم رہے۔

قدیم و جدید — بعض آرایش شہر دیوار و مناد و معابد و مساجد جو آرایشی راستوں کے درمیان آگئے تھے اعلیٰحضرت نے تمام مذاہب کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے آرایش کے نقشہ کو منسوخ فرمالیا مگر ان کا انہدام قبول نہ فرمایا۔ جس کی نظیر دنیا نہیں پیش کرسکتی اور نہ فی زمانہ کسی حکومت و سلطنت نے مذہبی احترام کو اس قدر ملحوظ رکھا ہے۔ حیدرآباد کی شاندار آرایشی سڑکوں پر جس طرف نکل جائیں اکثر یہ مذہبی معابد یادگاریں درمیان راہ یا راستہ میں حائل نظر آئیں گی۔ جو اپنی زبان حال سے پاک باطن انسانوں کو تعش وفا شاہ ذیجاہ کی بے مثل رواداری کے منشاء حقیقی کا راز حافظ شیرازی کے شعر میں یوں سناتی ہیں کہ

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام ◆ با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام

آج جس طرف دیکھو دنیا "نظیر جدید" پر عامل نظر آتی ہے مگر حضرت اقدس و اعلیٰ اپنی آنکھوں سے ماضی و مستقبل کو نظر انداز کئے بغیر دوربیں محمود الانجام پالیسی پر "قدیم و جدید" کے عامل نظر آتے ہیں

خدا دراز کرے عمر خضر کی عثماں ◆ کہ تیرے دم سے ہے آباد یہ دیار دکن

مرتبہ محمد فاضل

UNIVERSITY
OSMANIA
UNIVERSITY
OSMANIA

جامعۂ عثمانیہ کا قیام

یہ وہ فرمان فیض نشان ہے کہ اسکے شرف صدور کے ساتھ ہی زبان اردو پر اعلیحضرت کا احسان عظیم نقش ہو جاتا ہے اسی فرمان مبارک کی تعمیل میں ارباب بست وکشاد نے بہت جلد تمام امور کا انتظام کرلیا۔ بالآخر ۱۹۱۷ء میں ایک منشور خسروی صادر ہوا جسکے ذریعہ حضور پرنور نے یونیورسٹی کی پوری تنظیم فرمادی منشور خسروی کے اہم اجزاء یہ ہیں۔

منشور خسروی کے اجزاء

"چونکہ بدولت واقبال کو اپنی عزیز وفادار رعایا کی فلاح وبہبود بدرجۂ اتم مدنظر ہے اور بمقتضائے علم صرف اسی صورت میں بوجہ احسن حاصل ہوسکتا ہے جبکہ موجودہ انتظام تعلیم ممالک محروسہ سرکار عالی کو بیرونی جامعات سے مناسب حد تک آزاد ومستغنی کرکے اعلی انتظام ملکی خصوصیات وحالات کے اعتبار سے خود اندرون ملک کیا جائے اور بدولت واقبال حکم صادر فرماتے ہیں کہ

(۱) حیدرآباد دکن میں ایک جامعہ (یونیورسٹی) بنام جامعہ عثمانیہ یکم محرم الحرام ۱۳۳۷ھ سے قایم کیجائے۔

(۲) جامعہ عثمانیہ کا مقصد یہ ہے کہ مذہبی، اخلاقی، ادبی، فلسفی، طبعی، تاریخی، طبی، قانونی، زراعتی، تجارتی، اعلی تعلیم کا اور دیگر مفید علوم وفنون وسود مند پیشوں اور صنعت وحرفت وغیرہ سکھانے اور ان سب میں تحقیقات وترقی کا انتظام کرے۔

(۳) جامعہ عثمانیہ کی خاص خصوصیت یہ ہوگی کہ جملہ علوم کی تعلیم زبان اردو میں دی جائے گی اور اسکے ساتھ انگریزی زبان وادب کی تعلیم لازمی ہوگی وغیرہ"

اعلیحضرت یونیورسٹی کے سرپرست اعلی

منشور خسروی میں تفصیل کے ساتھ جامعہ عثمانیہ کے اختیارات بیان کئے گئے ہیں۔ پھر اسکی ہیئت ترکیبی کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس میں اعلیحضرت نے اپنی علم پروری اور خاص دلچسپی کا ثبوت دیا ہے کہ "بدولت واقبال جامعہ عثمانیہ کے سرپرست اعلی رہیں گے اور جامعہ عثمانیہ اپنے کاروبار میں ایسی مہر کا استعمال کرے گی جس کا نمونہ بدولت واقبال منظور فرمائینگے"

جامعۂ عثمانیہ میں تعلیم کا آغاز

غرض منشور خسروی کے مطابق جامعہ عثمانیہ کا قیام یکم محرم ۱۳۳۷ھ سے عمل میں آیا۔ مگر اس کی باضابطہ تعلیم کا آغاز ماہ ذیحجہ ۱۳۳۷ھ م ۱۸ اگست ۱۹۱۹ء سے ہوا۔

جامعہ کے صدر

کلیہ کی صدارت کے فرایض ابتداء میں کچھ عرصہ تک نواب مہدی یار جنگ بہادر اور پھر نواب مسعود جنگ بہادر نے انجام دئے۔ من بعد ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی کا تقرر عمل میں آیا اور پھر مولوی محمد عبدالرحمن خانصاحب باحسن الوجوہ کارفرما رہے اسکے بعد کچھ عرصہ تک ڈاکٹر میکنزی صاحب نہایت عمدگی سے بحیثیت پرو وائس چانسلر فرایض انجام دیتے رہے اور اب نواب کاظم یار جنگ بہادر [illegible]

کلیہ کے پروفیسر

کلیہ کیلئے جسقدر اساتذہ کا انتخاب عمل میں آیا ہے بفضلہ وہ سب اپنے شعبہ وفن میں خاص ویگانہ روزگار ہیں۔ چنانچہ اسقدر مدت میں جامعہ عثمانیہ نے نہایت اچھے سپوت پیدا کئے۔

دارالترجمہ

جامعہ عثمانیہ کے ساتھ ساتھ دارالترجمہ کا قیام تشریح کے لئے ایک علیحدہ باب کی حاجت رکھتا ہے۔

دیگر کالجوں کا قیام

جامعہ عثمانیہ کے تحت متعدد کالج قایم ہیں۔ چنانچہ ۱۹۲۶ء میں عثمانیہ میڈیکل کالج کا آغاز ہوا اور ۱۹۲۹ء میں عثمانیہ انجنیرنگ کالج اور عثمانیہ ٹرینگ کالج کا افتتاح عمل میں آیا۔ ان کے علاوہ انٹرمیڈیٹ کی تعلیم کے لئے اور

ڈاکٹر میکنزی پرو وائس چانسلر اور مولوی عبدالرحمن خاں صاحب سابق پرنسپل طلبہ جامعہ عثمانیہ کے ساتھ

زیادہ تر کیمیا، طب کی کتابیں عربی میں منتقل کیں۔ طب کی یہ مشہور کتاب
اسی دارالترجمہ کی تھی جس کی نسبت یوحنا بن عبد اللہ نیفا استخارہ مشہور ہے۔

۴۔ بغداد کا اہتمام | عہد بنی عباس میں اسلام کا پہلا دارالترجمہ قائم ہوا جس کا بانی خلیفہ ثانی حکماء دوسرے خلیفہ ابو جعفر منصور تھا۔ اس میں علم ہیأۃ و طب کی کتابیں ترجمہ ہوئیں۔

۵۔ ہارون کی دلچسپی | منصور کے بعد مہدی و ہادی کا زمانہ خالی نظر آتا ہے مگر ان دونوں کی تلافی ہارون رشید کے دارالترجمہ نے کردی جس نے ریاضیات میں مجسطی شائع کرکے ایک نیا باب کھولا۔

۶۔ بیت الحکمہ | مامون کا دارالترجمہ ان سب کی ایک نہایت باقاعدہ و ترقی یافتہ شکل تھی جس کو بیت الحکمہ کہتے تھے، یہاں بیشتر یونانی زبان اور دوسرے درجہ میں سُریانی، عبرانی، نبطی، لاطینی، فارسی اور سنسکرت کی کتابیں ترجمہ ہوئیں۔ اس سے پہلے منظم شکل میں کوئی ایسا محکمہ نہ تھا۔ تنظیم اسی بیت الحکمہ کی خصوصیت تھی، اس کے ایک رکن (سہل بن ہارون) کی تنخواہ جاحظ نے تین لاکھ بتائی ہے۔

افلاطون کے ترجمے | فلسفہ و ادب میں افلاطون کی آٹھ کتابیں ترجمہ کی گئیں۔

ارسطو | فلسفہ و منطق میں ارسطو کی انیس کتابیں۔

بقراط | طب میں بقراط کی دس کتابیں۔

جالینوس | طب میں جالینوس کی دس کتابیں۔

دوسرے یونانی | اقلیدس، ارشمیدس اور بطلیموس وغیرہم کی بیس کتابیں جو زیادہ تر ریاضی و ہیأۃ کی تھیں یونانی زبان سے ۶۷ کتابوں کا یہ علمی ذخیرہ عربی میں منتقل ہوا تھا، دوسری زبانوں کے تراجم دوسرے درجہ میں تھے۔

فارسی کے ترجمے | فارسی سے بیس کتابیں ترجمہ ہوئیں جو سب کی سب تاریخ و ادب کی تھیں، فارسی زبان کا سرمایہ دوسرے فنون و علوم سے عربوں کو خالی نظر آیا، ناچار تاریخ و ادب ہی کے ترجمہ پر قناعت کرنی پڑی۔

سنسکرت | ریاضی، طب، ہیأۃ اور ادب میں سنسکرت کی تیس کتابیں ترجمہ ہوئیں۔

سریانی و نبطی | فلاحت و زراعت و باغبانی و سحر و طلسم میں سُریانی و نبطی زبانوں سے بیس کتابیں۔

لاطینی و عبرانی | مختلف فنون میں لاطینی و عبرانی سے بیس کتابیں ان تمام تراجم کا مجموعہ ۱۵۷ ہوتا ہے، لیکن بہت سے نام ضائع بھی ہو گئے ہونگے، اس لئے ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ اس دارالترجمہ سے دو سو یا اسی کے قریب کتابیں ترجمہ ہوئی ہونگی۔

مترجمین | اس عہد کے مشہور مترجمین کے نام بھی تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں۔
خاندان بخت یشوع، طب نبط و عراق کے ماہر فن، بوخت بیٹے کو اور دوخت بیٹی کو کہتے تھے، بخت یشوع، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیٹے۔ خاندان حنین جو نصرانی تھا اور اسلام کی رواداری و منزلت شناسی نے اس کو شیخ المترجمین کا درجہ دیا تھا۔ حبیش اعسم۔ قسطا بن لوقا۔ بعلبک کا نصرانی تھا، روغن نفط اسی کی دریافت ہے جس کی پچکاری سے لڑائی میں آگ لگ جاتی۔ خاندان ماسرجویہ یہودی، خاندان ثابت، کلدانی صابی، متی بن یونس، یحیی بن عدی۔

اسلعان۔ موسٰی بن خالد و یوسف بن خالد۔ ابن المقفع، ادب میں یگانۂ زمانہ، کلیلہ و دمنہ کا مترجم، یتیمہ کا مولف، اس کے رسائل کا ایک مجموعہ دمشق کے معہد علمی شائع ہو چکا ہے۔ خاندان نوبخت متکلمین امامیہ کے سرگروہ کتاب فرق الشیعہ اسی خاندان کے ایک رکن کی ہے جسے جرمن مستشرقوں کی مجلس نے قسطنطنیہ سے شائع کیا ہے۔ علی بن زیاد التیمی۔ حسن بن سہل، وزیر خلافت عباسیہ، خلیفہ مامون رشید کے خسر احمد بن یحیی بلاذری، مشہور مورخ اسلام مولف فتوح البلدان اسحاق بن یزید۔ پنڈت منکہ، پنڈت ابن دھن، ابن وحشیہ جس کی کتاب الفلاحۃ کو ہماری سلطنت کے نہایت نامور ادیب مولوی سید محمد ہاشم صاحب ناظم دائرۃ المعارف نے اردو میں منتقل فرمایا ہے۔

۷۔ دار العلم | مصر کو بھی بغداد کا مقابلہ کرنا تھا، دولت فاطمیہ کے خلیفہ الحاکم بامر اللہ نے کہ جامع ازہر کا بانی تھا، عباسیوں کے بیت الحکمۃ کے بالمقابل قاہرہ میں ایک دار الترجمہ کی طرح ڈالی جس کا نام دار العلم رکھا تھا، مقریزی کی خطط و آثار میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

۸۔ دار الترجمۂ عجم | سامانیوں کے لئے کہ تاریخ عرب میں "ملوک بیاطلہ" کے نام سے معروف ہیں عجمیت نے جب سامان حکومت بہم پہنچایا تو وہاں بھی ایک دار الترجمہ کی بنیاد پڑی جس نے فارسی میں کتابیں ترجمہ کیں، عربوں کی بہترین جغرافی کتابوں کا جو سلسلہ دانایان فرنگ نے شائع کیا ہے اس میں اصل عربی کتاب کے ساتھ ان فارسی ترجموں کے بعض اوراق بھی ثبت ہیں جو دار الترجمہ سلطنت سامانیہ نے کیے تھے، طبری کا فارسی خلاصہ بھی اسی کی یادگار ہے جو وزیر السلطنۃ "بلعمی" سے منسوب ہے۔

۹۔ دار الترجمۂ دہلی | ہندوستان میں سلطان فیروز شاہ باربک کے دار الترجمہ نے ہیأۃ و نجوم و طب میں سنسکرت کی کتابیں ترجمہ کیں، تاتار خاں جو سالار سلطنت ہونے کے ساتھ ہی ایک فاضل مصنف بھی تھا اس نے خود بھی محنت کی اور علما و فضلا کی قابلیت سے بھی فائدہ اٹھایا، اس سلسلہ کی کتابیں اسلامی ہیں اور تاتار خانی کے نام سے نامی ہیں۔ کشف الظنون میں بھی بحث کی گئی ہے۔

۱۰۔ دار الترجمۂ کشمیر | اسلامی سلطنت نے کشمیر میں جو بڑے بڑے کام کیے اُن میں ایک دار الترجمہ کا قیام بھی تھا جس نے تاریخ و نجوم و طب میں متعدد کتابیں فارسی میں ترجمہ کیں۔

۱۱۔ دار الترجمۂ اکبرآباد | اکبر شاہ کا دار الترجمہ شاہان سب مجمی افادہ گاہوں میں بڑا تھا اور ترجموں کی کمیت و کیفیت میں بھی سب سے بڑھا چڑھا تھا۔

۱۲۔ دار الترجمۂ شمس الامراء | دکن میں حضرت مغفرت منزل نواب ناصر الدولہ آصفجاہ رابع کے عہد حکومت میں نواب شمس الامراء امیر کبیر کا دار الترجمہ آج بھی شہرۂ آفاق ہے جس نے علم الماء، علم الہواء، علم المناظر، علم الفلک، علم الریاضۃ، علم جر ثقیل وغیرہ میں فرانسیسی و انگریزی کے متعدد رسائل ترجمہ کیے، "بستۂ شمسیہ" کے رسائل مشتمل اسی ذیل میں تھے۔
ہندوستان میں کچھ متفرق کوششیں بھی ہوئیں جن میں دہلی کالج اور سر سید احمد خاں مرحوم کی سائنٹفک سوسائٹی کے ترجمے بھولنے کے قابل نہیں۔

۱۳۔ محکمۂ علوم و فنون | حضور غفران مکاں کے عہد سلطنت میں ایک دار الترجمہ قائم ہوا جس کا نام محکمۂ علوم و فنون تھا اور شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی اس کے ناظم تھے، ابن خلکان اور ابن اثیر کی تاریخیں اسی محکمہ نے ترجمہ کیں، صدر محاسبی سے جب روزانہ کارگزاری پر تنقید ہوا تو ناظم اس کو برداشت نہ کر سکے اور ان کے استعفا کے

ساتھ ہی محکمہ بھی ٹوٹ گیا۔

۱۴ دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ

ہمارا دار الترجمہ اس سلسلہ کا چودھواں حلقہ ہے کہ غیبت و ظہور میں چودھویں امام معصوم کی یاد اس سے تازہ ہو رہی ہے جتنے دار الترجمے اس سے پہلے تھے سب کی مجموعی کارگزاری چار سو کتابوں سے زائد نہ تھی، لیکن اعلیحضرت سلطان العلوم خلد اللہ سلطانہ کی نظر عاطفت سے دار الترجمہ عثمانیہ پانسو سے زیادہ کتابوں کے تراجم کا انتظام کر چکا ہے۔

مامون نے کوئی یونی ورسٹی قائم نہ کی تھی، محض دار الترجمہ کے باعث علم و فن میں اس کا نام روشن ہے، مشرق و مغرب کی تاریخیں ہزار سال سے اس کی تعریف کرتی چلی آئی ہیں، اس کے تراجم دو سو کے اندر تھے، اعلیحضرت کے دار الترجمے سے اس کو کیا نسبت؟

دار الترجمہ عثمانیہ کا کام

اس ذیل میں نہایت احتیاط کے ساتھ ایک نقشہ پیش ہے جس کے لئے میں شعبہ ترجمہ کے ذمہ دار (مسٹر جانکی پرشاد) کا شکرگزار ہوں جو خود بھی مؤلف ہیں اور مؤلفوں کے کام بھی آتے ہیں۔

نمبر سلسلہ	مضامین	تعداد کتب شائع شدہ	کتب زیر طبع	کتب زیر ترجمہ [illegible]	کتب مجوزہ	جملہ
۱	تاریخ ہند	۲۹	۱	۱۷	۶	۵۳
۲	تاریخ انگلستان	۶	۱	+	+	۷
۳	تاریخ یورپ	۹	۳	+	۱	۱۳
۴	تاریخ یونان	۷	۱	+	+	۸
۵	تاریخ روم	۸	+	+	+	۸
۶	تاریخ اسلام	۱۶	۳	۹	۶	۳۴
۷	جغرافیہ	۵	+	+	+	۵
۸	سیاسیات	۹	۲	۷	۲	۲۰
۹	دستور انگلستان	۳	+	۱	+	۴
۱۰	معاشیات	۸	۳	۹	۱۸	۳۸
۱۱	عمرانیات	۲	+	+	۴	۶
۱۲	فلسفہ	۱۲	۴	۸	۱۰	۳۴
۱۳	منطق	۴	+	+	۲	۶
۱۴	مابعد الطبیعی	۲	۱	+	+	۳
۱۵	نفسیات	۹	۱	۱	۱	۱۲
۱۶	اخلاقیات	۹	+	۱	۳	۱۳

نمبر سلسلہ	مضامین	تعداد کتب شائع شدہ	کتب زیر طبع	کتب زیر ترجمہ [illegible]	کتب مجوزہ	جملہ
۱۷	قانون	۱۰	۱	۲	۴	۱۷
۱۸	ریاضیات	۲۰	۵	۶	۲	۳۳
۱۹	طبیعیات	۱۹	۳	+	۷	۲۹
۲۰	کیمیا	۱۰	۳	۵	۵	۲۳
۲۱	نباتیات	+	۳	+	۵	۸
۲۲	حیوانیات	+	۳	+	۵	۸
۲۳	طب	۸	۱۶	۱۳	۳	۴۰
۲۴	ہندسہ (انجنیری)	۱۷	۱۷	۸	۴	۴۶
۲۵	تدریسیات	+	+	+	۲۰	۳۰
۲۶	متفرقات	۴	+	۱	+	۵
	میزان	۲۲۶	۷۱	۸۸	۱۱۸	۵۰۳

ارکان دار الترجمہ

جو علمی عہدہ دار اس وقت خدمت علم میں سرگرم ہیں ان کی فہرست ملاحظہ ہو:- (۱)- قاضی تلمذ حسین، مشہور انشا پرداز، متعدد کتابوں کے مؤلف، مرآۃ العلوم کے ایم اے - (۲)- مولوی مسعود علی محوی، وظیفہ یاب سشن جج، مترجم قانون، ادب فارسی کے بہترین سخن سنج، علی گڈھ کے قدیم گریجویٹ۔

(۳) مولوی محمد ابراہیم، پنجاب یونی ورسٹی کے منشی فاضل، مولوی فاضل
ایم اے، ندوۃ العلماء کے تعلیم یافتہ، خاندان حضرت خواجہ سید احمد بریلوی
کے چشم و چراغ، مترجم تاریخ اسلام۔ (۴) سردار بلدیو سنگھ، پنجاب یونی ورسٹی
کے بی اے۔ شعبۂ سائنس کے نگران کارکئی کتابوں کے مترجم ہیں۔ (۵) مولوی فدا علی طالب

مدرسہ تعلقداران لکھنؤ کے استاد، مولانا غلام امام شہید رکن تحکۂ دیوانی بزرگ بارہ کے خاندان میں ہیں، مترجم فارسی۔ (۶) مولوی احسان احمد، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے گریجویٹ، فلسفہ کے رکن، انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار ہیں (۷) مولوی عبدالستار جامعہ کے ایم اے، اسٹیٹ اسکالر سابق مقدونین، انگریزی سے تاریخ ہند کے جو ترجمے کئے ہیں فارسی تاریخوں سے بھی تطبیق دی ہے، تائب تخلص فرماتے ہیں (۸) مولوی سید ابوالخیر مودودی، عربی کے فاضل اردو کے ادیب، نقد و نظر میں صائب الرائے، مترجم عربی (۹) مولوی رشید احمد، مسلم یونی ورسٹی کے بی اے، سٹی کالج کے خطیب، سول سروس کے لکچرار، مترجم معاشیات (۱۰) مولوی نذیر الدین، جامعہ کے ایم اے قابل کارگزار مترجم ریاضیات (۱۱) خواجہ عبدالقدوس جامعہ کے ایم اے، خواجگان بخارا کی یادگار، فلسفی نظریات کے لئے مشہور، مترجم فلسفہ۔ (۱۲) ڈاکٹر محمد عثمان خاں، طب کے فاضل ترین ماہر، عربی و فارسی سے خاص دلچسپی ہے، مترجم طب (۱۳) ڈاکٹر غلام دستگیر، ماہر فن طب، ادب فارسی کے سخنور، مترجم طب (۱۴) ڈاکٹر محمد حسین صاحب فن، مترجم طب (۱۵) عبدالمعالی مہاوی، خاکی رسالہ نگار ہیچ فنی جس کے دائرہ ابجد میں بجز خدا و رسول کے اور کچھ نہیں۔

ناظمان دار الترجمہ (۱) مولوی عبدالحق بی اے، صدر مہتمم تعلیمات، معتمد انجمن ترقی اردو، پروفیسر جامعہ (۲) مولوی سید علی الدین ایم اے بارایٹ لا، پرنسپل کالج اورنگ آباد جو صاحب تحفۂ عمادیہ کے قابل فخر فرزند اقبال مند ہیں۔ (۳) مولوی عبدالحمید انصاری بی اے، مستقل جامعہ، جن کا ذوق ادب مؤرخ کی حیثیت رکھتا ہے، دار الترجمہ کیلئے متعدد کتابیں ترجمہ فرمائیں اردو اور انگریزی دونوں زبانوں کے ادیب ہیں (۴) مولوی محمد عنایت اللہ بی اے، شمس العلماء منشی ذکاء اللہ خاں بہادر پروفیسر الہ آباد کے نامور فرزند، تاریخ جغرافیۂ اندلس جیسی محققانہ کتاب کے مولف ہیں۔ (۵) مولوی محمد الیاس برنی، ایم اے، ایل ایل بی، پروفیسر جامعہ جن کی بہترین کتابیں ادب اردو کی سرمایۂ ناز ہیں۔

مجالس مصطلحات فنون حیات، کیمیا، طبیعی، ریاضی، ہندسہ، معاش، قانون، تاریخ، اور تدریسیات کی اصطلاحیں وضع کرنے اور اعلام کی تصحیح کے لئے علحدہ علحدہ مجلسیں قائم ہیں جن کے صبح و شام روزانہ اجلاس ہوا کرتے ہیں ہر مجلس میں پانچ رکن ہوتے ہیں جن میں اس حدیقہ کا ایک سبزۂ بیگانہ یہ خاکسار ہے۔

بازگشت نظر ۲۵۔ شوال ۱۳۳۵ کو قیام دار الترجمہ کے لئے زبان مبارک علم افروز ہوا تھا، اُس زمانہ سے آج تک دار الترجمہ نے جو علمی خدمتیں انجام دی ہیں ان سب کی تشریح ایک مستقل کتاب کی حاجتمند ہے، سرمین السلطنۃ بہادر صدر اعظم دولت علیۂ آصفیہ نے اعلی حضرت اقدس واشرف کی تقریب جشن جوبلی میں ایک مثنوی منظوم فرمائی تھی جو ۱۳۳۵ کے رہبر دکن میں شائع ہوئی تھی، اس میں فرماتے ہیں

چہ بینی علم دار الترجمہ را | تو پنداری بجوف کوزہ دریا
علوم کہنہ را نو ساختہ اند | بحسن ترجمہ پرداختہ اند

اس کے دوسرے دن کے صبح دکن میں اعلحضرت پادشاہ اسلام خلد اللہ تعالی کے حسن قبول نے اس نظم کی عظمت روشن کر دی تھی، دار الترجمہ کے لئے یہی شرف کافی ہے۔

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ یہ جلوے ہمارے پادشاہ ایدہ اللہ کے ہیں جن کے لئے زبان سپاس بے اختیار عرض نیاز پر مجبور ہے۔

۷۸۶

جناب مولوی غلام رسول صاحب حیدرآبادی

قرون وسطیٰ میں دولت عباسیہ و بنو امیہ (اندلس) کی علم پروری و علما نوازی کی بدولت دنیا کا تمام علمی ذخیرہ عربی زبان میں منتقل ہو چکا تھا۔ جس سے عربی کا ادب مالا مال ہو گیا تھا۔ لہٰذا اہل یورپ نے پہلے پہل عربی علوم و فنون کو بڑے شوق سے سیکھا۔ پھر جب انہیں ان علوم سے گہری دلچسپی پیدا ہوئی تو انھوں نے نہ صرف ان علوم کو اپنی زبانوں میں منتقل کرنے کی کوشش کی بلکہ علمی انجمنیں قائم کر کے طباعت و اشاعت کے ذریعہ عربی زبان میں محفوظ کر دیا۔ چنانچہ علوم مشرقیہ کی اشاعت کی خاطر سب سے پہلے سنہ ۱۷۷۸ء میں جزائر ہند مقبوضہ ہالستان کے شہر بٹاویا (باتاویا) میں ایشیاٹک سوسائٹی قائم ہوئی۔ پھر رفتہ رفتہ یورپ کے مختلف ممالک یعنی فرانس، اٹلی، جرمنی اور انگلستان وغیرہ میں ایشیاٹک سوسائٹیاں قائم ہو گئیں جن کا کام قدیم علوم و فنون کی تحقیقات اور قلمیات کی نشر و اشاعت تھا۔

ہندوستان میں بھی سر ولیم جونس مشہور مستشرق کی کوشش سے سنہ ۱۷۸۴ء میں ایک مفید علمی انجمن یعنی ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کی بنیاد پڑی۔ جس کے ذریعہ عربی و فارسی مخطوطات کی تحقیق و تلاش اور ان کی طباعت و اشاعت کا کام خوش اسلوبی سے انجام پاتا رہا۔ اب اسی خدمت کو رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال انجام دے رہی ہے۔

دائرۃ المعارف کی ابتداء یورپ کی اسی تحقیقات علمیہ کا اثر ریاست حیدرآباد پر بھی پڑا۔ چنانچہ عہد حکومت حضرت غفران مکان میں یہاں کے علما و فضلا کے دل میں عربی زبان کے علوم و فنون کی گرانمایہ تصانیف جو دست برد زمانہ سے تلف ہو رہی تھیں۔ ان کے تحفظ و بقا کا احساس پیدا ہوا لیکن اس کے لئے باقاعدہ ادارے کی ضرورت تھی۔ اس ادارے کی تشکیل کا خیال نواب عماد الملک بہادر مرحوم نے سمجھایا۔ جو علوم مغربیہ و مشرقیہ کے فاضل اجل تھے اور اس خیال کے قوی کرنے اور پایۂ تکمیل کو پہنچانے میں ملا عبد القیوم مرحوم سب سے پیش پیش تھے۔ جو حیدرآباد کے ایک بڑے عالم، ہمدرد قوم اور آزاد خیال بزرگ تھے جن کے دل میں اسلامی علوم کی بڑی وقعت تھی۔ ان کے علاوہ ایک اور ہستی اس نیک خیال کی ہمنوا اور اس کے بقا و پرورش کے سامان مہیا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوئی۔ اس سے ہماری مراد عالم متبحر نواب فضیلت جنگ بہادر مرحوم جن کی علم دوستی اور اسلامیات پرستی کی یہی یادگار مدرسہ نظامیہ حیدرآباد ہے۔ غرض ان قابل احترام بزرگوں کے خلوص و کوشش سے سنہ ۱۳۰۶ھ م ۱۸۸۸ء میں حیدرآباد میں ایک مفید علمی ادارہ عالم وجود میں آیا۔

جس کا نام دائرۃ المعارف ہے۔
ابتدا میں اس ادارے کے کاروبار ملک کے علما و مشائخین
کی امداد و دلچسپی سے چلتے رہے۔ بعد ازاں رفتہ رفتہ امرا و عمائد سلطنت
نے اس کی طرف توجہ کی جو جو دشواریاں ادارے کے پیش نظر مقصد میں سنگ راہ
تھیں۔ لہذا ترقی کا قدم اٹھانے کے لئے بڑی شخصیت کی سرپرستی کی ضرورت تھی۔ پس بانیان ادارہ کی نظر
میں نواب سر وقار الامرا بہادر مرحوم سے بڑھ کر کوئی شخصیت سرپرستی کے قابل نہ سمجھی گئی۔ کیونکہ نواب صاحب ممدوح ایک تو علیا
خدمت معین المہام عدالت و تعلیمات تھے دوسرے علوم اسلامیہ سے خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ جس وقت ملا عبد القیوم مرحوم
اور نواب عماد الملک بہادر مرحوم نے نواب صاحب ممدوح کی خدمت میں حاضر ہو کر دائرۃ المعارف اور اس کے مقاصد و اغراض
کی نسبت عرض کیا تو آپ نے ادارے اور اس کے خالص علمی مقصد سے اپنی ہمدردی و دلچسپی کا اظہار کیا اور بخوشی صدارت قبول
فرما کر ادارے کی عزت بخشی۔ آپ کی سرپرستی سے ادارے کی حیثیت بڑھ گئی۔ ارباب علم و اقتدار نے اس کی شرکت و اعانت کو
باعث فخر سمجھا۔ پھر آپ نے ادارے کی امداد کے لئے بحیثیت میر مجلس ایک عرضداشت جس میں دائرۃ المعارف کے مقاصد اور ضرورت
اظہار کر کے نواب سر آسمانجاہ بہادر مرحوم کے توسط سے جو اس وقت مدار المہام تھے حضرت غفران مکان نواب میر محبوب علی خاں بہادر
کی بارگاہ میں پیش کی۔ حضور نے براہ خسروانہ اس کو منظور فرما کر ماہانہ پانسو روپے کی امداد سے سرپرستی فرمائی۔ سرکاری امداد سے
ادارے کے کاروبار کو ایک گونہ تقویت حاصل ہوئی۔ ادارے کی تنظیم عمل میں آئی نواب صاحب معز اس کے میر مجلس اور ملا عبد القیوم مرحوم
معتمد قرار پائے۔ امراء اور حکام میں سے (۴۰) ارکان مقرر ہوئے۔ ادارے کے کاروبار کی نگرانی کے لئے (۴) قابل مہتمم اور تصانیف
کی تصحیح کے لئے (۹) جید عالم مامور کئے گئے اور قرار پایا کہ آٹھویں صدی کے قبل کی نادر الوجود تصانیف طبع کر کے شائع کی جائیں۔
نواب صاحب ممدوح کی میر مجلسی کے زمانے میں ادارے نے نادر الوجود مخطوطات کو تلاش و منتخب کر کے بڑی محنت و کاوش سے
مرتب کیا۔ اور پھر انہیں طبع و شائع کیا۔ ان میں کنز العمال (۸) جلد۔ تذکرۃ الحفاظ (۴) جلد۔ مسند ابی داؤد طیالسی اور استیعاب (۲) جلد قابل ذکر ہیں

دور جدید اعلیٰحضرت سلطان العلوم نواب میر عثمان علی خاں بہادر کا عہد ہمایوں تاریخ دکن میں ایک نئے باب کا اضافہ
کرتا ہے۔ منجملہ اور کارناموں کے سب سے درخشاں کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے جامعہ عثمانیہ قائم کر کے ہندوستان
کی مشترکہ زبان ہندوستانی کے ذریعہ علوم و فنون کا وہ سرچشمہ بہایا۔ جس سے ریاست حیدر آباد کے تشنگان علم سیراب ہو رہے ہیں
اور ملک کا ہر چپہ چپہ علم کی روشنی سے چمک اٹھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ دار الترجمہ و التالیف کے قیام نے مصر۔ بغداد۔ اسپین۔ اور قیروان
کے علمی کارناموں کو صفحہ تاریخ سے مٹا دیا۔ جہاں دور عثمانی کے اور برکات ہیں وہاں علوم اسلامیہ پر وہ احسانات ہیں۔
جن کی دنیائے اسلام ہمیشہ مرہون منت رہیگی۔ وہ یہ کہ دائرۃ المعارف جو حضرت غفران مکان کے زمانہ میں قائم ہوا تھا
اس کا دائرہ عمل بالکل محدود ہو گیا تھا گو کہ سرکاری امداد مل رہی تھی لیکن اس کی مقدار قلیل تھی۔ جس سے ایک وسیع لائحہ عمل
کی تکمیل نہیں ہو سکتی تھی اس لئے اس علمی ادارے کی جانب نواب فضیلت جنگ بہادر مرحوم نے اعلیٰ حضرت کو توجہ
دلائی۔ حضور پرنور نے بنظر معارف نوازی اس ادارے کو یکمشت پانچ لاکھ روپے کے بیش بہا
عطیہ سے سرفراز فرمایا اور اس کی تنظیم و توسیع کا حکم دیا۔ جس کی بنا پر نواب
سر حیدر نواز جنگ بہادر صدر المہام مالیات، نواب عماد الملک بہادر مرحوم

میر مجلس اور نواب مسعود جنگ بہادر معتمد دائرۃ المعارف نے
دائرۃ المعارف کی توسیع و انتظامی امور کی نسبت غور و خوض کر کے یہ
تجویز کیا کہ ادارۂ مذکور کو منظم اور باقاعدہ شکل میں لانے کے لئے ایک دارالتصحیح
قایم کیا جائے اس کے لئے علما و فضلا کا انتخاب عمل میں آیا۔ قابل اشاعت قدیم کتب کی
تحقیق و تلاش جاری ہوئی۔ اس کے لئے ایک قابل شخص کو بیرون ملک بھیج کر وہاں کے مختلف اداروں۔ خانگی اور سرکاری کتب خانوں کے نایاب اور کمیاب قابل اشاعت مخطوطات کا پتہ چلایا گیا۔ نیز غیر ممالک کے نامی گرامی اداروں اور کتب خانوں کی فہرستوں اور کیٹلاگز کی امداد سے اور نیز علما اور مستشرقین سے خط و کتابت کے ذریعہ قابل اشاعت کتب کی ایک مبسوط فہرست مرتب کی گئی۔ اس کے مطابق متعدد قلمی نسخے فراہم کئے گئے۔ طباعت و اشاعت کے لئے۔ عملہ اور پریس کا انتظام کیا گیا بعد ازاں قابل اشاعت کتب کو مقابلہ و تصحیح کے بعد نہایت اہتمام سے طبع و شائع کیا گیا اور مطبوعات کی فروخت اور نکاسی کے لئے مختلف مقامات مثلاً بمبئی، سورت، لاہور، افغانستان، مکہ معظمہ، مصر، لندن اور جرمنی وغیرہ میں تاجران کتب کو ایجنٹ مقرر کیا گیا تاکہ شائقین کتب کے لئے سہولت کا باعث ہو۔ الحاصل دائرۃ المعارف کی ترقی و کامیابی اور اس کی علمی خدمات کی وسعت و شہرت سب کچھ عہد عثمانی کا زرین کارنامہ ہے۔ ۱۳۴۶ف میں نواب عماد الملک بہادر کا انتقال ہوا۔ آپ کے بعد دائرۃ المعارف کی میر مجلسی کی خدمت پر نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر کا انتخاب عمل میں آیا۔ نواب صاحب ممدوح نے اس ادارے کو جامعہ عثمانیہ کے ماتحت کر دینے کی تجویز پیش کی جو سرکار سے منظور ہوئی ادارے کے کاروبار کو چلانے کے لئے دو مجلسیں مقرر ہیں (۱) مجلس انتظامی (۲) مجلس علمی۔ مجلس انتظامی ادارے کے انتظامی امور کو طے کرتی ہے یہ چھ ارکان پر مشتمل ہے۔ (۱) جناب نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر میر مجلس (۲) نواب مہدی یار جنگ بہادر معتمد (۳) نواب ناظر یار جنگ بہادر رکن (۴) نواب محمد یار جنگ بہادر رکن (۵) خان فضل محمد خاں رکن (۶) مولوی حسین عبد المنعم رکن۔

مجلس علمی۔ کتب کے انتخاب و طباعت وغیرہ کے کام میں مجلس انتظامی کو مدد و مشورہ دیتی ہے جس کے ارکان حسب ذیل ہیں۔ (۱) نواب محمد یار جنگ بہادر میر مجلس (۲) نواب مہدی یار جنگ بہادر معتمد (۳) نواب صدر یار جنگ بہادر رکن (۴) نواب ضیا یار جنگ بہادر رکن (۵) علامہ محمود حسن خاں رکن (۶) مولانا عبداللہ عمادی رکن (۷) مولانا مناظر احسن گیلانی رکن (۸) مولانا عبد القدیر صدیقی رکن (۹) مولوی سید عباس حسین مہتمم کتب خانہ آصفیہ رکن (۱۰) مولوی سید ہاشم ندوی رکن۔ ان مجلسوں کے زیر نگرانی و ہدایت تصحیح و طباعت کا کام کے لئے ایک عملہ بھی ہے۔ جو علما و فضلا پر مشتمل ہے۔

گو دائرۃ المعارف عثمانیہ کا تعلق حسب فرمان خسروی جامعہ عثمانیہ سے کر دیا گیا تھا لیکن اس پر جامعہ کو پورا قابو حاصل نہ ہونے کی وجہ سے اس کی اصلاحات میں دشواریاں حائل تھیں۔ جن کا ارتفاع ضروری تھا۔ اس لئے ڈاکٹر نظام الدین پروفیسر فارسی جامعہ عثمانیہ کی تحریک پر مجلس رفقائے جامعہ عثمانیہ نے اس کا الحاق بالکلیہ جامعہ عثمانیہ سے کر دیا اور نیز اس کی اصلاح و ترقی کے لئے ایک کمیشن قایم کیا۔ جس نے ادارے کو مضبوط اساس پر قایم رکھنے اور اس کو ترقی دینے کے لئے مفید مشورے دئے۔

اس ادارے سے اب تک مختلف علوم و فنون کی کتابیں جو شائع ہوئیں ان کی مجموعی تعداد ۹۱ ہے۔ ان میں بعض کی آٹھ آٹھ اور بارہ بارہ جلدیں ہیں اس طرح کل مجلدات دو سو سے زائد ہوتے ہیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) ادب ۸ (۲) تفسیر ۲ (۳) حدیث ۱۴ (۴) فقہ ۳ (۵) اخیرہ ۲۰

(۶) رجال ۹ (۷) سیر ۶ (۸) تاریخ ۷ (۹) جغرافیہ ۱ (۱۰) حکمیات ۴
(۱۱) کلام و مناظرہ ۱۱ (۱۲) منطق و فلسفہ ۵ (۱۳) عمرانیات ۱ (۱۴) ہیئت ۱
(۱۵) تصوف ۲ (۱۶) طب ۲ (۱۷) موسیقی ۱ (۱۸) اسامی ۱ (۱۹) مرایا ۱
(۲۰) لغت ۳ (۲۱) متفرقات ، جملہ (۹۱)

ان مطبوعات میں بعض نادر اور اہم تصانیف ہیں۔ جن کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

(۱) جمہرۃ اللغۃ ۔ یہ علامہ ابن درید المتوفی سلہ ۳۲۱ھ کی جامع لغت تین جلدوں میں مع اشاریہ ہے اس کتاب کا مقابلہ ہندوستان، پیرس اور انگلستان کے سات نسخوں سے کیا گیا ہے۔

(۲) سنن کبریٰ ۔ امام بیہقی (المتوفی ۴۵۸ھ) کی تصنیف ہے۔ حدیث کی دائرۃ المعارف (انسائکلوپیڈیا) ہے جو فقہ کے اصول پر لکھی گئی ہے۔ مصر، مدراس، رامپور کے نسخوں سے مقابلہ کیا گیا ہے۔ اس کی آٹھ جلدیں شائع ہوئی ہیں۔

(۳) الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ ۔ حافظ ابن حجر متوفی ۸۵۲ھ کی تصنیف ہے آٹھویں صدی کی جامع تاریخ ہے جس میں علما، فضلا، حکما، سلاطین امرا وغیرہ کے حالات درج ہیں اس میں مشاہیر خواتین کے حالات بھی ہیں۔ اس کی چار جلدیں ہیں۔

(۴) نزہۃ الخواطر ۔ مصنفہ حکیم مولانا عبدالحی مرحوم۔ درر کامنہ میں ہندوستان کے مشاہیر کے حالات نہ تھے جس کی وجہ سے آٹھویں صدی کی تاریخ نامکمل رہ جاتی تھی۔ اس لئے شائع کی گئی۔

(۵) معجم الامکنۃ ۔ یہ ہندوستان کے قدیم شہروں اور مقامات کا جغرافیہ ہے۔

(۶) کتاب التیجان ۔ علامہ ابو محمد عبدالملک بن ہشام کی معتبر تصنیف ہے۔ جو ملوک حمیر کی قدیم اور مستند تاریخ ہے جس پر حاشیہ ایک مشرق نے چڑھایا۔

(۷) اخبار عبید بن شریہ ۔ عربوں کی افسانہ نگاری کی ابتدائی تاریخ ہے۔

(۸) رسائل بوعلی سینا ۔ اس کا ایک مجموعہ مصر اور یورپ میں شائع ہو چکا ہے ان میں سے آٹھ اہم رسائل طبع کئے گئے ہیں۔

(۹) رسائل فارابی ۔ اس کا ایک ایک صفحہ ارسطو کے ایک ایک مقالہ کے برابر ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے اہم ہیں۔

(۱۰) تنقیح المناظر ۔ کمال الدین ابوالحسن الفارسی کی تصنیف ہے اور علامہ ابن ہیثم کے متون کی شرح ہے۔ مناظر و مرایا میں اہم تصنیف ہے۔

(۱۱) تذکرۃ السامع والمتکلم ۔ علامہ بدرالدین بن جماعۃ المتوفی ۷۳۳ھ کی مایہ ناز تصنیف ہے جو اصول تعلیم قدیم پر ایک مستند اور جامع کتاب ہے۔

(۱۲) صفۃ الصفوۃ ۔ علامہ ابن جوزی (المتوفی ۵۹۷ھ) کی ایک اہم تصنیف ہے جس میں صحابہ تابعین اور تبع تابعین علماء متقین اور عابدین کے صحیح حالات درج ہیں۔ جس کے مطالعے سے اسلام اور تصوف پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ قدیم نسخوں سے مقابلہ کیا گیا ہے۔ اس کی چار جلدیں ہیں۔

اس طرح دائرۃ المعارف عثمانیہ کی برکت سے علمائے اسلام کے نوادرات و جواہر ریزے جو دست برد زمانہ سے تلف ہو رہے تھے یا دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئے تھے۔ وہ محفوظ و منکشف ہو کر بقائے دوام کی سند بن گئے۔ اس ادارے نے دنیائے اسلام میں دہوم مچادی اور اس کی سرپرست اعلیٰ کو جس کی جود و سخا سے عربی علوم و فنون کا احیا ہوا ہے محی الدین سلیمان اعلیٰ کے خطاب سے یاد کیا جانے لگا۔ غرض عہد عثمانی کا یہ ایسا [illegible]

مرتبہ محمد فاضل

بعض معتبر کتب و رسائل کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حیدر آباد میں صحافت کا آغاز اوائل صدی ۱۸ عیسوی سے ہوتا ہے۔ دورِ ماضیہ میں یہاں صحافت کی جو دشواریاں کہ تھیں۔ اُن کا تفصیلی اظہار بجائے خود ایک مستقل باب کی حاجت رکھتا ہے اس لئے ہم صرف اس کا سطحی پہلو دکھلاتے ہوئے درخشان عہد ہمایوں میں صحافتی یک گونہ ترقی پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ جو محض اعلیٰ حضرت کی ذاتی و علمی دلچسپیوں و سرپرستیوں کے باعث اس کی ترقیوں کا موجب بنا۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ باوجود عام علمی چہل پہل کے اہلِ دکن میں ابھی اخبار و رسائل وغیرہ کے مطالعہ کا جیسا کہ شوق چاہئے ویسا نہیں ہوا۔ برخلاف اس کے جب ہم دیگر متمدنہ ممالک مثلاً فرانس۔ جرمنی۔ لندن۔ امریکہ چین۔ جاپان وغیرہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہماری حیرت کی انتہا نہیں ہوتی کہ وہاں کی کس قدر آبادی مطالعہ کی دلدادہ و شیدا ہے۔ اسپارٹ میں ایڈیٹر صاحب الہلال نے اُن ممالک کے مطالعہ کا جو فیصد توازن اور تعداد و طریق اشاعت ظاہر کیا ہے وہ اپنی حقیقت کے ساتھ حیرت افزا ہے قطع نظر اس کے ہندوستان ہی میں دیکھا جائے تو لاہور۔ کلکتہ۔ دہلی۔ بمبئی۔ اپنی اپنی نوعیت سے ممتاز نظر آتے ہیں جہاں طباعت و اشاعت کی کافی سہولتیں بہم ہیں۔ مگر حیدر آباد میں طباعت و اشاعت کی دشواریاں ان کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہونے دیتی تھیں جس کا یہی نتیجہ تھا کہ نہ یہاں کے مطابع کی حالت اچھی تھی اور نہ یہاں کا کام قابل اطمینان و دیدہ زیب ہوتا تھا۔

اکثر اخبار و رسائل نکلے اور بند ہوگئے۔ گو عدم تحمل و برداشت کے اصل بینہ وجوہ واقعات صدہا ہیں۔

اعلیٰحضرت کی تخت نشینی کے وقت صرف محدودے اخبار و رسائل جو انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں جاری تھے۔ لیکن مبارک عہد اقدس و اعلیٰ میں یہاں کی حالت فضا کو ملحوظ رکھتے ہوئے حیدر آبادی صحافت نے جو کچھ بھی ترقی کی اگر ان موقوفہ و موجودہ کو تفصیلوار شمار کیا جائے تو قریب یکصد رسائل و اخبارات کی گنتی ملتی ہے۔ جن میں بعض ایسے بھی ہیں جو تھوڑی مدت کے لئے جنم لے کر بند ہوگئے۔ اور جو مستقل قائم ہیں۔ ان میں سے بعض اپنی موزوں رفتار و نیک طریق عمل کے سبب صحافتی خدمت کے حامل ہیں۔ جس قدر ملکی ضروریات اور اسکے ماحول و اسباب میں وسعت پیدا ہوگی یقین ہے کہ حیدر آباد کی صحافت بھی مستقبل قریب میں بام اوج پر نظر آئے گی۔ کیونکہ اعلیٰحضرت سلطان العلوم کی خاص علمی دلچسپیوں و سرپرستیوں نے میدان علم میں وہ وہ فراوانیاں پیدا کردی ہیں کہ اب حیدر آباد ہر قسم کے علوم و فنون کا مرکز بن گیا ہے اکتساب علوم و فنون کے ساتھ اہل علم کیلئے متعلقہ اسباب بھی ترقی پذیر ہونگے۔ اگر یہاں کے ماحول کے مدنظر اعلیٰحضرت کی اس طرح علمی سرپرستی و امداد نہ ہوتی تو صحافت کا پنپنا نہایت دشوار و کارے دارد بات تھی۔

محض اعلیٰحضرت کی علمی قدردانیوں کی وجہ سے اب ملک میں مطالعہ سے یک گونہ دلچسپی پیدا ہوگئی ہے اور اخبار و رسائل میں بھی کافی اضافہ عمل میں آیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی ہر ممکنہ کامیابی کے منازل طے کر رہے ہیں۔ گذشتہ کے مقابل حیدر آباد کی صحافت بھی سرگرم ترقی ہے۔

اعلیٰحضرت کی مرحمت خاص اور دلچسپی اس کی مقبولیت و ترقی میں ممد و معاون ثابت ہو رہی ہے۔ عوام کی خاطر خواہ دلچسپی و قدردانی اور مدیرین کی محنت و احساس ترقی سے کامل توقع ہے کہ حیدر آبادی صحافت بھی بہت جلد بام اوج پر دکھا دے گی۔

مرتبہ محمد فاضل

از جناب مولوی عظمت الٰہی صاحب زبیری بی، اے ایل ایل بی رجسٹرار مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد سرسید نے حکومت اور حکومت سے زیادہ قوم کی جو خدمات انجام دیں۔ ان کی شہرت بہت جلد ہندوستان کے ہر حصہ میں پھیل گئی تھی ان کے رسائل "اسباب بغاوت ہند" لائل محمڈنز آف انڈیا (Loyal Mohamadans of India) اور ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب " اور انڈین مسلمانز" (Our Indian Mosalmans) کے ریویو اور تعلیمی مسائل نے مدبرین ملک اور اکابر قوم کو خصوصیت کے ساتھ اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

اسی زمانہ میں سرسالار جنگ اول اپنی خدمات زمانہ غدر اور مملکت آصفیہ کی جدید اصلاحات کی وجہ سے ایک عالی منزلت مدبر کی حیثیت سے تمام ہندوستان میں مشہور تھے۔

ان دونوں جلیل القدر کے ذاتی تعلق اور باہمی اعتماد کی ابتداء ۱۸۷۳ء میں ہوئی اور جہاں تک کہ علیگڑھ تحریک کا مطالعہ کیا جاتا ہے اس کے نشو و نما اور مسلمانان ہند کے تعلیمی ارتقا میں دولت آصفیہ کی فیض بخشی اور سرپرستی جو روز افزوں ترقی پذیر ہے اسی تعلق و اعتماد پر مبنی ہے جس کی ابتداء ایک یادگار خط سے ہوتی ہے جو اس قابل ہے کہ اس مضمون کا زیب عنوان بنایا جائے۔

Hyderabad Deccan

27 June, 1878.

To

Syed Ahmad Espr., C.S.I,

Secretary,

M.A.V.C. Fund Committee,

Benares.

Dear Sir,

As I am aware you take great interest in the advance-ment of our native states. I do not apologise for troubling you on the subject of this letter. I am in want of the services of a few thoroughly good and efficient native gentlemen for service in the Revenue, Judicial and Account Departments. I do not care to lace much reliance on certificates they may possess, but would like you to judge from your own knowledge and experience of them. They should be men of experienced character, judgement honesty and zeal and not of an apathetic nature, and only do what they are told, but be of such intelligence as to be able to suggest improvements

I would offer a salary of from Rs 400- to 600- per mensem, and promotion would depend on themselves. Should the candidate have a knowledge of English it would be a great advantage and I am not at all particular as to caste ,as long as the applicant is respectable.

Should you find such men and whom you can place confidence, prey let me hear all particulars regarding them, I will then let you know whether their services should be secured or not.

I have addressed another gentleman on the subject also

yours faithfully:

Sd. Salar Gung

یادگار سلور جوبلی آصف سابع

یہ وہ زمانہ ہے کہ سر سید کی تعلیمی تحریک یا یم' اے
او کالج (مدرسۃ العلوم) کے قائم کئے جانے کی تجاویز مکمل
ہو چکی ہیں' عملی تدابیر کا آغاز ہو رہا ہے اور ان کے لئے
پُر جوش اور سرگرم رفقا اور مویدین کی سخت ضرورت ہے لیکن سر سید نے
بلا تامل سر سالار جنگ کی اس خواہش کی تکمیل میں اپنے دست و بازو سید مہدی علی اور منشی مشتاق حسین
پیش کر دیے۔ جن کو جناب ممدوح نے نہایت مسرت کے ساتھ قبول کیا۔

اس کے دو سال بعد یعنی ۱۸۷۵ء میں جب کہ تعلیمی تحریک کا پہلا نتیجہ ایک ابتدائی مدرسہ کی شکل میں ظاہر ہونے والا تھا تو باوجود اس کے کہ حیدر آباد میں رکنیبی قائم تھی۔ سر سالار جنگ اول نے ایم' اے' او کالج فنڈ کمیٹی کو دولت آصفیہ کے خزانہ عامرہ سے دس ہزار روپیہ نقد اور تین ہزار چھ سو روپیہ سال کا یومیہ عطا کیا' اور ساتھ ہی جیب خاص سے تیرہ ہزار نقد اور اپنی موروثی جاگیر میں سے بارہ سو روپیہ سال بطور یومیہ مقرر ہوئے۔

آج سے ساٹھ سال قبل جب کہ حقیقتاً آنے اور پائی بھی اشرفی اور روپیہ کے برابر تھے۔ اس امداد نے جو اس وقت کے عطیات میں سب سے گرانقدر تھی اراکین مجلس خزینۃ البضاعت یعنی کالج فنڈ کمیٹی کی ہمتیں بڑھا دیں اور مدرسۃ العلوم کی ابتدائی تجاویز کی کامیابی کے حق میں ابر رحمت بن گئی۔

اجرش دہد خدائے کہ کرد است یاوری ... با آں کساں کہ ناصر و یاور نداشتند

کمیٹی کے ممبروں نے اظہار شکر گزاری اور اس احسان کی یاد تازہ و قائم رکھنے کے لئے دار النواد نظامیہ (نظام ہوسٹل) تعمیر کیے جانے کی تجویز کر کے اس مبارک تسمیہ کی باقاعدہ اجازت حاصل کی۔

۱۸۸۰ء میں دربار قیصری کے موقع پر جب کہ (غفران مکاں) اعلیحضرت آصف جاہ سادس نے گیارہ سال کی عمر میں بمقام دہلی نزول اجلال فرمایا تو اراکین مجلس نے بارگاہ خسروی میں حاضر ہو کر ایک سپاسنامہ پیش کیا اور نہایت حوصلہ افزا جواب سے سرفراز ہوئے۔

اس کے بعد ۱۸۸۲ء میں سر سالار جنگ اول نے اثنائے سفر میں پرائیوٹ طور پر چند گھنٹے علی گڈھ میں قیام کر کے جب سر سید کی ہشت سالہ مساعی یعنی مدرسۃ العلوم کو عملی شکل میں ملاحظہ کیا اور اس کی ضرورتیں معلوم کیں تو یومیہ میں دو ہزار چار سو روپیہ سال کا اضافہ فرمایا۔

اب وہ مبارک وقت آیا کہ (غفران مکاں) اعلیحضرت آصف جاہ سادس نے عنان حکومت و سلطنت اپنے ید قدرت میں لی اور ۱۸۸۴ء میں عماد السلطنت سالار جنگ ثانی مدار المہام سرکار عالی نے کالج کا باضابطہ معائنہ کرنے کے بعد تین ہزار روپیہ سالانہ کی سفارش کی جو بارگاہ خسروی سے منظور ہوئی۔ چند ہی سال بعد ۱۸۸۸ء میں
نواب سر آسماں جاہ نے کالج کا پرائیوٹ معائنہ کرنے کے بعد منظوری خسروی یہ امداد
بارہ ہزار روپیہ سالانہ تک پہنچا دی۔
ابھی تک یہ امدادیں دولت آصفیہ کے وزرائے عظام کی وساطت
سے منظور و مقرر ہوئی تھیں۔ لیکن ۱۸۹۱ء میں خود سر سید نے

ایک وفد کے ساتھ (مغفرت مکاں) اعلیحضرت کی بارگاہ
اقدس میں شرف یاب ہو کر اڈریس میں کالج کی روز افزوں
ضرورتیں گذارش کیں اور نہایت پُر امید و حوصلہ افزا
جواب سے مشرف ہوئے اور دوسرے ہی دن نواب سرآسمان جاہ نے

سر سید کو اطلاع دی کہ:-

"ہز ہائی نس نے از راہ مہربانی اس ماہواری عطیہ کو جو کالج کو ملتا تھا۔ انگریزی سکہ ایک ہزار روپیہ سے انگریزی سکہ دو ہزار روپیہ تک اس تاریخ سے جبکہ اڈریس مذکور ہز ہائی نس کی خدمت میں پیش کی گئی اضافہ فرمایا ہے اور اس عطیہ کا روپیہ انگریزی سکہ دو ہزار روپیہ ماہواری کی شرح سے ادا کیا جاوے گا۔

نواب محسن الملک کو ہدایت کی جاوے گی کہ اس اضافہ شدہ عطیہ کی بابت ایک سند اس سند کے مطابق مرتب کریں جو سابق میں جاری کی گئی تھی۔"

یہ امداد یو پی گورنمنٹ کی امداد معینہ سے بھی تقریباً المضاعف تھی۔ ان فیاضانہ اور شاہانہ توجہات نے ایم اے او کالج کو برٹش انڈیا کے تعلیمی انسٹیٹیوشنوں کا ہم پلہ بنادیا۔

بعد ازیں ۱۹۱۱ء میں مسلم یونیورسٹی کی تحریک شروع کی گئی جو کمیٹی کا اولین مطمح نظر تھا اور جب اعلیحضرت کے حضور اقدس میں اس کی امداد کے لئے عرضداشت پیش ہوئی تو نہایت توجہ و الطاف کے ساتھ گرانقدر امداد کا وعدہ فرمایا۔

ہنوز عمل کام کی نوبت نہ آئی تھی کہ ۱۹۱۱ء میں اعلیحضرت سلطان العلوم
محی الملۃ والدین ہز اگزالٹڈ ہائی نس سپہ سالار مظفر الممالک نظام الملک
نظام الدولہ نواب میر عثمان علیخاں بہادر فتح جنگ جی، سی، آئی ای، جی، سی، بی
یار وفادار سلطنت برطانیہ، والی حیدر آباد دکن خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ

تخت دکن پر جلوہ افروز ہوئے اور بندگان عالی نے ایم اے او کالج اور اپنی غریب قوم پر اپنے الطاف و اکرام میں اتنا اضافہ فرمایا کہ وہ اس ادارے کی تاریخ کا سب سے زیادہ درخشاں باب ہو گیا۔ اعلیحضرت بندگانعالی سلطان العلوم نے سب سے پہلی فیاضانہ عنایت اس طرح ظاہر فرمائی کہ یونیورسٹی کے مطلوبہ سرمایہ کا تقریباً ایک ربع حصہ یعنی پانچ لاکھ روپیہ نقد عطا فرمایا اور چارٹر ملنے پر بارہ ہزار روپیہ سالانہ کی مزید امداد منظور کی۔

۱۹۱۱ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کو ایک لاکھ اسی ہزار روپیہ کا سرمایہ عطا فرما کر چھ ہزار روپیہ سالانہ کی مستقل آمدنی کا ذریعہ مقرر کر دیا تاکہ اس مرکزی ادارہ سے قوم کی عام تعلیم کو ترقی حاصل ہو۔ درحقیقت اس امداد نے کانفرنس کی بنیاد مستحکم کر دی۔ اور آج اس کا وجود اسی گرانقدر امداد کی بدولت قائم ہے۔

ابتدائے قیام سے ایم اے او کالج کی سرزمین کو جلیل القدر
مہمانوں کے استقبال پر ہمیشہ افتخار رہا ہے۔ اس کو ولی عہد برطانیہ

شاہ افغانستان، ہندوستان کے ممتاز والیان ملک، وائسرائے
اور گورنروں کے خیر مقدم کے مواقع حاصل ہوئے ہیں لیکن
۱۹۱۸ء میں ہز اگزالٹڈ ہائی نس سلطان العلوم آصف جاہ
سابع کے استقبال و خیر مقدم میں وہ زبردست وولولہ انگیز خصوصیت تھی کہ
جس سے ہر مسلمان کا قلب باغ باغ اور کالج کی زمین کا ذرہ ذرہ درخشاں ہو گیا۔

آنریری سکرٹری نواب محمد اسحاق خاں نے دہلی حاضر ہو کر بندگان عالی سے مدرستہ العلوم کے ملاحظہ کی درخواست کی جس کو شرف قبولیت حاصل ہوا۔ اور ۲۹/ جنوری کو بندگان عالی نے سہ پہر کے وقت اسپشل ٹرین کے ذریعہ نزول اجلال فرمایا۔ شاہزادگان اور شاہزادی بلند اقبال اور چند مقربان خاص ہمرکاب تھے۔ اسٹیشن پر پریسیڈنٹ ٹرسٹیز کمیٹی (نواب مزمل اللہ خاں)، آنریری سکرٹری (نواب محمد اسحاق خاں) اور ٹرسٹیز، و پرنسپل کالج نے خیر مقدم کیا۔ اور بندگان عالی نے ٹرسٹیوں کی نذریں قبول فرمائیں۔

اسٹیشن سے نونہالان کالج کے رائڈنگ اسکوٹ کی معیت میں موکب شہریاری نے کالج کے احاطہ میں نزول اجلال فرمایا۔

بندگان عالی نے اول انگلش ہاؤس کا معائنہ کیا جہاں مختلف کلاسوں کے حیدرآبادی طلبا جمع تھے، جنہوں نے بندگان عالی کی وفادار رعایا اور آپکی مادر علمی کے فرزندکی حیثیت سے سپاسنامے اور قصائد پیش کئے، بندگان عالی بھی اپنی عزیز رعایا کے ان نونہالوں کو دیکھ کر ان کے جذبات عقیدت وسعادت سے نہایت محظوظ ومتاثر ہوئے۔

اس کے بعد منٹو سرکل سلطان جہاں منزل (صدر دفتر کانفرنس)، بگذال ہاؤس، ممتاز ہاؤس، اور ظہور وارڈ کو ملاحظہ فرماتے ہوئے سٹڈنس یونین کلب کے رام پور ہال میں جلوہ افروز ہوئے اور تھوڑی دیر توقف فرما کر یونین کلب کمیٹی اور انجمن الفرض کے ایڈریس قبول فرمائے۔ پھر لٹن لائبریری تشریف لائے جہاں اسٹاف نے خیر مقدم کیا۔ اور بندگان عالی نے کالج کی وزیٹر بک پر دستخط ثبت فرمائے۔ سائنس لیباریٹری میں جو قریب ہی تھی کچھ دیر سائنس کے چند تجربات بھی ملاحظہ کئے۔

اس کے بعد اسٹریچی ہال میں رونق افروز ہوئے۔ جہاں تمام طلبا، اسٹاف کے ممبر، ٹرسٹیز و دور ونزدیک کے مہمان چشم براہ تھے۔ بندگان عالی کرسی پر متمکن ہو گئے تو سپاسنامہ پیش ہوا جس میں ذات شاہانہ کی برکات وفیوض اور دولت آصفیہ کے احسانات عظیم کا تذکرہ تھا اور "ہز اگزالٹڈ" کا ممتاز خطاب حاصل ہونے پر تہنیت پیش کی گئی تھی۔
ایڈریس کے ختم ہونے پر بندگان عالی نے برجستہ جواب ارشاد فرمایا۔

آپ صاحبوں نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں، مجھے اپنے ابنائے جنس
سے مل کر اور اپنی قومی درسگاہ کو دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی۔ آپ
سب میرے ابنائے جنس بلکہ کرم فرما ہیں، خطاب کی
مبارک باد کے جواب میں صرف اتنا کہنا

چاہتا ہوں کہ ع

احسانِ دوست در حقِ من بے نہایت است

بندگان عالی کا یہ مختصر جواب حقیقتاً ایک جہاں معنی، قومی رواداری اور

مساوات کا نمونہ اور امیدوں کا جلوہ طراز تھا جس سے تمام حاضرین کے دل مسرت و امید سے لبریز ہو گئے۔ نوازش و نیاپش کے اسی ہمہ کامرانی میں آنریری سکرٹری کالج نے بحکم بندگان عالی یہ اعلان کیا کہ "بارگاہ خسروی سے ایک ہزار روپیہ سالانہ تعلیم عربی کے لئے اور پچاس ہزار روپیہ یہی بارگ کے پختہ کئے جانے کے لئے منظور ہوا ہے اور اعلیٰحضرت خسرو دکن کی سلسلہ وموروثی شاہانہ فیاضی اسی قدر پر بس نہیں کرتی بلکہ آئندہ کے لئے حد لانہایت تک اپنی پس افتادہ و درماندہ قوم کو متوقع کرتی ہے۔"

اعلان کے الفاظ ختم ہوتے ہی تمام ہال طنطنۂ مسرت سے گونج اٹھا عقیدت و شکر گزاری کی فضا محیط ہو گئی، سر سید، محسن الملک، اور وقار الملک کی ارواح طیبات نغمہ سرا و سامعہ نواز ہوئیں۔

این کہ بینی نتائج سحر است　　　کار کلی ہنوز در قدر است

اس ہنگامۂ امتنان و شادمانی میں اسٹریچی ہال سے بندگان عالی جامع مسجد کے لئے تشریف لے گئے جہاں شعبۂ دینیات کے سکرٹری اور ناظم و قاری صاحبان، نے استقبال کیا مسجد کی زیب و زینت اور اس کا نقشہ بہت پسند فرمایا۔

پھر رسٹیز کی درخواست پر گروپ فوٹو کے لئے نظام میوزیم کے سامنے جلوس فرمایا اور پھر اندر تشریف لائے اور چند ممتاز احباب کو شرف باریابی عطا فرمایا۔ یہاں اعلیٰحضرت نے (غفران مکان) آصف جاہ سادس کا قد آدم فوٹو ملاحظہ کر کے اپنا فوٹو بھی عطا کرنے کا وعدہ فرمایا۔ اور خود ہی اس کے لئے جگہ بھی تجویز فرما دی۔

اس کے بعد اسٹیشن کو مراجعت فرماتے ہوئے اولڈ بوائز لاج میں وزیٹر بک پر دستخط ثبت فرمائے۔ اور شب کے پونے آٹھ بجے جانب بمبئی نہضت افروز ہوئے۔

اعلیٰحضرت بندگان عالی نے مولانا متقی بغدادی کو اور دینیات کے اسٹاف میں سے ان صاحبوں کو جو مسجد میں شریک خیر مقدم تھے پان پان سو روپے عطا کئے اور بالطاف خسروانہ آنریری سکرٹری صاحب کو ہدایت کی کہ کم از کم سال میں ایک مرتبہ حاضر بارگاہ ہوتے رہیں۔ کالج کے گریجویٹوں کی درخواستیں افواج شاہی کے کمیشنڈ عہدوں کے لئے طلب فرمائیں، یکی بارگ کو پختہ ہو جانے کے بعد عثمانیہ ہاسٹل سے موسوم کرنے کی اجازت عطا کی۔ اور کچھ عرصہ بعد حسب منشاء و ایمائے خسروی امرائے پائیگاہ کے آٹھ صاحبزادے تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے کالج میں داخل ہوئے۔

یونیورسٹی کی تاسیس کے بعد یومیہ معینہ میں بارہ ہزار روپیہ سالانہ کا اضافہ فرما کر ۷۲ ہزار تک مقدار پہنچا دی۔

۱۹۲۹ء میں بسلسلہ انتظامات جدیدہ جب وائس چانسلر کے عہدے پر کورٹ نے ڈاکٹر نواب سر مسعود جنگ کا

کم وبیش ہر قسم کی مالی و اخلاقی اعانت کی، ایک زمانہ تھا کہ جب
پرائیوٹ وظیفوں اور اسکالرشپوں کی سخت ضرورت رہتی تھی۔
تو اس وقت حیدرآباد کے اکثر عہدہ داروں اور امیروں نے اس
ضرورت کو فیاضی سے پورا کیا۔ اور اب بھی شاید ہی کوئی سال ایسا ہو کہ
اس قسم کی کافی مدد نہ ملتی ہو۔ ایسے عہدہ داروں میں جن کی اخلاقی امداد اور صلاح و مشورہ سے
بہت کچھ فائدے حاصل ہوئے اور مختلف اوقات میں ان کی جیب خاص سے بھی ہر موقع پر زبردست مالی امداد ملتی
رہی نواب عماد الملک مرحوم کا نام ہمیشہ احسان مندی کے ساتھ علیگڈھ تحریک کی تاریخ میں روشن رہیگا۔
سرسید کے بعد جب کہ کالج ایک نہایت نازک دور سے گذر رہا تھا اور تمام قوم میں انتشار برپا تھا حتی کہ حکومت
ہند بھی متردد تھی، اس وقت تمام امیدیں صرف دولت آصفیہ کے مشہور وظیفہ یاب معتمد نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی
کی ذات سے وابستہ تھیں اور بلاشبہ انہوں نے ان مشکلات کا بڑی کامیابی سے مقابلہ کر کے کالج کو قابل رشک اور
اوج و عروج پر پہنچادیا ان کے بعد یہ بار دوسرے وظیفہ یاب ممتاز معتمد نواب وقار الملک منشی مشتاق حسین کے شانوں
پر رکھا گیا اور اُن کی سکرٹری شپ کے زمانہ میں کالج تمام قوم کا مرکز امید بن گیا، یونیورسٹی کی تحریک شروع ہوئی اور
۱۸۷۲ء کے خواب کی تعبیر کا آغاز ہوا۔ سرمایہ مطلوبہ فراہم ہوگیا، اور قیام یونیورسٹی کی ابتدائی منزلیں طے ہوگئیں۔
یونیورسٹی کے معرض وجود میں آنے کے بعد ۱۹۲۹ء میں بعض پیچیدگیاں نمودار ہوئیں۔ اس وقت بھی دولت
آصفیہ کے ہی وظیفہ یاب عہدہ دار نواب سرمسعود جنگ نے ان کو حل کیا۔ اور امرائے سلطنت، یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد
بہادر، نواب لطف الدولہ بہادر، اور نواب معین الدولہ بہادر نے بھی دس دس ہزار کی گرانقدر امدادیں عطا فرمائیں۔
یوں تو یونیورسٹی کی زمین کے چپہ چپہ پر یادگاریں قائم ہیں لیکن بحیثیت مجموعی سب سے زیادہ یادگاریں دولت آصفیہ
سے ہی نسبت رکھتی ہیں۔ ان میں:-
(۱) پہلی یادگار نظام میوزیم ہے۔ اس یادگار کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تعمیر کا تمام روپیہ ۱۸۹۱ء میں اہل دکن
نے پیش کیا اور جہاں تک کہ عام پبلک کا تعلق ہے ورنگل کے جاگیرداروں اور باشندوں نے زیادہ حصہ لیا۔
(۲) دوسری یادگار ایک لیکچر ہال ہے جو نواب سرآسمان جاہ نے اپنے عم محترم نواب شمس الامرا کی یادگار میں
دس ہزار روپیہ کے عطیہ سے تعمیر کرایا۔
(۳) تیسری یادگار سالار منزل ہے جو سرسالار جنگ اول کی تشریف آوری کی خوشی اور ان کی عنایتوں کی یادگار
میں عام چندہ سے تعمیر ہوئی۔
(۴) چوتھی یادگار آسمان منزل ہے جس کی تعمیر کا سرمایہ اہل حیدرآباد نے مہیا کیا۔
(۵، ۶) پانچویں اور چھٹی یادگاریں مہدی منزل اور مشتاق منزل ہیں جو نواب
محسن الملک اور نواب وقار الملک کے ان احسانات کے شکریوں میں
تعمیر ہوئیں جو ان دونوں محترم اصحاب نے خدمات حیدرآباد کے
زمانہ میں اس ادارہ پر ارزانی فرمائے تھے۔

مرتبہ محمد فاضل

(اور)

سلطنت آصفیہ کے سکوں کی مختصر تاریخ

خود مختار سلطنتوں کے باب میں سیاداں ماہر سلطنت جانتے ہیں کہ سکے اور نوٹ کی ترویج . سیاسی ارتقاء یافتہ مستحکم و غیر متزلزل . خود مختار سلطنتوں کے لوازمات سے ہے بفضلہ حکومت آصفیہ اپنی خود مختار قلمرو میں اپنے سکے اور نوٹ خود چلاتی ہے . یہ خصوصیت ہندوستان کی دوسری کسی ریاست کو حاصل نہیں جو اس ریاست کا طغرائے امتیاز ہے . تواریخ قدیمہ سے پتہ چلتا ہے کہ جس وقت ہندوستان میں شہنشاہ دہلی کے سکے رائج تھے . اس وقت دکن میں مختلف ٹکسالوں کے سکے مروج تھے . جس کو مختلف ٹھیکہ دار بنایا کرتے تھے جیسے پستن شاہی (بنام تہ، اربرار) گوبند بخش (بنام مدار المہام حیدر آباد) بہادر شاہی اکبری . عالمگیری . شاہ جہانی . سکندر چلنی . ناصر چلنی . اس کے علاوہ مختلف علامات کے بھی سکے مختلف مقامات پر چلتے تھے . یعنی سرتی سکہ . قرہ . توکا . زری سکہ . ترآل . صورتی . چہرہ شاہی . کلمہ . اکبری . تتہنی . ترسولی . دو ڈنڈی . چیل ناری . ذوالفقاری وغیرہ

۱۸۵۷ء م ۱۲۷۵ھ کے غدر دہلی کے بعد جبکہ شہنشاہیت دہلی کا آفتاب غروب ہوگیا . حضرت آصفجاہ نظام الملک بہادر نے سکوں کا نقش تبدیل کرکے . ایک رخ اپنا نام اور دوسرے رخ پر جلوس میمنت مانوس ضرب فرخندہ بنیاد . حیدر آباد منقوش کرایا . جس کو سکہ حالی سے موسوم کیا گیا . حیدر آباد کے محل سلطان شاہی میں دار الضرب قائم تھا . جہاں قدیم آلات سے پرانے طرز پر کام ہوا کرتا تھا . اور یہ عمل بھی جاری تھا کہ عوام چاندی . سونا . تانبا داخل کرکے سکے بنوا لیتے تھے . ۱۲۶۵ف میں دار الضرب کا باضابطہ قیام عمل میں آیا . ۱۳۰۲ف میں مشین نصب کئے گئے ۱۳۱۳ف میں سکہ کا ایک جدید مجوزہ نمونہ پاس کیا گیا ۱۲۹۱ھ سے سکہ چلنی مسدود ہوا . صرف سکہ حالی کی داد و ستد کا عمل رہا . ۴ ار ذیحجہ ۱۳۱۲ھ کو سکہ حالی کے عوض سکہ چرخی منتقلہ مقام دار الضرب متصلہ دار الشفاء

مرتبہ: محمد فاضل

یادگار سلور جوبلی آصف سابع

ورکشاپ حیدرآباد کا ایک ہال

زراعت۔ تجارت و حرفت۔ عطیات۔ بندوبست و کلکنڈہ۔ کورٹ آف وارڈز۔ کوتوالی۔ تحبس وغیرہ
ہیں جو بنگرانی صدر المہام بہادر صیغہ مالگزاری کی نگرانی میں ہیں اس
کے ہر باب کی آمدنی جدا جدا ہے۔ چونکہ ہم صرف سررشتہ مالگزاری ہی
کے مختصر حالات قلم بند کر رہے ہیں۔ اس لئے مالگزاری کی آمدنی کا ہی اوپر ہم نے اظہار کیا ہے

محکمہ صدر مالگزاری کے تحت ۴ صوبے ۱۶ اضلاع اور ۱۰۴ تعلقات ہیں۔ صوبہ کے افسر اعلیٰ کو صوبہ دار اور ضلع کے افسر کو تعلقدار اور تعلقہ کے افسر کو تحصیلدار کہتے ہیں۔ اس طرح (۴) صوبہ دار (۱۶) اول تعلقدار اور ۱۰۴ تحصیلدار ہیں نیز جمعبندی افسر کو دوم تعلقدار کہتے ہیں جو اول تعلقدار کے تحت ہوتا ہے۔

عہد عثمانی سے پہلے وصولی مالگزاری کے لئے کوئی خاطر خواہ انتظامات تھے۔ نہ رعایا کی صحیح معنوں میں جیسا کہ چاہئے دادرسی ہوتی تھی اسی طرح کی بہت سی خامیوں کو محسوس فرماکر حضرت اقدس و اعلیٰ نے تخت نشینی کے بعد اس جانب اپنی احساس رس و فیض بخش توجہ مبذول فرمائی۔ طور و طریق بدلا۔ اس کا رنگ بدلا۔ ڈھنگ بدلا۔ نظم و نسق کو نئی زندگی بخشی۔ جس کا سبب ہے کہ آج یہ محکمہ مستحکم و مبسوط احکام و ضوابط اور مفید نتائج کی روشنی میں گامزن پھل پھول رہا ہے۔ رعایا خوش حالات و فضا موافق اور تمام انتظامات آئین عثمانیہ کے زریں نقش و نگار ہیں۔

سررشتہ جنگلات سرکار عالی

یہ سررشتہ ۱۸۶۷ء میں سب سے پہلے نواب سالار جنگ بہادر کے عہد وزارت میں قایم ہوا ۱۹۱۲ء میں اس کے تحت (۲۴۴۱۲) مربع میل رقبہ تھا۔ اور آمدنی (۸۱۳۰۶۷) روپے تھی ۱۹۲۲ء کے بعد سے اصلاحات کا دور دورہ شروع ہوا آمدنی ترقی کرکے (۹۵۵۰۷۰۸) روپے ہوگئی ۱۳۴۳ف کی آمدنی (۱۳۱۲۴۲۱) رہی ہے اس محکمہ کے ناظم نواب جاہ مدیار جنگ بہادر ہیں۔ جن کے زیر قیادت ہر آئینہ ترقی و اصلاحیں ہوئی ہیں۔ اور سرعت کے ساتھ اصلاحات و ترقیوں کا سلسلہ جاری ہے اس محکمہ کے تحت دو نائب نظامت حلقہ شرقی و غربی ہیں۔ اور اضلاع پر یہ تعلق سررشتہ جنگلات۔ سمت واری کارخانہ نظامت جنگلات ہیں۔ یہ سررشتہ ریاستی مالیہ کے مدات آمدنی کے دوسرے زینہ پر ہے۔

پتھریلی ٹیلے اور پہاڑوں کا استحکام اور مناظر قدرت کی
سرسبزی اور شادابی اسی پر منحصر ہے۔ غرض وہ یہ نہیں۔
سوچتی کہ اس کے وجود سے بے حساب فوائد حاصل ہوتے ہیں۔
کیا بچہ و کیا بوڑھا۔ زندہ کیا مردہ۔ ہر ایک اس کی پیداوار کا
محتاج ہے۔

شیر خوار کا گہوارہ۔ بچوں کا کھلونا۔ غریب کی جھونپڑی۔ امیر کے محل کا فرنیچر۔ ضعیف کا عصا۔ جوان کی لاٹھی
مردہ کا جنازہ۔ بیمار کی دوا۔ سب اس کی پیداوار ہی پر منحصر ہے۔ جس چیز سے انسان اس قدر متمتع ہو اس کی قدر نہ کرنی
کیا عین انصاف و شیوہ احسان مندی ہے؟

یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ ایک زرعی ملک کی خوشحالی کے لئے رقبہ صحرائی کی کم از کم مقدار (۲۵ فیصد) ہونی چاہئے
اور یہی تناسب تقریباً ہماری ہمسایہ برٹش انڈین صحارین کا ہے۔ لیکن حیدرآباد میں یہ رقبہ اب صرف (۱۲ فیصد) کے
قریب رہ گیا ہے۔ اور وہ دامن کوہ سے بھی ہٹا ہٹا کر بالائے کوہ کر دیا جا رہا ہے۔ جو (NATURAL HOME.)
زرخیز زمینات جس کو قدرت نے اس دولت کے لئے مخصوص کیا تھا شخصی اقتدار کے تحت زمانہ سلف میں زمین داروں
پٹہ داروں۔ اجارہ داروں۔ یا ایسے ہستیوں کے تفویض کر دی گئیں جو اس کو پرورش صحرائی کی نیت سے نہیں بلکہ دولت
صحرائی کے وقتی استفادہ کی غرض سے حاصل کئے تھے۔ جو اب سنگلاخ میدانوں پر مشتمل ہیں۔ جس کا احساس آج
ایک صدی کے بعد رعایا کو خون کے آنسو رولا رہا ہے۔ چنانچہ اضلاع اورنگ آباد و بیڑ عثمان آباد وغیرہ میں لکڑی کی
قلت نہایت درجہ تکلیف دہ ہو رہی ہے۔

موجودہ صحرائی رقبہ کی حفاظت کا ضامن گزشتہ پچیس سال کا زمانہ ہی ہے۔ چنانچہ اسی عہد میمنت عہد
میں سررشتہ جنگلات نے (RESERVATION OF STATE FOREST.) یعنے محصورہ جات سرکاری کا
اعلان کرنا شروع کیا۔ جو در اصل تحفظ حقوق و فوائد رعایا و سرکار پر مبنی ہے۔ لیکن جب تک ملک کی جانب سے اس کی
طرف توجہ نہ ہو اور ہر شخص اپنے فرائض اور اپنے آنے والی نسلوں کے حقوق سے اچھی طرح باخبر نہ ہو اس میں سرعت مشکل
سے پیدا ہو سکتی ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

ہمارا اپنا چشم دید واقعہ ہے کہ یورپ میں جہاں کا صحرا ہمارے سے کہیں درجہ کم قیمت اور حیثیت کا ہے
وہاں عام پبلک اس کے تحفظ اور اس کی نگہداشت کا اس درجہ خیال رکھتی ہے کہ اس کی مثال ہمارے
ملک میں مشکل سے ملے گی۔

ہم نے دیکھا ہے کہ (PICKNIC.) کرنے والی پارٹیاں
تک جس میں جوان۔ بڈھے۔ مرد و عورت سب ہی شامل ہوتے ہیں
جب کسی جنگل میں ٹھیرتے ہیں۔ تو سگریٹ کی خالی شدہ

ڈبے یک یا سوے کے چھلکے جو بالعموم استعمال کے بعد پھینک دیئے
جاتے ہیں۔ ان کو ماں باپ یا معمر حضرات ایک چھوٹا سا
گڑھا کھود کر دفن کر دیتے ہیں۔ اور بچے ایسا سارا کچرا جو بالعموم ان
پارٹیوں کی وجہ سے ہو جایا کرتا ہے۔ چن چن کر لا کر اس گڑھے میں ڈال دیتے
جاتے ہیں۔ اور جب یہ صاف ہو جاتا ہے تو معمر اشخاص اس گڑھے کو پھر مٹی سے بھر دیا کرتے ہیں۔

اس طرح اس قومی دولت (NATIONAL WEALTH) کے تحفظ میں بچہ بوڑھا سب کے سب ممد و معاون رہتے ہیں۔ اور اپنے عمل سے یہ ثبوت دیتے ہیں کہ ہم ملک کے لئے ہیں۔ ملک ہمارے لئے ہے۔

(NORTH WALES) کے ایک متمول لارڈ صاحب کا (WOOD LAND) اور اس کا انتظام شعبہ جنگلات کے طالب علموں اور وہاں کے پروفیسروں کے مشورہ پر ہوا کرتا ہے۔

نہ وہاں لارڈ صاحب کو کبھی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس قدرتی خزانہ کا روپیہ بنایا جائے اور ستنک و اجازت نامجات حاصل کئے جاکر متاجرین کے حوالہ یہ ملک کی دولت کر دی جائے۔ بلکہ ان کے ہاں قطع و برید فنی و سائنٹیفک اصول پر صرف انہی اشجار کی ہوا کرتی ہے۔ جو اپنے عمر طبعی کو پہونچ جاکر اپنے اپنے جانشین چھوڑ دئے ہوں۔ اس خیال کے تحت انہیں مالی نفع و نقصان کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اور نہ انہیں ایک مقررہ مقدار سے زیادہ نقصان ہی اٹھانا پڑتا ہے۔ چنانچہ اسی جنگل میں سو سو برس کے معمر جھاڑ تنومند آج بھی دیکھ سکتے ہیں۔ جس پر یہ قوم ناز کرتی ہے۔

لیکن ہمارے ہاں کا ایک چھوٹا سا جاگیردار بھی جس کے پاس (۵ - ۶) سو ایکر کا جنگل ہے۔ اس کو اپنی فرصت اول میں بیچ کھاتا ہے۔ نہ اس کو ملکی دولت کا خیال ہے نہ فنی مشورہ سے غرض۔ البتہ سررشتہ جنگلات سے اس کو صرف اتنا تعلق ہے کہ کسی نوع سے اس کو ستنک یعنے علامت ملکیت کا نشان یا وثیقہ قطع و برید مل جائے۔

(NEW FOREST ENGLAND) کے قریب ایک لارڈ صاحب کا انتقال ہوا۔ ان کے ورثہ کے ہاں اس قدر نقد روپیہ یا جائداد نہ تھی کہ وہ گورنمنٹ کو (DEATH DUTY) یا حق مالکانہ ادا کر کے صاحب اسٹیٹ بنتے۔ البتہ ان کے پاس موروثی پرورش کردہ ایک بیش قیمت جنگل موجود تھا جس کا رقمی اندازہ (DEATH DUTY) سے کہیں دوگنا تھا۔ آپ یہ سن کر حیرت کریں گے کہ ایک ایسے تجارتی ملک میں جہاں زندگی کا ہر لمحہ (BUSINESS) اصول پر چلتا ہے۔ ورثہ لارڈ مرحوم نے کیا کیا۔ انھوں نے گورنمنٹ کے سررشتہ جنگلات سے درخواست کی کہ اگر سررشتہ مذکور اس بیش قیمت صحرا کی پرورش عام ملکی مفاد کے خاطر کرنے تیار ہے تو غریب ورثہ لارڈ اس کو اس کی مارکٹ ویالیو پر نہیں بلکہ صرف (DEATH DUTY) کی رقم کے معاوضہ فروخت کرنے تیار ہیں۔ لیکن قطع و برید صحرا انہیں محض مالی منفعت کی غرض مطلوب نہیں۔ یہ ہے ان کا قومی ایثار اور یہ ہے ان کا جذبۂ وطن پرستی۔ اور ہم ہیں کہ اپنی خواہشات زندگی کے لئے اپنے بد اعمالیوں غفلتوں کی بدولت آج رنگون کا (TEAK) اور میسور کا (ROSEWOOD یا SANDAL) کے محتاج ہیں۔

دکن کی نظیر کسی ملک کے باشندوں میں ڈھونڈھے نہ ملے گی
کہ اس درجہ اپنی ذمہ داری فرائض کا بوجھ بھی گورنمنٹ ہی پر

ڈالی ہوئی ہو۔
خدا آباد رکھے سلطنت آصف جاہی کو کیہاں اُن کی یہ
ناز برداری برابر برداشت کی جا رہی ہے۔
اعلیٰحضرت کی نظر کیمیا اثر کے کرشمے جو دکن کی تاریخ میں زرین حرفوں سے
لکھے جائیں گے اور جن پر آنے والی نسلیں فخر و مباحات کریں گی۔ اس کی نہایت ہی مختصر
سی تفصیل ہر شعبہ سلطنت کی پچیس سالہ رپورٹ سنا رہی ہے۔ لیکن یہ ابر کرم کچھ دار السلطنت ہی کے لیے تھا نہ ممالک
محروسہ کی آباد و زرعی بستیوں کے لئے مخصوص بلکہ اس کا باران رحمت جہاں شہروں کی رونق بنا وہاں پرورش صحرا و عافیت
حیوانات کے لئے بھی ایک نوید جانفزا ثابت ہوا۔

جہاں پناہ کو سریر آرائے تخت شاہی ہوئے ابھی کچھ عرصہ نہ ہوا تھا۔ اور ابھی دیگر اہم شعبہ جات حکومت کی
تنظیم کا مسئلہ بھی پیش نظر اعلیٰ تھا کہ اسی ذات جامع الصفات نے آرائش بلدہ کے تخیل کے ساتھ ساتھ بہبودی رعایا کے لئے
پرورش صحرا و عافیت حیوانات کے مدنظر قانون صحرا ۱۳۲۶ ف کے نام سے ایک دستور العمل کارکنان سررشتہ کی رہبری
کے لئے نافذ فرمایا۔

قانون صحرا ۱۳۲۶ ف ہی وہ قانون ہے جو سررشتہ جنگلات کی منظم زندگی کے لئے تاریخ دکن میں سب سے پہلے جدید حالات کے
تحت ترقی یافتہ ممالک کے اصول پر جاری فرمایا گیا۔ خسرو دکن کی یہ دور اندیشی پالیسی زبان حال سے اس کی صداقت دے رہی ہے کہ۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

اور پھر جب کہ اس ادارہ کے قواعد و ضوابط منضبط فرما دئے گئے تو اس سررشتہ کی تنظیم بھی ہمسایہ حکومتوں کے برابر
اسی اسٹیٹس (STATES) پر قایم کی گئی۔ چنانچہ (62,07,000) ایکڑ رقبہ صحرائی کے تحفظ کے لئے ایک کنسرویٹر کے
بجائے دو کنسرویٹر علی الترتیب اضلاع مرہٹواڑی و تلنگانہ کے لئے مقرر ہوے۔ اور اس مشنری کی اعلیٰ روانی و انتظام کے لئے
انسپکٹر جنرل کا عہدہ برٹش انڈیا کے مماثل یہاں بھی قایم ہوا۔ جو اس سررشتہ کی ترقی فلاح و بہبود کا واحد ذمہ دار گردانا گیا۔
جس پر ابتداً برٹش انڈیا کے ایک وظیفہ خوار اعلیٰ عہدہ دار جنگلات کی خدمات ملکی افراد کی تعلیم و تربیت اور فنی واقفیت کی
مدت تک ایک محدود وقت کے لئے عارضی حاصل کی گئیں۔ اس اثناء میں ملکی افراد ہی میں سے ایک ایسے عہدہ دار کا انتخاب
جو تعلیم یافتہ یورپ بھی تھا اس غرض کے لئے کیا گیا۔ اور پھر اس کو سررشتہ کی ضروریات اور عملی تجربہ کے لئے ڈیرہ دون بھیجا گیا۔ اس
تعلیم و ٹریننگ کے اختتام پر اس کو ناظم جنگلات کے ساتھ ایک عرصہ تک رکھکر فنی و انتظامی کاموں کا جب ماہر بنا دیا گیا اور
خود ناظم جنگلات وقت نے اس کو اپنی جانشینی کے موزوں و اہل پاکر گزارش پیش کی تو حسبہ ایک ملکی شخص کو یہ ذمہ دار
خدمت پر مامور کیا جانے فرمان مبارک صادر فرمایا گیا۔ اور جب سررشتہ کی اعلیٰ خدمت کو ملک
ہی کے لئے محفوظ فرما دیا گیا تو پھر اگزیکیٹو اسٹاف کی طرف توجہ عالی منعطف
ہوئی۔ اور ملک کے موزوں اشخاص کو منتخب کیا جا کر بہ عطائے وظائف
و امداد ممالک غیر میں اعلیٰ تعلیم و تجربہ حاصل کرنے کے لئے بھیجے

بعد دیگرے بھیجا جانے لگا۔
چنانچہ سررشتہ جنگلات میں اس وقت اعلیٰ تعلیم یافتہ یورپ
(۱۲) اصحاب موجود ہیں۔ اور بقیہ معدودے چند ہیں نے اسکول کے اب بھی
باقی رہ گئے ہیں۔

سلطان العلوم کی یہ علم پروری کچھ اعلیٰ خدمات کی حد تک ہی نہ تھی۔ بلکہ تمام ذیلی خدمات بھی اس سررشتہ کے فن داں اشخاص کے لئے مختص کئے گئے۔ اور بذریعہ عام انتخاب ملک کا ہر فرد بشر اس میں داخل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ طبقہ اسناد جنگلات میں منجملہ (۶۸) کے اب اس وقت (۳۰) کامیاب امتحان کو نسور ملکی افراد ہی خدمت صحرا میں منہمک ہیں۔

نہ صرف یہ ہی بلکہ خدمت چوکیداری جو اس سررشتہ میں آخری خدمت ہے وہ بھی تعلیم یافتہ افراد سے معمور کی جاتی ہے۔ اور ان کی ٹریننگ کے لئے ایک مدرسہ اسی دور حکومت میں محبوب آباد میں قایم ہوا۔ اور اسی طرح سررشتہ کی اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ خدمت حسب فرائض تعلیم یافتہ ملکی افراد پر مشتمل ہو گئی ہے۔

اور ہم رعایا حیدر آباد اس پر بجا ناز کر سکتے ہیں۔ کہ ہمارے ملک کے اس شعبہ حکومت کا معیار قابلیت و کار کردگی مدیروں کے تجربہ کار اور تعلیم یافتہ برٹش انڈین فارسٹ سروس سے کسی درجہ کم نہیں۔ اور یہ سب کچھ اس دور عثمانی کی برکات ہیں کہ اس کی ساری ترقی کی ضامن ذات شاہانہ کی وہ دور اندیش پالیسی رہی ہے۔ جس کو آج سے پچیس سال قبل ہماری فلاح و بہبود کے لئے مدون فرمایا گیا تھا۔

الغرض گورنمنٹ ہر طرح و ہر آئینہ ہماری امداد کرنے اور ہماری معاشی اور اقتصادی صلاح و فلاح کے لئے بے دریغ رقم صرف کر کے صحرا کی پرورش فرما رہی ہے۔ اب یہ ہمارا اپنا فرض ہے کہ نوازش شاہانہ پر بصد جان و دل شکرگزار رہکر اس سررشتہ کی کامیابی اور دولت ملکی کی بقا میں ممد و معاون رہیں۔ اور اعلیٰحضرت میر عثمان علی خاں بہادر تاجدار دکن اور ان کے شہزادگان بلند اقبال و شہزادیان فرخ فال کی درازی عمر و اقبال میں ہمہ تن بدعا ہیں۔

اوزان و پیمانہ جات

پہلے حیدر آباد میں اوزان و پیمانہ جات کی حالت بہت ناگفتہ بہ تھی۔ مختلف علاقوں میں علحدہ علحدہ پیمانہ و تول رائج تھا جو جس طرح چاہے اس کا عامل تھا۔ اس طرح ناجائز عمل سے پیشہ ور لوگ حسب منشاء نامناسب فائدہ حاصل کر رہے تھے۔ اضلاع۔ تعلقات۔ سمستان۔ جاگیرات ہر جگہ ایک نیا ناپ تول تھا۔ جس سے متعلق عام رعایا و شاکی تھی۔ عہد ہمایوں میں رعایا کی اس واجبی و بیجا و شکایت کی داد رسی کی گئی کہ اس بدعنوانی کا قطعی سدباب کر دیا گیا۔ اور ایک قانون اوزان و پیمانہ جات مرتب کر کے ۱۳۲۴ف سے اوس کی تعمیل لازمی گردانی گئی۔ پولیس کی معقول نگرانی سے بفضلہ اب ممالک محروسہ سرکار عالی کے اوزان و پیمانہ جات کا ناپ بہ لحاظ نرخ ایک ہے۔ اس کی ذرا بھی خلاف ورزی کرنے والا فوری قابل تعزیر
جرم ہو جاتا ہے۔ اب اس کا نام و نمود بھی باقی نہیں رہا۔ نفاذ قانون سے
اب تک تقریباً (۳۱۰۰۰) ہزار روپیہ سنہ اید کے اوزان و پیمانہ جات
فروخت ہو چکے ہیں۔ فقط

فری میسن لاج

دار السلطنت حیدرآباد میں فری میسن وری تقریباً دو سو سال سے قائم ہے اسوقت اسکاٹش و انگلش دونوں کانسٹیٹوشن کام کر رہے ہیں، ۱۱ رجون ۱۹۲۲ء میں یہ لاج حیدرآباد لاج کے نام سے قائم ہوا تھا اس لاج کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے تمام کاروبار اردو زبان میں ہوتے ہیں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے تمام ہندوستان میں ملکی زبان کی واحد لاج ہے دنیا میں جسقدر لاجیں ہیں وہ اپنی زبان لاج یعنے انگریزی میں اسکو انجام دیرہے ہیں لیکن صرف حیدرآباد کو یہ فخر حاصل ہے کے اوس نے اس پُر اسرار محفل کے کاروبار کو اردو زبان میں منتقل کر لیا جسکی نظیر دنیا میں نہیں۔ دنیا میں جسقدر لاج ہیں اونکے منجملہ صرف دو ملک یعنے مصر میں عربی زبان میں اور حیدرآباد میں اردو زبانیں اسکا رواج ایک خصوصی تاریخی اہمیت رکہتا ہے۔

اسکاٹش کانسٹیٹوشن کے تحت یہ خصوصیت سارے ہندوستان میں صرف حیدرآباد ہی کو حاصل ہے اس محفل میں برادری کی تعداد ایکسو سے زیادہ ہے جنکے پاسٹ ماسٹر ونکے چند اسمار حسب ذیل ہیں۔

(۱) نواب لطف الدولہ بہادر (۲) نواب معین الدولہ بہادر (۳) نواب وحید الدینخان بہادر (۴) رائٹ آنرایبل سر اکبر حیدر نواز جنگ بہادر (۵) مولوی سید محمد حسن صاحب بلگرامی (۶) نواب سراج ین جنگ بہادر (۷) نواب شیر جنگ بہادر (۸) نواب عنایت جنگ بہادر (۹) ہزاکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت (۱۰) نواب مہدی یار جنگ بہادر وغیرہ۔

حیدرآباد۔ سورینڈ دکن لاجس کی استدعا پر اعلیحضرت بندگانعالی نے دس ہزار (۱۰۰۰۰) روپیہ کی نقد امداد کیساتھ بارہ دری واقع گوشہ محل کی ہتم بالشان قدیم تاریخی قیمتی عمارت کو اس لاج کیلئے عطا فرمایا اسکے افتتاح کیوقت تمام فری میسنوں کی خواہش پر حضور پر نور نے بہ نفس نفیس تشریف فرما ہوکر اسکے افتتاح کی رسم ادا فرمائی اعلیحضرت کے اس رسم کی ادائی کا شکریہ ادا کرنے کیلئے صدر فری میسن بمبئی سر مل جی نرین اور صدر اعلی صدر سرآرچی بولڈ کیمبل اوسوقت موجود تھے ان دونوں صدروں نے سہ برادری کے حضرت اقدس و اعلی کی اعانت و امداد و عطائے عمارت شاہی و دست خاص سے رسم افتتاح کی ادائی کا بطیب خاطر شکریہ ادا کیا اور ایثار شاہانہ کے معترف ہوئے کیونکہ اعلیحضرت خود فری میسن نہ ہونے کے باوجود اس لاج کی غیر معمولی اعانت کیساتھ فری میسنوں کے خواہشات کی تکمیل کو جو شرف قبولیت بخشا وہ دنیا میں آپ اپنی نظیر ہے اگر حضرت اقدس و اعلی خود فری میسن ہوکر اسطرح کا ایثار فرماتے تو کوئی ایسی خصوصیت کی بات نہ ہوتی یہی ایک مسئلہ فری میسن برادران اور عوام کو اعلیحضرت کے قابل قدر کارناموں کا معترف اور شیدا بناتا ہے۔

صدر محفل | محفل حیدرآباد کے صدر نواب سید محمد مظفر خان بہادر۔ نواب جہانگیر یار جنگ مرحوم اتالیق شہزادگان والاشان کے بڑے فرزند ہیں۔ نواب جہانگیر یار جنگ مرحوم نواب رکن الملک خان دوران مرحوم کے بھتیجے اور داماد تھے۔ صدر محفل بی۔ اے تک علیگڈہ میں تعلیم پاکر بعد کامیابی مزید تحصیل علم کیلئے انگلستان گئے مینچسٹر میں (۵) سال تک زیر تعلیم رہے بعد فراغ تعلیم وطن واپس آنے کے بعد فوری ملک و مالک کی خدمات سے وابستہ ہوئے اسوقت نواب صاحب موصوف طبقہ جاگیرداران کی جانب سے مجلس بلدیہ کے رکن بھی ہیں پہلی مرتبہ جبوقت اعلیحضرت بندگانعالی علیگڈہ کالج میں تشریف فرما ہوئے تھے اوسوقت طلبائے حیدرآباد کی جانب سے آپ ہی نے بارگاہ خسروی میں ایڈریس پیش کیا تھا نواب صاحب موصوف ملک کی قابل ہستی ہیں طبیعت متین مزاج خوش اخلاق ہے بہلو متانت رفیقانہ ہمدردی علم سے شغف اور اہل علم سے خالص خلوص رکہتے ہیں منکسر المزاج اور ایثار کا مادہ قدرتاً آپ میں ودیعت ہے مدنی الطبع آپ بڑے نیک واقع ہوئے ہیں فقط۔

مرتبہ محمد فاضل

ٹاؤن ہال سرکار عالی (متروعہ نظام)

گذر حفاظا (متروعہ کرنیجی)

جاگیردار کالج زیر تعمیر بیگم پیٹ

مجوزیہ گرلز اسکول

فری میسن لاج (متروعہ گوشہ محل)

عثمان ساگر کے کنارہ جہت کا
فرحت بخش منظر

عہدہ داران سرکار عالی

نواب احمد علی خان بہادر صوبہ دار صوبہ میدک

مولوی ہدایت محی الدین صاحب ناظم اول عدالت دیوانی بلدہ

نواب سعید یار جنگ بہادر

نواب کرنل سید علی رضا صاحب

حیدرآباد پرنٹنگ ورکس

مضمون نگاران

مولوی سید محمد صاحب مددگار سٹی کالج

مولوی سید محمد ہادی صاحب
ناظم محکمہ ورزش جسمانی سرکار عالی

مولوی حکیم شفا صاحب (مرتب تذکرہ اطبائے عثمانی)

اس کو قوانین شرعیہ کی مخالفت سے پہلے قوانین سلطنت
و نوامیس طبیعت کی مزاحمت پر کمر ہمت باندھنی چاہیے
قانون سلطنت کی مخالفت اسکو خوب پٹواکر اور قید سخت میں ڈال کر رکھیگی
آنکھوں سے اس بدتمیزی کا پردہ اٹھادیگی اور ناموس طبیعت کی مزاحمت
اُسے پانی میں ڈبو کر مار ڈالیگی یا آگ میں جلاکر پھونک دیگی یقین رکھو کہ وہ قوانین شرعیہ کی

مخالفت کریگا تو خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ۔ کا مصداق ہوجائیگا۔ ہر شئے کی ایک حقیقت ہے اور ہر حقیقت کے جدا آثار۔ ہر مرتبہ کا ایک حکم ہے اور مستحق کو اس کا حق نہ دینا ظلم۔ ظلم ظلمت ہے۔ اور تعدی ضلالت۔ ع

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد　　گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی　　(جامی علیہ الرحمۃ)

غیریت محضہ

اکیا بیچارے ممکن کو امکان ہے کہ ذات وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ کے مقابل اپنی ہستی کا دعویٰ کرے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اتنا بڑا جرم! اتنی بڑی جرأت؟ شرک! شرک!! شرک!!!
کیا کسی باطل کو یارا ہے کہ حق کے سامنے کسی کمال کا ادعا کرے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اس قدر جہالت اور مایہ ضلالت؟ ظلم! ظلم!! ظلم!!! لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ اے نیست ہست نما۔ اپنے گریبان میں سر ڈال کر دیکھ تو کہ تیرا حقیقۃً کچھ پتہ بھی ہے ع

ہے عجب رہ حقیقت کہ نہیں نشان خلقت
یہ کہاں مجال باطل کہ وہاں دو چار ہوتا　　(حسرت حیدرآبادی)

کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ اَصْدَقُ کَلِمَۃٍ قَالَھَا الْعَرَبُ قَوْلُ لَبِیْدٍ اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہُ بَاطِلٌ۔

زعم باطل کی تجھ کو مستی کب تک　　ناداں یہ ادعائے ہستی کب تک
تو بھی موجود اور حق بھی موجود　　ظالم یہ شرک خود پرستی کب تک　　(حسرت حیدرآبادی)

غیریت حقیقی وعینیت اعتباری

جس صاحب فن سے پوچھو کہ تمہارا کمال کس امر میں ہے تو وہ کبھی نہ کہے گا کہ جہل مرکب اور خلاف واقعہ جاننے میں ہے۔ قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔
کس قدر تعجب کی بات ہے کہ بعض حضرات کے پاس کمال ہے تو جہل مرکب میں۔ کیا کیا فضیتیں کیں۔ کیسی کیسی محنتیں اٹھائیں قرب فنا کے لیئے۔ اس میں کیا ہوا؟ ایک غلط خیال پیدا ہوا۔ ایک جہل مرکب جائے گیر ہوا۔
یعنی لوہا آگ کے قرب کی وجہ سے اَنَا النَّار چلا اٹھا۔ وہ سمجھتے ہیں۔ لوہا لاکھ گرم
ہوکر سرخ انگارا ہوجائے۔ ہاتھ کو جلاکر خاک سیاہ بنائے۔ گر ہے
لوہا ہی۔ چاند بدر کامل بنکر ہزار چمک دمک دکھلائے گر ہے
وہی تاریک جرم کا۔ ممکن واجب کے قرب کی وجہ سے

خود اپنی آنکھوں سے چھپ جائے اور انا الحق چلا اٹھے۔
مگر ممکن واجب نہیں ہو سکتا۔ بندہ خدا نہیں ہو سکتا۔ ممکن
پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے۔ مگر کوئی غور کر کے جواب دے۔ وہ پہلے ہی کیا
تھا؟ عدم۔ عدم پایا جائے تو۔ نابود بود ہو جائے۔ انقلاب ماہیت ہو جائے
ممکن موجود ہو تو وجود میں خدا کا شریک ہو۔ اللہ اکبر۔

وجود اشرف صفات ہے۔ جب اس میں شرک کیا اور دوسرے امور میں شرک سے احتراز تو اس سے کیا حاصل؟
بارش سے بھاگ کر میزاب کے نیچے پناہ لی تو کیا فائدہ؟ بچھو سے ڈر کر سانپ سے ڈسوایا تو کیا کوئی عاقلانہ کام کیا؟
لاحول ولا قوۃ تو کہا مگر الحمد للہ رب العالمین نہ پڑھا تو کیا نماز ہوئی۔ توبہ۔ توبہ ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

عینیت وجودی
غیریت علمی

آخر یہ ہے کیا معمّٰی؟ عینیت میں زندقہ۔ غیریت میں شرک۔ ایک طرف بداہت کا انکار
اور شریعت کی مخالفت۔ ایک طرف عقل سلیم کا خلاف اور ایمان سے مباینت۔ ایک طرف
کھائی، ایک طرف خندق۔

بات یہ ہے کہ وجود حقیقی جزی حقیقی ہے۔ ناقابل تکثر ہے۔ اس کے مقابل کوئی شئے نہیں۔ اگر کوئی شئے ہو سکتی ہے
تو عدم محض۔ نیستی بحت۔ اور سلب بسیط۔ سلب بسیط اور ہونا؟ وہ سلب بسیط ہی کیا ہوا؟ سلب بسیط تو اسم بلا مسمّٰی ہے
مفہوم بلا مصداق ہے۔ وجود ہی سب کچھ ہے۔ کوئی شئے دائرہ وجود سے خارج نہیں۔ وہی ذات ہے وہی موجود ہے
وہی نور ہے۔ وہی حیات ہے۔ وہی علم ہے۔ قدیم اور بالذات موجود ہے۔ ذات وجود یا وجود بسیط ہونے کے تمام
صفات متضادہ کا منشاء ہے۔ بعد انتزاع علم میں کثرت ہے اور اس کا منتزع عنہ محض وحدت ہے۔

دیکھو دائرہ ایک بسیط شکل ہے۔ اس سے نقطہ، محیط، قطر، قوس وغیرہ انتزاع کئے جاتے ہیں۔ نقطہ کو نہ طول ہے نہ عرض۔
قطر کو طول ہے، عرض نہیں محیط قطر سے ۳ ۱/۷ حصے بڑا ہے۔ ذرا غور کرو کہ ایک بسیط شکل سے کتنے مختلف الاحکام امور انتزاع
کیے گئے ہیں ؎

دائرے سے منتزع ہیں مرکز و قطر و محیط
شانِ وحدت سے ہوئی ہے شانِ کثرت آشکار

حسرت حیدرآبادی

کیا یہ انتزاعی امور غلط ہیں؟ ہرگز نہیں۔ کیا یہ جہل مرکب۔ من گھڑت اور اختراعی امور ہیں؟ کبھی نہیں۔ کیا یہ ہمارے اعتبار کے تابع
اور ہمارے خیال پر منحصر ہیں؟ کیا ہم قطر کو محیط سے بڑا خیال کر سکتے ہیں؟ کیا محیط کو خط مستقیم سمجھ سکتے ہیں؟ اور نقطہ کو تقسیم کر سکتے
ہیں؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ منشاء ہی صحت و سقم۔ حق و باطل۔ صدق و کذب کا معیار ہے۔ گو منشاء واحد محض ہے۔ مگر اس میں
مختلف الاحکام امور کے انتزاع کی قابلیت ہے اسی طرح وجود حقیقی سے حیات و علم و قدرت انتزاع ہوئے
ہیں۔ یہ صفات منشاء کے لحاظ سے عین ذات ہیں۔ اور انتزاعی ہونے کے اعتبار سے

غیر ذات اور باہم بھی غیر۔
علم حق میں کیا شئے نہیں؟ سب کچھ ہے۔ کوئی حقیقت،

نہیں ہوں ؟ کیوں نہیں ! کیا ان کی بقا کے لیے میری سلسل
توجہ کی ضرورت نہیں ؟ بے شک ہے ۔ اگر میں سو جاؤں تو کیا ہوگا ؟
آدمی نیست و نابود ۔ گھوڑا مفقود ۔ کیا ان کے فعل ، ان کی صفت ، ان کی
ذات میں سے کوئی بھی بالذات حقیقی ہے ؟ خیالی پتلے کی کونسی چیز اصلی و بالذات ہوتی

ہے ؟ کوئی نہیں ۔ وجود ہے تو بالذات میرا ہے ۔ حیات ہے تو میری ۔ علم ہے تو میرا ۔ قدرت ہے تو میری اور
یہ تمام کھیل میرا اور میرے علم کا ہے ۔ کیا گھوڑا دوڑتا ہے تو میں دوڑتا ہوں ؟ کیا گھوڑا گھاس کھاتا ہے تو میں گھاس کھاتا ہوں ؟
لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ ۔ میں ہی تو بیٹھا سارا کھیل کھیل رہا ہوں ۔ میں اور گھوڑا اور اس کے صفات ؟ گھوڑا میرا ادنیٰ کرشمہ
ہے ۔ چاہوں تو اس کو خیال میں پیدا کروں ۔ چاہوں تو اس کو نیست و نابود کر دوں ۔ یہ کثرتِ خیال کس سے قائم ہے ؟ مجھ سے ۔
تو کیا میں کثیر ہوں ؟ نہیں ۔ میرے معلومات کثیر ہیں ۔ مَیں تو محمد عبد القدیر صدیقی ہوں اور ذاتِ واحد ہوں ۔ کیا کثرتِ معلومات سے
میری وحدتِ ذاتی میں کوئی فرق آ سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں ۔ خیالات میں تغیر و تبدل ہوتا ہے اور میں اور میرے صفاتِ ذاتیہ
جوں کے توں رہتے ہیں ۔ ؎

سیکڑوں شکلیں بنائیں اور مٹا ڈالا انہیں
مشغلہ اچھا ملا ہے جی بہلنے کے لیے
حسرت حیدرآبادی

اس امر پر بھی خوب غور کرو کہ خواب و تخیل میں تمہاری خیالی صورتوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا ۔ گر خواب میں بسا اوقات تم نے خود
کو بھی دیکھا اور اپنے دوستوں کو بھی ۔ اپنے دشمنوں کو بھی ۔ باہر سے تو تمہارا دوست یا دشمن تمہارے دل و دماغ میں نہیں آگھسا ؟ اصل یہ ہے
کہ جس خیال کو غیریت کے اعتبار سے ملاحظہ کرو وہ غیر ہوگا ۔ جس خیال کو محبت کے لحاظ سے دیکھو تو وہ دوست ہوگا ۔ عینیت کے خیال
سے تو عین ۔

اسی طرح یہ حقائق و اعیانِ ممکنات اپنے صفات کے مرجع اور ذوات ہیں ۔ یہ ذوات و حقائق و اعیان معلوماتِ واجب اور
قائم بذاتِ حق ہیں ۔ سمجھے نہیں اور علم میں دو چیزیں ہیں : (۱) ذاتِ حق (۲) ذواتِ ممکن واقع ، منشاء و خارج میں بالذات
ایک ہی ایک ذات ہے ۔ وہی وجود ہے وہی موجود ہے ، وہی شاہد ہے وہی مشہود ہے ۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ
وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ مُحِيْطٌ ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ ؎

اک وہم خودی ہے جس پہ مغرور ہے تو — جویا جس کا ہے اس سے کب دور ہے تو
اُٹھ جائے اگر بعدِ خیالی کا حجاب — آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں وہ حور ہے تو
حسرت حیدرآبادی

ریگِ روشن کا ایک دھوکا ہوں میں — خورشیدِ جہاں تاب کا دھبا ہوں میں
مَیں ہوں بھی سہی اور نہیں ہوں بھی سہی — حسرت بخدا عجب تماشا ہوں میں
(حسرت حیدرآبادی)

مرتبہ محمد فاضل

از ابن مظہر مولوی معین الدین صاحب رہبر فاروقی (منشی فاضل)

آج سے ایک عرصہ قبل مہاراجہ چندو لعل بہادر شاداں بیکنٹھ باشی کے دو اُردو دیوان ہزاکسلنسی یمین السلطنة راجۂ راجایان سر مہاراجہ کشن پرشاد بہادر شاد (ظلہ) پیشکار و صدر اعظم باب حکومت دولت آصفیہ کے ایک دلچسپ مقدمہ کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ ہو کر ملک کے سامنے پیش ہو چکے تھے، جب کہ ملک میں اس قدر علمی سرگرمیوں کا فقدان تھا۔ اور آج تقریباً ہمارا جدید تعلیم یافتہ طبقہ "مہاراجہ بیکنٹھ باشی" کے نام نامی کو بہ حیثیت ایک شاعر کے بہت کم جانتا ہوگا۔ اور یہ کوئی تعجب نہیں، اس لیے کہ دواوین اس وقت "نادر الطبع" (Out of print) کی سی حیثیت رکھتے ہیں اور آسانی سے ان کا دستیاب ہونا بھی مشکل ہے۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ کم از کم ملک کے سامنے ان کی شاعری سے متعلق ایک اجمالی خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ "مہاراجہ شاداں" کا یہ بے تصنع علمی کارنامہ چھپے چھپے اپنے گہرے ارتسامات سے، اُن کے دلوں کو متاثر و محظوظ کر کے اُن کی ذہنی قوتوں کو جاگر کر سکے۔ چناں چہ راقم الحروف نے اس موضوع پر تفصیلی کام تیار کر رکھا ہے، اور اپنی امکانی کوششیں صرف کر کے "ہزار تلاش و جستجو کے بعد" مہاراجہ آنجہانی" کا اردو غیر مطبوعہ کلام بھی جو کئی سو اشعار و متعدد غزلوں پر مشتمل ہے، حاصل کیا ہے۔ یہ سب کلام اور اُن کے حالات "مہاراجہ چندو لعل اور اُن کا اردو غیر مطبوعہ کلام" کے عنوان سے ایک بسیط مقالہ کی صورت میں زیر طبع ہے۔ جس کا صرف شاعری والا حصہ اس وقت پیش ہے۔

"مہاراجہ" اگر ایک طرف فارسی زبان کے شاعر اور ایک زبردست انشا پرداز و بے نظیر منشی ہیں تو اُردو شعراء کی مجلس میں بھی ایک مخصوص حیثیت سے جلوہ گر ہیں۔ آپ نے ریختہ اور فارسی دونوں میں شاداںؔ تخلص اختیار فرمایا تھا۔

راجہ چندو لعل کے کلام اور ان کی شاعری یا کلام کی غایت کے متعلق میں کچھ اظہار رائے کرنے سے پہلے یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ حضرت شاداںؔ کے نواسے حضرت شادؔ مدظلہٗ کے اس دیباچہ کی آغازی سطریں نقل کروں جو آپ نے "کلیاتِ شاداںؔ" میں محض اظہارِ حقیقت کے طور پر تحریر فرمائی ہیں۔

"اللہ سبحانہٗ کا شکر ہے کہ میرے جدِ اعلیٰ مرحوم مہاراجہ چندو لعل شاداںؔ وزیرِ اعظم سلطنتِ آصفیہ کا کلام اُردو طبع ہو کر آج شائع ہوا۔ اگرچہ ان کے اور کارناموں کے سامنے جو یادگارِ زمانہ ہیں، یہ شاعری کوئی وقعت نہیں رکھتی اور نہ اس کی حاجت ہے کہ مہاراجہ چندو لعل کا نام نامی بحیثیت ایک شاعر کے، ملک کے روبرو پیش کیا جائے۔"

"لیکن اشاعتِ کلام سے اتنا فائدہ ضرور ہے کہ ان کے مذاقِ طبیعت سے جو لوگ ناواقف ہیں، وہ واقف ہو جائیں گے اور جان لیں گے کہ تکملۂ سخن کے جرعہ نوشوں میں مہاراجہ چندو لعل کس رنگ سے شامل ہوئے تھے۔ مہذا مجھ پر فرض تھا کہ میں اپنے جدِ مغفور کے کلام کی قدر کروں، میرا قدر کرنا یہی ہے کہ تقریباً ایک صدی اُدھر کی گویائی کو، جو مُردوں میں شامل تھی، میں آج نئے سرے سے زندہ کرتا ہوں، اور اس کو اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔"

یہ کلیات جو زیورِ طبع سے مزین ہو کر ملک کی نگاہوں میں جلوہ گر ہوا ہے۔ اصلی خیالات و جذبات کا درحقیقت ایک آئینہ ہے جو مہاراج کے مرکزاتِ دلی اور اغراضِ زندگی کو صاف طور سے ظاہر کرتا ہے۔ شاعرانہ محاسن، فصاحت و بلاغت پر ان کی نظر نہ تھی، مقصود محض اپنی ذاتی مذاقِ طبیعت کو ظاہر کرنا تھا۔ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے خیالات کو بہت سادہ طور سے موزوں کر دیا ہے، جو دل میں تھا وہ زبان پر آ گیا۔ الفاظ کیسے ہی ہوں، بندش چست ہو یا نہ ہو، مگر مرکوزِ خاطر ادا ہو جائے، یہی ان کی شاعری کی غایت ہے۔"

لہ چندو لعل بہادر ۱۱۸۵ھ کو برہان پور میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۱۲ھ میں "راجہ بہادر" کا خطاب عطا ہوا۔ ۱۲۲۳ھ میں جمعیت پائیگاہ شمس الامرائی کے عہدۂ پیشکاری سے کشنر کروڑگیری کے عہدہ پر فائز کیے گئے۔ ۲۲ صفر ۱۲۲۱ھ کو سکندر جاہ بہادر نے پیش کاری کے عہدہ پر مامور فرمایا۔ ۱۲۳۵ھ میں "مہاراجہ" کا اور ۱۲۳۳ھ میں "راجۂ راجایان" کا خطاب مرحمت ہوا۔ ۱۲۳۸ھ میں منیر الملک بہادر کے انتقال کے بعد "وزارتِ عظمیٰ" سے امتیاز پائے۔ ۱۱ شعبان ۱۲۵۹ھ کو وزارت سے مستعفی ہوئے اس کے ایک سال بعد ۱۲۶۱ھ میں ۲۰ ربیع الثانی سہ شنبہ کو (۸۶) برس کی عمر میں انتقال کیا۔
"سنی وا آتا گیا دنیا سے اب ہائے" مادہ تاریخِ وفات ہے۔

مرتبہ نقل

مہاراجہ چندولعل بہادر نے خود اپنی شاعری کے متعلق ایک
مقطع میں فرمایا ہے ؎

ہمارا رہنما شاداںؔ سنا ہے تم نے حافظ ہے
ہمیں خطرہ ہی کب رستہ میں رہزن ہو تو رہزن ہو

آپ کو لسان الغیب حضرت حافظؒ کا رنگ تغزل بے حد پسند تھا۔ فارسی دیوان میں آپ نے ان کی
تتبع میں کئی غزلیں کہی ہیں۔

آپ کا یہ عقیدتمندانہ شعر ملاحظہ ہو کس طرح کہا ہے ؎

بندہ ہوں دل و جان سے میں اپنے صنم کا
سایہ ہے میرے سر پہ تو اس ہی کے قدم کا

جاہ و ثروت کے باوجود "لکھ داتا" کا انکسار اور جناب رب العزت میں یہ دعا کرنا کہ ؎

بے تکبر برا اگر سمجھو یا الٰہی نہ دے غرور ہمیں

کس قدر بے نفسی اور انکسار طبعی کو ظاہر کرتا ہے۔ آپ اپنے لئے دعا کرنے کے بعد دوسروں کو بھی اس کی نصیحت یوں کرتے ہیں ؎

تکبر اور رعونت دور کر دے کہ جتنا لطف ہے سو ہے کرم میں

دیکھئے! مہاراجہ نے قناعت کے مضمون کو کس ڈھنگ سے ادا کیا ہے ؎

پاؤں پر تیرے قناعت کی لگی ہے مہندی
تو جو کہتا ہے مجھے اور تو میں جاؤں کہاں

مہاراجہ چندولعل نے دنیا میں اپنی قوت بازو سے ایک اعلیٰ مرتبہ پایا اور ہزاروں دقتیں و مشقتیں اٹھا کر علم و ہنر حاصل کیا تھا، اس لیے وہ چاہتے تھے کہ ہر ایک شخص اسی جادہ پر چلے جس پر کہ ابھی ابھی وہ گامزن ہو چکے تھے اس لیے کس حقیقت آمیز سچی تشبیہ سے اس ترقی کے رمز سے آگاہ کیا ہے ؎

تو بتدل اپنے کو نہ کر چھوڑ کے گن کو
بے کار پڑا رہتا ہے، لکڑا جو ہو گھن کا

"لکڑا" یعنی لکڑی کا شہتیر وغیرہ۔ مطلب یہ کہ کیسی ہی عمدہ لکڑی ہو، اس کو بے کار زمین پر ڈال دیا جائے تو پڑے پڑے گرد و غبار سے خراب ہونے کے علاوہ اُسے گھن اور دیمک لگ جائیگی، بالکل ناقص ہو کر کسی کام نہ آئیگی۔ اسی طرح انسان کے بیکار رہنے سے اس کے قوئے عملی معطل و بے حس ہو جائینگے، وہ بھی گھن لگی ہوئی لکڑی کی طرح دنیا میں کسی کام کا باقی نہ رہیگا ؎

دکھانا دل کا بری بات ہے سُن اے شاداں
نہ کہہ وہ بات کہ ہووے کسی کا من ٹھنڈا

لہ جب نواب حضرت آصف جاہ اول نے میرزا عبدالقادر بیدل کو طلب فرمایا تو میرزا نے بھی عذر کرتے ہوئے اس کے جواب میں یہ شعر لکھ کر روانہ کیا تھا ؎

من بہ تمام خانۂ قناعت بپائے خویش دنیا اگر دہند نہ جنبم ز جائے خویش

موجودہ رسم الخط میں "دکھانا" کا اظہار واؤ سے نہیں ہے
مروت والے مہاراج کے نزدیک دنیا میں سب سے بڑا
گناہ کسی کی دل شکنی کرنا تھا۔ کسی شخص کا کلام اس کے کردار و
جذبات کا آئینہ ہوتا ہے، جس میں بلا کسی حجاب کے شاعر کی سیرت و اخلاق
کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کس قدر انسانی قلوب کی دلجوئی
منظور تھی۔
دنیا کے حیلہ جو، اور نکمّے لوگوں کو دعوتِ عمل دیتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

جو ہے پرونا تو ہی پرو لے "اگر مگر" کو نکال جی سے
یہ چھوڑ دے یار اپنے دل سے، اگر پرویا مگر پرویا

ہمارے راجہ کو تزکیۂ نفس کا بڑا خیال تھا، اور ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ وہ جس جامۂ ہستی میں جن جن صفات کے ساتھ پیدا ہوئے تھے، ان کا اقتضا یہی تھا۔ صوفیائے کرام کی نظر میں "اُمّ الخبائث" نفس امّارہ ہوتا ہے، مہاراجہ ایک صوفی مشرب ہونے کی حیثیت سے اس بھید سے واقف تھے، اس لیے فرماتے ہیں ؎

جو سرکشی میں ہے مشہور نفسِ امّارہ — ترے ہی لطف سے اس پر ملے ظفر یارا

بے موقع بات کرنے والے کے متعلق کہا ہے ؎

مرغ بے ہنگام کو کرتے ہیں قتل — بات ہوتی ہے بھلی ہنگام پر

دنیا کے بدخصلت، اور بد معاش لوگوں سے بچنے کے لیے کس عمدہ پیرایہ میں تاکید کی ہے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے ؎

ماہی ہو اگر گندی تو باہی کرے گندہ — مجلس میں نہ رکھے اُسے جو ہووے شر رنگ

مہاراجہ کا رنگ تصوف دیکھیے ؎ (رباعی)

ترے ہی رنگ میں یکسر رنگا ہوں — اے صاحب! بُرا ہوں یا بھلا ہوں
ہزاروں رنگ تیرے دیکھتا ہوں — نہ کر تو دُور، تیرا آشنا ہوں

ذاتِ باری کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے استفسار فرماتے ہیں ؎

نور تھا، یا شعلہ تھا، یا برق یا خورشید تھا
کچھ تو اے موسیٰ کہو کیا تھا وہ جلوہ طور کا؟

مہاراجہ کا عقیدہ دیکھیے فرماتے ہیں ؎

کرتا ہے کوئی خیر تو ایمان کے باعث — ایمان ملا اس کو یہ قرآن کے باعث
ایمان دیا جان بھی دی کیوں نہ ہوں ممنون — انسان ہوئے ہم ترے احسان کے باعث

عدم آباد جانے والوں کے ساتھ دیکھیے کیسی خوش مذاقی
کی ہے ؎

یہ بھی کوئی شوہر پن ہے کہ شوہر کے پاس ہوشمند دولت ہو اور
بائیسکل تک ہوگر لوگ اور نگاہیاں اُس کی عزت دل سے نہ کرتے
ہوں اور صرف اُس سے منھ پر تنخواہ کے ڈر سے تعریف کرکے
گھر میں بیٹھ کر اُس کے عیب بیان کرتے ہوں تو لعنت ہے ایسے شوہر شوہر پہ

اور پھٹکار ہے اُس کی بیوی پر، پس میری یہ بیوی نمبر ۲ جو اس درجہ علم و ہنر کی قدر داں ہے اور میری علمی و تحریری خدمات پر دل ہی دل میں جو مرتی ہے تو اپنی دولت مجھ پر یوں نثار کرتی ہے کہ واللہ میں ایک پیسہ سے چار پیسے نقد تک اُس کی اجازت کے بغیر خرچ کرکے لفافے وصول کر لیتا ہوں لہذا آپ کا لفافہ بھی وصول پایا، براہ کرم آئندہ ہر لفافے پر نہیں تو کم سے کم میرے نام کے لفافے پر جو ٹکٹ لگائیں اُنہیں دو تین مرتبہ غور سے پڑھ لیا کریں کہ وہ کتنے کے ہیں ورنہ آپ کے ایسے بیرنگ لفافوں کا کہیں ایک دن یہ نتیجہ نہ نکلے کہ بیوی نمبر ۲ بعض سفید رنگ کی یورپی بیویوں کی طرح مجھ سے بھی تمام مصارف کا باقاعدہ بل طلب کرے کیونکہ آخر کار وہ غریب بھی ہے تو اولاد ایک ہندوستانی ہی کی اور آپ جانتے ہیں کہ ایسے ہندوستانی دماغ اور عقل کے بے حد کمزور ہوتے ہیں اس لیے وہ یورپ کی تہذیب اور ہر حماقت کی نقل کرنے کو اپنے باپ دادا کا کمال سمجھتے ہیں اور ہر جو بیوی کہ نماز نہیں پڑھتی ہیں اُس کی وفاداری کا قائل نہ اُس کی لیاقت کا قائل۔

حاصل کلام یہ کہ آپ نے کمال فرمایا کہ اس جاڑے کے شروع زمانے میں ایک شاندار رسالہ شایع فرمانے کا ارادہ اور اہتمام کیا اور پھر وہ بھی زبان اُردو میں جس کو تباہ کرنے اور بھول جانے کی قسم بی اے، قوم کے مسلمان کھا چکے ہیں، یقین نہ ہو تو بی اے، قوم کے جس مسلمان کو چاہو دیکھ لو اس کی پوری زندگی میں انگریزی ہی انگریزی رچی ہوگی، رہے دولت مند مسلمان سو اُن کے ہاں بھی اُردو سے وہ نفرت ہے جو اللہ بخشے اپنے بڑے مولوی صاحب کو پتلون اور بوٹ جوتے سے تھی، یعنی خدا انہیں غریق رحمت فرمائے وہ مر ہی گئے مگر انہوں نے نہ تو بوٹ جوتا پہنا نہ بانس بیلی کا لٹھ ہاتھ میں لیے پھرنے سے باز رہے تو ایسے زمانے میں آپ کا اردو میں اتنا حسین اور شاندار رسالہ شایع کرنا کمال ہی ہے زوال تو کسی طرح بھی نہیں، کیونکہ ایک ملا رموزی ہی کو لے لیجیے کہ وہ حال ہی میں جو ناگاہ شاعر بن گیا ہے اور اُس نے ایسی اچھوتی غزلوں کا مجموعہ تیار کر لیا ہے جن کے جواب اور مقابلے سے ساڑھے تین سو برس کی اردو عاجز ہے مگر ہے یہ کہ وہ اس مجموعہ کو اُس وقت تک شایع نہیں کر سکتا جب تک کہ اُس کے نام ڈربی کی کوئی "آئرش لاٹری" نہ نکل آئے کیونکہ اب وہ زمانہ بھی گیا جب عورت ذات دنیا میں رحم دل بامروت اور ہمدرد ہوا کرتی تھی ورنہ جہیز کا زیور ہی میرے اس جدید دیوان کو چھپوا دیتا، اب تو زمانہ ہے "مساوات" اور "حقوق" کا لہذا اب تو بیوی اپنا زیور اُسی وقت دے گی جب میں بھی اُس کے دیوان کی لکھائی چھپائی کے لیے اپنا زیور اُسے دے دوں لیکن یہاں یہ مشکل ہے کہ وہ

اللہ کی بندی مرتی ہے انگریزی بولنے پر اور ہر جو ایک مرتبہ اُس کو اپنے ساتھ یورپ سے گھماتا
ہوا ایشیائے کوچک میں انگورہ تک لے گیا تھا اور وہاں کمالی دَور کی
کوئی سو اسو عورتوں سے ملا دیا تھا تو اب اُس کا یہ حال ہے کہ وہ
ہر کام-اے۔ ٹی کیٹ سے کرنے پر مائل ہے اور یہ علامت ہے

اُس کے دماغ کی مرعوبیت اور کمزوری کی منطق یہ ہے کہ ہندوستان
کے باشندے قدرۃً اور فطرۃً ہی اتنے زیادہ کمزور دماغ کے ہوتے
ہیں کہ جہاں انہوں نے اپنے سے زیادہ کوئی حسین چیز دیکھی نہیں
کہ فوراً اُس کی نقل کی، جہاں وہ کسی نئے ملک میں گئے نہیں کہ انہوں نے فوراً اپنے
وطن اور اپنے باپ دادا کی تہذیب آداب اور اصول زندگی کو جھک کر سلام کیا اور اس نئے ملک کی
وضع و قطع کو اختیار کر لیا، مثال اور ثبوت چاہتے ہو تو اُن حاجی لوگوں کو دیکھو جو حج کر کے آتے ہیں تو عربوں اور
بدوؤں کا لباس پہن کر چند دن تک ہندوستان میں یوں پھرتے ہیں گویا ان کے والد نہیں تو یہ خود عربستان کے شیخ الاسلام
ہیں صرف تفریحاً ہندوستان میں آ گئے ہیں۔

اسی طرح ہندوستانی جہاں لنڈن گیا نہیں کہ واپسی پر خالص لیور پول یا مانچسٹر کا باشندہ بنکر ہندوستان یوں واپس
آتا ہے کہ گھر کی پرانی عورتیں پہلے دن اُسے شناخت بھی نہیں کر سکتی ہیں۔

مگر ان مرعوب فطرت اور نقال ہندوستانیوں کے مقابل ایک اپنے انگریز بہن بھائی بھی ہیں کہ یہ غریب بھی
ہندوستان میں آباد ہو چکے ہیں مگر کسی انگریز یا اُس کی زوجہ کو آپ نے کبھی دہلی کا حسن ہی حسن جوتا استعمال کرتے دیکھا
ہو تو بتا دیجئے، اسی طرح بے شمار انگریز بھائی ہیں جو اچھی خاصی اُردو زبان جانتے ہیں مگر کسی ایک انگریز کو بتا دیجئے جو
آج تک اپنے مولوی عبد الحق صاحب ترقی اُردو کی طرح تحت اللفظ اردو بولتا ہوا نظر آیا ہو، یا اپنے حفیظ جالندھری کی
طرح لحن داؤدی میں اردو کے اشعار سناتا ہوا ملا ہو! یا ہندوستان میں رہنے کے باعث اُس نے لکھنؤ کا انگرکھا پہنا ہو یا پنجاب کا
تہمد اور عقہ اس کے جسم پر نظر آیا ہو! لہذا جب یورپ کا ہر باشندہ اپنے ملک کی وضع و قطع کو دنیا کے ہر حصہ میں پہنچکر بحال
رکھتا ہے تو ایشیا اور ہندوستان کے باشندوں اور باشندیوں سے دریافت کیجئے کہ آخر کار تم کیوں یورپ والوں کی نقل کرتے ہو
تو پھر شرم و ندامت کے ان کے پاس کوئی جواب نہ ہوگا بس یہی حال آج کل میرے گھر میں اس کا ہے اس لیے میں نے تو اس سے اپنے دیوان کی
لکھائی چھپائی کے لیے کوئی رقم طلب نہیں کی مگر جناب نے کمال ہی کر دکھایا کہ اتنا بڑا رسالہ چھاپنے کا بندوبست فرمایا
خدا مبارک کرے۔

دیگر احوال یہ ہے کہ معلوم نہیں آپ اپنے رسالہ میں تصاویر بھی شایع فرمائیں گے یا نہیں! ورنہ میں جناب کو مشورہ دیتا
کہ ایسی تصاویر ضرور شایع کیجیے گا جن سے میرے ننھے میاں دیر تک کھیلتے رہیں اور میں اطمینان سے مضمون لکھتا رہوں
کیونکہ اب زمانہ ہے "مساوات" کا اس لیے جن گھرانوں میں ملازمہ نہیں اور ملازم نہیں وہاں اولاد کو اب والدہ صاحبہ کے ساتھ
ساتھ والد صاحب بھی کھلاتے پھرتے ہیں اور ایمان کی تو یہ ہے کہ ہونا بھی چاہیے۔ آخر کار ماں بھی ایک جاندار چیز ہے
وہ کوئی یتیم خانہ اسلامیہ تو ہے نہیں کہ دن رات بچوں کو کھلاتی رہے نہلاتی رہے پڑھاتی رہے مارتی رہے اور اُن پر چلاتی رہے،
مگر میں تو صرف مضمون نگاروں اور شاعروں کی بیویوں کا مخالف ہوں کیونکہ اول تو ہندوستان میں
شادی آدمی سے نہیں ہوتی بلکہ روپیہ، اشرفی، کوٹھی، موٹر کار، افسری نوابی
اور جاگیر سے ہوتی ہے بس جس آدمی کے پاس یہ چیزیں ہوتی ہیں۔
ابھی سے اچھی لڑکی کی شادی اُس سے کر دی جاتی ہے چاہے وہ مرد

کتنا ہی پڑھا اور بیوقوف جاہل اور اُلّو ہو۔ اسی طرح لڑکی میں حسب نسب
قابلیت حیا و حجاب تربیت وغیرہ کے عوض صرف دولت تلاش
کی جاتی ہے چاہے لڑکی کتنی ہی جاہل اور آپے سے باہر ہو۔
آخرکار یہ میرے اس نمبر ۲ میں بجز دولت کے اور دھرا ہی کیا ہے

بس اُس کے پاس موٹر کار کے چند پرزے ہیں اور باقی جیزیت گروہ تو یورپ کے یار لوگوں نے تعلیم کی کتابیں ہی ایسی رکھی ہیں کہ اُن کو پڑھ کر ہندوستانی کی عقل سلیم کا جبر و مقابلہ سے آپریشن ہو جاتا ہے اور وہ مذہب تک ترک کر کے مدینہ اور موٹر کار پر مرتا ہے اور مرتی ہے اسی لیے آپ ایسی تصاویر ضرور شایع کیجیے گا جن سے میرے ننھے میاں دیر تک کھیلتے رہیں کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ ملازمہ تو عرصہ ہوا فرار ہو چکی ہے اب ہم دونوں میاں بیوی ہیں جو اپنے مدے سوا دنے مچلنے والے لڑکے کو سنبھالتے رہتے ہیں، ہاں اگر میں کسی دولت مند بیوی کا نوکر نما شوہر ہوتا تو میری بیوی کے جہیز میں چار ملازم عورتیں ضرور آجاتیں تو وہ ننھے میاں کو کھلاتیں اور میں مضمون لکھتا۔ رہیں بیوی نمبر ۲ تو یہ مالدار ضرور ہیں مگر اس غریب میں انگریزی فیشن کے سوا انسان کے سمجھنے کی عقل آج کل نہیں ہے ممکن ہے کل کلاں کو گورنمنٹ کے ذریعہ مل جائے اس لیے وہ غریب میرے ننھے میاں تو ایک طرف خود مجھے بجائے ایک معقول انسان کے افغانستان کا اچھا خاصہ بھوت سمجھتی ہے اور رات دن اپنی سہیلیوں سے کہتی رہتی ہے کہ ملا رموزی صاحب سے دور ہی رہنا ورنہ وہ تمہارے خلاف کچھ نہ کچھ مضمون لکھدیں گے گویا ملا رموزی جس سے بات کرتا ہے بس اُس کے خلاف قلم دوات ہی لیے پھرتا ہے اس لیے ایسی کم سمجھ عورتیں میرے ننھے میاں کو کیا خاک سنبھال سکتی ہیں وہ پہلے اپنی عقل ہی سنبھال لیں۔

اچھا ایک تصویر ایسی چھاپ دیجئے گا جو نظر پڑتے ہی اُف کہنے کے قابل ہو۔
ایک ایسی چھاپ دیجیے جس پر نظر پڑے تو اپنے کپڑے پھاڑ ڈالنے کو جی چاہے۔
ایک ایسی چھاپ دیجیے جو اگر خواب میں نظر آجائے تو آدمی "ہائے رے کھالیا" کہہ کر چارپائی سے نیچے نظر آئے۔
ایک ایسی چھاپ دیجیے جس کو گھر والوں کی نظر بچا کر ہر وقت دیکھنے کو جی چاہے۔
ایک ایسی چھاپ دیجیے جس کو دیکھ کر انسان پر کھانا پینا حرام ہو جائے۔
ایک ایسی چھاپ دیجیے جس کو دیکھتے ہی یقین آجائے کہ آج نہیں تو کل قیامت ضرور آئیگی۔
ایک ایسی چھاپ دیجیے کہ جس کے مکان میں لگائی جائے شریف لوگ اُس کے گھر جانا ترک کر دیں اور برادری میں اُس کا حقہ پانی بند رہے۔

ایک ایسی چھاپ دیجیے جس کو دیکھ کر کہا جائے کہ آپ کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں
ایک ایسی چھاپ دیجیے جس کو دیکھ کر بانس بریلی کا لٹھ یاد آجائے۔
ایک ایسی چھاپ دیجیے جس کو دیکھ کر کالج کے ایسے سفارشی پروفیسر یاد آجائیں جن کی جان کو طلبہ پھر گھنٹے روز اد روتے رہتے ہیں۔

ایک ایسی چھاپ دیجیے جس کو دیکھ کر یقین آجائے کہ ابھی مسلمانوں میں
ایسے منافق حکام اور افسر بھی موجود ہیں جو مظلوم مسلمانوں کو نشتر کے

جھوٹے خطوط بہت جلد لکھ دیتے ہیں۔

ایک ایسی بھی چھاپ دیجے جس سے معلوم ہو کہ ایسے امیر لوگ ابھی تک زندہ ہیں جو روپیہ دینے کا حکم دیتے ہیں اور خفیہ طور پر اپنے ملازمین کو روپیہ دینے سے منع کر دیتے ہیں۔

ایک ایسی چھاپ دیجے جس سے معلوم ہو کہ دولت مندوں میں کم علم اور جاہل ملازمین کی قدر کیوں ہوتی ہے!

ایک ایسی چھاپ دیجے جس سے ثابت ہو سکے کہ دنیا میں ابھی بیوی سے ڈرنے والے شوہر بھی موجود ہیں۔

ایک ایسی چھاپ دیجے جس سے معلوم ہو کہ دولت مندوں میں رمضان شریف میں کیا ہوتا ہے!

ایک ایسی چھاپ دیجے کہ جہاں جائیں پولیس چالان کیے بغیر معاف ہی نہ کرے۔

ایک ایسی چھاپ دیجے جسے دیکھتے ہی حج کرنے کو جی چاہے۔

ایک ایسی چھاپ دیجے جس سے پتہ چل جائے کہ جدید تہذیب کے باعث، مسلمان دولت مند غریب مسلمانوں سے کٹ کر علاحدہ ہو گئے ہیں اور پہاڑوں پر بنگلے بنوا کر رہتے ہیں گویا مسلمان امیروں کے اچھوت اور غریب مسلمان ہیں۔

ایک ایسی چھاپ دیجے جس سے ثابت ہو کہ مسلمان نوجوان مرد کی صورت ہو کر اب مارے فیشن کے عورت ہوتے چلے جا رہے ہیں محض اس لیے کہ ایسے نوجوانوں کے اُستاد اور والد صاحب بھی "فینسی مساۃ" بنے رہتے ہیں،

ایک ایسی چھاپ دیجے جس سے پولیس والوں کو معلوم ہو کہ امیروں کی اولاد اُن کے غلاموں نوکروں اور خدمتگاروں کے قبضے اور تحویل میں رہتی ہے اسی لیے ایسوں کی اولاد کے خواص و اطوار میں کمینہ پن، چھچھور اپن، اور بے غیرتی حد سے سوا نظر آتی ہے۔

ایک ایسی چھاپ دیجے جس سے معلوم ہو کہ مسلمان زادے ہی اردو کے خالص ہندوستانی ذخیرہ الفاظ میں ۹۹ فیصدی انگریزی کے الفاظ ٹھونس کر اس کے ادبی ذخیرہ کو تباہ کر رہے ہیں جن میں ہندوستانی تاجروں کو بڑا دخل ہے جن کے ۹۹ فیصدی اُردو کے اشتہاروں میں بے ضرورت انگریزی کے الفاظ ہوا کرتے ہیں۔

اچھا تو براہ کرم یہ بتائیے کہ اس سال جناب نے عید کے لیے شیروانی کس رنگ کی بنوائی ہے؟

بیشک مالی حیثیت سے گویا عید مسلمانوں کی جائداد کی قرقی کا دن ہوتی ہے۔

امید ہے کہ آں جناب مع خورد و کلاں کے بعافیت ہوں گے، اور اپنی خیر و عافیت سے "بواپسی ڈاک" مجھے شاد فرمائیں گے، مگر یہ تو بتائیے کہ آپ کی طرف مشاعرہ کب تک ہو گا تاکہ میں غزل کہوں اور آپ اُس کو تحت اللفظ پڑھ دیں کیونکہ میری طرح تو آپ اُس کو گا کر نہیں پڑھ سکتے۔

حاضرین اور پرسان حال کی خدمت میں سلام، دعا

مکرر آنکہ!

اگر جناب کے ہاں اچھے قسم کے ادنی دستے بنتے ہوں

خان بہادر احمد علاء الدین

صاحبزادہ خان بہادر احمد علاء الدین

عنایت بلڈنگ

یادگار سلور جوبلی آصف سابع

صاحبزادہ نواب میر کاظم علیخان بہادر

مولوی معین الدین صاحب ببر فاروقی

محمد تراب علیخان باز

یادگار سلور جوبلی آصف سابع
نواب [illegible] سلطان الدین صاحب
ڈاکٹر میر بشارت علی صاحب [illegible] پی ایچ ڈی (برلن)
مولوی محمد عثمان علی صاحب

مولوی فضل اللہ صاحب - حیدرآباد کے
ایک اچھے مصور

مولوی شیخ ابوالقاسم صاحب مالک مکتبہ و مطبع حیدری
و مولف حیدری جنتری

حیدرآباد پرنٹنگ ورکس

مسجد جامع عثمانیہ جو بلدۂ فرخندہ بنیاد حیدرآباد کے سلطان بازار میں واقع ہے۔ آراستگی، خوشنمائی اور حسن انتظامات کے لحاظ سے مسجد باغ عامہ کے بعد واحد نظیر اور تمام ممالک محروسہ سرکار عالی میں مشہور و معروف ہے اس کے تاریخی واقعات بالاختصار درج ذیل ہیں :۔

تقریباً ایک صدی پیشتر اس مسجد کی اصل عمارت میر فدا علی صاحب مرحوم نے تعمیر کرائی تھی اور اس کا سنگ بنیاد مولانا محمد ولی الدین صاحب مرحوم کے مبارک ہاتھوں سے رکھوایا تھا جس کے بعد میر صاحب مرحوم فوت ہوگئے۔ اس کے بعد انقلابات سے اس کی آبادی بہت متاثر و تغیر پذیر ہوئی اور عرصۂ دراز تک اس کی یہی حالت رہی۔ اوائل ۱۳۰۰ف میں مولانا قاری حکیم غلام محمود صاحب چشتی مرحوم خطیب و متولی مسجد ہذا نے اپنے مخلص احباب اور خاص تلامذہ کی استدعا پر اس مسجد کی امامت کو قبول فرما کر عنانِ انتظامات اپنے ہاتھ میں لی اور نیابت کیلئے اپنے بھائی غلام حسن چشتی کا انتخاب فرمایا۔

جب مولانا مرحوم اپنی سعی جمیل میں بفضلہ تعالیٰ کامیاب ہوگئے اور جماعت کثرت پذیر ہو کر مسجد آباد ہوگئی تو حسب تفصیل ذیل اس کی تعمیری ضروریات کی جانب توجہ مبذول فرما کر یکے بعد دیگرے ان کی تکمیل کا انتظام فرمایا۔

(۱)۔ اس مسجد کے ساتھ ایک چھوٹا سا تنگ و تاریک کہنہ مکان تھا جو بوجہ تنگی و فرسودگی ناقابل سکونت تھا مولانا مرحوم نے ۱۳۱۴ف میں اس کو منہدم کر کے بحصول اراضی مزید تا حد گنجائش زمین وسعت میں اضافہ کر کے بشرکت و امداد احباب و ارادتمندان دو منزلہ سکونتی مکان تعمیر کرایا اس مکان کی تعمیر میں جناب ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب مرحوم کی دلچسپی قابل قدر ہے۔

(۲)۔ اندرون مسجد اور صحن میں گچ کا فرش تھا جو بالکل بوسیدہ ہو گیا تھا

مولانا مرحوم نے اپنی جماعت کے ایک معزز رکن سیٹھ حاجی ولی محمد صاحب
اسٹیشنری مرچنٹ چار مینار کے والد ماجد سیٹھ حاجی گل محمد صاحب مرحوم کو
سنگ سیلو کے فرش کیلئے توجہ دلائی اور سیٹھ صاحب مرحوم نے ۱۳۱۵ھ
میں ایک سال مسجد کی سالم عمارت میں اور دوسرے سال پورے صحن میں سنگ سیلو کا

فرش بچھوا دیا۔ سیٹھ صاحب مرحوم بڑے خوبیوں کے آدمی تھے شب و روز مسجد کے ضروریات اور مسافروں کی خبرگیری میں منہمک رہتے تھے بفضلہ تعالیٰ مرحوم کے فرزندان ارجمند بھی بمصداق اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ مرحوم کے حقیقی جانشین ہیں اور ذیل کے مضمون سے ان کے بہترین کارنامے واضح رائے عالی ہوں گے۔

(۳) مسجد کے چبوترے پر حصار کی دیوار نہ تھی جناب الحاج مولوی محمد حمید شیر خاں صاحب مرحوم مہتمم آبکاری اور جناب مولوی محمد محسن سعید صاحب مددگار نظم جمعیت نے پہلے دیوار حصار بنوائی پھر بیڑ کی ڈھلی ہوئی خوشنما جالی نصب کرائی جو چند سال کے بعد بوقت تیاری حوض نکال دی گئی لیکن بمصداق اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ اس کا اجر و ثواب بدستور باقی اور محفوظ ہے

(۴)۔ جانمازیں رکھنے کے لئے اندرون مسجد ایک مختصر سا سنگ بستہ خانہ بنوایا۔

(۵)۔ موذن کی سکونت کے لئے مسجد کے خارجی صحن کے ایک گوشہ میں ایک پختہ حجرہ بنوایا۔

(۶)۔ مسجد کا بیرونی دروازہ داخلہ اتنا چھوٹا اور پست تھا کہ بلند قامت حضرات کو آنے جانے میں تکلف ہوا کرتا تھا مولانا مرحوم نے نواب کرامت جنگ بہادر کو اس کی وسعت و رفعت کے لئے توجہ دلائی اور نواب صاحب مرحوم نے حسب نقشہ مرتبہ مولوی محمد نظام الدین صاحب انجنیر مالک ریاض الاسلام فیکٹری ۱۳۱۷ف میں پانچ چھ سو روپیے کے بانی صرفہ سے پختہ کمان و خوشنما دروازہ اور ممبر بنوا دیا اور مسجد کے پردوں کی تیاری میں بھی نواب صاحب مرحوم نے معتد بہ حصہ لیا اور نمازیوں کے جوتوں کی حفاظت کے لئے چھ چوبی صندوق بھی بنوائے (۷) اور جناب مولوی سید ظہور علی صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی مرحوم پرنسپل و مہتمم تعلیمات نے ۱۳۱۷ف میں اپنی والدہ ماجدہ مرحومہ کی یادگار میں انسونیا امریکن کارخانہ کی ایک عمدہ دیواری گھڑی دلوا دی۔

(۸) ۱۳۱۸ف میں مسجد کے شمال جانب بحصول اراضی مزید ایک برآمدہ بنوایا۔

(۹) جماعت کثیرہ کے لئے مسجد کی موجودہ عمارت ناکافی ہونے پر بارش و دھوپ میں تکلیف کا سامنا محسوس کر کے الحاج مولوی محمد عبدالرحیم صاحب مرحوم وکیل و مختار رستان پالونچہ نے ۱۳۱۹ف میں (دالِ مالک ۱۲۰۰) کے صرفہ سے ایک خوشنما سائبان بنوادیا اس کی تیاری میں نواب احسن یار جنگ بہادر نے بھی امداد فرمائی من بعد نواب صاحب ممدوح نے وضو کرنیوالوں کی نشست کے لئے خوشنما مربع سنگین چوکیاں اور دروازوں کی تنصیب کے وقت پالش دار و بیز پتھروں وغیرہ کی بھی سربراہی فرمائی۔

(۱۰) جماعت کی کثرت کے مدنظر وضو میں سہولت پیدا کرنے کی غرض سے نل کی توسیع ٹوٹیوں کی تعداد میں اضافے اور حمام بیت الخلاء اور طہارت خانجات کی تجدید و اصلاحات کے کام انجام پائے۔

(۱۱) صحن کے جس خارجی گوشہ میں حجرۂ سکونتی موذن بنایا گیا تھا
وہ گوشہ داخلی صحن میں شریک کرنے کی ضرورت لاحق ہونے پر
اس کو منہدم کرکے مسجد کے جنوبی جانب حمام و طہارت خانجات کے اوپر
ایک پختہ چھت اور اس کے اوپر اس مقصد کے لئے ایک سفالپوش جدید حجرہ بنوایا۔

(۱۲) برقی روشنی کے تار رزیڈنسی کوٹھی میں آتے ہی جملہ مساجد سے پہلے اس مسجد میں برقی طاقت لیکر برقی گولے اور پنکھے نصب کرائے گئے جس میں جناب سیٹھ حاجی ولی محمد صاحب۔ مولوی حاجی محمد نادر شاہ خاں صاحب نواب محمد کریم الدین صاحب مرحوم اور صابر کمپنی نے اس کام میں کافی حصہ لیا۔ اس طرح مولانا مرحوم کی سالہا سال کی مسلسل کوششوں کے بعد یہ مسجد از سر نو آباد ہوکر ضروریات کی تکمیل سے آراستہ و پیراستہ ہوئی۔ اب وہ اسباب عرض کئے جاتے ہیں جو مسبب الاسباب نے اس کی معاش کی اجرائی کا انتظام فرمایا۔ اس کے بعد مزید ترقیات کا سلسلہ عرض کیا جائے گا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ فخر سلاطین، رکن مظفر الممالک اعلیحضرت قدر قدرت سلطان العلوم السلطان میر عثمان علیخان نظام الملک آصفجاہ بہادر مدظلہ العالی کی تخت نشینی عمل میں آچکی تھی اور مبارک دور عثمانی شروع ہوکر حضرت اقدس و اعلیٰ کی شہرۂ آفاق فیاضیوں سے عرب و عجم فیضیاب ہو رہے تھے اُن دنوں عالیجناب محمد اکبر نذر علی حیدری صاحب بی۔ اے (جو اُس وقت سررشتہ عدالت و کوتوالی و امور عامہ (امور مذہبی و ٹپہ وغیرہ) کی معتمدی کے منصب جلیلہ پر فائز تھے اور جو اس وقت سررشتہ فینانس کی وزارت کی کرسی پر متمکن اور منجانب سرکار این رائٹ آنریبل نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر کے خطابات سے ممتاز و سرفراز ہیں) رمضان شریف میں شریک نماز تراویح ہوکر قرآن کریم اور اس کا خلاصہ سن کر اور اس غیر مسلم محلہ کی شاندار مسجد میں مقامات بعیدہ کے برادران اسلام کی جماعت کثیرہ کو دیکھ کر بیحد محظوظ و مسرور ہوئے اور مولانا مرحوم سے ملاقات کے بعد دریافت فرمایا کہ منجانب سرکار اس مسجد کے نام کوئی معاش ہے یا نہیں مولانا مرحوم نے فرمایا کہ منجانب سرکار اس مسجد کے نام کوئی معاش نہیں ہے اور اس کے جملہ انتظامات توکل پر مبنی ہیں یہ سن کر نواب صاحب ممدوح نے فرمایا کہ اس مسجد کی غیر معمولی آبادی و آراستگی اور اس کے محل وقوع کے مد نظر اس کے نام سرکاری معاش کا ہونا ضروری ہے میرے پاس ایک محضر بھیجدیا جائے میں اس کی نسبت سرکار میں تحریک پیش کردوں گا۔

(۱۳) نواب صاحب ممدوح نے شایان شان معاش کی اجرائی کی نسبت تحریک فرمائی علاوہ بریں نواب حاکم الدولہ مرحوم الحاج نواب نظامت جنگ بہادر اور نواب علی نواز جنگ بہادر نے بھی بالمشافہہ و بذریعہ مکتوبات نواب صاحب ممدوح کو معقول معاش کی اجرائی کی کارروائی کے لئے توجہ دلائی منجانب جماعت ایک محضر معہ فوٹو مسجد بتوسط استاذ السلطان حضرت مولانا الحاج محمد انوار اللہ خاں صاحب نور اللہ مرقدہٗ (جو اس وقت سررشتۂ امور مذہبی کے ناظم و صدر الصدور تھے اور بعد میں سررشتۂ مذکور کی معین المہامی کے عظیم الشان عہدے پر فائز اور نواب فضیلت جنگ بہادر کے خطاب سے مخاطب و ممتاز تھے) پیش کیا گیا۔ پھر یہ مسجد بمنظوری حضرت اقدس و اعلیٰ بنام "مسجد جامع عثمانیہ" موسوم ہوکر ممالک محروسہ سرکار عالی میں مشہور ہوئی تمام معاونین کی مساعی جمیلہ بار آور ہوکر امام۔ موذن۔ فراش وغیرہ خدام مسجد پیشگاہ خسروی سے منظور فرمائے گئے۔ اب مزید ترقیات کا سلسلہ عرض کیا جاتا ہے۔ مسجد کے اندرونی بڑے ہال میں جانمازوں کے نیچے بچھانے کے لئے ایک بڑی شطرنجی کی ضرورت محسوس ہوتے ہی مولوی صوفی محمد حسین صاحب ناظم سمستان ونپرتی نے ایک قیمتی بڑی اور دبیز شطرنجی بھجوادی جو اب تک رمضان شریف عیدین اور جاڑوں کے پورے موسم میں نہایت کار آمد و آرام دہ ثابت ہو رہی ہے۔

(۱۴) متذکرۂ بالا توسیعات کے باوجود مسجد
کی عمارت بارش کے موقع پر جماعت کثیرہ کے لئے ناکافی محسوس ہوئی آس پاس اس کی
توسیع کی کوئی صورت نہ تھی اس لئے موجودہ عمارت کے اوپر دوسری پختہ منزل
بنوانے کی سعی کی گئی سنہ ۱۳۳۲ ف سے سنہ [illegible] تک مسلسل پیروی کے بعد اس کی

تعمیر کے لئے سرکار سے بدفعات مبلغ (معہ ۱۷۵ روپیہ) کی منظوری حاصل ہوئی
جو باستصواب الحاج نواب سر نظامت جنگ بہادر جناب مسٹر پی۔ آجھا و انی
سپرنٹنڈنگ انجینئر، جناب مولوی محمد عبد الصمد صاحب سابق اسسٹنٹ سپرنٹنڈنگ
انجینئر حال ڈویژنل انجینئر اور مسٹر چندو لال ڈویژنل انجینئر آرائش بلدہ کی نگرانی میں فوقانی منزل اور
اس کے زینہ کی تعمیر کا کام انجام پایا۔ فوقانی منزل کی تعمیر کے وقت ماہران فن تعمیرات نے تحتانی منزل کے قدیم سقف کو ناکارہ
و مخدوش قرار دیکر بگنجایش رقم متذکرۂ بالا از سر نو جدید پختہ سقف بنوایا۔ (۱۵) جماعت کثیرہ کے وضو میں سہولت پیدا کرنے کی غرض سے
حوض کی شدید ضرورت تھی صحن میں مطلق گنجایش نہ تھی نواب سر نظامت جنگ بہادر کی مساعی جمیلہ سے حوض کی تیاری کے لئے معزز حکام رزیڈنسی
سے سڑک کا حاشیہ حاصل ہوا۔ مولوی محمد عبد الرشید صاحب نے ۱۳۳۰ف میں اپنے محل محمدی بیگم صاحبہ مرحومہ کی یادگار کے طور پر زیر نگرانی جناب
مولوی محمد عبد الصمد صاحب ڈویژنل انجینئر آرائش بلدہ تخمیناً پانچ چھ ہزار کے ذاتی صرفہ سے سڑک کے حاشیہ پر مسجد کے چبوترے کی بلندی کی مناسبت سے
بہ تنصیب ہشت پہلو ستونہائے سنگ تراشیدہ سمینٹ کا برآمدہ بنوا کر اس پر ایک نہایت خوشنما معلق حوض بنوا دیا جس کے شمال و جنوب ہر دو جانب
سنگ مرمر کی تختیاں بہ ثبت کتبۂ ذیل نصب ہیں۔

صدقۂ جاریہ کی ہی بنا یادگار محمدی بیگم

۱۳۳۰ ہجری

(۱۶) پارے اور قرآن مجید رکھنے کے لئے مسجد کے اندرونی ہال میں چار طاقچے پرانی وضع قطع کے تھے جن کے دروازے اس ترقی یافتہ اور
خوشنما مسجد کے لئے غیر موزوں معلوم ہوتے تھے۔ نواب مسعود جنگ بہادر سابق ناظم سررشتہ تعلیمات نے اپنے ذاتی صرفہ سے بتوسط دار الضرب علاقۂ سرکار عالی
نہایت قیمتی اور خوشنما چوکھٹیں اور دروازے بنوا دئے۔ (۱۷) مسجد کے شمالی جانب آبدست خانہ کو منہدم کر کے ۱۳۲۸ف میں بتوسط سررشتہ تعمیرات ایک
چھوٹے سے تہ خانہ کے اضافہ کے ساتھ از سر نو جدید پختہ برآمدہ تعمیر کرایا گیا۔ (۱۸) سردیوں میں جاڑے اور دوسرے دنوں میں گرد و غبار سے
بچنے کے لئے مسجد کی بیرونی کمانوں میں مولوی محمد عبد الستار صاحب مرحوم مالک گولکنڈہ سگریٹ فیکٹری حیدر آباد نے ۱۳۲۹ف میں ایکہزار روپے کے
ذاتی صرفہ سے نہایت خوشنما دروازے بنوا دئے۔ اس عرصہ دراز میں مولانا مرحوم کو اقسام کی پریشان کن انتظامی صعوبتیں پیش آئیں لیکن مولانا مرحوم
نے نہایت صبر و استقلال کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اور بمصداق (اَلْحَقُّ یَعْلُو وَلَا یُعْلٰی) بفضلہ تعالیٰ ہر موقع پر کامیاب رہے۔ بعض انتظامی مہمات
سلجھانا بہ تشکیل جماعت ضروری تھا ان کے سلجھانے میں دوامی جماعت کے علاوہ الحاج نواب صدر یار جنگ بہادر نواب اختر یار جنگ بہادر مولوی احسان [illegible]
ناظم تعلیمات الحاج مولوی سید عطا حسین صاحب سابق ناظم تعمیرات مولوی محمد احمد صاحب ناظم [illegible] الحاج مولوی سید عنایت اللہ صاحب مہتمم کارخانجات صرفخاص مبارک
الحاج مولوی سید ظہور الحق صاحب مہتمم دائرۃ المعارف مولوی محمد مظہر اللہ صاحب مددگار مجلس جامعہ عثمانیہ مولوی سید ظہور علی صاحب مرحوم الحاج مولوی محمد علی صاحب
منتظم پیشی صدارت جناب رائے سری کشن صاحب بیرسٹر اور مولوی سید عسکری حسن صاحب بیرسٹر وغیرہ حضرات نے قابل قدر دلچسپی لی۔ ان کے انتقال کے
بعد اس خدمت کی جانشینی کا مسئلہ زیر غور جماعت ہوا۔ کامل غور و خوض کے بعد مرحوم کے حقیقی بھائی مولوی غلام حسن صاحب چشتی کا انتخاب ہوا۔ مولوی غلام حسن صاحب چشتی
نے بھی اپنے بھائی کے نقش قدم پر اس مسجد کی خوشنمائی میں معتدبہ اضافہ کیا۔ مسجد کے برقی پنکھوں کے منجملہ اندرونی ہال کے
دو پنکھے جو جماعت کثیرہ کیلئے ناکافی تھے ایک مزید برقی پنکھے کی ضرورت کو جناب مولوی [illegible]
ناظم دفتر دیوانی نے اور بطور تکملہ جناب مولوی سید عمر صاحب منتظم ڈویژن ایوانات شاہی نے
پورا فرمادیا۔ ۱۳۴۰ف میں مبلغ (۹۹۸) کے صرفہ سے بذریعہ سررشتہ تعمیرات

تحتانی حصہ میں زمین دوز پختہ سنگ بستہ بڑی بدررو اس کے بازو سنگ بستہ
مضبوط ٹیر بنوا کر ان پر آہنی ناٹیں ڈلوا کر فوقانی حجرہ نہایت مضبوط و مستحکم بنوا یا گیا
سنہ ۱۳۴۳ف میں مبلغ (۲۹۳ ما۱۳) کے صرفہ سے بذریعہ سررشتہ تعمیرات نہ خانہ سکونتی
مکان کے ایک ضروری جزو اور مسجد کے گرد آہنی ملاوہ مقامات بعیدہ کے سیکل سوار مہاجر مصلیوں کی سیکلوں
کی حفاظت کے کارہائے تعمیر انجام پائے ۔ سیٹھ محمد عبد الستار صاحب مرحوم نے مسجد کے بیرونی ہال ۔ کمانوں اور سائبان میں
بڑی اور دبیز شطرنجیاں بچھوا کر مسجد کی سالم عمارت میں دوہیرے فرش کی تکمیل کرائی ۔ اور ایک مسی ہموار کلاں ۔ بہ تعداد وافر جستی لوٹے حسب ضرورت متعدد
اُوگالدان اور نئے جانمازوں کی سربراہی کا انتظام کر دیا مرحوم نے مسجد کے مناروں کے لئے سنہری کلسوں کی تیاری سنگ مرمر کے فرش اور زین ہزار
روپئے کے صرفہ سے مسجد کے ساتھ ایک دینی مدرسہ کی تعمیر اور مدرسہ کے اخراجات کے لئے بتوضیف جائداد مناسب دوامی انتظام کا وعدہ بھی فرمایا تھا
لیکن ناگہانی رحلت کا وقت آگیا اور وہ ان تمناؤں کو اپنے ساتھ لے کر دنیا سے رخصت ہو گئے اللہ عزوجل انہیں غریق رحمت فرمائے اور ان کے
پسماندوں کو صحیح و سالم رکھکر مرحوم کے قدم بقدم چلنے اور ان کے نیک وعدوں کے ایفا و کی توفیق عطا فرمائے ۔
حوض پر ایک پختہ جالدار سائبان کی تعمیر کی ضرورت لاحق ہونے پر سررشتہ تعمیرات سے سنہ ۱۳۴۳ف میں مبلغ (سہ صد ۳۵۷ ما۱۳) کے صرفہ سے ایک نہایت
خوشنما آرام دہ اور پختہ جالدار سائبان بشمول زینہ وغیرہ تعمیر ہوا سیٹھ حاجی ولی محمد صاحب نے مسجد کے اندرونی اور بیرونی ہر دو ہال میں سنہ ۱۳۵۲ف میں
سنگ مرمر کا نہایت خوشنما فرش بچھوا دیا جس سے متعلق نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل کا حسب ذیل قطعہ نصب ہے ۔

محل حاجی ولی پائیں جہاں میں لعل و گوہر کا ❊ بڑھایا حسن جنکی سعی نے اللہ کے گھر کا

جلیل اس حسن خدمت کی لکھو تاریخ ہجری میں ❊ بچھایا پاک محمد کے ولی نے فرش مرمر کا

اس کے بعد سیٹھ صاحب موصوف نے مسجد کے سائبان میں پورا فرش اور سامنے کی دیوار کے ساتھ درمیانی کارنس کی حد تک بشمول کارنس کمانوں کے
پلروں اور چھت تک میناروں کے پلروں کے ساتھ بھی سنگ مرمر کی تنصیب کا کام انجام دلوا یا اس طرح سیٹھ صاحب موصوف نے ہزار ہا روپئے
کے صرفہ سے اس خانۂ خدا کی خوشنمائی میں قابل قدر اضافہ فرمایا ۔ بہرحال عہد عثمانی کی یہ شاندار مسجد نیک بندگان خدا کے کثیر سرمایہ اور حکومت کی
مناسب امداد سے تعمیر پائی ہے جو تاریخی حیثیت سے دور عثمانی کی یادگار رہے کہ خدا کی راہ میں و بنا ہے گھر کا بھر لینا جن جن لوگوں نے
اس میں حصہ لیا ہے خدا انہیں جزائے خیر دے خدا ایسے نیک کاموں کی توفیق صاحب ثروت مسلمانوں کو بخشے ۔ ! بمصداق

مردے از غیب بروں آمد و کارے کر داست

فاضل

اقسام خطابات جو دربار آصفی سے سرفراز کئے جاتے ہیں

(۱) والاشان (۲) جاہ (۳) سلطنت (۴) خان دوراں (۵) خانخاناں (۶) امیر الامراء (۷)
امراء (۸) ملک (۹) امیر کبیر (۱۰) دولہ (۱۱) رائے رایاں (۱۲)
جنگ ۔ یار جنگ ۔ نواز جنگ ۔ (۱۳) خان (۱۴) بہادر (۱۵)
علماء (۱۶) حکماء (۱۷) راجہ ۔ راجہ بہادر ۔ مہاراجہ ۔ (۱۸)
ونت (۱۹) پال (۲۰) رانی ۔

وفاداری کے بہت سے اقسام ہیں مگر اس کی تقسیم بالخصوص
دو طرح کی جاتی ہے ۔ نمائشی وفا ۔ زبانی جمع و خرچ کی وفاداری عموماً
ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جو صبح و شام حیران و پریشان مارے مارے
پھرتے ہیں اور ارکان حکومت کی بر سبیل شکایت برائیاں بیان کیا کرتے ہیں حتیٰ کہ
وہ تمام بدعلتیں جو خود ان میں ہوتی ہیں اپنی حکومت کے سر تھوپتے ہیں ۔

مثلاً اگر ملک میں کوئی بیماری پھیلتی ہے تو حکومت پر الزام لگایا جاتا ہے اور جب اس کے تدارک کے لئے حفظان صحت سے چارہ جوئی کی جاتی ہے تب بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ فلاں تدبیر عمل میں نہیں لائی گئی ۔ اگر کوئی شخص کسی عہدہ پر مامور کیا جاتا ہے تو سمجھا جاتا ہے کہ حکومت نے اس کے ساتھ خاص مہربانی کی اگر نئی ریلوے لائین کھولی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ اس سے ملک کی صنعت کو نقصان پہونچتا ہے اگر کوئی لائن نہیں کھولی جاتی تب بھی باور کیا جاتا ہے کہ تجارت کی ترقی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے ۔

ایسی ہی بے شمار مثالیں ہیں جہاں خواہ مخواہ کو شکایات کے طومار باندھ دئے جاتے ہیں جن کی اصلیت کچھ نہیں ہوتی ۔

حقیقی وفا ۔ یہ عملی شکل میں نمودار ہوتی ہے ۔ قوم اپنی حکومت کو فروغ دینے کے لئے جان توڑ کوشش کرتی ہے ۔ اور ہر شخص اپنی بہتری کے لئے حکومت کو ملک رانی میں مدد دیتا ہے ۔

جب حکومت ملک کی بھلائی کے لئے کوئی تدبیر نکالتی ہے تو حقیقی وفا شعار لوگ بجائے اس کے کہ اس پر الزام لگائیں اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ صحیح طور پر اس تدبیر کو کارگر بنایا جائے اور لوگوں کو اس کے فوائد بتائیں ۔ سچی وفا شعاری یہی ہے کہ حکومت میں اور رعایا میں صفائی اور یکجہتی پیدا کی جائے ۔

نظم و نسق کے امور پر بحث کرتے وقت ہمیں بھولنا نہیں چاہئے کہ حکومت نے ہمیں بے شمار تعلیمی ، مذہبی ، اخلاقی ، طبی اور تجارتی سہولتیں بہم پہنچائی ہیں ۔ علاوہ بریں اُن نقصانات کی تلافی کی ہے جنھیں ہم محسوس کرتے تھے ۔

بالعموم دیکھا گیا ہے کہ بعض اوقات ہم ان مفاد کو نظر انداز کر جاتے ہیں اور ہر چیز کو اپنا حق پیدائش تصور کرتے ہیں ہمارا یہ سلوک نہ صرف اپنی حکومت کے ساتھ ہے بلکہ ہم اکثر و بیشتر اپنے آفریدگار کے ساتھ بھی یہی کرتے ہیں ایک لا اُبالی شاکی اپنے خدا کو بھی اسی طرح برا بھلا کہتا ہے جس طرح اپنے ہمسایہ اور حکومت کو ۔

ہمیں اپنے بادشاہ اور حکومت کو نہ صرف اس امر کا بین ثبوت دینا چاہئے کہ اس کی مہربانیوں کے ہم منت کش ہیں بلکہ ہمارا اور اس کا تعلق اس سے بھی قوی ہے اور ہم میں اور اس میں محبت احترام اور کمال عقیدت کا وہ رشتہ ہے جو وفا کیشی نیازمندی اور اطاعت کے لئے ضروری ہے ۔

اور یہ سچی اطاعت ہمیں اپنے بادشاہ اور حکومت کے قدموں پر نثار کرنی چاہئے ۔ جو ہماری اور ہماری آئندہ نسل کی پرورش کرنے کے لئے ہم کو اپنے برکات سے فیضیاب کر رہی ہے ۔

اگر آج ہمارے ملک کے امرا مرحوم و مغفور جو شہر خموشاں میں آسودہ ہیں یکا یک جاگ اٹھیں
اور چار مینار کی فلک بوس عمارت سے سارے شہر کا جائزہ لیں تو ان کی نظر شرق
حیران و ششدر رہے بغیر نہیں رہ سکتی کیونکہ اب ان کی آنکھوں کے سامنے

بجائے ویران کھنڈر غیر آباد مقامات اور چند جھونپڑیوں کے ہر طرف
آباد ایوانات خوبصورت عمارتیں خوشنما باغ اور نئے طرز کی ہموار سڑکیں
ہونگی جن میں اُمنڈتی ہوئی آبادی اُبلتا ہوا تمدن اور اُچھلتی ہوئی معاشرت
نظر آئے گی وہ جھاڑیوں کو ڈاکوؤں کی کمین گاہ جنگلوں کو رہزنوں کی رزمگاہ دکھائی ہو
تو اہل کینہ کی معیبت گاہ نہیں پائیں گے کمہاروں کی جھنکار خنجروں کی صدائے دلفگار ان کی سمع خراشی
نہیں کرے گی اور خون کے دریا بہا کر ان کو چار آنسو نہیں رلائے گی کیونکہ اب وہ پرانے خیالات کے گھروندے ڈھائے گئے ہیں اور قدیم
خرخشے مٹادئے گئے ہیں ۔ آرام و اطمینان اور امن و امان کے قلعے تعمیر کئے گئے ہیں غفلت کا پردہ اٹھا دیا گیا ہے ملک و قوم کی آنکھیں
کھولدی گئی ہیں اور اخلاق و تمدن ہر ایک کی آنکھوں میں سما گیا ہے ۔
ذرا پوچھو تو سہی کس کے روشن دل و دماغ کا یہ نتیجہ ہے کس کی مساعی نفسی ہے کہ دکن کا خطہ خطہ آبادی زندگی سرسبزی اور
شادابی سے لہلہا رہا ہے ذرہ ذرہ آفتاب عالمتاب بن کر چمک رہا ہے ۔ بچہ بچہ کا ذہن دور رس علم سے دہک رہا ہے ۔ یہ فیوض
و برکات عثمانی ہیں یہ اس شاہ ذیجاہ کی بدولت ہے جس کی عظمت کا ترانہ سمندر کی زبان پر ہے ۔ جس کی سطوت کا نغمہ بلبلان نغز
کے لحن سے نکل رہا ہے ہماری سرکار ہم میں ہی سے ہے اور ہماری ہی رہے گی کوئی نہیں جانتا کہ مستقبل میں ہمارے لئے کیا ہوگا مگر ہم
وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری عافیت و عاقبت اسی حکومت کے ساتھ وابستہ ہے کچھ حب وطن کا بھی تقاضا ہے کہ ہم دولت آصفیہ
کے ہوکر رہیں اور اپنی جان و مال دھن دولت سب ارض دکن پر نچھاور کردیں ۔ نفاق کو ہمارا دور ہی سے سلام کیونکہ جو کچھ ہماری دلی
تمنا ہوسکتی تھی وہ ہمیں بدرجہ اتم حاصل ہے باشندگان دکن کا باہمی وفاق ہمارا اصل نظر ہے ۔ تمام فرقوں کا اتحاد ہمارے دل کا
مدعا ہے ، ہماری حکومت محکم و مستقل ہمارا بادشاہ منصف و عادل اور ہم وفاداری و اطاعت میں کامل ۔
ہیچمدان راشد تمام رعایائے دکن کے ساتھ دست بدعا ہے کہ ۔

جہاں را بسے شاد مانی ازوست ✿ زماں را ہمہ کامرانی ازوست
ازو ملک و ملت ازو تاج و تخت ✿ ازو فر گیتی ازو سبز بخت
بجائے کہ ما را رسید است کار ✿ زہے فیض آں شاہ عالی وقار
بیاید بجا ما ہمی سر زنیم ✿ بصدق و عقیدت دعائے کنیم
کہ یا رب تو ایں شاہ را زندہ دار ✿ بہ اقبال و افضال پائندہ دار

شاہ دکن زندہ باد
ملک دکن پائندہ باد

ماہ و سال فصلی کا آغاز اور اسکے مختصر تاریخی واقعات

ابتدا سنہ فصلی کا آغاز اکبر بادشاہ کے عہد میں ہوا رفتہ رفتہ حیدرآباد میں بھی رائج ہوا اس وقت سال سنہ فصلی ماہ مہر سے ختم ماہ شہریور تک تھا ۔ ۱۲۷۱ف میں بعہد مدار المہامی نواب سر سالار جنگ بہادر اول ماہ تیر سے ختم ماہ خورداد تک قرار پایا ۔ ۱۲۷۲ و ۱۲۷۳ف میں یہی عمل رہا پھر ۱۲۷۴ف میں بحکم سالار جنگ بہادر ۱۳ ماہ کا سال قرار دیا گیا ۔ اور ۱۲۷۵ف سے ماہ امرداد سے ختم ماہ تیر تک مقرر ہوا ۱۲۸۰ف میں امرداد و شہریور کو کم شمار کر کے ۱۱ ماہ کا سال کیا گیا ماہ مہر سے ختم ماہ شہریور تک اسکا شمار رہا ۱۲۹۳ف میں بعہد سالار جنگ ثانی ماہ مہر و آبان آغاز و اختتام سال قرار پائے ۱۲۹۴ف میں ماہ آذر تا ماہ آبان سال فصلی قرار پایا ۔ پھر ۱۳۱۶ف میں مہینوں کے مقررہ دنوں میں تبدیلی کی گئی جس کے ساتھ کبیسہ کا طور عمل میں آیا یہ سنہ فصلی کے نام سے اب تک موسوم ہے جس کے مہینوں کے موجودہ مقررہ ایام یہ ہیں ۔ ماہ آذر (۳۰) دن ۔ ماہ دی (۲۹) دن ۔ ماہ بہمن (۳۰) دن ماہ اسفندار (۳۰) دن ماہ فوردی (۳۱) دن ماہ اردی بہشت (۳۱) دن ۔ ماہ خورداد (۳۱) دن ۔ ماہ تیر (۳۱) دن ۔ ماہ امرداد (۳۱) دن ماہ شہریور (۳۱) دن ۔ ماہ مہر (۳۰) دن (ماہ آبان (۳۰) دن ۔

مرتبہ محمد فاضل

آج سے ۲۵ سال قبل حیدرآباد میں سڑکیں بہت کم تھیں۔ بارش کے موسم میں عام طور پر کیچڑ ہو جاتی تھی جس سے راستہ چلنے والوں کو دقتیں واقع ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ گھروں کا غلیظ پانی کھلی ہوئی نالیوں میں سے بہتا رہتا تھا جس سے بعض مقامات پر کراہیت انگیز عفونت سی پائی جاتی تھی۔ ان تمام کمزوریوں کو رفع کرنے کے لئے ڈرینج کا محکمہ قائم کیا گیا۔ اس محکمہ نے سب سے پہلے بلدہ اور مضافات میں بدرروں کو پختہ کرنے اور حفظان صحت کے لحاظ سے فضلہ کے اخراج کے لئے ڈرینج اسکیم تیار کی جسے حکومت نے ایک کرور ستائیس لاکھ روپیہ کی منظوری عطا فرمائی اور اس اسکیم کے عملی کاروبار ۱۳۲۵ف کے آخر میں آغاز ہوئے۔

شہر میں ایک زبردست زمین دوز بدررو نکال کر ہر محلہ سے اس کی شاخیں ملادی ہیں اور ان شاخوں سے تمام امکنہ شاخ در شاخ الحاق کئے جارہے ہیں۔ سرکاری مکانات کے علاوہ ہر خانگی مکان جس کی مالیت (صہ) روپیہ ماہانہ سے زائد ہے اس کا سرکاری بدررو سے الحاق لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اور اس قسم کے انتظام کئے جارہے ہیں۔ کہ عوام کو فلش سسٹم کے جانب رجحان ہو چنانچہ آٹھ نو سال کے اندر اندر صدر بلدہ و صفائی فضلہ کے حوض اور شہر میں چھوٹی بڑی بدررو کی شاخیں طول میں ۱۲۰ میل تک تکمیل پا چکی ہیں جس پر تقریباً نو لاکھ سے زیادہ صرفہ عائد ہوا ہے۔ شہر کا غلیظ پانی اور فضلہ بدررو کے اخراجی سے بہ کر حوضوں میں جمع ہوتا ہے جو شہر سے تقریباً ۵ میل فاصلہ پر عنبر پیٹھ کے قریب بنائے گئے ہیں یہاں خمیر دیا جاتا ہے جب وہ غلیظ پانی حوضوں میں پکر کر فضلے میں اچھی طرح مل جاتا ہے تو اس میں آب مصفا ملا کر نیشکر اور دیگر اشیاء کی کاشت کے لئے دوسری نہر میں چھوڑ دیتے ہیں یہ پانی کاشت کے لئے مفید ثابت ہوا ہے چنانچہ اس وقت ایک ہزار ایکر سے زیادہ رقبہ زیر کاشت ہے۔ اور اس کی مالگزاری میں تقریباً سہ چند اضافہ ہوگیا ہے۔

عام لوگوں مفلس اور ناداروں کے لئے جگہ جگہ فلیشنگ بیت الخلاء اور پیشاب خانے تعمیر کئے گئے ہیں۔ ڈرینج اسکیم کے دوش بدوش بدررو آب باراں کی تعمیر اور اصلاح ہونی بھی نہایت ضروری تھی جس کی تکمیل کے لئے تیس لاکھ روپیہ منظور ہوئے ہیں اس میں سے اب تک تیرا سی ہزار روپیہ خرچ ہوئے اور تقریباً ۲۰ میل سے زائد بدررو آب باراں تعمیر ہوچکی ہیں مردم شماری کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ہندوستان میں شہر حیدرآباد کا چوتھا درجہ ہے۔ اور دیگر متمدنہ ممالک کی طرح یہاں بھی موٹروں اور تیز رفتار سواریوں کا روزانہ اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے موسم کی سڑکوں پر گرمی اور جاڑے میں گرد و غبار اڑتا رہتا تھا اور بارش میں کیچڑ کا زور ہوتا تھا ایک طرف تو راہگیروں کو چلنے پھرنے کی دقتیں ہوتی تھیں اور دوسری طرف گرد و غبار سے صحت عامہ پر مضر اثرات ہو رہے تھے۔

اس وجہ سے شہر کے اہم سڑکوں اور شاہراہوں کو سمینٹ کانکریٹ سے پختہ کرنے کے لئے اکتیس لاکھ روپیہ کی منظوری عطا فرمائی گئی اس محکمہ نے یہ کام بھی نہایت حسن و خوبی سے انجام دیا چنانچہ اس وقت طول میں تقریباً ۱۰ میل سڑکیں تیار ہو چکی ہیں جس کی تیاری میں (۲۷) لاکھ روپیہ سے زائد صرف ہوا ہے۔ یوں تو فلش سسٹم۔ اور اسی قسم کے دیگر انتظامات مختلف شہروں میں عام طور پر پائے جاتے ہیں۔ مگر بہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے۔ کہ ہندوستان بھر میں صرف حیدرآباد کو یہ امتیاز اور فخر حاصل ہے کہ جہاں اس قدر طویل صاف و شفاف، اور عمدہ سمینٹ کانکریٹ کی سڑکیں موجود ہیں۔ ان سڑکوں سے نہ صرف شہر کی رونق دوبالا ہوگئی ہے۔ بلکہ گرد و غبار سے پاک رہنے کے سبب سے صحت عامہ پر نہایت اچھا اثر پڑا ہے۔ اور متعفن تیاری رپورٹوں سے واضح ہے کہ یہاں امراض شش وغیرہ میں معتد بہ کمی واقع ہوگئی ہے۔ فقط

نوٹ تعمیرات آبپاشی کی مکمل مصور تاریخ جلد دوم حسن عثمانی میں ملاحظہ ہو

مرتبہ محمد فاضل

حیدرآباد سول سروس

ازجناب مولوی محمد عبدالرزاق صاحب آنندایچ سی ایس مددگار معتمد فینانس سرکار عالی

ابتداءً مصنف موصوف نے اس مضمون کو انگریزی زبان میں رقم فرمایا تھا اس کا ترجمہ یہ ہے

حیدرآباد فرخندہ بنیاد کی تاریخ میں سیول سروس کلاس کا افتتاح نہایت عظیم الشان واقعہ ہے گذشتہ تیس سال کے اندر دکن کے نظم و نسق میں جو اصلاحات نافذ ہوئیں، ان میں سیول سروس کے قیام کا درجہ سب سے بلند ہے کیونکہ اس کے موجودہ کارنامے اور آئندہ توقعات از بس شاندار ہیں۔

۱۸۵۵ء میں جبکہ سر چارج ٹریولین نے برطانیہ عظمیٰ میں مختلف ملازمتوں کے متعلق اعیانی اور غیر منظم طریق شرکت کے بجائے نتائج کو بتا کر امتحان مقابلہ کی سفارش کی تو دراصل اس طریق کے نفاذ کو صرف برطانیہ عظمیٰ کے واسطے ضروری نہیں سمجھ رہے تھے بلکہ ایسے ممالک میں بھی لازمی جانتے تھے جہاں اس کے وسعت پذیر ہونے کا انہیں بہت کم گمان تھا۔ اس زمانے میں دنیا کے ہر حصہ میں نااہلوں کی بے محل سرپرستی جاری تھی لیکن اس کے بدترین پہلو کا ظہور کسی دوسرے ملک میں اس قدر نمایاں نہیں ہوا جس قدر کہ ہماری ریاست ابد مدت میں اسلئے کہ یہاں جہالت اور بدنظمی کا چولی دامن کا ساتھ ہونے کے باعث حیدرآباد کے تیرہ سرگشت زار دل و حرم میں چھوٹے ہوئے مزرعوں میں قیام پذیر ہو گئی تھی اس وقت کے طریق انتخاب نے جہالت کی عمارت کو مزید استحکام پہنچایا۔ اور چونکہ تعلیم کی غایت صرف ملازمت سرکاری تصور کی جاتی تھی اور حصول علم ملازمت کو پیش نظر رکھنے والے اصحاب کیلئے کوئی مزید سہولت بہم پہنچانے سے قاصر تھا۔ اس لئے تعلیم کا چشمہ اپنے منبع پر ہی خشک ہو گیا اور جب جہالت پر اور علم سے معرا اشخاص نے سرکاری ملازمت میں جگہ پائی حرص و آز ناجائز حصول دولت کے بے لگام جذبات امنڈ پڑے انتظام مملکت میں ابتری نہ صرف ان نامناسب جذبات کے بے نیام مظاہرے پیدا کی بلکہ اس عدم میلان اور فقدان قابلیت کے سبب سے بھی جو کہ نااہلی اور جہالت میں مضمر ہیں چونکہ یہ خرابیاں بہت ہی بری طرح صفحہ عمل پر آگئی تھیں اسلئے سیول سروس کے آغاز کا مسئلہ بہادر نظر ہوا۔ پہلے ۱۸۸۶ء میں جدید سول سروس کلاس کھولی گئی اور ۱۸۹۱ء میں بند کر دی گئی پھر ۱۹۱۳ء میں دوبارہ کھلی اور ۱۹۲۰ء میں بند ہوئی ۱۹۲۲ء میں سہ بارہ قائم کی گئی اور اس وقت تک بحمداللہ قائم ہے لیکن تعلیم میں اس تبدیلی اور بے تعلقی کے ساتھ کامرانی نہیں کی گئی جس طرح کہ اسکے ابتدائی بانیوں نے کی تھی اس کے موجودہ بانی اپنے ایقان و جوش عمل سے اس چشمہ جاریہ کو سیراب کرتے رہے ہیں شکر ہے کہ حضور اقدس و اعلیٰ کی بدولت یہ اہم ترین اصلاح عمل میں آئی جو ملک کے حق میں آب حیات کا کام دے رہی ہے اگرچہ اس کا وجود حالیہ اور اسکے لئے مواقع بہت محدود ہیں لیکن میں یہ تصور کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ اس نے باوجود اس مرکے اپنی معیار کارگذاری نے کوئی مستحکم روایات کی شکل ابھی اختیار نہیں کی ہے تاہم اس نے میدان عمل میں اپنی یکتائی کو ثابت کر دکھایا ہے اور اسکی ترقی کے آثار نمایاں ہو چکے ہیں ان آثار کو ہر شخص نہایت اعتماد کلی میں دیکھ سکتا ہے جس کی بنا پر اس طبقہ کا ہر محکمہ میں خیر مقدم کیا جاتا ہے، یہ نمایاں ہے اس جوش عمل و سرگرمی میں جو کہ اسکے ارکان کی جانب سے ملکی اقتصادی گتھیوں کو سلجھانے میں ظہور پذیر ہوئی ہے یہ بلشت از بام ہونے میں اس ایقان و صداقت اور یقین کہ رعیت کے دلوں میں اس طبقہ نے پیدا کی ہے درحقیقت ....

اس طبقہ کو بڑے خیالات حاصل ہیں لیکن ان کے نتائج مرتب ہونا ابھی کچھ کم نہیں ہیں انہیں کا کام گرانی ان تھک کوششوں اور غیر متزلزل عزم سے سروس کے مقصد اور روایات کی تعمیر میں لگی ہوئی ہیں ان کو آزمائش و ابتلا کی بڑی پرخطر منزل سے گزرنا پڑا ان کے حصہ میں ایسے مقامات پر کام کرنا ہے جہاں کی تہذیب و تمدن کسی زمانہ میں بھی ان کو بعض تو ایسے دور افتادہ مقامات پر زندگی بسر کرنا ہے جہاں ضروریات زندگی میسر آہی نہیں سکتے ہیں ان میں اکثر آسائش کی تمنا نہ ملکی پرواہ مقصد انجام پاتا ہے اگر یہ ارکان ان خطرات اور مشکلات سے جوان کی کار کے راستے میں حائل ہوں اپنی ہمت مردانہ کو متاثر ہونے یا اپنے جوش عمل کو ماند پڑنے نہ دیں تو شاندار روایات کی تعمیر میں یہ حصہ لیں گے جو کہ آئندہ آنے والی پولیٹیکل سیول سروس کیلئے ایک نظیر بن جائیں گی جو حقیقت میں شریفانہ جذبات کی صحیح ترجمانی کرنے کی نقط

مرتبہ محمد فاضل

عہدہ داران سرکار عالی

مولوی قاضی محمد حسین صاحب صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ

مولوی غلام یزدانی صاحب ناظم آثار قدیمہ

سررشتہ کروڑگیری سرکار عالی

ہر ملک میں رشتہ کروڑگیری آمدنی کا نہایت اہم سررشتہ ہوتا ہے ۔ مبارک عہد عثمانی میں جن فہیم سررشتوں میں ترقی و اصلاح عمل میں آئی ہے ان میں سررشتہ کروڑگیری بھی شامل ہے اس مبارک دور میں اس کی جدید تنظیم عمل میں آئی اور اس کی آمدنی میں معتد بہ اضافہ ہوا۔

حیدرآباد میں قیام سررشتہ کروڑگیری کے بعد اس کا کام راجہ نانک بخش کے سپرد کیا گیا تھا لیکن ۱۲۸۰ھ میں نانک بخش اس کام سے علیحدہ کئے گئے اور سررشتہ مذکور مالگذاری کے زیر نگرانی دیا گیا۔ پھر ۱۲۸۵ھ میں یہ سررشتہ نانک بخش کے سپرد ہوا ۔ ۱۲۹۱ھ میں کروڑگیری کی آمدنی کا ٹھیکہ دیا گیا اور تقریباً ۴ سال تک اس کا کام ٹھیکہ دار کے زیر نگرانی انجام پاتا رہا لیکن ۱۲۹۵ھ میں سرکار نے پھر اس رشتہ کو امانی میں لے لیا، اور افسر سررشتہ کا عہدہ تعلقدار قرار پایا۔

باپوجی پہلے تعلقدار کروڑگیری مقرر ہوئے ان کے بعد داراب جی کا تقرر عمل میں آیا ۔ ۱۲۹۹ھ میں تعلقدار کا نام بدلکر افسر کروڑگیری کا لقب تجویز ہوا اور مددگار کا عہدہ ڈپٹی کمشنر قرار پایا۔ داراب جی کے بعد رستم جی، نواب عماد نواز جنگ، نواب فخر جنگ، نواب قدار جنگ وغیرہ یکے بعد دیگرے کمشنران کروڑگیری مقرر ہوئے اور اپنی خدمات کو عمدگی کے ساتھ انجام دیا۔ ۱۳۲۱ف میں حبیب خان بہادر عبدالکریم معروف لعل خان کا تقرر سررشتہ کروڑگیری میں عمل میں آیا تو ۱۳۲۱ف میں اس عہدہ کا نام ”ناظم“ قرار دیا گیا۔

لعل خان کے بعد آنند کرن بہادر، نواب بہرام جنگ نواب محی الدین وغیرہ اس سررشتہ کے مشہور ناظم گزرے ہیں اس وقت اس سررشتہ کے ناظم مولوی محی الدین احمد صاحب ہیں۔

آپ اس سررشتہ کے دیرینہ ملازم ہیں اور ربع صدی سے زیادہ اس سررشتہ کے کام کا تجربہ رکھتے ہیں ۱۳۱۵ف میں آپ اس سررشتہ میں ابتداً ملازم ہوئے اور اس وقت سے اب تک درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے ناظم کی معزز خدمت تک پہنچے ہیں آپ نے عالمی سفر کیا ہے ۔ اور متمدن ممالک کے کسٹمس کا مشاہدہ کر کے خاصا تجربہ حاصل کیا ہے، سرکار میں آپ کی خدمات بنظر قدردانی دیکھی جاتی ہیں۔

عہد عثمانی میں رشتہ کروڑگیری کے انتظامات دنیا کے متمدن ملک کی طرح نہایت باقاعدہ و منظم ہیں سرکار عالی کے حقوق صیغہ کروڑگیری پورے طور پر حاصل ہو رہے ہیں نیز رعایا، اور ملازمین کی اخلاقی حالت بھی جہاں تک اس سررشتہ کا تعلق ہے ۔ درست اور راہ راست پر آگئی ہے ۔ سال ۱۳۴۴ف میں اس سررشتہ کی آمدنی ایک کروڑ (۱۲) لاکھ روپیہ سے زیادہ رہی ۔ آمدنی میں کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے اس کا حصر ملک کی زرعی و اقتصادی حالت پر ہے ۔

اس وقت اس سررشتہ کا کام تین ڈویژن پر منقسم ہے جس کی ذیلی تقسیم حسب ذیل ہے ۔

محصول خانجات ریلوے و سرحدی ۔ (۱۱) بیٹھہ جات ۔ (۳۱) علقہ جات ۔ (۵۶) چوکیات ۔ (۱۴۲) فیصل ناکہ جات (۶۰۳)

ریلوے ناکہ جات ۔ (۲۱۶) نیپہ خانجات (۴۵) ٹیپ ناکہ جات (۱۲۵)

جوان ناکہ جات (۹۴۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عہد عثمانی میں جدید قایم شدہ دفاتر و محکمہ جات

نمبر	نام دفتر	نمبر	نام دفتر	نمبر	نام دفتر	نمبر	نام دفتر
۱	سررشتہ ...	۱۱	جامعہ عثمانیہ	۲۱	بیمہ		قیام صوبہ داریاں اسامات
۲	آ. ایس بلدہ	۱۲	نظامت اعداد و شمار	۲۲	بس سروس ریلوے		بندوبست
۳	زراعت	۱۳	ریلوے	۲۳	ورزش جسمانی		معلومات عامہ
۴	انجمن ہائے امداد باہمی	۱۴	نظامت لوکل فنڈ	۲۴	اہتمام تعلیمات نسوانی		ضلع باغات
۵	کوآپریٹیو کریڈٹ سوسائٹی	۱۵	باب حکومت	۲۵	چیف انسپکٹر کارخانہ جات بائیلرز		نظامت عدالت مطالبات خفیفہ
۶	آثار قدیمہ	۱۶	سررشتہ عملیات	۲۶	دارالضرب		نشرگاہ لاسلکی
۷	رصدگاہ نظامیہ	۱۷	قیام مدرسہ جاگیرداراں	۲۷	نظامت تجارت و حرفت		ہوائی پرواز
۸	صنعت و حرفت	۱۸	ٹیلیفون	۲۸	نظامت علاج حیوانات		تعمیرات عامہ
۹	دارالترجمہ	۱۹	نظامت طباعت	۲۹	نظامت حفظان صحت		معدنیات
۱۰	نظامت ماکولات	۲۰	وزنیم	۳۰	ایرانات شاہی		نظامت بلدہ

نوٹ۔ ان جدید قایم شدہ دفاتر و محکمہ جات میں ذیل طور پر متعدد دفاتر قایم ہیں کے علاوہ سابقہ ادارہ عالیہ تمام سررشتہ جات میں عظیم ترین بنیاد اصلاحات کے منظر کی گئی ذیلی دفاتر وغیرہ کا بھی قیام عمل میں آیا۔

تختہ تعمیر پل ہائے جدید

نمبر سلسلہ	نام دریا	مقام	اندازہ لاگت
۱	مانیر	کریم نگر	[illegible]
۲	رود موسیٰ	سوریا پیٹھ ٹیک شلہ برج	[illegible]
۳	مانجرا	بنجر پلی	[illegible]
۴	رود مانجرا		[illegible]
۵	رود بہیما	یادگیر	[illegible]
۶	گوداوری	ناندیڑ	[illegible]
۷	کڈم	عادل آباد	[illegible]
۸	شاہ گڑھ گنگا	قریب گیوائی	[illegible]
۹	مانیرو	کھم سریا پیٹھ روڈ	[illegible]

رعایا برایا کی سہولت و آسایش و حمل و نقل کے لئے مندرجہ بالا پل حسب فرمان خسروی تعمیر کئے گئے ۲ رمضان ۱۳۲۶ھ
رود موسیٰ کو طغیانی ہونے کے سبب بلدہ حیدرآباد کے تینوں پلوں کو کم و بیش نقصان پہونچا تھا خصوصاً پل افضل گنج
و پل چادر گھاٹ کے چند کمانیں شکست ہوگئی تھیں۔ جن کی تعمیر و ترمیم میں حسب ذیل
مصارف عاید ہوئے۔

(۱) پل افضل گنج مع فوٹ پاتھ و کٹہرا آہنی ([illegible])
(۲) پل چادر گھاٹ ([illegible])
(۳) پل مسلم جنگ میں مزید دو کمانوں کا اضافہ کیا گیا ([illegible])

رجسٹر انتخاب میں درج کئے جانے کے قابل ہوں۔ اگر کم خورداد تک رجسٹر تیار نہ ہوگا تو
جدید رجسٹر کے مرتب ہونے تک وہی رجسٹر نافذ رہے گا جو اس کے عین قبل نافذ تھا۔ اس رجسٹر
یا حلقہ واری فہرست کو اس لئے اہمیت حاصل ہے کہ صرف وہی شخص انتخاب بلدیہ میں رائے
دے سکتا ہے جس کا نام اس رجسٹر میں درج ہے چونکہ حق رائے دہی یعنی اپنا نمایندہ منتخب کرنے کا اختیار
ایک ایسا حق ہے جس کی قدر ہم کو کرنی چاہئیے اس لئے ہر شہری کا یہ فرض ہے کہ وہ اس امر کی نگرانی کرے کہ اگر وہ رائے دینے کا
اہل ہے تو اس کا نام بہ حیثیت رائے دہندہ درج رجسٹر کیا جائے اس مقصد کے تحت قانون نے ایسی گنجائش رکھی ہے کہ اگر سہواً یا عمداً کسی شہری کا
نام درج نہ ہو تو اس کی اصلاح بروقت ہو سکے

چنانچہ ناظم بلدیہ کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ ۲۰ خورداد یا اس سے پہلے فہرست رائے دہندگان کی مطبوعہ نقل دفتر بلدیہ کے کسی
منظر عام پر چسپاں کردے اور ماہ خورداد کے بقیہ دنوں تک اس کو اسی طرح چسپاں رہنے دے اور ساتھ ہی مقامی روزناموں میں اس کا اعلان
کردے کہ فہرست مشتہرہ کی نقل کہاں اور کس قیمت پر مل سکتی ہے اگر کسی ایسے شخص کا نام جو اس کا دعویدار ہے کہ اس کا نام فہرست رائے
دہندگان میں ہونا چاہئے تھا نہ ہو یا کسی ایسے شخص کا نام فہرست رائے دہندگان میں ہو جس کا نام درج نہ ہونا چاہئے تھا تو اس شخص کو یہ
اختیار ہے کہ کم تیر تک ایسے دعوی کی تحریری اطلاع ناظم بلدیہ کو دے اور ناظم بلدیہ کا فرض ہوگا کہ ۱۰ تیر کے عشرۂ ثانی میں فہرست کی نظر ثانی
کرے اور دعوے کی تحریری اطلاع ناظم بلدیہ کو اور ناظم بلدیہ کا فرض ہوگا کہ ۱۰ تیر کے عشرۂ ثانی میں فہرست کی نظر ثانی کرے اور
دعاوی و اعتراضات کی سماعت کرے۔ اگر کوئی دعویدار یا اعتراض کنندہ ناظم بلدیہ کے فیصلے سے مطمئن نہ ہو تو وہ تاریخ نامنظوری سے پانچ یوم کے اندر
اس کا مرافعہ کرے۔ ناظم عدالت مطالبات خفیفہ کے روبرو کردے اور اس کا فرض ہوگا کہ بیس یوم کے اندر اس کا فیصلہ کردے جو قطعی اور آخری ہوگا۔

امیدواران

بلدیہ کے تجدید نشستوں کے لئے ہر وہ شخص خود کو بطور امیدوار کے پیش کر سکتا ہے جس کا نام کسی حلقہ سے بہ حیثیت
رائے دہندہ رجسٹر انتخاب میں درج ہو البتہ چند اشخاص مستثنی ہیں مثلاً جن کو عدالت سے قید یا تازیانہ کی سزا
ملی ہو اور ایسی سزا عدالت مرافعہ سے منسوخ نہ ہوئی ہو دفتر بلدیہ کا کوئی عہدہ دار یا ملازم یا کوئی اور شخص جو بلدیہ کی اجازت سے بلدیہ کا کوئی
کام اجرت سے کرتا ہو۔ ایسا شخص بھی بطور امیدوار کھڑا نہیں ہو سکتا جو بالواسطہ یا بلا واسطہ کسی ایسے ٹھیکہ یا معاملے میں حق یا حصہ رکھتا ہو
جو بلدیہ نے دیا ہو یا اس کی جانب سے دیا گیا ہو۔ ناظم عدالت مطالبات خفیفہ بھی رکن منتخب نہیں ہو سکتا۔

مجلس قائمہ

مجلس بلدیہ کا اجلاس معمولاً مہینہ میں ایک مرتبہ ہوتا ہے اسی مجلس کو تمام بلدی اعلیٰ اختیارات حاصل ہیں لیکن
بلدیہ کے تفصیلی کاروبار اور انتظامات کی انجام دہی کیلئے ایک دوسری مجلس بھی قائم کی گئی ہے جو مجلس قائمہ کے نام
سے موسوم ہے۔ مجلس قائمہ گویا ایک عاملانہ جماعت یا مجلس انتظامی ہے۔

مجلس بلدیہ عام انتخاب کے بعد بھی اپنے اجلاس اول منعقدہ ماہ آذر میں مجلس قائمہ کو منتخب کرتی ہے۔ مجلس قائمہ کے ارکان کی
تعداد چھ ہے جن میں سے دو کا سرکاری ملازم ہونا ضروری ہے۔ مجلس قائمہ اپنا صدر نشین اپنے پہلے اجلاس میں منتخب کرتی ہے۔ اس کا
نصاب تین ہے اور اس کا اجلاس معمولاً ہفتہ میں ایک مرتبہ اور ضرورتاً دیگر اوقات میں اور ناظم بلدیہ کی تحریری درخواست پر
چوبیس گھنٹہ کے اندر غیر معمولی اجلاس بھی منعقد ہو سکتا ہے۔ ناظم بلدیہ مجلس قائمہ کے اجلاسوں
میں ہو سکتا ہے۔ البتہ رائے نہیں دے سکتا۔ مجلس قائمہ اپنے فرائض کی انجام دہی کیلئے
ہر حلقے میں ذیلی کمیٹی بھی مقرر کر سکتی ہے جو ایک رکن مجلس بلدیہ اور دو ممبروں

مولوی محمد شاہ عالم خانصاحب معزز رکن بلدیہ سمت چہارم اندرون

حیدرآباد پرنٹنگ ورکس

اعزازی اور شرتی ہو گی۔ مجلس قائمہ کا ہر رکن ہر ایسے اجلاس کی شرکت کی بابت
جس میں نصاب کامل رہا ہو اور کام انجام دیا گیا ہو جس میں وہ ابتدا سے
انتہا تک حاضر رہا ہو دس روپیہ زیادہ پانے کا مستحق ہے گو اس کے ساتھ یہ شرط بھی
ہے کہ ایک ہفتہ میں دس روپیہ سے زیادہ معاوضہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ ناظم بلدیہ کے
تخمینوں اور تجویزوں پر غور کر کے موازنہ بنانا بھی اسی کا کام ہے۔ جو برغرض منظوری بلدیہ میں پیش کیا جائیگا۔

ناظم بلدیہ ناظم بلدیہ سرکار عالی کا مقرر کردہ عہدہ دار ہے وہ پانچ سال کی قابل تجدید مدت کے لئے مقرر کیا جاتا ہے اور کل وقت کا ملازم ہے گو یہ صحیح ہے کہ بیشتر اراکین کی رائے کی بنا پر اس کی علحدگی کی نسبت سرکار عالی میں تحریک کی جا سکتی ہے۔ لیکن بہت بڑی حد تک وہ مجلس بلدیہ سے آزاد اور خود مختار عہدہ دار ہے۔ اس کے اختیارات نہایت کثیر اور اعلیٰ ہیں [illegible] خلاف [illegible] ہوگا کہ [illegible] بلدیہ حیدر آباد کا مرکز ثقل ہے یہاں تک کہ وہ اپنے اختیار تمیزی کی بنا پر کسی شکل [illegible] اور امداد و ستار کو مجلس بلدیہ میں پیش کرنے سے انکار کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں مجلس بلدیہ زیادہ سے زیادہ ایک معینہ [illegible] کو مقرر کر سکتی ہے۔ جس کے فیصلے کے پابند مجلس بلدیہ و ناظم بلدیہ دونوں ہونگے۔ بہر حال ناظم بلدیہ سب سے بڑا انتظامی عہدہ دار ہے۔ بہ استثنائے معتمد بلدیہ تمام افسران صیغہ مثلاً۔ اگزیکٹیو انجنیر، ہلت افسر، اسیسر اور مشیر قانونی بلدیہ اس کے ماتحت ہیں۔ تمام ماتحت عہدہ داران اور ملازمین کے فرائض کا تعین اور نگرانی اسی کا کام ہے۔ انتخاب کا پورا سلسلہ اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔

فرائض مجلس بلدیہ بلدیہ حیدر آباد کے فرائض دو قسم کے ہیں۔ چند امور ایسے ہیں جن کا مناسب و معقول انتظام کرنا اس پر ضروری ہے بمثلاً بدروں نالیوں اور دیگر کارہائے رفاہ عام کی تعمیر نگہداشت وصفائی عام اور خانگی اغراض کے لئے کارہائے آبرسانی تعمیر کرنا اور قائم رکھنا، کثیف مادوں کا صاف کرانا اور ان کو ٹھکانے لگا دینا مضر صحت مقامات کی اصلاح ولادت و اموات کا درج رجسٹر کرنا فائر بریگیڈ کا قائم کرنا شوارع عام اور بڑے چھوٹے پلوں اور راستوں کی تعمیر نگہداشت۔ تبدیلی۔ اصلاح اور ترقی۔
شوارع پر روشنی چھڑکاؤ اور ان کی صفائی کا انتظام کرنا وغیرہ وغیرہ۔ چند امور ایسے ہیں جن کا انصرام مجلس بلدیہ اپنے صوابدید پر کر سکتی ہے بمثلاً ابتدائی تعلیم کے متعلق کارروائی کرنا باغات اور سبزہ زاروں کا قائم کرنا نامی اور معزز اشخاص کے لئے اڈریس تیار کرانا اور پیش کرانا کوئی ایسی تدبیر کرنا جو بہ گمان غالب عامہ خلائق کی صحت، عافیت، بہبود یا تعلیم کی ترقی دینے والی ہو

آمدنی بلدیہ حیدر آباد کو آمدنی کے حصول کے لئے چند ٹیکس بہ منظوری سرکار عالی وصول کرنے کا اختیار حاصل ہے جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) جائداد ٹیکس (۲) گاڑیوں اور چوپایوں کا ٹیکس (۳) آبرسانی کا ٹیکس

قابل ادائی ٹیکس جائداد کی قیمت کے مشخص کرنے کے دو طریقے ہیں اگر جائداد کرایہ پر
دی گئی ہو تو اس کے سالانہ کرایہ پر یا اگر جائداد کرایہ پر نہ دی گئی ہو لیکن اس کے سال
بسال کرایہ پر دئے جانے کی معقول توقع ہو سکتی ہو تو رقم متوقع سالانہ پر۔
مگر جو قیمت اس طرح قرار پائیگی اس میں سے فیصدی دس وضعات

بغرض ترمیمات اور دوسرے تمام امور متعلقہ جائیداد لگائی جائے گی۔
جائیداد کی قیمت قابل ادائی پر دو طرح کے ٹیکس ہوتے ہیں (۱) عام ٹیکس
جو پانچ فیصدی سالانہ سے کم اور دس فیصدی سالانہ سے زیادہ نہ ہوگا (۲) خاکروبی کا ٹیکس
جو اس شرح سے عاید کیا جائیگا کہ ۳ فیصدی سالانہ سے زائد نہ ہو آخر الذکر ٹیکس صرف چند شرائط
و حالات کے تحت عائد کیا جا سکتا ہے۔ جائداد کے ٹیکس سے چند مکانات یا عمارات مستثنیٰ بھی ہیں مثلاً وہ عمارات و مکانات
جو کلیتاً خیراتی کاموں کیلئے مخصوص ہوں یا وہ جن کے مجموعی کرایہ کی تعداد چھ سو روپیہ سالانہ سے کم ہو ان تمام گاڑیوں اور چوپایوں پر
جو حدود بلدیہ کے اندر رکھے جائیں۔ بہ شرح معین جس کا تعین لحاظ مدت کیا جاتا ہے ٹیکس وصول کیا جا سکتا ہے۔ ان میں بھی چند
مستثنیات ہیں مثلاً ایسا گھوڑا جس کا رکھنا کسی شخص پر بموجب اس کے شرائط ملازمت سرکار عالی کے لازم ہو۔ مجلس بلدیہ ان کے علاوہ دیگر
ٹیکس بھی بہ منظوری سرکار عالی عاید کر سکتی ہے۔

قانوناً مجلس قائمہ پر پابندی عاید کی گئی ہے کہ موازنہ میں ایسی گنجائش رکھے کہ سال کے اختتام پر کم از کم دس ہزار نقد کی بچت
رہے۔ بنا بریں مجلس بلدیہ کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر اندرون سال کسی وقت موازنہ کی گنجائش میں باوجود رقوم منظورہ کی ایک مد کی
گنجائش کو کلاً یا جزاً دوسری مد میں منتقل کرنے کے یا کسی بیشی کے اس سال کی آمدنی اس سال کی منظور شدہ رقم کے پورا کرنے اور ختم
سال پر دس ہزار کے پس انداز کرنے کے لئے کافی نہ ہو تو وہ غیر منقضی مدت کے لئے مد میں اضافہ بھی کر سکتی ہے۔

اختیار قرضہ

بلدیہ کو سرکار عالی یا دوسرے اشخاص سے بہ منظوری سرکار عالی چند شرائط کے تحت قرضہ حاصل کرنے کا
بھی اختیار ہے۔ اور وہ بطریق ضمانت کل ٹیکس یا کوئی خاص ٹیکس یا اپنی مملوکہ جائداد غیر منقولہ بھی رہن کر سکتی ہے

تحت تعمیر تالاب و نہر

نمبر	نام تالاب	ضلع	لاگت	نمبر	نام تالاب	ضلع	لاگت
۱	حمایت ساگر	نواح حیدرآباد	[illegible]	۱۰	نظام ساگر	نظام آباد	[illegible]
۲	خزانہ آب پالیر	ورنگل	[illegible]	۱۱	نہر نظام ساگر		
۳	فتح نہر	میدک	[illegible]	۱۲	نہر نظام ساگر معہ شاخیں		
۴	محبوب نہر	نظام آباد میدک	[illegible]	۱۳	اجرائی آب نہر نظام ساگر		
۵	تالاب رائن پلی	میدک	[illegible]	۱۴	پنڈلی پاکا پراجکٹ	بیدر کنڈہ ڈنگلکنڈہ	زیر تعمیر
۶	تالاب پاٹل مرجاڈ	رائچور	[illegible]	۱۵	تنگبھدرا پراجکٹ		زیر تجویز
۷	خزانہ آب ڈیرا	ورنگل	[illegible]	۱۶	انجم پراجکٹ		سرسلہ
۸	عثمان ساگر	نواح حیدرآباد	ایک کروڑ [illegible]	۱۷	بوڈن بلبل تالاب	سمت نظام آباد	
۹	تالاب سنگم جوابم	ورنگل	[illegible]				

از جناب مولوی سید محمد حسین صاحب ایم۔ اے لکچرار سٹی کالج حیدرآباد دکن

قوم کے نونہالوں کی تعلیم و تربیت متمدن ممالک میں حکومت کا سب سے اہم فریضہ سمجھا جاتا ہے۔ ہر ملک جہاں کی حکومت قومی کہی جاسکتی ہے۔ اپنی توجہات کا بہترین حصہ نئی پود کے نشو و نما اور تعلیم و تربیت پر صرف کرتا ہے۔ یہی حقیقت میں قوم کو قوم بنانے والا کام ہے۔ اس پر شاندار مستقبل اور آئندہ کے سود و بہبود کا انحصار ہے۔ قومی ضروریات کے تمام شعبوں کی کامیابی اور ترقی کا ضامن یہی گروہ ہے جو آج بغلوں میں کتابیں دبائے دنیا و مافیہا سے بے خبر مدرسوں اور تعلیم گاہوں کو جاتا نظر آتا ہے۔ اس گروہ کی جسمانی، دماغی اور اخلاقی ترقی کیلئے جس قدر بھی کوشش کی جائے کم ہے۔ ہمارے وطنِ مالوف کا مستقبل بھی ہمارے ملک کے ان بے شمار نونہالوں سے وابستہ ہے۔ جو آج مدارس تحتانیہ، وسطانیہ، فوقانیہ اور کالجوں میں زیر تعلیم ہیں ہماری یہی مبارک نسلیں اس فخر ہندوستان سرزمین کو اپنے کارناموں سے شہرت بخشیں گے۔ ہم اپنی خوش قسمتی پر جس قدر بھی فخر کریں بجا ہے کیونکہ ہمارے ظل اللہ اعلیٰ حضرت **نواب میر عثمان علی خان بہادر آصف جاہ سابع** خلد اللہ ملکہ نے اپنی عزیز رعایا کی فلاح و بہبود جہاں اور کام جاری فرمائے اس قوم ساز سررشتے یعنی تعلیمات کی طرف بھی خاص توجہ مبذول فرمائی۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہماری قومی زندگی کے ہر شعبے میں اس وقت جو ترقی کے آثار نظر آرہے ہیں۔ اور تابناک مستقبل کی جو توقعات پیدا ہوگئی ہیں اس کا راز حضرت سلطان العلوم کی تعلیمی مسیحا نفسی میں مضمر ہے تو بیجا نہیں۔ اور بے اختیار مولانا سلیم مرحوم کا ہم نوا ہو کر دل پکار اٹھتا ہے۔ ؎

زندہ کردی چوں مسیحا علم و فن را در دکن ؎ زندہ باشی اے حضرت عثمان علی خاں زندہ باشی۔

اس مختصر مضمون کا مقصد تعلیم و تربیت کے بارے میں مسیحائے علم و فن حضرت سلطان العلوم کے بابرکت دور (خدا تعالیٰ اس کو عرصۂ دراز تک قایم رکھے) کی تعلیمی ترقیوں کو اجمالاً پیش کرنا ہے۔

اگرچہ تعلیم کے معاملے میں بھی بہت عرصہ پہلے نواب سر سالار جنگ اول نے انتظام مملکت کے اور شعبوں کی طرف توجہ کی اور ان کی مساعی سے قدیم اور جدید دونوں قسم کی تعلیم کے لئے شہر حیدرآباد میں مدارس کا قیام عمل میں آیا لیکن رفتار ترقی بہت ہی دھیمی رہی اور ایک طویل مدت کے بعد بھی حضرت سلطان العلوم کی اورنگ نشینی کے وقت ہمارے ملک میں صرف دو کالج تھے ایک انگریزی تعلیم کا دوسرا مشرقی تعلیم کا۔ مدارس کی تعداد بھی نہایت محدود تھی۔ صنعتی اور فنی تعلیم کی

طرف تو بہت ہی کم رجحان تھا اور کار آمد فنون کی تحصیل کے لئے بہت
ہی کم تعلیم گاہیں قائم تھیں۔ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے حضور پرنور نے
اپنی تخت نشینی کے ساتھ ہی اس سررشتے کو اپنی شاہانہ توجہات سے بطور خاص
منتخب فرمایا اور سررشتے کی عنان نظم ونسق لائق اور کارداں افراد کے سپرد فرما کر تعلیم کے
ہر شعبے میں وسعت و ترقی کے سامان بہم پہنچانے۔ قبل ازیں ابتدائی تعلیم جو ہر انسان کے لئے حاصل کرنا ضروری ہے
اور جس پر آئندہ کی تعلیمی ترقیوں کا دارو مدار ہے نہ صرف محدود بلکہ غیر مستحکم تھی۔ جو مدارس ابتدائی قائم تھے اُن میں نصاب کی
یکسانیت تھی نہ طریقہ ہائے تعلیم میں جدت۔ زیادہ تر ملاؤں۔ پنتلوں کے خانگی ادارے اس کام کو انجام دیتے تھے۔ جو لوگ
بچوں کی فیس ادا کرنے یا خانگی استاد کی خدمات حاصل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے اُن کے لئے اس کے دروازے بھی
بند تھے۔ اولاً ابتدائی تعلیم عام کردی گئی نہ صرف شہروں اور قصبات بلکہ گاؤں گاؤں میں مدارس تحتانیہ قائم کئے گئے
اور ملک کی چاروں زبانوں، اردو، تلنگی، مرہٹی، اور کنڑی میں تحتانی تعلیم کے تمام انتظامات مستحکم طور پر عمل میں لائے گئے
نیز قانون کے ذریعہ ابتدائی تعلیم کو مفت کردیا گیا جس سے ملک کی خواندگی میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ ابتدائی تعلیم کی تعمیم
کے ساتھ ہی مدارس ثانویہ کی توسیع و استحکام کی ضرورت بھی لاحق ہوئی۔ ثانوی تعلیم کا مسئلہ بھی بہت اہمیت رکھتا ہے
طلبہ کی ایک جماعت کثیر اس درجے کی تحصیل کے بعد تعلیم ختم کرکے عملی زندگی میں داخل ہوتی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ ایک
اور بڑی جماعت اعلیٰ تعلیم کے درجے میں قدم رکھتی ہے ان دونوں امور کے مدنظر اس درجے کی تعلیم کو خود مکتفی اور اعلیٰ
تعلیم کا زینہ بنانے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ عہد ہمایونی میں وقتاً فوقتاً ان امور کے مدنظر اصلاحات کی جاتی رہی ہیں۔
مدارس وسطانیہ اور فوقانیہ کی تعداد میں نہ صرف غیر معمولی اضافہ ہوا بلکہ کار آمد مضامین کو شریک نصاب کیا گیا۔ اس وقت
ریاست حیدر آباد کے تمام شہروں اور متعدد بڑے اضلاع بلکہ بعض بڑے بڑے تعلقات میں بکثرت فوقانیہ مدارس قائم ہیں۔ کچھ
دنوں سے حرفتی تعلیم کا بند وبست بھی ہونے لگا ہے۔ دستی مشاغل جو طلبہ کی ذہنی ترقی میں ایک گونہ معاون ہوتے ہیں۔ تقریباً
تمام مدارس ثانویہ میں رائج کئے گئے ہیں۔

ابتداءً اعلیٰ تعلیم کے لئے حیدر آباد میں صرف دو کالج قائم تھے ایک دار العلوم جہاں علوم مشرقیہ سکھائے جاتے تھے
اور دوسرا نظام کالج جس میں مغربی علوم کی تعلیم ہوتی تھی۔ یہ دونوں درسگاہیں۔ بیرون ملک کی جامعات سے ملحق تھیں اول الذکر کا
الحاق جامعہ پنجاب سے تھا اور آخر الذکر کا جامعہ مدراس سے۔ اعلیٰ تعلیم کی حد تک نہ مقامی ضروریات کسی طرح ملحوظ تھیں نہ ملکی
السنہ کا کوئی خاص خیال پیش نظر تھا۔ قومی ترقی کے لئے مشرق و مغرب کے علوم کا باہمی امتزاج اور ملک کی مشترکہ قومی زبان کے ذریعہ
علوم و فنون کی تحصیل، جو اس وقت سارے ہندوستان میں صرف اس ریاست ابد مدت کا طرۂ امتیاز ہے، عہد عثمانی کی پائیدار برکات
میں سے ہے۔ جامعہ عثمانیہ کی تاسیس فرما کر اعلیٰحضرت بندگانعالی نے نہ صرف یہ کہ حیدر آباد کی تعلیمی ترقی کی رفتار میں صد گونہ اضافہ فرمایا
بلکہ سارے ہندوستان کے تعلیمی معاملات میں بے نظیر رہنمائی فرمائی ہے۔ اس جامعہ کے شاندار ثمرات کو دیکھ کر آج
ہندوستان کے تقریباً ہر صوبے میں ملکی زبانوں کو تعلیم کا ذریعہ بنانے کا میلان پیدا ہو گیا ہے
اگرچہ ابتداً بعض ماہرین تعلیم کو اس جامعہ کی کامیابی مشتبہ نظر آتی تھی، لیکن ملکی
زبان کے ذریعہ تحصیل علم سے جو ذہنی ارتقاء حیدر آباد کے نوجوانوں میں نظر آیا۔

اُس نے نہ صرف اُن کے تمام شبہات رفع کردیئے بلکہ اس طریقے کا ان کو بھی گرویدہ بنادیا ۔ حقیقت میں یہ ایک ہی اعجاز تعلیمی عہد عثمانی کو تاریخ میں اپنی نظیر آپ بنانے کے لئے کافی ہے۔ حضور پرنور کی دُور رس طبیعت نے ملک کی ترقی کے لئے اس جامعہ کے ذریعہ وہ راستہ کھول دیا ۔ جس پر گامزن ہو کر اقوام یورپ اوج کمال کو پہنچی ہیں اور آج حیدرآباد بھی اس منزل کی طرف تیز قدمی سے گامزن ہے ۔

کسی ملکی زبان کو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ بنانا آسان کام نہیں ۔ انگریزی میں علوم وفنون کا جو بےنظیر ذخیرہ موجود ہے اور ہر علم وفن کی جس قدر کثیر اصطلاحات پائی جاتی ہیں ان کو کسی دیسی زبان میں منتقل کرنا صرف حضرت سلطان العلوم کی شاہانہ ہمت ہی کا کام تھا ۔ ذاتِ شاہانہ نے اولاً دارالترجمہ اور مجلس وضع اصطلاحات قایم کرکے اس دشوار گزار مرحلہ کو طے فرمادیا ۔

اس ادارے کی کوشش سے اردو زبان جس میں قدرتاً ترقی کرنے اور اصطلاحات علمیہ کو خوش اسلوبی سے قبول کرنے کی صلاحیت ہے ۔ بہت سی بلند پایہ علمی کتابوں اور ہزاروں علمی اصطلاحات سے مالا مال ہو گئی ۔

عمومی تعلیم کی اس غیر معمولی توسیع وتعمیم کے ساتھ مخصوص طبقات ، خاص خاص گروہوں کے لئے بھی جو سماجی اور معاشی خصوصیات کی بنا پر ایک جداگانہ حیثیت رکھتے تھے تعلیم کا بندوبست نہایت ضروری تھا ۔

پست اقوام جو چھوت چھات کے خیالات اور اپنی معاشی اور سماجی پستی کی وجہ سے سابق میں تعلیم سے سراسر محروم تھے وہ بھی اس مبارک عہد میں زیورِ علم سے آراستہ ہونے لگے ۔ اور مختلف اضلاع اور دارالسلطنت میں اُن کے لئے خصوصی مدارس قایم کئے گئے ہیں ۔ ہندوستان کے اور حصوں میں قومی کارکنوں کی کوششوں کے باوجود اس طبقے کی تعلیمی حالت ابھی اس درجے کو نہیں پہنچی جو ہمارے علم پرور بادشاہ کے مبارک عہد میں یہاں اس وقت نظر آرہی ہے ۔ حضور پرنور کی توجہات عالیہ سے جاگیرداروں کے معزز طبقے کے لئے جو تعلیم سے عموماً بھاگتے تھے ۔ ایک نہایت شاندار اور ترقی پذیر نگاہ جاگیر دار کالج کے نام سے قایم ہوئی ۔ جس پر اس معزز طبقے کے نونہالوں کو اقامت کے ساتھ اُن کے شایانِ شان تربیت بھی دی جاتی ہے ملکی صناع ۔ گل کاری ، برقیات ، انجنیری ، طب قدیم وجدید اور قانون کی تعلیم کے لئے بھی مختلف درس گاہیں ۔ اس دور کی ایک نمایاں خصوصیت ہے ۔ اساتذہ کو جدید طریقہ ہائے تعلیم سے آگاہ کرنے اور پیشہ درست کی کارکردگی کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے ایک کلیہ معلمین اور کئی مدارس تعلیم المعلمین بھی اسی بابرکت دور میں قایم ہوئے ہیں ۔

تعلیم نسواں کی طرف زمانہ سابق میں حیدرآباد کی توجہ بہت ہی کم رہی ہے ۔ ساری ریاست میں لڑکیوں کی تعلیم کیلئے صرف (۸۰) مدارس تحتانیہ اور (۱۰) مدارس ثانویہ سے زیادہ نہ تھے ۔ اُن کی اعلیٰ تعلیم کے لئے سرے سے کوئی انتظام نہیں تھا ۔ عہد عثمانی کے پچیس برس کے اندر تعلیم نسواں نے اس قدر حیرت انگیز ترقی کی ہے ۔ اب (۴۶۷) مدارس تحتانیہ (۲۵) مدارس ثانویہ اور ایک زنانہ کالج اور چار مدارس تعلیم المعلمات میں معلمات کی تربیت اور ٹریننگ کے پردے کی سواریاں خاطر خواہ انتظام کے ساتھ موجود ہیں ۔

اسی مبارک دور میں ملک کے چہرے سے جہالت کا بدنما داغ دور کرنے کے لئے تعلیم بالغاں کی بھی ایک وسیع اسکیم کو نافذ فرمایا گیا اور تقریباً پچاس مدرسے ایسے قایم کئے گئے جو پختہ عمر کے لوگوں کو مفت ابتدائی

از جناب مولوی مرزا محمد عصمت اللہ بیگ صاحب

فن طباعت پر ایک طائرانہ نظر اور عہد ہمایونی میں اس کی ترقی

اعلیٰحضرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کے پیش نظر جامعہ عثمانیہ کی تشکیل سے چونکہ ملک کی ذہنی سطح کی بلندی مد نظر تھی۔ لہذا اس کے مستقل قیام اور خوشگوار وجود نے فرزندان جامعہ کی تربیت کے ساتھ ساتھ اہل ملک کے دلوں میں ترقی کی ایک برقی رو دوڑا دی۔ جس سے ہر شخص اپنے اپنے فن میں آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس رفتار ترقی میں جہاں مختلف فنون میں اہل ملک کا ذوق سلیم کامیاب ہونے لگا۔ وہاں فن طباعت میں بھی نہایت چستی اور تیزی کے ساتھ قدم آگے بڑھایا۔ اہل ملک کی ہمدردی اور گورنمنٹ کی سرپرستی رہبر معاون بنے۔ ان دونوں قوتوں نے کچھ ایسی طاقت بخشی کہ یہ فن بھی دن دونی رات چوگنی ترقی کرنے لگا۔ اب اگر گزشتہ اور موجودہ طباعت کا مقابلہ کیا جائے تو بس ایک فرق عظیم معلوم ہوتا ہے۔

بمقابلہ پہلے کے فن طباعت کے دلدادہ نہ صرف اپنے اپنے کاروبار میں ماہر اور چابکدست نظر آرہے ہیں۔ بلکہ بڑی حد تک طباعت کے ذیلی فنون میں بھی ترقی کرتے جارہے ہیں۔

ایک ماہر فرانسیسی کا قول ہے۔ کہ "ملک کی دماغی پیمائش، خیالات کا ارتقا، علمی چہل پہل، نفیس مذاق، اعلیٰ جذبات اور علوم و فنون کی ترقی کا صحیح اندازہ لوگوں کی زرق برق پوشاکوں اور دھواں دھار تقریروں سے نہیں۔ بلکہ وہاں کی تالیف و تصنیف اعلیٰ درجہ کی طباعت۔ دیدہ زیب اور خوبصورت اشکال سے کیا جاتا ہے۔"

متمدن ممالک میں روزنامے، مصور ماہنامے۔ قدیم کتبات و تصاویر۔ علوم جدیدہ کے انکشافات۔ اور علمی تحقیقات پر آئے دن کتابیں بکثرت شائع ہوتی رہتی ہیں جن کی دیدہ زیب طباعت دیکھکر آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا ہو جاتا ہے پھر لطف یہ ہے کہ ہر تصویر۔ ہر نقشہ۔ اور ہر شکل اپنی نوعیت اور خصوصیت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف کاغذ پر اور ایک دوسرے سے مختلف طریقے پر چھپی ہوئی ہوتی ہے ہر ایک کا رنگ ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے۔ گردکھو تو

بہ حیثیت مجموعی ان میں کسانی ہم رنگی اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

طباعت کے مختلف طریقے

پیشتر اس کے کہ حیدرآباد کی طباعت کے متعلق کچھ لکھا جائے۔ سب سے پہلے طباعت کے ان مختلف طریقوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا نہایت ضروری ہے جو آج کل متمدن ممالک میں رائج ہیں۔ دنیا میں طباعت کے کل تین طریقے ہیں۔

اول (SURFACE METHOD.) یعنی ایسے نقوش کی تیاری یا طباعت جو بالکل مسطح سطح پر ہو۔

دوسرا (RELIEF METHOD.) "ابھت کاری" یعنی ایسے نقوش کی تیاری یا طباعت جو سطح سے ابھرے ہوئے ہو۔

تیسرے (INTIGLIO METHOD.) "نقش کاری" یعنی ایسے نقوش کی تیاری اور طباعت جو سطح سے نیچے ہو۔

پہلی قسم میں لیتھوگرافی، میٹلوگرافی، وینڈ آئنک سسٹم، ہیلیو زنکو، ٹائپ سسٹم۔ اور کولوٹائپ ہیں۔

لیتھوگرافی لیتھوگرافی سے مطلب پتھر پر لکھنا یا پتھر کے ذریعے سے چھاپنے کے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اول عبارت یا تحریر کاپی کے کاغذ پر کاپی کی سیاہی سے لکھی جاتی ہے۔ پھر "لیتھوگرافک اسٹون" کی جلا کی ہوئی سطح پر اس کاپی کو نم کرکے جما دیتے ہیں۔ اور پریس میں رکھ کر دس یا پانچ داب دیتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں تحریر پتھر کی سطح پر منتقل ہو جاتی ہے۔ اس تحریر پر ببول کے گوند کا بچار ادیکر اور نم کرکے لیتھو پرنٹنگ انک یا چھاپنے کی سیاہی کا بیلن دیتے ہیں۔ اصولاً جہاں پانی ہے۔ وہاں چربی اثر نہیں کرتی۔ اور جہاں چربی ہے وہاں پانی نہیں ٹکتا۔ اس طرح چربی کی سیاہی صرف حرفوں پر ایک جان دو قالب ہوکر بیٹھ جاتی ہے۔ پھر اس کو مشین پر جماکر طباعت کی جاتی ہے۔ اس طریقہ طباعت کو ایلائے سینفیلڈر نے سنہ ۱۷۹۶ء میں معلوم کیا۔ یہ جرمنی کا باشندہ الا تھا۔ تقریباً سنہ ۱۸۱۲ء میں یہ فن ہندوستان میں آیا۔

میٹلوگرافی "میٹلوگرافی" (METALO GRAPHY.) جس طرح کہ لیتھوگرافی کے معنی پتھر پر لکھنے کے ہیں اسی طرح میٹلوگرافی کے معنی جست یا المونیم کی چادر پر لکھنے یا ان کے ذریعے سے چھاپنے کے ہیں۔ لیتھو کے بعد یہ طریقہ رائج ہوا۔ سنہ ۱۸۹۱-۹۸ء میں ان کی خوبیاں پوری طور پر ظاہر ہوگئیں۔ اور لوگ عام طور پر جست اور المونیم کی چادروں کو لیتھوگرافی پر ترجیح دینے لگے۔

جست اور المونیم پر تحریر پتھر سے زیادہ صاف۔ واضح اور کھنچی ہوئی منتقل ہو جاتی ہے۔ یہ نہ تو پھیلتی ہے۔ اور نہ کمزور ہونے پاتی۔ چادریں پتھر سے بہت زیادہ ہلکی اور بہت کم قیمت ہوتی ہیں۔ پتھر کی طرح ٹوٹنے کا خطرہ مطلق نہیں۔ فولڈ اپیر نہایت سہولت سے منتقل ہو جاتا ہے۔ اپیر راست لکھ سکتے ہیں۔ یا نقشہ وغیرہ بنانے کے لئے جہاں چاہیں روانہ کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ طباعت کا وہی طریقہ ہے جو لیتھو اسٹون کا ہے۔ آفسیٹ مشین کی طباعت کے لئے نہایت موزوں ثابت ہوئی ہیں۔ ہزار ہا داب دینے پر بھی تحریر خراب نہیں ہونے پاتی۔ اور بہت کم جگہ میں بہت سی پلیٹیں محفوظ کی جاسکتی ہیں۔

ان تمام خوبیوں نے پتھر کو نظروں سے گرادیا اور اب تقریباً ہر جگہ جست اور المونیم کی چادروں پر طباعت ہونے لگی۔

وینڈ آئنک سسٹم جست پر اول تو معمولی طور سے (ٹرانسفر انک یا وینڈ آئنک انک سے) راست لکھ سکتے ہیں۔ اور آفسیٹ مشین پر جماکر اس سے طباعت کرسکتے ہیں ورنہ زنک (جست) کی سطح پر تحریر منتقل کرنے کے مندرجہ ذیل طریقے ہیں

وینڈائک سسٹم | یہ طریقہ مسٹر وینڈائک نے ایجاد کیا ہے جو سروے جنرل آفس کلکتہ کے منیجر تھے - اگر نقشہ، تصویر یا عبارت کو بجنسہ اسی پیمانہ پر منتقل کرنا ہے - تو یہ نسخہ سب سے کم خرچ اور بالانشین ہے -

اس کا طریقہ یہ ہے کہ اول عبارت یا نقشہ ایک سپید کاغذ یا ٹریسنگ کلاتھ پر کالی سیاہی (انڈین - چینیا یا چن چن انک) سے بنالیا جائے - پھر ایک گرینڈ[1] (GRAIN.) کی ہوئی جست کی چادر کی سطح پر المونیم بائی کرومیٹ اور چینیا گلو کا سلوشن اسفنج سے کوٹ کریں - خشک ہونے پر وہ تحریر جست پر اس طرح جمائیں کہ تحریر کا رخ جست کی کوٹ کی ہوئی سطح پر ہو - اور دونوں کو پرنٹنگ فریم میں کس کر دھوپ میں تقریباً دو منٹ اکسپوز کریں - اس کے بعد ڈارک روم میں لاکر اس سطح پر پانی بہائیں تھوڑی دیر میں وہ نقشہ یا تحریر چادر کی سطح پر موتی کی طرح نمایاں ہوجائے گی - خشک ہونے کے بعد اس پر تھوڑی سی وینڈائک انک ڈالیں اور ململ سے اچھی طرح رگڑیں - جب پوری سطح سیاہ ہوجائے تو چادر گرم پانی کے حوض میں ڈال دیں - ایک گھنٹے کے بعد اسفنج سے آہستہ آہستہ رگڑیں اس عمل سے زمین کی سیاہی نکل جاتی ہے - اور منتقل شدہ عبارت پر اس طرح بیٹھ جاتی ہے کہ پھر مٹائے نہیں مٹتی اب یہ پلیٹ طباعت کے لئے تیار ہے - جست کی چادروں سے طباعت کا طریقہ حسب ذیل ہے -

اول اس کی سطح پر ببول کے گوند کا سلوشن مل کر خشک کرلیتے ہیں - پھر تارپین لگاکر پوری عبارت اور نقوش مٹادیتے ہیں - اس کے بعد پانی سے صاف کرکے بچوہن کا سلوشن مل دیتے ہیں جو حرفوں میں اچھی طرح سے بیٹھ جاتا ہے - پھر پانی سے صاف کرکے ہلکا سا پانی کا بخار، ادیکر چربی کی سیاہی کا بیلن دیتے ہیں - جب حروف اچھی طرح سے سیاہی لے لیں تو پلیٹ کو فلیٹ بڈ مشین کے تختہ پر کس کر طباعت کا کام شروع کردیتے ہیں -

ہیلیو زنکو پروسس | (HELIO ZINCO PROCESS) اگر نقشہ یا تحریر کا سائز اصل نقشہ یا تحریر سے کم یا زیادہ کرنا ہے تو یہ طریقہ ہے کہ اول فوٹو کے ذریعہ حسب منشا نگیٹو تیار کرلیتے ہیں - پھر ایک جست یا ایلومینیم کی چادر کی سطح پر ایلومینیم بائی کرومیٹ اور فش گلو اور البومن کا سلوشن اس طرح کوٹ کرتے ہیں کہ سلوشن کی تہ کہیں کم و بیش نہیں ہونے پاتی (یہ عمل عام طور سے جست یا ایلومنیم کی چادر کو دھرلر پر جماکر کرتے ہیں) خشک ہونے پر کوٹ کئے ہوئے حصے کی جانب نگیٹو کی فلم جماتے ہیں - اور فریم میں کس کر دھوپ میں دو چار منٹ اکسپوز دیکر - ڈارک روم میں چادر کو کھولتے ہیں - پھر اسے ٹیبل پر رکھ کر تھوڑی سی چربی کی سیاہی (لیتھو گرافک جاک انک بیزول میں ملاکر) اس کی سطح پر ڈالکر ململ کے کپڑے سے اچھی طرح ملتے ہیں - اور سیاہی خشک ہونے پر چادر کو ٹھنڈے پانی کے حوض میں ڈال دیتے ہیں - ایک گھنٹہ بعد ہلکے ہاتھ سے اس کی سطح پر روئی پھیرنے پر ان مقامات کی سیاہی بالکل نکل جاتی ہے جہاں روشنی کا اثر نہیں ہوا ہے اور صرف اس تحریر پر سیاہی رہ جاتی ہے - جس کو نگیٹو کے ذریعے اکسپوز کیا گیا ہے - اب اس چادر کو مشین پر جماکر متذکرہ بالا طریقہ پر طباعت کرلی جاتی ہے -

ٹائپون پروسس | تیسرا طریقہ ٹائپون پروسس (TYPON PROCESS.) کے نام سے مشہور ہے جو ۱۹۲۵ء میں پرنٹنگ ٹریڈس ایگزامنیشن میں بتایا گیا تھا - جس کارخانہ میں کیمرہ وغیرہ کا بندوبست ہے - اور چادروں کو آفسٹ مشین پر طبع کرنا مقصود ہے تو یہ طریقہ مستعمل ہے -

اول عبارت کو سپید کاغذ پر کالی سیاہی (چن چن یا انڈین انک) سے لکھ لی جاتی ہے - اور ..

[1] جست یا ایلومینیم کی چادر پر کام کرنے سے پیشتر انہیں ریتی اور اس پر بہت سی شیشہ کی گولیاں ڈالکر ہلاتے ہیں - اس عمل سے ان میں مسامات اور دانے پیدا ہوجاتے ہیں - یہ عمل صندوق یا گرینگ مشین میں کرتے ہیں -

ڈارک روم میں یہ تحریر اور "ٹائپین فلم" دونوں کو پرنٹنگ فریم میں کسکر بجلی یا کسی دوسری روشنی میں اکسپوز کریں ۔ اور اس فلم کو معمولی طور پر ڈویلپ کریں ۔ ہائی پو میں فکس کریں ۔ اور پانی میں اچھی طرح سے دھو کر خشک کریں ۔ اس کے بعد متذکرۂ بالا طریقہ پر زنک یا المونیم کی سطح پر منتقل کریں ۔

مگر اس طریقہ کار میں ایک ذرا کمزوری یہ ہے کہ نقشہ اصل پیمانہ سے بڑھ جاتا ہے ۔ اور یہ کمزوری فلم کے سبب سے ہوتی ہے ۔ جو خود پانی میں دھلنے کے بعد بڑھ جاتی ہے ۔

کولوٹائپ پروسس

سطح پر طباعت کا چوتھا طریقہ کولوٹائپ (COLLOTYPE PROCESS) ہے ۔ اس کی ایجاد فوٹو لیتھو کے بعد عمل میں آئی ۔ اور وہ طریقہ یہ ہے ۔

ایک موٹے شیشہ کی سطح پر پٹاشیم بائی کرومیٹ اور جیلیٹین کا ہلکا سا کوٹ کر دیتے ہیں ۔ جو بہت جلد خشک ہو جاتا ہے ۔ اس پر نگیٹو رکھ کر اکسپوز کرتے ہیں ۔ تھوڑی دیر میں ہلکا سا عکس سطح پر نمایاں ہو جاتا ہے ۔ اسے ڈارک روم میں ٹھنڈے پانی سے دھوتے ہیں جس حصہ پر روشنی کا اثر پہنچا ہے ۔ وہ ابھر جاتا ہے ۔ خشک ہونے پر گلاس کو سیمنٹ کی تہ پر بٹھا کر ذرا سا پانی سے تر کر کے سیاہی کا بیلن پھیر دیتے ہیں ۔ جب تصویر یا تحریر پوری طور پر سیاہی لے لیتی ہے تو معمولی لیتھو کی طرح اس سے طباعت کی جاتی ہے ۔

۱۸۶۰ء میں کرنل سر ہنری جیمس نے کولوٹائپ سے تیار کئے ہوئے نقشوں کو زنک پر منتقل کرنے کا طریقہ ایجاد کیا اور آج کل اسی طریقہ پر ہاف ٹون منتقل کر کے چھاپا جا رہا ہے ۔

طباعت کی دوسری قسم وہ ہے جس میں نقوش سطح سے ابھرے ہوئے ہوتے ہیں ۔ اس میں ٹائپ ۔ لائن ۔ ہاف ٹون ۔ دو رنگی اور سہ رنگی بلاک شامل ہیں ۔

ٹائپ سے لوگ عام طور پر واقف ہیں ۔ اول حروف تہجی اور اس کے جس قدر جوڑ ہیں با قاعدہ علحدہ ایک کاغذ پر لکھ لئے جاتے ہیں ۔ پھر ہر حروف یا جوڑ کو یا تو فوٹو کے ذریعے سے منتقل کر دیتے ہیں ۔ یا خود انگریور مختلف طریقوں سے ان حروف کو فولاد کی سطح پر الٹا منتقل کر لیتے ہیں ۔

اس کے بعد اس حرف کی مونتان چھوڑ کر بقیہ حصہ کو گریور سے کاٹ ڈالتے ہیں ۔ اس کو پنچ کہتے ہیں ۔ پھر اس پنچ کو تانبے کے ایک مسطح ٹکڑے کی سطح پر جما کر ہتھوڑی سے مارتے ہیں ۔ اس عمل سے اس تانبے کے ٹکڑے میں اس حرف کا سانچا بن جاتا ہے اسے میٹرکس کہتے ہیں ۔ اب اس میٹرکس کو ٹائپ کاسٹنگ مشین میں جما کر ٹائپ ڈھالتے ہیں ۔ یہی ٹائپ ہے جس سے کہ عام طور پر طباعت کی جاتی ہے

لائن بلاک

لائن ورک جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ۔ ایسے نقوش کو کہتے ہیں ۔ جو بالکل سیاہ ہوں یا سیاہ زمین پر بالکل سپید تحریر ہو ۔ اور اس میں کسی قسم کا ٹون یا شیڈ نہ پایا جائے ۔

ابتدا میں انگریور جست یا سیسہ پر نقوش منتقل کر کے ہاتھ سے کھود لیا کرتے تھے ۔ یہ بلاک بالکل اسی طرح کے ہوتے تھے جس طرح کہ آج کل لکڑی کی سطح کاٹ کر چھاپے بنائے جاتے ہیں ۔

۱۸۵۵ء میں ادویات سے کھود کر بلاک تیار کرنے کا طریقہ ایجاد ہوا ۔ اور اب اس قدر ترقی ہو گئی ہے کہ کوئی دست کاروں کا (خصوصاً لائن بلاک کے معاملہ میں) ممنون منت نہیں رہا ۔ چنانچہ جس تحریر کا لائن بلاک تیار کرنا ہے ۔ اول وہ نقوش

یا تحریر کالی سیاہی سے سپید کاغذ پر بنالی جاتی ہے۔ پھر اس تحریر کا فوٹو کے ذریعے نگیٹو تیار کرلیتے ہیں۔ چونکہ کیمرہ کے آگے پرزم (Prism) ہوتا ہے۔ اسلئے تحریر کا عکس آئینہ میں گزرتے ہوئے کیمرہ میں پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معمولی کیمروں کے برخلاف نگیٹو پر وہ عکس اصل تحریر کی طرح بالکل سیدھا ہوتا ہے۔

پھر ایک زنک پلیٹ (جست کا ٹکڑا) کو صاف کرکے اس کی سطح پر فش گلو۔ ایمونیم بائی کرومیٹ اور البومن کا سلوشن وھرلر کے ذریعے کوٹ کرتے ہیں۔ اور اُس پر نگیٹو جما کر فریم میں کس کے تین چار منٹ دھوپ میں اکسپوز دیتے ہیں۔ اس کے بعد ڈارک روم میں لاکر اس کے سطح پر اچھی طرح سے پانی بہاتے ہیں۔ جو حصہ روشنی سے متاثر نہیں ہوا ہے۔ وہ پانی سے دُھل جاتا ہے اور وہ حصہ جس پر روشنی کا اثر ہوچکا ہے۔ وہاں گلو سخت ہوکر مضبوط بیٹھ جاتا ہے اس حالت میں پلیٹ کو وائی لین ڈائی (اودے رنگ) میں ڈالدیتے ہیں۔ متاخرالذکر حصہ پر رنگ چڑھ جاتا ہے۔ اور تمام نقوش جست کی سپید سطح پر اودے رنگ میں علحدہ رکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

اس پلیٹ کو اسٹو پر جلاتے ہیں جس سے گلو اور مضبوط بیٹھ جاتا ہے۔ بلکہ ان مقامات پر کرومیم کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے پھر پلیٹ کو نائٹرک ایسڈ میں ڈالدیتے ہیں۔ جہاں گلو موجود ہے اس پر نائٹرک ایسڈ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بقیہ حصوں کو نائٹرک ایسڈ برابر کاٹتا چلا جاتا ہے۔ تھوڑی دیر میں وہ نقوش ابھر آتے ہیں۔ اب اس پلیٹ کو لکڑی کیلوں سے بٹھا دیتے ہیں۔ لیجئے یہ لائن بلاک تیار ہوگیا۔ اس بلاک کو ٹریڈل مشین میں کس کر بٹھا دیتے ہیں۔ اور ٹائپ ایک سے چھاپتے ہیں۔

ہاف ٹون ایسی تصاویر جن میں شیڈ (سیاہی) اور ہائی لائٹ (سپیدی) کے درمیان مختلف شیڈ اور ٹون (ہلکی اور گہری سیاہی) موجود ہوں۔ اُسے ہاف ٹون کہتے ہیں۔ ابتدا میں اس کیفیت کو آرٹسٹ مختلف طریقوں سے ظاہر کرتے تھے۔ بعض اس درمیانی کیفیت کو چھوٹے اور بڑے نقطے (STIPPLING) اور بعض موٹے اور مہین خطوط کھینچکر اور بعض لوگ چاک سے شیڈنگ دیکر نمایاں کرتے تھے۔ مگر ۱۸۹۶ء میں جالی (اسکرین) کی ایجاد نے ان تمام مصیبتوں سے نجات دلادی اور آرٹسٹ صاحبان کی خوشامد کرنے سے بے نیاز کردیا۔

اسکرین یا جالی ایک صاف شفاف شیشہ ہوتا ہے۔ جس کی سطح پر نہایت مہین سیدھے اور آڑے خطوط ہیرے کی کنی سے کھود کر گراف کی سی شکل پیدا کردی جاتی ہے۔ ان خطوط کا فاصلہ ایک دوسرے سے تقریباً ½ انچ سے لیکر (۱/۲۰۰) انچ تک ہوتا ہے گویا ایک مربع انچ میں (۶۰) خطوط سے لیکر (۴۰۰) خطوط تک ہوتے ہیں۔ یہ خطوط نہایت صاف اور شفاف ہوتے ہیں۔

تصویر کا نگیٹو تیار کرتے وقت اس اسکرین کو نگیٹو (NEGATIVE) کے پاس لگا دیتے ہیں۔ اور ایک مقررہ فاصلہ پر رکھکر تصویر کا عکس لیتے ہیں۔ اس عمل سے تصویر مہین مہین نقطوں میں تقسیم ہوجاتی ہے۔

اس نگیٹو کو متذکرہ بالا طریقہ پر زنک یا کاپر پر چھاپ لیتے ہیں۔ اور پلیٹ برن (BURN) کرکے اگر جست ہے تو نائٹرک ایسڈ میں اور اگر تانبا ہے تو آئرن پرکلورائڈ کے سلوشن میں ڈالدیتے ہیں۔ اس عمل سے نقطوں کا سپید حصہ ایسڈ کے اثر سے کھد جاتا ہے۔ اور بقیہ نقطے اپنی اپنی جگہ قایم رہتے ہیں۔ اب اس پلیٹ کے کنارے کاٹ کر تقریباً ایک انچ موٹی لکڑی پر کیلوں سے بٹھا دیتے ہیں۔ اور ٹریڈل مشین پر ہاف ٹون انک وغیرہ سے چھاپتے ہیں۔

رنگین تصاویر چھاپنے کے لئے سہ رنگی بلاک بنائے جاتے ہیں گویا اصل تصویر کے

پاتا تھا۔ اب زنگو گرافی، وینڈ ائک اور ٹائفن پروسس بھی
جاری کر دیا گیا ہے۔ خوبصورت سے خوبصورت وضع کے انگریزی ٹائپ
موجود ہیں قیمتی سے قیمتی مشین آفیسٹ روٹری پلانٹ۔ فلیٹ بڈ اور دیگر برقی
مشینوں سے مطبع برقی بنا ہوا ہے۔ ثلث اور نستعلیق ٹائپ بھی ڈھالا جا رہا ہے۔ بشر لیجے
ناظم طباعت سرکار عالی کے زیر نگرانی اس کے تمام کاروبار باحسن الوجوہ انجام پا رہے ہیں۔ جو اس کی ترقی
کے لئے ہر طرح کوشاں رہتے ہیں۔

مطبع جامعہ عثمانیہ دوسرا قابل الذکر پریس دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی ہے جو ١٣٣٦ف میں دارالترجمہ سرکار عالی کے تحت قایم ہوا۔ اس کی اہمیت اس وجہ سے بہت زیادہ ہے۔ کہ اول تو اس کا تعلق راست یونیورسٹی سے ہے۔ جہاں تاریخ، جغرافیہ، سیاسیات، معاشیات، منطق، فلسفہ، نفسیات، علم الہندسہ، ریاضیات، کیمیا طبعیات، وغیرہ ان تمام فنون کی کتابیں اردو میں ترجمہ ہو کر طبع ہوتی رہتی ہیں۔ یہی تصویر کے رنگین اور سادے نقشے جات کا کام ہوتا ہے اس کے علاوہ ٹائپ کا کام بھی سرانجام پاتا ہے۔

تقریباً تین سال ہوئے کہ وہاں ایک پروسس اسٹوڈیو کا قیام بھی عمل میں آیا ہے جہاں لائن، ہاف ٹون، سہ رنگی تصاویر، فوٹو گرویر اور ہیلیو سسٹم پر کام کیا جا رہا ہے۔ تاریخ و جغرافیہ کے رنگین نقشہ جات، طبی کتابوں کی تصویریں۔ انجنیری اور سائنس کی شکلیں تیار اور طبع ہوتی ہیں۔ یہ مطبع اور پروسس اسٹوڈیو مولوی الیاس برنی صاحب ناظم دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کی نگرانی میں کاروبار انجام دے رہا ہے جن کی یہ کوشش ہے کہ یہاں ہر کام فنی نقطہ نظر سے نفیس اور اعلیٰ طباعت کے اعتبار سے بلند ہو۔

اس جدید دور میں محکمہ آثار قدیمہ، محکمہ آرائش بلدہ، ڈرینیج، جامعہ عثمانیہ، تعمیرات جامعہ، محکمہ زراعت و تجارت محکمہ صنعت و حرفت، توسیع علاج حیوانات، دفاتر انجمن ہائے امداد باہمی، سررشتہ جات پلیگ و ملیریا وغیرہ کا قیام عمل میں آیا۔ چونکہ کام بہ نسبت پہلے کے بہت بڑھ گیا۔ اس لئے اب اکثر محکموں میں ایک ایک پریس سرکاری طور پر قایم ہو گیا ہے تاکہ بعجلت ممکنہ ہر دفتر کی ضروریات آسانی کے ساتھ سرانجام پاسکیں۔ چنانچہ محکمہ بندوبست کا تصویر پریس بہترین نقشے طبع کر رہا ہے۔ پٹہ خانہ جات۔ محکمہ فوج، عدالت، پولس، اور دیگر محکمہ جات میں پریس قایم ہیں۔ مگر سب سے زیادہ اہم اور قابل الذکر دارالضرب کا مطبع ہے۔ اس میں فوٹو گرویر کے طریقہ پر طباعت نہایت عمدہ ہوتی ہے۔ حیدرآباد کے ٹکٹ۔ مہور کے کاغذات اور کرنسی نوٹوں کی سیاہ طباعت یہیں ہوتی ہے۔ اور یہیں ان کی ڈائیاں بھی تیار کی جاتی ہیں۔

خانگی مطابع یہاں تک تو آپ نے سرکاری کارخانوں کا حال سنا۔ اب غیر سرکاری کارخانوں کا حال بھی سن لیجئے آج سے ٢٥ سال قبل حیدرآباد میں چند اخبار اور معدودے ماہ نامے شائع ہوتے تھے اسی مناسبت سے یہاں آٹھ یا نو طباعت کے کارخانے تھے۔

اور اب اخبارات و ماہ نامے درخشاں ترقی کی مناسبت سے شائع ہوتے ہیں۔ ان کے سالگرہ نمبر اور سالانہ نمبر بڑی آب و تاب سے نکلتے رہتے ہیں۔ پھر نوجوانان ملک کی تالیفات تصنیفات اور تراجم کا سالانہ شمار بیشمار ہو گیا ہے۔ اور ان کے علاوہ ایک معتدبہ تعداد ان قدیم کتابوں کی ہے جن کو زمانہ حال کے ذی حیثیت نوجوان نشر

عہدِ عثمانی کے

مقبول عام اخبارات کا تعارف

(۱) مشیر دکن روزنامہ - حیدر آباد کا قدیم روزنامہ اخبار ہے - جو ۱۲ مارچ ۱۸۹۲ء سے شائع ہو رہا ہے - اور اب تک اپنی سلامت روی اور استقلال وضع کا پابند ہے - پہلے چھوٹی تقطیع پر نکلتا تھا سنہ ۱۹۳۱ء سے بڑی تقطیع کی صورت اختیار کر لی اس کا عمل اسم با مسمیٰ اسکا چلن غیر متزلزل و پائیدار - بہ حیثیت قدامت خاص طور پر قابل ذکر ہے - صحافتی حیثیت سے ملک کا یہ پہلا اخبار ہے اس کے مالک پنڈت کشن راؤ صاحب کا تین سال قبل انتقال ہوا - اب اس کے مالک پنڈت واسدیو راؤ صاحب ایک اچھے جانشین ہیں - راؤ صاحب آنجہانی کے نقش قدم پر کار فرما ہیں - بہرحال یہ اخبار تجربہ کار دور اندیش لائق کارکنوں کی نگرانی میں نکلتا ہے - ملک اس کی دیرینہ ثابت قدمی کا معترف ہے

(۲) صحیفہ روزنامہ - ، ربیع الثانی سنہ ۱۳۲۳ء سے جاری ہوا جس کے موجودہ مدیر صاحب کو عہد عثمانی کا سب سے پہلا خادم ملک ملہ ہونیکا فخر حاصل ہے - پہلے یہ رسالہ کی شکل میں نکلتا تھا جس کی ادارت مشہور استاد سخن حضرت کیفی کے سپرد تھی - من بعد کچھ عرصہ بند رہکر سنہ ۱۳۳۳ء سے زیر ادارت مولوی اکبر علی صاحب اخبار کی شکل میں جاری ہوا - اب تک پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے - مدیر صاحب موصوف چونکہ مذہبی خیال کے پختہ خیال و زمانہ دیدہ اور سختی سے پابند وضع ہیں - آپ کی ادارتی صحافت میں بھی مذہبی عنصر کا لگاؤ زیادہ رہتا ہے - پابند شرع مدیر صاحب نے اس اخبار کو بھی ممنوعات شرع سے محفوظ رکھا ہے - یہ اس اخبار کی خاص خوبی ہے - پہلے یہ بھی مشیر دکن کی طرح چھوٹی تقطیع پر نکلتا تھا - مگر اب اس نے بھی بڑی تقطیع کی صورت اختیار کر لی - اس اخبار کا مشورہ ملک اور اہل ملک کیلئے ہمیشہ مفید و نیک اور دور اندیشی پر مبنی ہوتا ہے -

(۳) رہبر دکن روزنامہ - یہ اخبار ۲۶ شہریور سنہ ۱۳۳۰ف سے شائع ہو رہا ہے - جس کے مدیر مولوی سید احمد محی الدین صاحب ہیں - حیدر آباد کا اس وقت یہی ایک کثیر الاشاعت و مقبول عام وقیع روزنامہ ہے - اس کی زندگی نام و کام کی یکساں ضمانت کے ساتھ درخشاں و کامراں ہے - مراحم خسروی اس اخبار پر بطور خاص مبذول ہیں - ملک کی صحیح رہبری و خدمت اس کا لائحہ عمل - اور صائب رائے و بالغ نظری کا اظہار اس کا اصول و شعار ہے - اس اخبار کی ترقی دوسرے اخبار والوں کیلئے بطور مثال قابل تشویق و تحریص ہے - اس اخبار کی کامیابی کا سہرا لائق مدیر صاحب کے سر ہے جو قابل مبارکباد ہیں - ابتدا یہ بھی چھوٹی تقطیع پر نکلتا تھا بہت جلد رنگ بدل کر بڑی تقطیع پر زائد صفحات کے ساتھ نکلنے لگا - وقت کی پابندی اور اسکے انتظامات نہایت اچھے ہیں - موجودہ اخباروں میں ہر نوع یہ کامیاب اخبار ہے - اسکے خصوصی نمبر و سالنامے ممتاز و نہایت شاندار ہوتے ہیں

(۴) صبح دکن روزنامہ - یہ اخبار ۲ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۷ء سے شائع ہو رہا ہے - اسکے مدیر مولوی احمد عارف صاحب و مولوی علی اشرف صاحب ہیں - نہایت قلیل مدت میں اس اخبار نے بھی یک گونہ مقبولیت حاصل کر لی - گول میز کانفرنس (لندن) کے زمانہ میں ان ہی دنوں مرتبہ بھی شائع ہوتا تھا - اس کے خصوصی نمبر نہایت مستحسن ہوتے ہیں - لائق مدیرین اس اخبار سے ملک کو اسطرح استفادہ بخش رہے ہیں - جس طرح خورشید کی کرنیں صبح کے وقت عالم کو بخشتی ہیں - ہماری دعا ہے اس علمی ادارے کی فیض بخش کرنیں اور بھی پرتنویر ہو کر ملک کو رونق و فائدہ بخشیں - تا کہ اسکی ترقی اہل ملک کی ترقی کا موجب ہے

بفضلہ یہ اخبار بھی الطافِ خسروی سے سرفراز ہے

(۵) منشور و وقت روزنامہ - اخبار منشور ۴ آبان سنہ ۱۳۳۹ف سے شائع ہو رہا ہے - اسکے مدیر مولوی عبد الرحمن صاحب رئیس ہیں - ملک کے مفاد کی خاطر سختی سے صائب آزاد اور اسکے اظہار ہمیشہ اس اخبار کا مسلک رہا ہے - مفاد عامہ اور ملکی ماحول کے تحت ضروری تعلیم سے

نوٹ - بقیہ مضمون صفحہ نمبر (۲۶۹) پر سطر ۱۶ سے ملاحظہ ہو -

مرتبہ محمد فاضل

عہد عثمانی کے اخبارات

(۱) اخبار مشیر دکن (۲) اخبار صحیفہ (۳) اخبار رہبر دکن (۴) اخبار رعیت (۵) اخبار نظام گزٹ
(۶) اخبار دکن پنچ (۷) اخبار الحمایت (۸) اخبار الاعظم (۹) اخبار صبح دکن (۱۰) اخبار منشور (۱۱) اخبار پیام
(۱۲) اخبار اخوت (۱۳) اخبار شوکت الاسلام (۱۴) اخبار نظام وجے (۱۵) اخبار گولکنڈہ پتریکا (۱۶) اخبار ویدک ادرش (۱۷)
آصفیہ گزٹ (۱۸) عثمان گزٹ (۱۹) پولیس گزٹ (۲۰) دکن گزٹ (۲۱) بلیٹن سکندرآباد ۔

عہد عثمانی کے رسائل

(۱) دکن لا رپورٹ (۲) ادیب الاطفال (۳) گلدستہ نادر (۴) دربار (۵) شاہد سخن (۶) معارف (۷) تاج (۸) تزک عثمانیہ
(۹) رہبر مزارعین (۱۰) ذخیرہ (۱۱) امداد باہمی (۱۲) افادہ (۱۳) المعالج (۱۴) نظارت برٹش انڈیا (۱۵) وقائع مالگزاری (۱۶) اتالیق
(۱۷) ثمرۃ الادب (۱۸) شعلہ (۱۹) واعظ (۲۰) دولت (۲۱) النساء (۲۲) نونہال (۲۳) نمائش (۲۴) اردو (۲۵) ترقی (۲۶)
لسان الملک (۲۷) خادمہ (۲۸) المعلم (۲۹) النور (۳۰) سائنس کی صدا (۳۱) صراط المستقیم (۳۲) دستور آصفی (۳۳) ارتقاء
(۳۴) تحفہ (۳۵) نظام کالج میگزین (۳۶) رہبر تعلیم (۳۷) مجلہ عثمانیہ (۳۸) تجلی (۳۹) آئین دکن (۴۰) مجلہ مکتبہ (۴۱) ورزش جسمانی
(۴۲) ترجمان القرآن (۴۳) تاریخ (۴۴) سائنس (۴۵) حیدرآباد ٹیچرس (۴۶) مشاعرہ (۴۷) نورس (۴۸) دلگداز (۴۹) حیات سخن
(۵۰) ہیجولی (۵۱) الکشافہ (۵۲) شہاب (۵۳) سفینہ (۵۴) حسن کار (۵۵) مجلہ تحقیقاتِ علمیہ (۵۶) الموسی (۵۷) اربعین عندلیب
(۵۸) میڈیکل جرنل (۵۹) عطایاء سلطانی (۶۰) صوفی اعظم (۶۱) صوفی (۶۲) المصدق (۶۳) کاشتکار (۶۴) رسالہ محرمان اشتہاری
(۶۵) بھاگیہ اودے (۶۶) رسالہ راج ہنس (۶۷) ارشاد (۶۸) نظارت ہند (۶۹) نظارت مال (۷۰) اسٹانلی کرسنٹ (۷۱) عثمانیہ میگزین
(۷۲) گلزار سخن (۷۳) بزم وطن (۷۴) آئینہ ادب (۷۵) معلم العلوم (۷۶) رفیق دکن (۷۷) نظارت دکن ۔

عہد عثمانی کے مطابع

موجودۃ الوقت مطابع بلدہ و بیرون بلدہ حدود دار السلطنت حیدرآباد

نوٹ ۔ سکندرآباد اور اضلاع کے اسمیں شامل نہیں ہیں ۔

(۱) مطبع نظارت ہند (برقی) (۲) رزاقی مشن پریس (۳) اعظم اسٹیم پریس (برقی) (۴) مطبع مظفری (۵)
اعظم جاہی پریس (برقی) (۶) شمس الاسلام پریس (۷) تاج پریس (برقی) (۸) عماد پریس (۹) رحیم پریس
(۱۰) چشتیہ پریس (۱۱) عثمانیہ المعارف پریس (۱۲) معین دکن پریس (۱۳) جنٹلمن پریس
(۱۴) سلطان پریس (۱۵) چشتی القادری پریس (۱۶) مطبع حیدری (۱۷) احمدیہ پریس

(۱۸) انوار الاسلام پریس (۱۹) نظامیہ پاؤنی پریس (۲۰) برقی پریس
(۲۱) دی دکن پرنٹنگ ورکس (۲۲) خورشید پریس (۲۳) مسعود دکن پریس
(۲۴) افضل برقی پریس (۲۵) سعیدیہ پریس (۲۶) نظام پریس (۲۷) دکن لا رپورٹ
(۲۸) عہد آفرین پریس (۲۹) اسوۂ حسنی پریس (۳۰) گولکنڈہ پتریکا پریس (۳۱) مکتبہ ابراہیمیہ پریس برقی
(۳۲) مقنن پریس (۳۳) مطبع نظام گزٹ (۳۴) مطبع طلسمی (۳۵) انوار المطابع (۳۶) سلطان پریس (۳۷) انجا کنزی پریس
(۳۸) شاردا پریس (۳۹) مارواڑی پریس (۴۰) چندر کانت پریس (۴۱) مطبع نظام و بکیٹے (۴۲) مطبع دکن بیج (۴۳) مطبع منیر دکن
(۴۴) مطبع صبح دکن (۴۵) مطبع پریم ساگر (۴۶) مطبع دار الکتابت (۴۷) شمس المطابع (۴۸) قادریہ پریس (۴۹) دی حیدرآباد پرنٹنگ
پریس (۵۰) مطبع رہبر دکن برقی (۵۱) بہار ستیا نجومی پریس (۵۲) مطبع معلم العلوم (۵۳) مطبع دائرۃ المعارف (۵۴) صحیفہ پریس
(۵۵) مطبع النظام (۵۶) کرناٹک پرنٹنگ ورکس (۵۷) مطبع محمدی (۵۸) سجاد پریس (۵۹) شمسی دہر پریس (۶۰) سچدانند پریس
(۶۱) مانک پربھو پرنٹنگ پریس (۶۲) عالمگیر تحریک قرآن پریس (۶۳) مقبول پریس (۶۴) راجستھان پریس (۶۵) کوہ نور پریس
(۶۶) جہانگیر نگر پریس (۶۷) سریہرا پریس (۶۸) شوکت الاسلام پریس (۶۹) نظام سلور جوبلی پریس (۷۰) نظام دکن پریس (۷۱)
حمایت دکن پریس (۷۲) مطبع انصاری (۷۳) اوی ڈرلو یڈر پریس (۷۴) زندہ طلسمات فائن آرٹ پریس (نوٹ۔ یہ رنگین طباعت کا
پہلا پریس ہے جو بیادگار سلور جوبلی قایم ہوا ہے) (۷۵) حکمت پریس (۷۶) مطبع رسالہ النور (۷۷) محبوب شاہی پریس (۷۷) مطبع حامدی
(۷۸) انیکا پریس (۷۹) جگدیش پریس (۸۰) سبحانی پریس (۸۱) نظام المطابع (۸۲) دبدبۂ آصفیہ پریس (۸۳) مطبع کرمی

نوٹ ۔ یہ تمام پبلک پریس ہیں۔ دفاتر کے سرکاری پریس کی تعداد اس کے سوا ہے ۔

بقیہ مضمون صفحہ (۲۶۵) متعلق اسکے ادار یہ خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ماہ دی ۱۳۴۱ف سے پھر یہ اپنا نیا جنم بدلکر اخبار وقت کے
نام سے جاری ہے اسوقت اس ادارہ کا مقبول عام کثیر الاشاعت روزنامہ ہے شہر یور ۱۳۴۵ف سے پیسہ اخبار کی اسکیم کے تحت شائع ہو کر غیر معمولی مقبولیت حاصل کیا۔

(۶) **پیام روزنامہ** ۔ یہ اخبار محرم ۱۳۵۳ھ سے شائع ہو رہا ہے اسکے مدیر قاضی مولوی عبد الغفار خانصاحب ہیں بہت تھوڑی عرصہ میں سرعت کیساتھ اس اخبار نے
غیر معمولی ترقی حاصل کی۔ اس کی ترقی لایق مدیر صاحب کی ذہانت وقابلیت کا نتیجہ ہے۔ ملک میں اس اخبار کو بھی کافی مقبولیت وہردلعزیزی حاصل ہے اسکا
مطالعہ بھی مثل رہبر دکن کے وسیع معلومات بہم پہونچا رہا ہے ۔

(۷) **نظام گزٹ ہفتہ وار** ۔ یکم رجب ۱۳۴۶ھ سے زیر ادارت مولوی وقار احمد صاحب و مولوی حبیب اللہ رشدی صاحب جاری ہوا
اب صرف اول الذکر ہی اس کے مدیر ہیں۔ اس کے خصوصی نمبر بھی بنظر استحسان دیکھے جاتے ہیں۔ مقامی صحافت میں سب سے پہلے
نظام گزٹ ہی نے سالگرہ نمبر نکالا تھا ۔

(۸) **رعیت ہفتہ وار** ۔ یہ ہفتہ وار اخبار ۲۸ آذر ۱۳۳۶ف سے زیر ادارت مسٹر نرسنگ راؤ صاحب جاری ہوا۔ اس کی
ابتدائی زندگی روز بروز ترقی پذیر و خوشگوار رہی کیونکہ اس کے خیالات بالکل بے لوث و آزاد اور اسکے اظہار کا سبب بنتے
تھے ۔ ۹ ر اردی بہشت ۱۳۳۹ف کو حسب الحکم سرکار بند کردیا گیا۔ اب پھر شہریور ۱۳۴۴ف سے ہفتہ وار شائع
ہورہا ہے۔ ہماری تمنا ہے کہ پھر ہم اس کو سابق کی طرح نیک نیت و نیک مقصد کے
کے تحت میدان صحافت میں درخشاں و کامران دیکھیں ۔

از جناب ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زورؔ ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (لنڈن)
پروفیسر ادبیات اردو جامعہ عثمانیہ سرکارِ عالی

زمانہ بدلتا رہتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ملکوں اور قوموں کے حالات و خیالات بھی تبدیلی حاصل کرتے جاتے ہیں۔ اہلِ حیدرآباد کی جدید علمی و ادبی کوششیں ان کے اُس ذہنی انقلاب اور قلبی اضطراب کی آئینہ دار ہیں۔ جو گزشتہ ربع صدی میں اعلیٰحضرت سلطان العلوم کے حیرت انگیز اور انقلاب آفریں دور کا نتیجہ ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سرزمین کے رہنے والے اس عہد میں اپنے طویل خواب سے یک بیک چونکنے ہو گئے ہیں اور نہیں چاہتے کہ کسی ترقی یافتہ ملک سے کسی طرح پیچھے رہنے پائیں۔ اس لئے ہمہ جہتی ترقیوں کی دوڑ میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خاصکر اردو زبان اور ادب کی خدمت کے سلسلہ میں تو اہلِ حیدرآباد ہندوستان کے کسی اور صوبہ سے پیچھے نہیں رہنا چاہتے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ اس ملک نے اردو ادب کی وسعت و استحکام میں شروع ہی سے ناقابلِ فراموش حصہ لیا ہے۔ اور اہلِ ملک کے ادبی انہماک اور مشاغلِ علمی میں تو کسی زمانہ میں بھی فرق نہیں آیا۔ یہ اس سرزمین کی خوش بختی ہے کہ اس میں ہر دور میں صاحب احساس، بلند حوصلہ اور بے لاگ علمی و ادبی کام کرنے والے پیدا ہوتے رہے۔ اور خاصکر عہدِ عثمانی میں تو جس جوش و اہتمام کے ساتھ علمی و ادبی خدمات انجام دی جا رہی ہیں اُن کی نظیر تاریخ ادبیات اردو میں نظر سے نہیں گذرتی۔

اس مبارک عہد کی علمی و ادبی خدمات اور مصنفین و مولفین کے متعلق راقم الحروف کے متعدد مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ طیلسانینِ عثمانیہ کی کانفرنسوں میں اس سے متعلق موضوعوں پر تقریریں کی جا چکی ہیں (جو شائع بھی ہو چکیں) مجلۂ عثمانیہ کے ہر شمارہ میں "حیدرآباد کی جدید اردو مطبوعات" کے متعلق عنوان کے تحت یہاں کی اردو کتابوں پر تفصیلی نظر ڈالی جاتی رہی ہے۔ نیز "عہدِ عثمانی میں اردو کی ترقی" ایک جداگانہ کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔ تاہم اس مختصر سے مضمون میں اُن علمی و ادبی رجحانات اور تصنیفات و تالیفات کی خصوصیتوں پر اجمال کے ساتھ روشنی ڈالی جائے گی جو اس دور میں عام طور پر رونما ہوئیں اور جن کی واقفیت کے بعد ممکن ہے کہ اہلِ ملک کے لئے مزید ترقی کے راستے نظر آسکیں۔

گذشتہ دس پندرہ سال کے عرصہ میں عہدِ عثمانی میں جو تصنیفات و تالیفات یا تراجم شائع ہوئے وہ کئی قسم کے ہیں۔ لیکن اُن میں اکثر و بیشتر علوم و فنون اور حکمیات ہی کے موضوعوں پر مشتمل ہیں۔ اگر اس زمانہ میں دکن میں ایسی اہم

اور سنجیدہ کتابیں نہ لکھی جاتیں تو غالباً زبان اردو کا بقا اور استحکام ہی متزلزل ہوجاتا۔ وہی زبان زندہ رہ سکتی ہے جس کے بولنے اور سمجھنے والے علمی و ادبی خدمات میں مشغول ہیں، اور اُن میں زمانہ کا ساتھ دینے کی صلاحیت اور جدید ترین ضروریاتِ علمی و ادبی کا احساس بھی ہو۔

اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ اردو مصنفین و مولفین اور اردو کے جملہ ادارے متفقہ طور پر زبان کی حفاظت اور اس کو جدید احتیاجوں اور ضرورتوں کے لئے کار آمد ثابت کرنے میں ہمزبان و یکدل ہوجائیں۔ اس سلسلہ میں یہ امر لازمی ہے کہ ہماری زبان میں ٹھوس علمی، تحقیقی اور مفید کتابوں کا اضافہ ہوتا رہے۔ آج سے پچاس سال پہلے کی اردو کتابوں کا ذخیرہ زیادہ تر شعر و سخن اور فوق فطری افسانوں سے معمور تھا۔ اردو میں علمی کتابوں کا اضافہ در اصل گزشتہ نصف صدی ہی سے شروع ہوا اور یہ اضافہ بھی زیادہ تر تاریخی یا تنقیدی کتابوں پر مشتمل ہے۔ اردو زبان کو صحیح معنوں میں علمی اور حکمیاتی بنانے کا سہرا حیدر آباد ہی کے سر رہے گا۔ کیونکہ یہاں جامعہ عثمانیہ کی وجہ سے جدید سے جدید علوم کے متعلق بھی اردو میں کتابیں لکھی گئیں۔

گزشتہ دس پندرہ سال سے حیدر آبادی مصنفین اور خصوصاً جامعہ عثمانیہ کے فیض یافتہ اصحاب نے اس اردو جامعہ کی پیش کردہ اصطلاحوں کو اپنی تصنیفات و تالیفات یا تراجم میں استعمال کرنا شروع کردیا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ یہ کام اُن کے سوا کسی اور سے اس خوبی کے ساتھ انجام نہ پاسکتا۔ اگر اہلِ حیدر آباد علمی و حکمیاتی مضامین کی طرف متوجہ نہ ہوتے اور اپنی تحریروں میں فنی اصطلاحوں کو موقع و محل پر استعمال نہ کرتے تو اندیشہ تھا کہ جامعہ کی بنائی ہوئی اصطلاحیں لغتوں اور دار الترجمہ کی کتابوں ہی میں مدفون ہوجاتیں۔ اہلِ حیدر آباد اور خاصکر متعلقین جامعہ میں مولوی عبد الرحمن خاں صاحب (سابق صدر کلیۂ جامعہ عثمانیہ) مولوی ضیاء الدین صاحب انصاری (پروفیسر کلیہ انجنیری) مولوی محمد علی خاں صاحب (پروفیسر طبعیات و نظام کالج) ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب (پروفیسر فلسفہ جامعہ عثمانیہ) مولوی محمد عبد الرحمن صاحب (لکچرار طبعیات) مولوی محمد احمد صاحب عثمانی و مولوی احمد بن عبد اللہ صاحب (لکچرر کلیہ بلدہ) مولوی میر حسن الدین صاحب اور مولوی نفیس محمد صدیقی صاحب وغیرہ قابلِ مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اس زبان میں سائنس و فلسفہ کی کتابیں منتقل کرکے اردو کی وسعت کو ہمہ گیری بخشی اور اس کی بنیاد کو مستحکم کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

مختلف علوم و فنون اور خاصکر سائنس و فلسفہ کی کتابوں کے بعد حیدر آباد کے علمی ذخیرہ میں ادبی تحقیق، تنقید اور سوانح و تواریخ سے متعلق موضوعوں پر کثیر تعداد میں کتابیں ملتی ہیں۔ اردو ادبیات میں جدید طرز کی سوانح عمریوں اور تاریخوں کی بے حد ضرورت تھی۔ خاصکر تاریخ ہند و دکن کے ازمنہ ماضیہ کے بہت سے دور ابھی تاریکی میں ہیں۔ اور لازم تھا کہ اہلِ حیدر آباد اور خاصکر جامعہ عثمانیہ کے سپوت سب سے پہلے اسی موضوع کی طرف متوجہ ہوتے۔ اپنے ملک کے حالاتِ سابقہ اور عظمتِ ماضی سے کامل آگاہی کے بغیر کوئی قوم شاہراہ ترقی پر گامزن نہیں ہوسکتی۔ اس خصوص میں مولوی عبد المجید صاحب صدیقی (مددگار پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ) مولوی محمود علی صاحب (مددگار پروفیسر کلیہ بلدہ) مولوی شمس اللہ قادری صاحب (مدیر تاریخ) مولوی سراج الدین صاحب طالب مولوی شمس الدین صاحب مولوی سردار علی صاحب (مدیر تجلی) مولوی محمد غوث صاحب (دفتر دیوانی و مال وغیرہ) اور مولوی معین الدین صاحب رہبر وغیرہ کے نام خاصکر قابلِ ذکر ہیں۔

اہلِ حیدرآباد تاریخ سے زیادہ ادبی تحقیق و تنقید کی طرف مائل ہیں اور اس موضوع کے متعلق مولوی عبد القادر صاحب سروری (مددگار پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ) مولوی شمس اللہ قادری صاحب مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی (مددگار دفتر دیوانی و مال) مولوی سید محمد صاحب (لکچرر سٹی کالج) مولوی عبد الرزاق صاحب مولوی شیخ چاند مرحوم، مولوی سردار علی صاحب مولوی میر حسن صاحب (سٹی کالج) مولوی میر سعادت علی صاحب رضوی۔ وغیرہ کی بعض تحریریں اردو زبان میں مستقل اہمیت حاصل کریں گی۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ماضی ہی حال کی اور حال سے مستقبل کی تعمیر ہوتی ہے۔ اور یہ کہ نام نیک رفتگان ضائع کرنا کفرانِ نعمت ہے۔

دکن کے قدیم سلطنتوں کے زوال کے ساتھ ہی جہاں ان کے بے نظیر جواہرات کے خزانے سر بفلک عمارتیں، پرتکلف محلات اور مصوری، خطاطی، اور دیگر اعلیٰ صنعتوں کے ذخیرے تباہ و برباد ہوگئے۔ ان کی اردو زبان و ادب کی خدمتیں بھی نظروں سے اوجھل ہوگئیں ان گمشدہ خزانِ علم و ادب کی بازیافت اور ان کا تحفظ و اشاعت زبان اور ملک دونوں کی اعلیٰ ترین خدمت گزاری تھی اس لئے ملک کے قدیم لیکن رفیع الشان اساتذۂ سخن کو روشناس کرنے اور ان کے حالات کی تحقیق و تفتیش کو اہلِ دکن اور خاصکر فرزندانِ جامعہ عثمانیہ نے اپنا فرضِ اولین سمجھا۔ یہی فرض شناسی تھی جس نے اکثر فرزندانِ وطن کو اس اہم کام میں منہمک کر دیا۔ انھوں نے نہ صرف گلبرگہ۔ بیدر۔ بیجاپور، اور گولکنڈہ کے ادیبوں اور شاعروں اور ان کے کلام کو روشناس کیا بلکہ اورنگ آباد اور حیدرآباد کے ان شعرا اور مصنفین اردو پر بھی مصروفِ کار ہیں جن کے کارناموں کی اشاعت سے اردو ادب کے خزانہ میں قابلِ لحاظ اضافہ ہوگا۔

اہلِ حیدرآباد کی علمی و ادبی جد و جہد میں اگرچہ درس و تدریس کی ضروریات اور تدریسیات سے متعلق تحریریں اور مختلف نصابی کتابیں بھی شامل ہیں لیکن فنِ تعلیم پر ابھی اور توجہ کی ضرورت ہے۔ اردو زبان میں فنِ تدریس کا اور بچوں سے متعلق کتابوں کا فقدان ہے۔ مسرت کا مقام ہے کہ اس کی طرف حیدرآباد کے بعض اصحاب مثلاً مولوی غلام رسولی صاحب مولوی عبد السلام صاحب ذکی مولوی محسن خاں صاحب تمکین، مولوی غلام قادر صاحب، مولوی فیض محمد صدیقی صاحب اور سدرشن راج صاحب وغیرہ نے توجہ کی ہے۔

اہلِ حیدرآباد میں گزشتہ دس پندرہ سال میں محض ٹھوس اور خشک علمی کام کرنے والوں کے علاوہ ایسے اہلِ قلم بھی رونما ہوئے ہیں جو شعر و شاعری، افسانہ نویسی، ڈرامہ نگاری، اور عام دلچسپی کے مضامین اور کتابوں کی تصنیف و تالیف میں بھی حصہ لیتے رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں مولوی فضل الرحمن صاحب۔ مولوی تمکین کاظمی صاحب، مولوی اکبر وفاقانی صاحب، مولوی محمد عابد صاحب، مولوی مخدوم محی الدین صاحب۔ مولوی بادشاہ حسن صاحب، مولوی میر حسن صاحب، مولوی محمد علی خاں صاحب میکش مولوی سکندر علی صاحب وجد۔ مولوی بدر شکیب صاحب، مولوی جلال الدین صاحب اشک، مولوی اشفاق حسین صاحب مولوی ابو المعظم قاضی عبد الغفار صاحب، مولوی بدر الدین صاحب بدر، مولوی احمد اللہ قادری صاحب ج نقوی صاحب، مولوی عبد الرزاق صاحب بسمل، کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان سبھوں نے اپنی ادبی کاوشوں کے ذریعہ سے حیدرآباد میں اردو ادب کی بڑی خدمت کی ہے اور کئے جا رہے ہیں۔

ان انفرادی کوششوں کے علاوہ اجتماعی مساعی کی طرف بھی
توجہ کی جارہی ہے ۔ اگرچہ وہ ابھی کما حقہ کامیاب نہیں ہوئی لیکن اس کی
طرف برابر دھیان لگا ہوا ہے ۔ اور جو صاحب ذوق ہیں وہ اس کی ضرورت اور
اہمیت سے ناواقف نہیں ہیں ۔ چنانچہ اس قسم کی اجتماعی کوششوں کا سلسلۂ ادبیات اردو کا نام
پیش پیش ہے جو چند صاحب ایثار علم دوستوں کی توجہ کا نتیجہ ہے اور اس وقت تک کامیابی کے ساتھ کام کر رہا ہے ۔ اس
ادارہ نے اب تک پانچ کتابیں ورڈس ورتھ اور اس کی شاعری، ٹیگور، اوس کی شاعری، یوسف ہندی قید فرنگ میں، ہوش کے ناخن
اور مرقع سخن شائع کیں جن میں سے ہر ایک نہایت مقبول ہوئی ۔ خاصکر آخری کتاب نے تو دکن کی تصنیف و تالیف کی دنیا میں ایک زندگی
اور تازگی پیدا کر دی ۔ یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ ادارہ کو بہت جلد اس کا دوسرا حصہ شائع کرنے کی طرف متوجہ ہونا پڑا چنانچہ
وہ اب زیر طبع ہے ۔ پہلے حصہ کی طرح اس میں بھی ساٹھ کے قریب دکنی شاعروں اور قدر دانان سخن کی تصاویر شامل ہیں اور اس کے
صفحات کی تعداد بھی چار سو کے قریب ہے ۔

سلسلۂ ادبیات اردو نے اس امر کا تہیہ کیا ہے کہ دکن کے شاعروں کے حالات اور کلام کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ یہاں کے
نثر نگاروں اور بعض تاریخی شخصیتوں یعنی ملک و مالک کے خدمتگزاروں کے بھی (مرقع سخن ہی کے پیمانہ پر) بسوط تذکرے شائع
کئے جائیں ۔ جب سلسلۂ ادبیات کے یہ تمام تذکرے منظر عام پر آجائیں گے تو دکن کی معاشرتی اور سماجی تاریخ بے نقاب ہو جائے گی اور آیندہ
نسلوں کو اپنے پیشروؤں کے عظیم الشان کارناموں کے مطالعہ سے علم و عمل میں ترقی کرنے کے راستے نظر آئیں گے ۔ یہ سب تذکرے
جامعہ عثمانیہ ہی کے فیلوں یا فتوں اور خاصکر نونہال طالب علموں سے لکھوائے جائیں گے تاکہ انہیں کام کرنے اور تحقیق و تفتیش کا ذوق
پیدا ہو اور ملک و مالک کی صحیح خدمتگزاری کے طریقے معلوم ہوں ۔ ان نوجوانوں کے کام کی نگرانی سلسلۂ ادبیات اردو کے پانچ موسسین
کے ذمہ ہے جن میں سے اکثر جامعہ عثمانیہ میں پروفیسر ہیں اور ادبی تاریخ ، اور مذہب تینوں کے لحاظ سے سلسلہ کے مطبوعات پر نظر
رکھتے ہیں ۔ اس کی ادارت عمومی راقم الحروف ہی کے سپرد ہے ۔ اس کے دوسرے چار موسسین حسب ذیل ہیں ۔ مولوی عبدالمجید صاحب
صدیقی ایم اے ۔ ایل ایل بی (استاد تاریخ جامعہ عثمانیہ) مولوی عبدالقادر صاحب سروری ایم اے ایل ال بی (استاد ادب اردو جامعہ عثمانیہ)
مولوی عبدالقادر صاحب صدیقی ایم اے (استاد دینیات جامعہ عثمانیہ) مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی (مددگار ناظم دفاتر دیوانی
و مال و ملکی و استیفاد مناصب و مواہیر وغیرہ)

سلسلہ ادبیات اردو کے بعد "سلسلۂ انتخابات شعرائے دکن" کا تذکرہ ضروری ہے ۔ اس سلسلہ کی جانب سے اس وقت تک
چار کتابیں کیف سخن ، بادہ سخن ، متاع سخن ، اور سراج سخن ، شائع ہو چکی ہیں اور دو کتابیں ایمان سخن اور فیض سخن چھپ گئی ہیں
اور عنقریب منظر عام پر آئیں گی ۔

یہ سلسلہ اس امر کی کوشش کر رہا ہے کہ دکن کے اساتذۂ سخن کے کلام کو جدید طرز پر مرتب و منتخب کر کے اردو دنیا میں پیش کرے
تاکہ اردو ادبیات کے خزانہ پر تہی مائگی کا جو الزام لگایا جا رہا ہے وہ دور ہو جائے اور اردو کے صحیح اور بلند پایہ
خدمتگزاروں اور محسنوں سے اہل اردو ناواقف نہ رہیں ۔ فی الحال حسب ذیل چھ شاعروں پر
جو کام کیا گیا ہے وہ پیش کر دیا گیا ہے ۔

(۱) شاہ سراج الدین سراج اورنگ آبادی (۲) سید محمد خاں ایمان حیدرآبادی

از جناب مولوی سید نصیر الدین صاحب ہاشمی مددگار ناظم دفتر دیوانی فینانس سرکار عالی

یورپ و امریکہ نے ترقی کے جو طبقات طے کرلیے ہیں اس کی اصلی بنیاد تعلیم ہے۔ پھر تعلیم میں صرف مردوں کی کوئی تخصیص نہیں عورتوں کا بھی اس میں برابر کا حصہ ہے اور یہ بات وہ تراسی وجہ سے انکے پاس جہالت اور توہمات کا سحر جلد باطل ہوگیا۔

ممالک محروسہ آصفیہ میں بھی اب جو علمی چہل پہل ہے اور تعلیمی ذوق و شوق پھیل رہا ہے وہ ایک تابناک مستقبل کا پیش خیمہ ہے خوشی کی بات ہے کہ مردوں کے دوش بدوش خود خواتین بھی بیدار ہو چکی ہیں گزشتہ پچیس سال میں انھوں نے علم و فن تمدن و معاشرت میں جو کچھ ترقی کی ہے اس کی پوری تفصیل ہم نے اپنی تالیف "خواتین عہد عثمانی" میں کردی ہے یہاں جدید معلومات کی بناء پر خواتین کی تعلیمی ترقی کا مختصر حال قلمبند کرتے ہیں امید ہے کہ یہ دلچسپی کا موجب ہوگا۔

تعلیم کے مختلف درجے قرار دئے گئے ہیں ابتدائی، ثانوی، اور اعلی۔ اور پھر ثانوی کے دو قسم ہیں۔ وسطانی اور فوقانی اسی حیثیت سے موجودہ تعلیمی حالت پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔

ابتدائی خواتین کی ابتدائی تعلیم میں جو ترقی ہوئی ہے اس کے اظہار کے پہلے دور عثمانی کے پہلے کی تعلیمی حالت پر ایک نظر ڈالنی ضروری ہے تاکہ نسوانی تعلیم کی ترقی کا حقیقی اندازہ ہوسکے۔

سلطنت آصفیہ میں سرکاری طور پر سب سے پہلے ۱۲۹۲ف میں تعلیم نسواں پر توجہ کی گئی اس کے بعد رفتہ رفتہ ترقی ہوتی رہی۔ اعلحضرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کی مسند نشینی کے ایک سال پہلے یعنی ۱۳۱۹ف میں ممالک محروسہ سرکار عالی میں ابتدائی مدارس نسواں کی تعداد صرف (۷۹) تھی جس میں سے (۳۶) سرکاری اور (۴۳) خانگی او امدادی تھے۔ ان میں تعلیم پانے والی طالبات کی کل تعداد صرف (۲۹۴۵) یہاں اس امر کا خیال رہے کہ یہ تعداد تعلیم نسواں کے آغاز کے ستائیس سال بعد ہوئی تھی۔

مبارک دور عثمانی کے پچیس سال میں ابتدائی مدارس اور ان کے طالبات میں جو اضافہ ہوا ہے وہ درحقیقت حیرت انگیز ہے ابتدائی مدارس نسواں کی تعداد اب (۶۷۰) ہے جس میں سے (۴۰۲) سرکاری اور (۲۷۵) امدادی اور خانگی ہیں۔

ان مدارس کے طالبات کی تعداد (۳۹۱۹۷) ہے گویا پچیس سال میں (۳۶۲۴۵) کا اضافہ ہوا ہے۔

اس موقع پر پرائمری ماڈل اسکول کا ذکر ضروری ہے جو شہر حیدرآباد میں

قایم کیا گیا۔ یہاں مخلوط طور پر چھوٹے بچوں کی تعلیم جدید طرز پر ہوتی ہے جو
میڈم ڈاکٹر مانٹی سری" کا اصول کہلاتا ہے۔ اس مدرسہ کی تعلیم کے تین مختلف درجے ہیں
ابتدائی، اوسط، اور اعلیٰ،

اس مدرسہ کی تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ بچوں کو انکی فطرت کیموافق تعلیم دی جائے کھیل کود بچوں کا دلچسپ مشغلہ ہے اس لئے ہر مضمون کو کھیل کود کے ذریعہ سکھایا جاتا ہے۔ خشک سے خشک مضامین مثلاً حساب، اور جغرافیہ وغیرہ بھی اتنے دلچسپ بنائے جاتے ہیں کہ بچوں کا دل اکتاتا نہیں۔ علاوہ ازیں بچوں پر انفرادی توجہ کی جاتی ہے کیونکہ بچے مختلف ذہنیت اور فراست کے ہوتے ہیں، جو ذہین بچہ اپنی ذہنیت کی وجہ سے اونچی جماعت کے قابل ہو جاتا ہے تو اسکو بلا انتظار ٹرم خاص امتحان کے بعد اعلیٰ تر درجہ میں ترقی دیدی جاتی ہے اسی طرح بچہ کی ذہنیت پست نہیں ہوتی اور عمر ضائع نہیں جاتی۔

اس وقت (۱۷۰) بچے اس مدرسہ میں تعلیم پاتے ہیں جن میں (۱۰۵) لڑکے اور (۶۵) لڑکیاں ہیں سب سے چھوٹے بچے کی عمر ڈیڑھ سال ہے، بیگم سید جلال الدین اس مدرسہ کی صدر معلمہ ہیں انہوں نے خود اٹلی جاکر میڈم مانٹی سری کے مدرسہ میں تعلیم پائی ہے اور پھر انگلستان کے مدارس میں بھی عملی تجربہ حاصل کیا ہے۔

وسطانیہ | ۱۳۱۹ف میں مدارس وسطانیہ صرف دو تھے وہ بھی بلدہ کی حد تک اضلاع میں کوئی مدرسہ وسطانیہ نہیں تھا معلمات کی تعداد (۱۸) تھی،

آج انکی تعداد بیس ہے جن میں سے سات سرکاری اور نیرہ خانگی امدادی ہیں طالبات کی تعداد (۳۳۲۸) ہے۔ (۸۱) سے (۳۲۷۸) کا مقابلہ کس قدر تعجب انگیز ہے۔

مدارس فوقانیہ | ۱۳۱۹ف میں تین ہائی اسکول تھے جن میں دو سرکاری اور ایک خانگی تھا۔ اونکے طالبات کی تعداد (۲۴) تھی۔

اس وقت ہائی اسکولوں کی تعداد (۸) ہے۔ جن میں سے چار سرکاری ہیں اور چار امدادی۔ ان مدارس کے طالبات کی تعداد (۲۶۶۳) ہو بیس کے مقابل یہ تعداد بھی مسرت بخش ہے۔

اس موقع پر بعض فوقانیہ مدارس کے مختصر حالات دلچسپی کا موجب ہو سکتے ہیں،

ہائی اسکول نام پلی | اس مدرسہ کا قیام اگرچہ ۱۳۰۴ف میں عمل میں آیا تھا مگر انیس سال میں اسکے جملہ لڑکیوں کی تعداد صرف (۶۵) تک پہنچی تھی۔ اگرچہ یہاں مدراس یونیورسٹی کے میٹرک کی تعلیم ہوتی تھی مگر یونیورسٹی نے اس مدرسہ کو تسلیم نہیں کیا تھا اس لئے لڑکیاں غیر سرکاری طور پر شریک ہوتی تھیں، ۱۳۱۶ف میں تین لڑکیاں امتحان میں شریک ہوئیں مگر کسی نے کامیابی حاصل نہیں کی البتہ امتحان مڈل میں تیرہ شریک اور نو کامیاب ہوئی تھیں۔

اعلیحضرت سلطان العلوم کی مسند نشینی کے ایکسال بعد طالبات کی تعداد (۹۵) ہوگئی اور آج انکی تعداد (۵۷۹) ہے
اس وقت یہاں دو قسم کی تعلیم ہوتی ہے۔ ایک تو سرکار عالی کے اسکول لیونگ سرٹیفکیٹ کی اور دوسرے جامعہ عثمانیہ سے متعلق میٹرک کی۔ اول الذکر لڑکیاں یہاں سے فارغ ہو کر نظام کالج میں شریک ہوتی ہیں اور ثانی الذکر کلیۂ اناث میں تعلیم کے علاوہ دستکاری اور کھوان سیون کیلئے بھی ہستانیاں

مامور ہیں۔ ڈاکٹر آمنہ پوپ اس درسگاہ کی صدر ہیں۔ ان کے زمانہ میں اس مدرسہ کو بڑی ترقی ہوی ان کی محنت اور دلچسپی کے باعث کلیہ اناث کا قیام عمل میں آیا۔ ڈاکٹر پوپ کی محنت دلچسپی اور ایثار قابل قدر ہے خواتین دکن کی تعلیمی ترقی میں ان کا بڑا حصہ ہے۔

محبوبیہ گرلز ہائی اسکول | اس مدرسہ کا قیام مرحوم اعلیحضرت کے زمانہ میں سنہ ۱۹۰۷ء میں ہوا تھا۔ مگر دور عثمانی میں اس مدرسہ کو جو ترقی حاصل ہوئی وہ بہت تابناک ہے مدرسہ کے قیام کے بارہ سال بعد ۱۳۱۹ف میں یہاں صرف بائیس لڑکیاں زیر تعلیم تھیں۔

اس وقت اس مدرسہ میں (۳۴۴) لڑکیاں زیر تعلیم ہیں۔ اس کے علاوہ چونکہ کنڈر گارٹن میں مخلوط تعلیم ہوتی ہے اس لئے (۱۶) لڑکے بھی ہیں اس طرح جملہ تعداد (۳۶۰) ہوتی ہے۔

اس مدرسہ کے تین حصے ہیں یعنی کنڈر گارٹن۔ مڈل اسکول اور ہائی اسکول جو سینیر کیمرج کی تعلیم کے لئے مختص ہے۔ کنڈر گارٹن میں جدید اصول کے تحت ایک یورپین خاتون کی نگرانی میں تعلیم و تربیت ہوتی ہے مڈل اسکول کے نصاب میں حسب ذیل مضامین شامل ہیں انگریزی، اردو، حساب، مطالعہ قدرت، جغرافیہ، تاریخی کہانیاں، مصوری، اور دستکاری۔ ہائی اسکول میں جو مضامین شامل ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔ لسانیات (انگریزی، اردو، فارسی) تاریخ (تاریخ ہند) یورپ۔ تاریخ عالم) جغرافیہ۔ ریاضی مع علم ہندسہ و مساحت، نباتیات (ابتدائی سائنس بمطالعہ قدرت) مصوری (عکاسی۔ پھولوں اور مناظر قدرت کی ڈرائنگ، تصاویر، صنعتی تصاویر وغیرہ) امور خانہ داری (علم حفظان صحت، پکوان انگریزی وہندوستانی، گھریلو دستکاری، سلائی، کشیدہ کاری وغیرہ) موسیقی (یورپین) ان مضامین کے علاوہ دینیات کی تعلیم لازمی ہے اور ظہر کی نماز کا خاص انتظام ہوتا ہے مدرسہ کے ان تینوں حصوں کے علاوہ چند خاص جماعتیں بھی ہیں۔ ان میں ایک اسپیشل جماعت امور خانہ داری کی تعلیم کیلئے مختص ہے۔ ان طالبات کو لیڈی اردن کالج دہلی کے امتحان کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ ان کو عام اسکول کے مضامین کے علاوہ دھلوائی۔ ہوم نرسنگ۔ بچوں کی نفسیات فن خانہ داری، گھریلو انتظام کی تعلیم دیجاتی ہے۔ مصوری کے لئے جو مختص ہوتی ہیں ان کو رائل ڈرینگ سوسائٹی لندن کے ٹیچرز آرٹس کے امتحان کے لئے تیار کرایا جاتا ہے۔ (یہ طالبات اعلیٰ درجہ کی مصوری سے واقف کرائی جاتی ہیں۔ موسیقی کی جو تعلیم پاتی ہیں ان کو ٹرینٹی کالج آف میوزک لندن کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ سردست ہندوستانی موسیقی کا انتظام نہیں ہے کیونکہ تعلیم کے لئے کوئی خاتون دستیاب نہیں ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ جو لڑکیاں ڈاکٹری تعلیم کی متمنی ہوتی ہیں ان کو کیمیا اور طبعیات کی تعلیم بھی بطور خاص دی جاتی ہے۔

ورزش جسمانی کا بھی خاص انتظام ہے، جمناسٹک، ڈرل، فٹ بال، بیڈمنٹن، ٹنی کورٹ وغیرہ کھیل ہوتے ہیں۔ اداکاری سکھائی جاتی ہے۔ بلو برڈ کی جماعت ہے۔ بزم ادب قائم ہے۔ سہ ماہی رسالہ اردو اور انگریزی زبان میں شائع ہوتا ہے۔ کھیلوں کے مقابلے مدرسہ میں ہوتے ہیں۔ جغرافیائی تاریخی اور نباتیاتی اشیاء جمع کئے جاتے ہیں۔ امداد اور خیراتی کاموں کے لئے چندہ فراہم کیا جاتا ہے۔

پرنسپل کے علاوہ چھ یورپین اور چار دیسی عیسائی اور ایک مسلمان گریجویٹ معلمات اور انیس نان گریجویٹ معلمات یہاں مقرر ہیں۔ یورپین معلمات مندرجہ ذیل فنوں کے لئے مختص ہیں:

انگریزی۔ تاریخ۔ ریاضی و نباتیات۔ امور خانہ داری۔ ڈرل اور گیمس یورپین خواتین اکسفورڈ، کیمرج اور لندن کے جامعات کے اسناد رکھتے ہیں۔

طالبات کے دوپہر کے کھانے کے لئے خاص انتظام ہے مدرسہ کے

ایک بڑے حصے میں سبزہ اور پھول سلیقے سے جمے ہوئے ہیں۔ ہر ہر پر
طالبات کے نمبر لگے ہوئے ہیں۔ صفائی کا خاص انتظام ہے طالبات کو خود
کام کرنے کا عادی بنایا جاتا ہے۔ ماماؤں اور آیاؤں کو علحدہ رکھا جاتا ہے۔
پکوان کی تعلیم کے لئے جو حصہ مختص ہے وہ بھی صفائی کے لئے خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہاں
انگریزی اور مغلائی پکوان کے لئے علحدہ علحدہ باورچی خانہ ہے۔

یہاں عموماً اعلی طبقہ کی خواتین تعلیم پاتی ہیں جو اپنی ذاتی سواری میں آیا کرتی ہیں اس لئے مدرسہ کی جانب سے سواری کے انتظام کی ضرورت نہیں ہے۔

مس لینین اس مدرسہ کی پرنسپل ہیں جو دلچسپی اور مستعدی کے ساتھ اپنے کام میں مصروف ہیں۔ ان کے زمانہ میں مدرسہ کو بڑی ترقی ہوئی۔ مس جیسی نندی نائب صدر ہیں۔ جو ملکی خاتون ہیں انھوں نے ایم۔ اے۔ کے امتحان کے علاوہ لنڈن سے ٹیچرس ڈپلوما بھی حاصل کیا ہے۔

اسٹانلی گرلز ہائی اسکول یہ مدرسہ مشن کے زیر انتظام ہے۔ سرکار عالی سے ماہوار دو سو روپیہ امداد دیجاتی ہے (۱۵۲) لڑکیاں اس وقت زیر تعلیم ہیں اسکول لیونگ سرٹیفکٹ کی تعلیم یہاں ہوتی ہے۔

اگرچہ مدرسہ ایک ہی وسیع مکان میں ہے مگر مدرسہ کے مختلف حصے کنڈرگارٹن، ابتدائی، وسطانی، اور فوقانی علحدہ علحدہ حصوں میں ہے، ہر حصہ پر صدر معلمہ مامور ہے، اور تمام مدرسہ پر پرنسپل کی نگرانی ہے، فوقانی حصہ میں سائنس ریاضی، جغرافیہ وغیرہ کے لئے علحدہ علحدہ مخصوص کمرے ہیں۔

موجودہ پرنسپل ایک ملکی خاتون مس آئی ڈی لا ایم اے ہیں جنھوں نے امریکہ سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی ہے انکی محنت، دلچسپی، اور مستعدی سے مدرسہ ترقی کر رہا ہے چنانچہ اس مدرسہ کی بہترین تعلیم کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اکثر مرتبہ امتحان لیونگ سرٹیفکٹ میں شریک ہونے والی جملہ لڑکیاں کامیاب ہوجاتی ہیں یعنی سو فی صد نتیجہ ہوتا ہے۔ گزشتہ دو سال سے تو یہاں کی ہی لڑکی ممالک محروسہ کے امتحان اسکول لیونگ سرٹیفکٹ میں اول ہو کر گھوسلے اسکالرشپ حاصل کر رہی ہے۔

مدرسہ کے ساتھ بورڈنگ کا بھی انتظام ہے جس میں فی الوقت (۱۳۲) طالبات مقیم ہیں، مکان کی عدم گنجائش کے باعث ان کے رہنے کے لئے علحدہ علحدہ کمرے نہیں ہیں دو تین ہالوں میں انکی اقامت ہے۔ بورڈنگ کیلئے فرنیچر خصوصاً کھانے کے کمرے کے لئے اس کی بڑی احتیاج ہے، حیدرآباد کے اہل خیر کی دستگیری کی بڑی ضرورت ہے۔ تاکہ بورڈنگ کے لئے معمولی فرنیچر فراہم ہوجائے۔

ہر جمعہ کو ہائی اسکول کے طالبات کا ایک علمی جلسہ ہوا کرتا ہے، ایک ماہواری انگریزی رسالہ بھی شائع ہوتا ہے۔
طالبات کے لانے کے لئے موٹر بس کا انتظام ہے۔ بورڈنگ میں پڑھنے والی طالبات کو
اپنا کام آپ کرنے کی عادت ڈالی جاتی ہے۔

سینٹ جورجز گرامر ہائی اسکول یہ مدرسہ بھی مشن کے زیر انتظام ہے
سرکار عالی سے بھی اسکو امداد ملا کرتی ہے۔ یہاں سینیر کیمبرج تک

جہاں بانو بیگم	سوم	۱۳۴۴ف
سعدیہ بیگم	سوم	۱۳۴۴ف
نجم النساء بیگم	سوم	۱۳۴۴ف

ان میں نو سنا۔ خاتون ایسی ہیں جنھوں نے کلیۂ اناث قایم ہونے کے پہلے خانگی طور پر امتحان میں شریک ہو کر کامیابی حاصل کی ہیں۔

نظام کالج نظام کالج میں مخلوط تعلیم ہوتی ہے جو طالبات اسکول لیونگ سارٹیفکیٹ میں کامیابی حاصل کرتی ہیں ان کیلئے کوئی علیحدہ کالج نہ ہونے سے بڑی دقت کا سامنا تھا اسلئے نظام کالج میں مخلوط تعلیم کی اجازت دیدی گئی

اس وقت (۲۵) طالبات زیر تعلیم ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

یف اے سال اول (۸) بی اے اول (۴) آنرس (۱) یف اے سال دوم (۱۰) بی اے سال دوم (۲) جملہ (۲۵)

سال حال مس یف بہرو چہ یم اے میں اور مس رشیدہ ریورٹر بی یس سی میں کامیاب ہوئیں ہیں یم اے کی جماعت اس سال سے برخاست کر دیگئی ہے۔

میڈیکل کالج جامعہ عثمانیہ سے تعلق میڈیکل کالج میں مخلوط تعلیم ہوتی ہے یہاں پانچ سال کی تعلیم کا انتظام ہے۔ اس میں چار لڑکیاں بھی زیر تعلیم ہیں جنکے نام حسب ذیل ہیں:-

خیر النساء بیگم۔ مس آر جیٹوپادیا، مس یم بٹ۔ مس یس بٹ۔

تعلیم المعلمات اسی موقع پر تعلیم المعلمات کا ذکر بھی ضروری ہے۔ حیدرآباد میں ایک اور اضلاع میں دو مدرسے تعلیم المعلمات کے قایم ہیں ان مدارس میں قیام کا بھی انتظام ہے کیونکہ زیر تعلیم معلمات کے لئے قیام کا انتظام ضروری ہے بلدہ کے مدرسہ میں فی الحال میٹرک کے درجہ تک تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے آئندہ اسکو معلمات کے لئے ٹرینگ کالج بنا دیا جائیگا۔ حضور النساء بیگم یم اے بی ٹی اس مدرسہ کی صدر ہیں۔

بیرون ملک سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا دور عثمانی کے پہلے ایک دو درخواتین کے سوا کسی نے بیرون ملک سے تعلیم حاصل نہیں کی تھیں مگر اب ایسے خواتین کی تعداد بھی کافی ہے جو بیرون ملک جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کر لی ہیں اس وقت تک جنھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے انکی فہرست حسب ذیل ہے۔

شمار	نام	کونسا امتحان کامیاب کیا	کہاں سے
(۱)	بادشاہ بیگم صوفی	یم اے	علی گڈہ
(۲)	مس یس جیٹوپادیا	بی اے یل ٹی	مدراس
(۳)	مسز سبا ئیشن	”	مدراس
(۴)	حضور النساء بیگم	یم اے بی ٹی	لکھنو
(۵)	نور النسا بیگم	بی اے	لکھنو
(۶)	مس سیلامنی نائیڈو	بی اے	آکسفرڈ
(۷)	مس جیسی نندی	یم اے آنرز ٹیچرس ڈپلوما	لندن

(۸) مس سیری نندی	بی ایس سی	لندن
(۹) مس دوارا نندی	فروبل کورس	”
(۱۰) بیگم سید جمال الدین	ڈپلوما، ماننٹی سری کورس	اٹلی لندن
(۱۱) بیگم زین یار جنگ	بی اے	اکسفرڈ
(۱۲) مس ولنسکر	ڈپلوما	لندن
(۱۳) مصطفائی بیگم	منشی فاضل	مدراس
(۱۴) خیر النساء بیگم	یم بی بی ایس سی	لکھنؤ
(۱۵) صالحہ بیگم	یم بی بی ایس۔ یم آرسی ایس ال آرسی پی	لکھنؤ لندن
(۱۶) مسز سومترا بائی کسری	یم بی بی ایس سی	لکھنؤ بمبئی

اس وقت جو خواتین بیرون ملک اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔ (۷) سید نقوی صاحبہ بی اے اور (۸) سید دہرہ بیگم بی اے (۹) سے مچایا اس سال تعلیم کے لئے لندن گئی ہیں۔

شمار	نام	کہاں تعلیم حاصل کر رہی ہیں	کونسی تعلیم حاصل کر رہی ہیں
(۱)	مس مہالکشمی بائی نائیڈو	اڈنبرہ	طب
(۲)	محمدی بیگم	اکسفرڈ	انگلش آنرز پی یچ ڈی
(۳)	ڈاکٹر مس خیر النساء بیگم	لندن	طب
(۴)	سراج النساء بیگم	طہران	فارسی
(۵)	خدیجہ بیگم	لندن	کنڈرگارٹن ڈپلوما نرسری کورس یہ تعلیم واپس آچکی ہیں۔
(۶)	ڈاکٹر مسز سومترا بائی	اڈنبرہ	طب یف آرسی ایس

ان میں سے اول الذکر چار تو سرکار عالی کے وظیفہ سے تعلیم حاصل کر رہی ہیں اور آخر الذکر دونوں نے سرکار سے قرضہ تعلیمی حاصل کیا ہے۔ ان کے علاوہ بعض اور خواتین بھی بیرون ملک میں تعلیم پا رہی ہیں جنکی صراحت عدم معلومات کے باعث دشوار ہے البتہ ایک چند نام کی صراحت کیجاسکتی ہے مثلاً (۱) مس لچھمار یڈی صاحب (جج ہائیکورٹ) لندن میں ڈاکٹری کی تعلیم پا رہی ہیں

انتظام ورزش موجودہ زمانہ میں طلباء کی صحت جسمانی کے لئے ورزش اور ڈرل ضروری تصور کی گئی ہے۔ تاکہ انکی جسمانی صحت عمدہ رہے اور پڑھنے سے جو دماغی بار پڑتا ہے وہ ورزش اور ڈرل کے باعث کم ہوجائے۔ طالبات کے لئے اس کا کوئی انتظام نہیں تھا بلکہ سکرام اور موٹروں میں بند آنے سے انکی صحت پر اور برا اثر ہوتا تھا۔ خان فضل محمد خاں صاحب ناظم تعلیمات نے اس طرف خاص توجہ کی اور طالبات کے ورزش اور ڈرل کے لئے بھی ڈرل اور ورزش کے ذرائع فراہم کئے چنانچہ کلیۂ اناث اور مدرسۂ فوقانیہ نامپلی کے طالبات کے لئے ایک معلم خاتون نجم النساء بیگم کو (جنکو خاص طور سے لندن سے اسکی تعلیم دلائی گئی) مقرر کیا گیا۔ بلدہ کے دوسرے زنانہ مدارس کے لئے ایک منتظمہ کا انتظام کیا گیا ہے۔ اور اسپرس شاہ کا تقرر ہوا ہے جو دلچسپی اور محنت کے ساتھ اپنے کام میں مصروف ہیں۔

خان فضل محمد خاں صاحب کا یہ کارنامہ ہمیشہ یادگار رہیگا، موجودہ

No 17   Publishers HAFIZ QAMAR-UD-DIN & SONS, Booksellers, Mochi Gate, Kazi Khana, LAHORE.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فی ملك الكلام وسلطانه دلیل العلم وبرهانه امیر المؤمنین وظل کرم رب العالمین سلطان العلوم رافعها الی النجوم اعلیحضرت اصفجاه ظهر الله دهاش مظفر الممالك نظام الدولة نظام الملك النواب میر عثمان علیخان بهادر جی سی ایس - آئی جی سی - بی ای سلطان حیدر آباد دکن ومصدر العلم والحلم والعدل والکرم لازال علم اقباله مرتقیا ورأس عدوه بین یدیه هاویا

از مولانا مقصود علی صاحب مدرس عربی - عثمانیہ کالج اورنگ آباد

فتح الكلام من المطالع بابا — يشبب البيان لو هو شا با
ملك الكلام وقادر بصروفه — فصرف عن الضلال صوابا
فصل الخطاب وقامع لخصومه — قد اضمرت في حبها الاوصابا
هذا لمن لو شاء ان يتأمس — جعل الوهاد كالجبال هضابا
ضرب القحوف بالرؤوس وهيبة — ضربت على ابصارها ارهابا
ضربوا لها مثالها من حالها — ضرب النكال نكاية وعذابا
من نصحه نصح عميم شامل — عم القريب والبعيد حسابا
ما اعرف المعروف في الكرم الذي — يجزي المسيء عن الجزاء ثوابا
منع الخطوب من انابة ثائر — فاجبن عنه ما اراد خطابا

واليسن عن كل الملم لخطبها
ثم اقتعدن بالحياء حجابا
رامي الكلام لنازح من نبله
فتكلمان من الحجاب غضابا

علیٰ الصفات ظل بعد طلوعها
صبح القریظ لآخرین کذا با
وکفیٰ به متفرد المدیحه
اذا فرد الاعداد والاحسابا

شمس العلوم وانها من عینها — تتنورت وتنور الاقطابا
لبست به الالفاظ زی شعاره — فاشعرت مقصودها آدابا
واصلها السلطان سابع آصف — یعطی العلوم والفنون ثیابا
ادعو له ولابنه وحفیده — حیلو الیٰ یوم القیام شبابا
وهلال اوج تحت لامع نیر — وسراج رابعة تنیرت رابا
لسلیل اعظم جاه والی عمده — قر العیون اعزة وجنابا
ملک اللسان وکل من یتلسن — ککلیمه ملک الزمان رقابا
ومحول عن المجاز حقیقیة — القیٰ علیها الدهر منه حجابا
حلق واهر یطب جروحها — من صارم شافی الغلیل شرابا
ان الملوک اذا اراد وقریة — جعلوا لحوف رؤوسها اعقابا
ضربا شدیدا مذهلا عن رأیها — ضرب الهیام بالهیام سرابا
فیعز من هو جاءه متواضعا — ویذل من هو حاد عنه ورابا
فلا یزل التقلاء من عقبا تهم — لیزیل عنهم ما یحق عقابا
تلک الصلات والجوائز والعطا — لیقمن صاد الصید والاعجابا
حتیٰ احلن عن غزیرة طبعها — القین عن ظهر الفساد حرابا
صم الطباع یخفضن اطاعة — فما لهم لا یقبلون صوابا
فلک الحلم ان طغیٰ من جانب — جهل لحد من الحد وعتابا
عدل یمثل للعداول اذا نفیٰ — مثلا تجسم للعداول جوابا
والوصف عنوان لمن هو ذاته — علم یعلم عارضا اعرابا
سلطانها المعروف فی المتعارف — فمن اتیٰ فی ملکه فاصابا
فالعرف والمعروف والمعارف — تتعاور الالفاظ والالقابا

حتیٰ تقول اللفظ لیس منطقا
یصف الکلیم والکلام خطابا
بمسیر قیام سمیتین تشرقا
ن مشرقا ومغربا وشها با

وطلوع ساطع طالع متہلل
وفرند سیف مہند قرضا با
بن غوا لجامع ملة ومحلة
جمع الکتاب واجمع الکتا با

نزل السما فی موکب الغمائم — بالغضب والعمران فی المعالم
وقضارة الریاض والحدائق — وتقلب البیداء فی الخضارم
تحکی بها وبلاد هادر ونہن — تلک الندی فی بحر لا کغائم
ونقتدی بفعاله فتقتدی — متہطلا من راحة المواسم
قامت بما علی الوصیف لازم — من واجب الابواب والملازم
فبکرت بوطابہا لملئہا — باب الامیر غدوة الغنائم
فتظلل الآفاق فوق صنعه — وتعم کل قاعة الاقالم
واوطلت وظیفة لنفسہا — بحملہا سجیة الکرائم
لله یا سجیة ورحمة — احسنتما فی قسمة المقاسم
دام السما ودامت المواکب — فی ظله الظلیل ظل دائم
لا تقتبل فی ملحه بعارض — شتان بین عارض ودائم
اخلات بنا ندامة بذکره — فیحل الرحاض من حیا ونادم
انا عارض عن عارض بعارض — الی فیوض تنتمی بقائم
فخامة سلیلة من المیا — لا تقہقرت غطمطم القلاذم

فبحرة وملاء وذخرة
متلاطم الامواج بالنعائم
بل باحر متبحر وفوقه
بحر العلوم جہضم الشاطم

وضليعة بقدومه تملت
من زهرة الانوار بالمباسم
ومنهل من ابحر المعارف
ممد من منبع المعالم

واحضارة تحاسدت بلادة — قامت له حقائق كناظم
اهلا وسهلا يا نزيل منزل — جر القيام قدمت خير قادم
ظل الاله منزل كذاته — وسماته عن ازمن غواشم
هو آية من آية لكونه — اشهد به صناعة لعالم
رسم الفنون بخبرة وسلطة — حازت رسوم العلم والمراسم
الا تراه على البسيط حاويا — بادارة العلوم والتراجم
ووسامة فيطت به باسم سلطان العلوم سيمة اقماقم
هو مير عثمان على لجه — وصحيحة لهائم وحائم
وميناة لبصيرة وبصرها — فتريك منها شرعة العزائم
تتادب الآداب فى بيوتاته — فتعلم الاخلاق من مكارم
يارب كن لحياته محافظا — كما حفظت به حياة نائم
ايا حياة عالم تنسى — ابدا فانت زهرة الاناسم
وظفرت بالمقصود فى العظائم
ما دامت الملوان فى الهماهم

هنيئا للملك السلطان الاعظم الخليفة الاكرم شمس العلى العلاء ذو البناء الملك سلطان العلوم امير المؤمنين عثمان علي خان خلد الله ملكه وسلطنته

از جناب مولوی قاضی عبدالصمد صاحب صارم سیوا روی ر

ذا اليوم افضل ايام الزمان لنا — بسر الدهر من البسراء والامم
فالجو من دكن قد صار مزدهرا — ومزنه باللآلى اليوم منجسم
وكيف لا والملك واهب سهم — اقيم محتفل با شاهدت امم
الارض مخضرة من غيث انامله — والبحر من سيل ما اعطاه ملتطم
وهو الذى من بين الملوك يدا — وهو الذى سابق من بينهم علم
يحيى الورى بے باسہ درحومکارمہ — محبت فى قلوب الناس مختتم
يارب فاجعل له الايام زاهرة — ودام سلطانه ما لاح الاكم
والنشر له حكمه فى كل ناحيه — دان البلاد له والعرب والعجم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۳ ۵ ۵۵

از جناب مولوی حاجی احمد صاحب سخوتی

رَوضُ المَقَالَةِ اِنَّمَا تَزدَانُ　　بِزُهُورِ حَمدِ مَن هُوَ المَنَّانُ

چمنستان سخن خوشنما نہیں ہوتا بجز پھولوں کے تعریف کے اس خداوند کی جو سب سے بڑا نعمت والا ہے۔

کَم نِعمَةٍ جَامِنهُ مَعَ عِصیَانِنَا　　اَلعَدُّ یَقصُرُ عَنهُ وَ المِیزَانُ

ہماری نافرمانیوں کے باوجود اسکی جانب سے کسقدر نعمتیں بخشی گئی ہیں جنکے شمار کرنے سے گنتی اور ترازو عاجز ہیں

اَلنِّعمَةُ العُظمٰی رَسُولُ رَحمَةٍ　　لِلعَالَمِینَ وَ اِرثُهُ القُرآنُ

بہت بڑی نعمت بعثت رسول اکرم ہے جو رحمۃ للعالمین ہو کر مبعوث ہوئے۔ جنکی میراث قرآن کریم ہے۔

صَلّٰی عَلَیهِ بِقَدرِ عَظمَةِ ذَاتِهِ　　مَن عَلَّمَ القُرآنَ ذَا الفُرقَانُ

اللہ تعالیٰ جس نے قرآن کریم فرقان عظیم سکھلایا آنحضرتؐ پر بے انتہا درود شریف نازل فرمائے۔

وَالنِّعمَةُ العُلیَا عَلٰی هٰذَا الزَّمَن　　اِبدَاعُ مَن اِسمَاهُ اِسمُ خَانُ

موجودہ زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی بلند تر نعمت ایک ایسے بے نظیر بادشاہ کا پیدا کرنا ہے جنکے دو نام ایک نام پر حاوی ہیں خان ہے

اَو جَنَّتَانِ وَفِیهِمَا عَینَانِ جَا　　رِیَتَانِ یُمنٰی مِنهُمَا عُثمَانُ

یا وہ دونوں نام دو بہشتیں ہیں جن میں دو نہریں جاری ہیں۔ دائیں طرف کی نہر عثمان ہے

یُسرٰی عَلِیٌّ بَل کُلُّ عَینٍ مِنهُمَا　　رَمزٌ اِلَی العَینَینِ یَا یَقظَانُ

بائیں نہر علی ہے۔ بلکہ ہر عین کی شکل دو عین کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ غور کیجئے (ع ع)

هٰذِی بِدَایَاتٌ لِاَسمَا اَربَعَه　　وَهُوَ عَلِیٌّ عُمَرُ عَلِیٌّ عُثمَانُ

یہ چاروں خلفائے راشدینؓ کے اسمائے گرامی کے ابتدائی حروف ہیں۔

وَهَلُمَّ جَرّا فَهِیَ اَربَعُ اَعیُنٍ

اور بہ تدریج آگے بڑھو تو عین یعنی چشم

لِلّٰهِ بِدَت مِن نُورِهِ الاَکوَانُ

حضور سرورکائنات صلعم کی چاروں آنکھیں ہیں

ذا السّرُّ یُبدِی اَنَّ هذا مَجمَعٌ

یہ راز اس نکتہ کو ظاہر کرتا ہے کہ اعلیٰحضرت سلطان دکن خلد اللہ ملکہ

لِخِصالِ کُلٍّ ذا لَهُ عُنوانُ

مجمع صفات ان سب کی ہونے پر یہ عنوان ہے

قَد فازَ بالعَینانِ فی عَرَبٍ عَجَمٍ　　فَثَناؤُهُم وَدُعاؤُهُم عِنیانُ

عرب عجم کے دو عین بھی ہم ساکہیں ہو جیسے (یعنی سمجھو کہ فلاح و بہبود پر اس سلطان کی دائمی نظر ہے) ان سبکی تعریفیں اور دعائیں عین ثنا بجائے عین

لَمّا اَتَی العَینانِ فی العَلَمَینِ مِن　　ذاتٍ اسمِهٖ فَلِذا نَهُ الاَعیانُ

جبکہ دو عین دو مشہور علموں میں آئی ہیں اس لیئے اس کے اسم گرامی کو اعیان قوم نے اور مزین کر دیا۔

بِخِطابِ سُلطانِ العُلومِ یُشِیعُها　　فَقَدِیمُها بِجَدِیدِها یَزدانُ

ساتھ خطاب سلطان العلوم کے کیونکہ وہ اشاعت علوم فرمارا ہے یہی علوم قدیمہ علوم جدیدہ کو زینت پذیر ہوتے ہیں

اَلحُکمُ وَالتَّنسِیخُ لَیسَ لِغَیرِهٖ　　فی دَکَنٍ لا غَیرُهٗ سُلطانُ

حکم فرمانا اور اس کا منسوخ فرمانا ان دونوں میں سے کوئی بات دکن میں اس بادشاہ کے سوا کسی اور کو نہیں اور کوئی سلطان نہیں ہے

راعی الرَّعایا اَینَ یُلفی مِثلُهٗ　　بِمَراحِمٍ وَعَواطِفٍ مَلآنُ

رعیت کا نگہبان اس کے مانند کہاں پایا جا سکتا ہے جو مراحم خسروانہ اور عواطف شاہانہ سے مملو ہے

تَدبِیرُهٗ فی مُلکِهٖ مِن حُسنِهٖ　　تَتَعَجَّبُ الاَرکانُ وَالاَقرانُ

اس کی تدبیر حکمرانی کی خوبی سے ارکین سلطنت اور شاہان زمانہ متعجب ہیں۔

اِرجاعُ رَزقٍ دَنسی کَذا اِستِرادُهٗ　　لِبِرارٍ وَلِمِثلِهِ البُرهانُ

رزق دنسی کا واپس لینا اور برار وغیرہ کا طلب فرمانا اس حسن تدبیر کے لیے بین دلیل ہے۔

یَستَنزِلُ السُّلطانُ کُلًّا رُبَّما　　بِجُحرِهٖ اِذ حَیَّةٌ ثُعبانُ

سب کو سلطان اس طرح سمیٹ کر واپس لے لیگا جس طرح سانپ اپنے بل میں گھس جاتا ہے۔

اَعلی مَطامِحِ قَصدِهٖ عَیشُ الوَرٰی　　بِمَسَرَّةٍ وَفَلاحُهُم وَاَمانُ

اس سلطان کی بلند تر آرزو یہی ہے کہ لوگ خوش حال رہیں اور ان کو بہبودی اور امن ہو۔

مِن ثَمَّ صارَ لِسَیلِ یَمِّ عَطائِهٖ　　کَی یَستَفِیدَ بِجُودِهِ البُلدانُ

اسی لیے وہ اپنی بخشش کی دریا بہا رہا ہے تاکہ جملہ ممالک اس سے مستفید ہوں۔

وَیُهَذِّبُ السُّبُلَ الَّتی تَرقی بِها　　نَحوَ العُلَی الاَبدانُ وَالاَذهانُ

اور ان راہوں کو مہذب فرما رہا ہے جن کے ذریعہ جسم و عقل اعلیٰ کمال کی طرف ترقی کر سکیں

اِن قِیلَ اَیُّ اَعدَلُ اَو اَشفَقُ

اگر سوال کیا جائے کہ حکمرانی اور سخاوت میں کون بادشاہ

حِلمًا وَجُودًا قُلتُ لا اِمکانُ

زیادہ منصف مزاج اور زیادہ مہربان ہے

الا الحجاب علی الیقین بانہ

تو میں کہونگا کہ یقیناً ممکن نہیں سوائے اس حجاب کے کہ بلا شبہ وہ

سلطان عثمان علی خان

اعلیحضرت سلطان العلوم میر عثمان علی خان خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ

وان اشتغلت بذکر نزر من بعا — ملاء تعبت وکل فی لسان

اور اگر اس سلطان کی خوبیوں کے تھوڑے سے حصہ کے بیان کرنے میں بھی مشغول ہو جاؤں تو تھک جاؤں گا اور میری زبان جواب دے دیگی

فلذا فعق اکففنا الحبیب دعا — ع خاضع اذ قالہ الرحمان

پس چنانچہ خداوند مہربان کا ارشاد ہے چاہیے کہ ہم بارگاہ مجیب الدعوات میں دست بدعا ہوں۔

فادم علی عافیۃ وزدہ معالیا — تخضع لھا الاملاک یا حنان

پس اے بڑے مہربان خدا! اس سلطان کی عافیت دائمی ہو اور اسکو وہ رفعت مرتبہ عطا فرما جس کے سامنے شاہان نامدار گردن جھکائیں

وأذل اعداءہ وخلد ملکہ — واصلح لہ من ھو لہ ولدان

اور اس کے دشمنوں کو خوار کر دے اور اس کی سلطنت برقرار رکھ اور شہزادگان بلند اقبال کو صالح بنا۔

وکذاک اصلح من ھو الوزراء — غلب جنود ھم لہ اعوان

اور وزیروں کو بھی نیک بنا دے اور ان لشکروں کو غالب بنا جو اس کے مددگار سلطنت ہیں۔

ھذا دعا نحوی الحقیر تقبلن — فضلا ومنا منک یا منان

یہی حقیر نحوی کی دعا ہے ضرور قبول فرمائیو اپنے فضل و نعمت سے اے بڑے بخشش والے پروردگار!

۵۵ م ۱۳

من کان مانع شکر الناس اذناہ — فلیس یفعل اعلاہ لمولاہ

جو کوئی لوگوں کے شکریہ ادا کرنے سے باز رہے جو ادنی شکر ہے تو وہ اعلی شکریہ نہیں بجا لائیگا اپنے مالک حقیقی کیلئے (حدیث شریف کے اس مضمون کی تعمیل میں ہم اپنے پیارے کرم گستر بادشاہ سلامت کی کورنش اور شکریہ بجا لاتے ہیں)۔

من مثل عثمان فی الاقطار نھواہ

کون ہے مانند عثمان کے جو سلطان دکن ہے گوشہائے زمین میں

سلطان دکن والاغیار تھواہ

جس سے ہم محبت رکھتے ہیں اور اغیار بھی

مرتبہ محمد فاضل

سُلطانُ عقلٍ وعلمٍ فی جلالتِہٖ
وہ اپنی بزرگی کے ساتھ صاحب عقل و علم سلطان ہے
مُفتَخَرٌ فی المَلا تکرارُ ذِکرَاہٗ
اس کے ذکر خیر کا بار بار دہرانا اہل عالم کے نزدیک بزرگی سمجھا جاتا ہے۔

اَلکَونُ مُمتَلِیءٌ بالجُودِ مِنہٗ لِذَا	اَنَّ البَحرَ مُعتَرِفٌ بُطلانَ دَعوَاہٗ
اس کے جود و سخاوت سے عالم بھرا ہوا ہے اس لیے سمندر کو اپنے دعوے کی بے حقیقتی کا اعتراف ہے۔

مَا لِلسَّمَاءِ سِوَی اَمطَارِ مَوسِمِہٖ	سُلطَانُنَا مَاطِرٌ دَوماً جَدوَاہٗ
آسمان کو نہیں ہے مگر یہ کہ موسم بارش میں مینہ برسائے لیکن سلطان کی بارش سخاوت تو دائمی ہے۔

مَا الوَالِدُ لِبَنِیہِ نَرَی سُلطَانَنَا	فِی شَفقَۃٍ وَوِدَادٍ فِی رَعَایَاہٗ
اپنی رعایا پر شفقت و محبت میں سلطان کے مانند والد بھی اپنی اولاد کے ساتھ نہیں۔

لَو کَانَ لُقمَانُ مَوجُوداً اَقَرَّ بِلَا	رَیبٍ بِقُصُورِہٖ قُدَّامَ عُلیَاہٗ
لقمان حکیم اگر زندہ رہتا تو سلطان کے بلند مرتبہ حکمت کے سامنے بے شبہ اپنی کوتاہی کا اقرار کر لیتا۔

مِن عَدلِہٖ خَجَلاً نَوشِیروَانُ وَفَی	وَبُزُرجُمهَرُ مِن تَدبِیرِہٖ تَاہَا
سلطان کے عدل و انصاف سے شرمندہ ہو کر نوشیروان ہٹ گیا اور بزرجمہر بھی سلطان کی تدبیر حکمرانی سے وہ سب ششدر رہ گئے۔

شَجَاعَۃٌ مُلِئَت اَرجَاءُ مُقمَصِہٖ	رُستُمُ وَزَالُ زَوَالاً قَد اَقَرَّاہٗ
سلطان کے جامۂ تن کی ہر جانب شجاعت اور بہادری سے پُر ہے۔ رستم اور زال اپنے زوال کی صورت سے اس کا اقرار کر چکے ہیں۔

اِسکَندَرٌ کَدَراً قَد غَابَ عَن مَلَاءٍ	مِن نُورِ فِطنَتِہٖ مَن یَختَبِر جَاہٗ
سلطان کی نور دانشمندی سے شرمندہ ہو کر سکندر دنیا سے غائب ہو گیا کوئی آزمانا چاہے تو وہ اس کے پاس جائے

قَد اَنعَمَ اللّٰہُ اِکرَاماً بِدَولَتِہٖ	عَلَی الاَنَامِ فَنَدعُو اللّٰہَ اَبقَاہٗ
اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان کرتا ہوا سلطان کو معہ اس سلطنت کے بخشش فرمائی ہے ہم اس نعمت کے بقا و دوام کی بارگاہ خداوندی میں دعا کرتے ہیں۔

نَحوِیٌّ لَہٗ اَبَداً دَاعٍ بِکُلِّ عُلاً	وَوُلدِہٖ شَغَفاً اَحیَانَ مَحیَاہٗ
نحوی تو اپنی زندگی کے لمحوں میں سلطان سلامت اور شہزادگان بلند اقبال کے لیے ہر بلندی و رفعت کی غایت محبت کے ساتھ دعا کرتا رہتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آنریبل الحاج نواب سر نظامت جنگ بہادر کی انگریزی نظم کا

اردو منظوم ترجمہ

مترجمہ مولوی محمد مصطفےٰ حسین صاحب اصفی بی اے صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ کنڑ ضلع اورنگ آباد

مناجات بہ بارگاہِ رسالتؐ مدینۂ طیبہ

ذات عالی مرتبت! اے پیکرِ صدق و صفا ‏ ‏ برگزیدہ حق کے پیغمبر امینِ باخدا

وہ طبیعت منصفانہ وہ کرم طاعت شعار ‏ ‏ آزمائش میں صفاتِ حق زیادہ آشکار

یاں عبادت کیلئے جب سر جھکا لیتا ہوں میں ‏ ‏ ہر پھڑکنے والی رگ میں تجھ کو پالیتا ہوں میں

سُن رہا ہوں آسماں سے یہ فرشتوں کی نوید

فضلِ حق سے اے گنہگارو نہ ہونا ناامید

ڈھونڈھتے رہنا پناہِ حق عذابِ نار سے ‏ ‏ بخشے جائیں گے معاصی رحمتِ غفار سے"

عقل کو میرے کہاں تھی طاقتِ چون و چرا ‏ ‏ رہبری تیری ہوئی تو میں سمجھنے بھی لگا

ہے حقیقت میں بہت کمزور تعمیرِ ریا ‏ ‏ وہ تقدس کی عمارت خوف ہو جس کی بنا

جب سپاس و شکر کے الفاظ بے معنی ہوئے

طُور سا اظہارِ ندامت کے بھی لایعنی ہوئے

تیری طاعت مخلصانہ کیف سے ممتاز تھی

تیری یادِ حق کمالِ ہمتِ پرواز تھی

پھاڑ کر پردے زمیں کے آسمانوں کے حجاب

تو نے دیکھے جلوہ ہائے حق ہمیشہ بے حجاب

توجہ حق کمال

تیری شب بیداریاں تھیں اک سکوت بخت کوش
آشنائے صوت رب تھے تیرے گوش حق نیوش

تجھ کو زیبا نوع انساں کی ہدایت کا شرف
کفر کی ظلمت سے لے چلنا تجلی کی طرف

دین کے پیچھے مہاجر! اے رسول محترم — چھوڑ کر گھر بار سہتے تھے جو تھے رنج والم
پاؤں سے فرش زمیں پر عرش پر تیرا خیال — کس طرح آتا مصیبت میں ترے دل پر ملال
تھے کسے کیسے ان کے قربت میں بے لطف قیام — حکم رب سے تجھ کو بالآخر ملا خوشتر مقام

دین کا مرکز یہی شہر مدینہ بن گیا
یعنی اسلامی ریاست کا نگینہ بن گیا

ہاں حیات دنیوی کے دور صبح و شام میں — جد و جہد مستقل میں محنت و آلام میں
پر سکوں اک زندگانی تھی گلہ نا آشنا — پیکر صبر و تحمل روح تسلیم و رضا
کوئی کیا جانے کہ کیا لذت تھی تیرے ذوق میں — کون سے جلوے تڑپتے تھے دل پر شوق میں

مظہر انوار حق ہستی تھی تیری سر بسر
دیکھنے میں اک بشر تھا تو بھی اے خیر البشرؐ

اہل دنیا پر ہوا اک قالب فانی عیاں — روح لیکن عالم بالا زمین و آسماں
کام پیغمبر کا ہوتا ہے ہدایت رہبری — پر ترے حصہ میں تھی دنیا کی بھی شاہنشہی
بادشاہ دین و دنیا بن کے تھا مصروف کار — اور کسی ادنیٰ سے ادنیٰ کام کو سمجھا نہ عار

بارگاہ حق سے یاں چاہا نہ کچھ اپنے لیے
وقف تھیں تیری دعائیں ساری امت کے لیے

یادگار دہر ہے تیری حکومت کی بہار — چپے چپے تھا عرب کا تیرے قدموں پر نثار
جب ہوئے چرچے طلوع کوکب اسلام کے — آئے درشن کے لیے سردار روم و شام کے
تیری عظمت تیری قوت منکشف تھی کس قدر — بادشاہان جہاں سے مختلف تھی کس قدر

حق پرستی کی جھلک ہر دم نظر آئی انہیں
خود نمائی کی ادا یاں کم نظر آئی انہیں

قالب انساں میں تھی یوں رحمت حق جلوہ گر — ابر کے پردے میں جیسے پرتو شمس و قمر

انکساری سے لگا ہے دین کے اتمام میں
حق کے منصوبے نظر آئے ترے ہر کام میں

کفر کی ظلمت مٹی اسلام پھیلا دور دور
ہے منور بتکدوں میں وحدت و ایماں کا نور

مرتبہ محمد فاضل

تیری ہستی سے ہے نمایاں دہر کے ظلمات میں
چاند روشن ہے رسالت کا اندھیری رات میں
شاہ حق کے نظر آتے ہیں جلوے اس طرح
تیرے ہاتھوں نے سجائے تھے کبھی یاں جس طرح

پیر گلستان کے تازہ نظر آتے ہیں یاں	دور ماضی میں ہوا تعمیر یہ گنبد جہاں
سامنے والی منقش اُن کمانوں کی قطار	ہے بہت خوش وضع لیکن وہ کہاں اگلی بہار

تیرے خرمے کے درختوں کی فضا کچھ اور تھی
سادگی کی شان ایماں کی ضیا کچھ اور تھی

تیرا یہ بندہ عقیدت مند سر تا پا نیاز	جبہ سا ہے آستانے پر ترے اے چارہ ساز
عاجز و افتادہ ہوں لطف و عنایت سے اٹھا	مجھ کو اب نقش قدم پر تیرے لے مولا چلا
از سر نو زندگی کا میرے ہو تبدیل رنگ	روح سے ہٹ جائے اب چھایا ہوا عصیاں کا زنگ

عہد ماضی سے ہو مستقبل زیادہ شاندار
تو مرا ہادی رہے میں بندۂ طاعت گزار

خون دل روتی ہیں آنکھیں نور ایماں کیلئے	مانگتا ہوں تجھ سے یہ دولت دل و جاں کیلئے
نور بھی وہ نور جس سے ہوں منور شش جہت	حق نظر آنے لگے ہر سو وہ نور معرفت
روح کے تاریک گوشوں سے سیاہی دور ہو	ظلمت دیجور میں روشن چراغ طور ہو

چاہتا ہوں پاکبازانہ امنگوں کا ابھار
لوٹ لوں ایماں کے گلہائے مسرت کی بہار

نظم

از جناب مولوی سید یوسف حسین صاحب تنہا شالوی حیدرآبادی

آج دریا پہ ابر نیساں ہے	فرش دردانہ و مرجاں ہے
شہر کیا گویا باغ رضواں ہے	جس طرف دیکھو فضل یزداں ہے
ہر ایک انساں یہاں کا شاداں ہے	دل سے شاہ دکن پہ قرباں ہے
بست و پنج سال فضل سبحاں ہے	تاج آرائی اور ایواں ہے
ہر شہر خرمی سے خنداں ہے	مہر اقبال شہ درخشاں ہے
وصال کی ہے یہ پایۂ تخت دکن	جشن سیمین شاہ عثماں ہے
ہر زن کوچہ اک گلستاں ہے	جشن سیمین شاہ عثماں ہے
کوئی رستم کوئی نریماں ہے	جشن سیمین شاہ عثماں ہے
زینت محل اور دیواں ہے	جشن سیمین شاہ عثماں ہے
تنہا امیدوار احساں ہے	جشن سیمین شاہ عثماں ہے

قطعہ

از مولوی حافظ سید محمد قاسم صاحب عابدی

شمع ہے نسخۂ حج کعبۂ ایماں کے لیے
خضر منزل ہے یہ ہر ایک مسلماں کیلئے
اس کی قیمت ہے یہی کیجئے ہر وقت دعا
میر عثمان علیخان شہ ذیشاں کیلئے

آصف سابع

یادگار سلور جوبلی

ہز ہائینس پرنس آف برار

در مدح ولی عہد الاشان شہزادہ اعظم جاہ نواب میر حمایت علیخان بہادر

و

والاشان شہزادہ معظم جاہ نواب میر شجاعت علیخان بہادر

از استاذ السلطان جلیل القدر نواب فصاحت جنگ بہادر حضرت جلیل مد ظلہ

شہزادۂ اوّل کو حمایت ہے علیؑ کی — شہزادۂ ثانی میں شجاعت ہے علیؑ کی

دونوں کو یہ دو وصف خداداد ملے ہیں — صورت تو ہے عثمانؓ کی سیرت ہے علیؑ کی

از تو باقی سطوت دین مبین

از رموز بیخودی ڈاکٹر سر محمد اقبال

اے مقامت برتر از چرخ بریں — از تو باقی سطوت دین مبیں

جلوہ صدیق از سیمائے تو — حافظ ما تیغ جوشن خائے تو

از تو ما را صبح خنداں شام ہند — استعانت مرکز اسلام ہند

مرتبہ محمد فاضل

دوشِ ملت زندہ از امروزِ تو — تابِ این تن کہن از سوزِ تو
بندگانِ ستیم ما تو خواجۂ — از پئے فردائے ما دیباچۂ
پیشِ سلطاں ایں گہر آوردہ ام
قطرۂ خونِ جگر آوردہ ام

شاہ عثماں کا جودِ بیحساب

از مولانا ظفر علیخاں صاحب

ابر باہنگام اپنے وقت پر آیا کرے — فصلِ گل کے ساتھ ساتھ آکر برس جایا کرے
جوئباروں کے کناروں پر بچھادے فرشِ سبز — ارغواں زاروں میں مروارید برسایا کرے
دامنِ صحرا میں ٹانکے موتیوں کی جھالریں — لالہ و گل سے خیابانوں کو لہکایا کرے
کوہساروں اور بیابانوں پہ برسے جھوم کر — ندیوں کا پاٹ ہر ریلے میں پھیلایا کرے
ابر کا یہ شیوۂ ایثار اچھا ہے۔ اگر — فصل کے جاتے ہی پیاسوں کو نہ ترسایا کرے
جستجو دنیا کو ہے اس ابر بے ہنگام کی — جو سخاوت میں بھی ہر کھیتی پہ لہرایا کرے
اُٹھ کے ہر موسم میں جُھن برسائے سب پر ایک ساتھ — ابر نیساں کو گہر باری میں شرمایا کرے
اُس کے چھینٹوں سے سوادِ قدس اگر سیراب ہو — خاکِ دہلی پر بھی اس کا فیض منڈلایا کرے
شیخ کے بے مایہ بٹوے کا اگر رکھے خیال — برہمن کی زر طلب مٹھی بھی گرمایا کرے
آبِ جیحوں سے بھرے ساغر سمرنا کا اگر — ساتھ ہی پونا کی گاگر کو بھی چھلکایا کرے

گر علیگڈھ اس کی فیاضی سے مالامال ہو
سر سے لیکر پاؤں تک کاشی کو بھی مایا کرے

سرکار کا اقبال ہو افزوں یارب
بدخواہ کا دل غم سے ہو پُرخوں یارب
وہ جشن نظام ہو کہ سارا عالم
لیلائے حکومت کا ہو مجنوں یارب

اختر

دربارِ تاجدارِ دکن کی ایک جھلک

ناصرِ دیں حامیٔ قرآں توئی

ازمولنٰنا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند

مرحبا اے راقبِ شرعِ متیں
(۱) مرحبا اے مالکِ فتحِ مبیں

مرحبا اے صاحبِ جاہ و حشم
(۲) مرحبا اے نازشِ خیر الامم

مرحبا اے خسروِ نازک خیال
(۳) مرحبا اے شہریارِ نیک فال

مرحبا اے مالکِ جود و کرم
(۴) مرحبا اے حافظِ دیر و حرم

مرحبا اے تاجدارِ نکتہ داں
(۵) مرحبا اے سرورِ اسلامیاں

زندگی تازہ از دیدارِ تو
(۶) انبساطِ روح از گفتارِ تو

سادگی تو چو اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم
(۷) سطوتت برتر ز شاہانِ عظام

آستانت مرجعِ ہر خاص و عام
(۸) سجدہ گاہت ازگہِ حق صبح و شام

عدل تو معروف بر اہلِ عجم
(۹) بذلِ تو مذکور در صحنِ حرم

زورِ بازوئے مسلماناں توئی
(۱۰) ناصرِ دیں حامیٔ قرآں توئی

ہمتت بالاتر از چرخِ بریں
(۱۱) اُمتِ مرحوم را حصنِ حصیں

—(۱۲)—

از جناب مولوی سید علی صاحب منظر

دیا مجھ کو ساقی نے جامِ شراب | ہم ہو گئے ماہتاب آفتاب
جہانِ دل و طلعتِ نیرین | میسر مجھے حاصلِ نشاتین
چڑھا نشۂ بادۂ ارغواں | کھلے مجھ پہ اسرارِ ہر دو جہاں
مگر کام فی الحال اُدھر سے نہیں | یہیں کی سنو تم یہیں ہیں یہیں
مری طرح کہتے ہیں تاریخ داں | کہ یہ عہد ہے عہدِ امن و اماں
مرے ہاتھ میں ساغرِ لالہ فام | مرے وردِ لب شاہ عثمان کا نام
نثار اُس پہ مال و جمال و کمال | ہمایوں خصال و فریدوں مثال
عجب شاندار اُس کا دربار ہے | ہر اک رکنِ دربار دُربار ہے
اُدھر شاد ہیں ماہ منزل وزیر | اِدھر یادگارِ امیرِ کبیر
یہ خوش رو جو ہمدوش ہے ماہ کا | جگر بند ہے آسماں جاہ کا
بہت خوش ہیں نواب سالار جنگ | جو ہیں مثلِ اجداد بے ریو رنگ
اِدھر خانخاناں کا دلبند ہے | اُدھر راجائے راجاں کا فرزند ہے
یہ ہیں حیدری اور وہ ماسکر | عقیلِ یگاں، مہدیٔ نامور
یہ جملہ امیرانِ ذی اعتبار | یہ سب عہدہ دارانِ عالی وقار
ہوا خواہِ شاہِ خردمند ہیں | اُسی کی عنایت سے خورسند ہیں

دعا گوئے شاہ و ولیعہدِ شاہ
رہیں مثلِ منظر سب خیرخواہ

از مولوی سید محمد سعید صاحب ندوی سعیدؔ

حکمت آموزِ سلاطیں ہے ہمارا سلطاں
رہبرِ خضرِ جہاں بیں ہے ہمارا سلطاں

اس کی اکرام سے شاداب گلستانِ دکن
واہ کیا ابرِ بہاریں ہے ہمارا سلطاں

ہوگیا ملکِ دکن نازشِ علم و حکمت
قدرداں اور ہنربیں ہے ہمارا سلطاں

ہوگئی علم سے 'بیمار رعایا' زندہ
کیا مسیح صحت آگیں ہے ہمارا سلطاں

جس کی عطریتِ اوصاف سے دُنیا مہکی
گویا فردوس ریاحیں ہے ہمارا سلطاں

امن کو ناز ہے خود اس کی جہاں بانی پر
واہ کیا واضعِ آئیں ہے ہمارا سلطاں

اس جہاں بانی کے قرباں کہ عدالت فطرت
کیوں نہ ہو مردِ خدابیں ہے ہمارا سلطاں

ہے وہ شاہانِ دکن میں شمعِ بزم فروز
یا کہ اک نافۂ مشکیں ہے ہمارا سلطاں

دُرِ شہوار بنا گوشِ عروسِ دولت
یا کہ اک غنچۂ پرویں ہے ہمارا سلطاں

ہوگیا رشکِ دو خُلدِ بریں کیسہ ملک
باعثِ زینتِ تزئیں ہے ہمارا سلطاں

کیوں رعایا کو نہ حاصل ہو خوشی اس کی سعیدؔ
دُرۃ التاجِ سلاطیں ہے ہمارا سلطاں

بود کامل شہ فرماں روایاں آصف سابع
نظام الملک عثمان علیخاں آصف سابع
سراج دین اسلامی امیر مومناں باشی

از جناب مفتون صاحب ایزدی

بپا تا جشن نوروزی بماہ فرودیں باشد — درخشاں مہر تا جا بچرخ چارمیں باشد
سخن تا نزد دانشور بہ از دُرِّ ثمیں باشد — مہ و خورشید تا رخشاں سر چرخ بریں باشد
سریر آرا نظام الملک بر روئے زمیں باشد (آمین)

رسید آندم کہ در خمخانہ خم مے بجوش آید — ز وصل گل ہزار خستہ جاں اندر خروش آید
ز بس از باغ غلام ایں نوا در گوش ہوش آید — ز ہر ساز طرب ایں نغمۂ دلکش بگوش آید
مبارک عید اضحی بر امیر المومنیں باشد (آمین)

عطارد منشی بزم و قمر گوئی بہ چوگانش — قراول باشدی مریخ و جوزا منیر دربانش
ظفر یار و ہنر کار و فتوح و بخت اعوانش — خدا ناصر نبی حامی شہ مرداں نگہبانش
وقار افزوں دکن آباد دولت بیقریں باشد (آمین)

بود تا صبحدم خور از فراز آسماں لامع
شہاں باشند بر حکم ہمیں عثماں علی خاضع

رشحۂ محمد فاضل

چنیں گوئید بر درگاہِ حق خیل ملک خاشع

الٰہی رشتۂ عمر طویل آصف سابع

دراز از شاخ طوبیٰ محکم از حبل المتیں باشد (آمین)

ہمی خواہم ز صدقِ دل ہمی از درگاہ یزدانی — کند دستِ خدا از شر اعدایت نگہبانی

چو حضرت عمر باد و چوں سلیمانت جہانبانی — رخت چوں گل شگفتہ از نسیم لطف رحمانی

بد اندیشت پریشاں خاطر و اندوہگیں باشد (آمین)

تو ہمائی غم و درد و مشقت راز عالم کم — کہ در دورت نباید مضطری را کن بچشم نم

ز عدلت شیر نراز آہوئے مسکیں نماید رم — کفیل و چارہ فرما ہم محافظ ہم معاون ہم

تو باشی خلق را ہر دو رب العالمیں باشد (آمین)

شود تا خور عیاں صبح شبت از انظار پنہاں — بود تا فصل نوروزی گل اندر بوستاں پنہاں

کند از صدقِ دل مفتوں دعا در حضرتِ منّاں — فلک تا ہست بالائے زمیں قائم ترا اعتماں

ظفر در قبضہ و ملک جہاں زیر نگیں باشد (آمین)

در تہنیت جلسۂ نقروی جوبلی اعلیٰحضرت نواب میر عثمان علیخان بہادر سلطان العلوم شہریار دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہٗ

از مولوی عنایت حسین صاحب وکیل اہلکار محکمۂ نظامت امور مذہبی سرکار عالی

نوازش آصفِ مفخّم کی کیا اعجاز والی ہے — تن بیجان سالِ ہیں کر اس نے جان ڈالی ہے

پھلی پھولی جو گلزار دکن کی ڈالی ڈالی ہے — جہاں کا چپہ چپہ کب اثر سے اس کے خالی ہے

خدا رکھے بڑی فیاض یہ سرکارِ عالی ہے

سلاطیں کے تو اکثر کارنامے ہیں سیاست کے
مگر کچھ اور ہی ہیں رنگ عثمانی حکومت کے
نہاں رہتے ہیں ان کے کام میں پہلو فراست کے
ریاست ان کو موزوں ہے یہ موزوں ہیں ریاست کے
طبیعت ان کی شاہانِ زمانہ سے نرالی ہے

رعایا کے پسند ان کے سبھی کارِ نمایاں ہیں — کئی ہیں رانیاں راجے جو انکے زیرِ فرماں ہیں
پرستاری ہیں ہر ہر مذہب و ملت کے انساں ہیں — مگر ان کے برابر حال پر ہر ایک احساں ہیں
یہ کیسی سادگی عثماں میں اللہ والی ہے

جہاں کے شہریاروں میں تو اک سے ایک بہتر ہے — کوئی ہے رشکِ دارا تو کوئی مثلِ سکندر ہے
کوئی ہے مہرِ تاباں تو کوئی ماہِ منور ہے — مگر ان کا نہ ثانی ہے نہ ان کا کوئی ہمسر ہے
مثالوں میں صفت عثماں کی کب آنیوالی ہے

الٰہ العالمیں ہندول جب تیرا کرم ہوگا — فلک کے کنگرے پر شاہ عثماں کا علم ہوگا
مطیعِ حکم سب ہند و عرب ہوگا عجم ہوگا — ترقی پر جلال و رتبہ و جاہ و حشم ہوگا
تری ہی ذات سے نعمت یہ حاصل ہونیوالی ہے

کہیں تو جشنِ جمشیدی کا پیشِ چشم منظر ہے — کہیں زہرہ وشوں کا رقص بھی بہتر سے بہتر ہے
مسرت عید سے بڑھ کر دکن والوں کے گھر گھر ہے — یہ سلور جوبلی کی دھوم کیا اللہ اکبر ہے
سنہری جوبلی کی بھی بہار اب آنیوالی ہے

وکیلؔ ان کو حصولِ مقصد و ارماں مبارک ہو — دعائے جاں نثاراں ہر گھڑی ہر آن مبارک ہو
یہ بزمِ عیشِ امید عیش کا ساماں مبارک ہو — یہ سلور جوبلی خسروِ گیہاں مبارک ہو
"محی الملۃ والدیں" مسلمانوں کا والی ہے

از مولوی محمد ممتاز علی مرزا صاحب قیصرؔ دہلوی

زہے سرکار گردوں بارگاہ ہے ✤ زورِ یائے سخاوت بے بہا در
کریم ابنِ کریم ابنِ کرامت ✤ شہِ عثماں علیخانِ بہادر

شہریارِ دکن سے خطاب

از جناب جمشید جی صاحب آفت کلیانوی (گرگنہ)

اے کہ تو تہذیبِ مشرق کا علمبردار ہے
اے کہ تو نقشِ جمیلِ حیدر کرار ہے

اے کہ تیرے ملک کی فردوس زا ہے سرزمیں
اے کہ ہر ذرہ میں ہے مستور دنیائے حسیں

اے کہ تیرا خامۂ معنی بہاست بار ہے
اے کہ تو اک یادگارِ جرأتِ تاتار ہے

اے کہ تیری تیغ میں مستور شامِ زندگی
اے کہ تیرا عہدِ زریں ہے پیامِ زندگی

اے کہ تیرا دور ہے وابستۂ امن و اماں
اے کہ تیرا ملک ہے سرمایۂ ہندوستاں

اے کہ تیرے دم سے وابستہ نشانِ علم ہے
اے کہ تیری داستاں اک داستانِ علم ہے

اے کہ تیری سادگی لذت کشِ اسلام ہے
اے کہ تیری زندگی لذت کشِ اسلام ہے

قائلِ تقلید ہے طرزِ جہاں بانی تری
جذبۂ ذوقِ عمل تکمیلِ ذوقِ رہبری

موجزن تیری رگوں میں بادۂ حبِ وطن
دل ہم آغوشِ نشاطِ نغمۂ سازِ کہن

تو کمالِ ارتقائے شوقِ تعمیرِ نیاز
تیری ہستی ہے مجسم ذوقِ تعمیرِ نیاز

اے خوشا اک یادگارِ عدلِ فاروقی ہے تو
بالیقیں نو بہارِ عدلِ فاروقی ہے تو

گا رہے ہیں تیری مدحت کے ترانے بحر و بر
شام کی جاذبِ نظر رنگینیاں، نورِ سحر

از جناب سید نظام الحق صاحب جامی (علیگ) ایڈوکیٹ

اے زمین حیدرآباد اے پناہ و جاہ قوم — اے کہ شمع بزم مسلم اے چراغ راہ قوم
اے کہ تیری گود میں ہے تاجدار و شاہ قوم — حامی دین متیں، عادل منش، ودا و قوم
اے کہ تو ماوائے اولیائے سعادت بالیقیں
اے کہ تیرا آج عالم میں کوئی ثانی نہیں

اے کہ قائم تجھ سے ذکر سطوت اسلام ہے — اور روشن امت خیرالبشر کا نام ہے
تیرا والی جامع القرآن کا ہمنام ہے — جس سے ربط سلوہائے حکمت ایام ہے
حکمرانی میں تری گو رنگ ہے فغفور کا
حسن افزا ہے مگر وہ چہرۂ جمہور کا

اے کہ تو پشت و پناہ علم و فضل و عدل و دیں — تیرے خادم مجلس اقوام میں بالا نشیں
اے کہ تیری ہر ادا دلکش متین و دلنشیں — جو محاسن تجھ میں ہیں دنیا میں وہ ملتے نہیں
یاد ہوئے مولیاں ہیں مضطرب تھا رود کی
جمہ کو تریاقی ہے تیری موج ہائے گوداوری

تیرے اعدا خلق کی نظروں میں رسوا و ذلیل — تیرے عاشق بزم قدسی میں نزد جبرئیل
تیرا آئین عدل فاروقی کی اک روشن دلیل — تیرا ایوان عدالت سب مذاہب کا کفیل
اپنے ہر اک فرد پر تیری حکومت کا مسل
بے مثال و بے نظیر و بے عدیل و بے مثل

کیوں نہ تیری ہر ادا محبوب ہو مقبول ہو — کیوں نہ تیرا ذکر معزوں قلب کا معمول ہو
کیوں نہ تیرے ساکنوں کا ہر سخن معقول ہو — کیوں حدیث دلبری تیری زباں منقول ہو
تجھ میں وہ سب کچھ ہے جو تھا شہ جہاں آباد میں
وہ خزینے بھی ہیں پوشیدہ جو تھے بغداد میں

بات اک کہتا ہوں گو ہرگز اسکو نسبت نہ تھی — تیری مٹی میں جھلک پاتا ہوں تک طور کی
تجھ سے قائم آج تک ناموس ہے تیمور کی — جو نہ مٹ سکے تجھ سے وہ شمع ہو تو نور کی

تو زباں کی حامی و تہذیب نو کی جان ہے

تیرا ہر ہندو و مسلماں پر بڑا احسان ہے

تو مثال نکہتِ زلفِ لیلیٰ ایام ہے ۔۔۔ یا دمِ مشک سحر، یا خاکِ عنبر فام ہے

یہ مطالب تو تو مقصودِ دلِ صد کام ہے ۔۔۔ تیری بوئے خوش مشامِ جاں کا آرام ہے

چشمِ ظاہر نے تجھے دیکھا تو کیا خوبی ہوئی

دل کو آتی ہے نظر تو نور میں ڈوبی ہوئی

سرزمینِ اندلس کے قصے گو برباد ہیں ۔۔۔ تجھ سے ہنگامے مگر مسلم کے اکثر یاد ہیں

دو دماں لاتعد تیرے کرم سے شاد ہیں ۔۔۔ کتنے انساں ہیں کہ تیرے فیض سے آباد ہیں

اے کہ تجھ سے اندمالِ زخمِ قلبِ ناصبور

اے کہ تجھ سے دیدۂ بینائے ملت میں ہے نور

گرچہ اپنی سرزمیں پر نے بھی ہے اوج عام بھی ۔۔۔ شغل بھی بیکاریاں بھی کام بھی اور نام بھی

علم بھی دولت بھی ہے آغاز بھی انجام بھی ۔۔۔ یہ سبھی کچھ ہے سیادت ہے مگر بدنام بھی

تجھ میں جیسی دلکشی ہے اس جگہ ملتی نہیں

وائے محروم صبا! وہ جو کلی کھلتی نہیں

گرچہ ظاہر میں ہیں تجھ سے دور ہوں مہجور ہوں ۔۔۔ تجھ میں ساکن ہو کے خدمت سے تری معذور ہوں

نشۂ الفت سے تیرے مست ہوں مخمور ہوں ۔۔۔ دل سے تو نزدیک ہوں آنکھوں سے گو کچھ دور ہوں

آگ ہے پہلو میں میرے یا کوئی تنور ہے

میں تو اتنا جانتا ہوں کچھ یہاں مستور ہے

دیکھ لے ارضِ مقدس وقت ہے یہ کام کا ۔۔۔ کام کے انجام کا انجام پر انعام کا

تیرے سر ہی سہرا ہے ملت کے اچھے کام کا ۔۔۔ بول بالا کر دے دنیا میں ہمارے نام کا

مے حجازی ہو اگر مینائے نو باقی رہے

تو رہے محفل رہے، پائندہ تو ساقی رہے

از مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی

بندۂ ادہر نے یہ راز افشا کر دیا آخر ۔۔۔ کہ بیجا ناز تھا دارا و جم کا کج کلاہی پر

نہیں علم و کمال و علم میں جن کا کوئی ثانی
حسیں کرتے ہیں جس سرکار کی گہوارہ جنبانی
ہے جس کی ذات میں کمال صفت ظلِ جہانبانی
تمام اہل دنیا کرتے ہیں جس کی ثنا خوانی

وہ اہلِ فیض نخلِ باردارِ گلستاں تم ہو
کرم پرور رحیم و عدل گستر مہرباں تم ہو

ضیائے آفتابِ آسمانِ علم و جودت ہو — طبیعت نیک عادت نیک خصلت نیک نیت ہو
نسیم گلشنِ اعزاز و شوکت جاہ و حشمت ہو — بہارِ بےخزاں رنگِ چمن بارانِ رحمت ہو

غریبوں کے چمن آرائے باغِ زندگانی ہو
تمہیں چاہِ کرم آبِ حیاتِ جاودانی ہو

ترے دستِ کرم سے ابرِ نیساں کو کہاں نسبت — ضیائے مہر سے ماہِ درخشاں کو کہاں نسبت
نگینِ لطف سے لعلِ بدخشاں کو کہاں نسبت — شعاعِ خلق سے خورشیدِ تاباں کو کہاں نسبت

کہاں تشبیہ دلِ شفاف سے آئینہ کو ہوگی
کہاں نسبت سریرِ علم سے گنجینہ کو ہوگی

شفقت لطف بندہ پروری عادت تمہاری ہے — ہر اک سائل کی سننا استدعا خصلت تمہاری ہے
اٹھانا فرشیوں کو خاک سے ہمت تمہاری ہے — بنانا ذرہ کو خورشید یہ نیت تمہاری ہے

زمانہ میں اسی داد و دہش سے نام بھی ہوگا
ہے جس کی ابتدا اچھی تو خوب انجام بھی ہوگا

الٰہی جب تلک دنیا میں ہوں شمس و قمر قائم — ہوں جب تک عالمِ ایجاد میں شام و سحر قائم
رہیں جب تک زمین و آسماں دیوار و در قائم — رہیں جب تک چمن میں پھول دریا میں گہر قائم

الٰہی رکھ انہیں قائم فزوں کر جاہ و حشمت کو
سلامت رکھ مرے ممدوح کے اقبال و دولت کو

کھلائے پھول گلشن میں نسیم صبحدم جب تک — گھٹا چھائی رہے برسا کرے ابرِ کرم جب تک
گل و بلبل رہیں شاداں گلستاں میں بہم جب تک — صبا لیجائے بوئے گل چمن سے دمبدم جب تک

گلِ امید کو دائم تر و تازہ کھلا رکھنا
مرے ممدوح کا یارب چمن پھولا پھلا رکھنا

رہیں خوش دوست، دشمن کی الٰہی پائمالی ہو
گلستانِ جہاں میں بارور اس گل کی ڈالی ہو

مرسلہ محمد فاضل

میسر بندہ پرور کو مرے فرخندہ حالی ہو
مراتب ان کے اعلیٰ ہوں جہاں میں شان عالی ہو
ہو شہرت باغ عالم میں کرم ہمہ مروت کی
فزوں ہو برقِ تاباں سے چمک حسن لیاقت کی

جہاں میں بول بالا ہو ہمیشہ میرے سرور کا — الٰہی میر عثمان علیخاں بندہ پرور کا
عطا عمر مسیحا ہو نصیبہ ہو سکندر کا — رہے سایہ ابابکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ کا

فزوں کیوں کر نہ ہو نوشیرواں سے عدل عثمانی
ارے غافل یہ ظل اللہ ہے یہ ظل سبحانی

قطعہ تاریخ

از مولانا ابوالخیر محمد خیر اللہ صاحب خیر

ہے خوشی مالک کی جو وہ ملک کی بھی ہے خوشی
ملک ہے وقف مسرت آج کیسا' دیکھنا!
خیر سے پوچھا رعایا نے سن ہجری ہے جب
جشن ہو تجھکو مبارک اے رعایا کہہ دیا

۱۳۵۴ھ

دعا

از مولانا سیفی حیدر آبادی

قطعہ تاریخ

از مولانا ابوالخیر محمد خیر اللہ صاحب خیر

وحش اللہ یہ خوشی یہ انبساط و ابتہاج
ہے دکن کا ذرہ ذرہ سے مسرت جلوہ گر
جشن کی تاریخ تو بھی خیر ہو کر با ادب
آصف سابع مبارک جشن تجھکو۔ عرض کر

۱۳۵۴ھ

بنائے بوئے عنبر بیز جب تک سمت بستاں کو — نشانِ بے نشاں جب تک کہیں مہر درخشاں کو
پسند آتی رہے۔ حمد و ثنا جب تک سخنداں کو — منور نام پاک حق سے جب تک پائیں عنواں کو
خدا رکھے سلامت میر عثمان علیخاں کو (آمین)

معزز ہیں اسی شاہِ معظم کی بدولت ہم — زمانہ بھر میں ہیں مشہور اہل بخت و قسمت ہم
نظر آتے ہیں۔ دنیا کو مجسم عیش و راحت ہم — کہ سو نازوں سے کرتے ہیں حکومت پر حکومت ہم
خدا رکھے سلامت میر عثمانِ علیخاں کو (آمین)

ہمارے حضرتِ اعلیٰ بھی کن صفوں کے مظہر ہیں — بہارِ گلشن جود و خدیو فیض پرور ہیں
ضیاءِ آفتابِ معدلت ہیں رحم گستر ہیں — مددگار فقرا ہیں نبیؐ ہیں ظل داور ہیں
خدا رکھے سلامت میر عثمانِ علیخاں کو (آمین)

ارادے میں مصمم ہیں شجاعت اس کو کہتے ہیں
رعایا شاد ہے دل سے۔ عدالت اس کو کہتے ہیں
مشاہیر جہاں ہیں جسم دولت اس کو کہتے ہیں
ہیں یکدل مسلم و ہندو حکومت اس کو کہتے ہیں

از مولوی محمد حبیب اللہ صاحب وفا۔ بی۔ ڈی۔ ایچ۔

افق پر چرخ کے جب تک طلوعِ مہرِ رخشاں ہو — ضیائے مہر سے تا کسبِ نورِ ماہِ تاباں ہو
جہاں مشعل سے مہر و مہ کے تا بزمِ چراغاں ہو — جہاں ہو اور جہانبانِ میر عثمانِ علیخاں ہو

اُسی کے نام سے سکہ کو خطبہ کو بھی وقعت ہو
اُسی کے سر سے تاجِ خسروی کو زیب و زینت ہو

جہاں ہو تا جہاں گیری جہاں میں عزمِ شاہاں ہو — مہیا جنگ کا دنیا میں جب تک ساز و ساماں ہو
پہلوانی میں جب تک شہرتِ سام و نریماں ہو — ارادوں پر اولوالعزموں کے جب تک فتح قرباں ہو

تری شمشیر ہو اور اُس کا جوہر فتح و نصرت ہو
جہاں گیری کا اُس کی ہر طرف چرچا ہو شہرت ہو

امامت کاملی کی معتقد تا ہر مسلماں ہو — ولایت کاملی کی دہر میں جب تک کہ فیضاں ہو
شجاعت کے لئے جب تک کہ نام شاہِ مرداں ہو — ارادوں پر اُولوالعزموں کے جب تک فتح قرباں ہو

تری تیغِ دو پیکر ہو دلوں میں اس کی ہیبت ہو
عدو کا دل دو پارہ ہو کچھ اس کی ایسی دہشت ہو

بخارِ ارض سے جب تک نمودِ ابرِ باراں ہو — صدف میں باعثِ تکوینِ گوہر ابرِ نیساں ہو
مرصع گوہرِ رخشاں سے جب تک تاجِ شاہاں ہو — جہاں میں تاجِ شاہاں باعثِ صد عظمت و شاں ہو

ترے اکلیلِ شاہی میں کہ برتر اس کی عظمت ہو
وہ گوہر ہوں کہ اُن میں آب و تابِ سرمدیت ہو

رعیت کا ہو جب تک نام جب تک نام سلطاں ہو — سلاطینِ جہاں کی تا رعیت زیرِ فرماں ہو
زباں پر تا بیانِ خاتمِ دستِ سلیماں ہو — درفشِ کاویانی تا طغر آرائے کیہاں ہو

تو حاکم ہو تری محکوم سب دنیا کی خلقت ہو
حکومت کا پھریرا لہلہاتا۔ تا قیامت ہو

حسینانِ جہاں کی زلف جب تک عنبر افشاں ہو — اور ان غنچہ دہانوں کا دہن جب تک کہ خنداں ہو
لبِ گلگوں ان کا غیرتِ لعلِ بدخشاں ہو — اور ان کا روئے رنگیں باعثِ رشکِ گلستاں ہو
بڑے اجلال تیرا روز افزوں تری شوکت ہو — جہاں میں تا قیامت تیرے سر تا سر حکومت ہو

مرقومہ محمد فضل

بڑھے اجلال تیرا اور افزوں تیری شوکت ہو
جہاں میں تا قیامت تیرے سرتاسر حکومت ہو
چمن ہو تا چمن میں مرغِ خوش الحاں غزلخواں ہو
بہارِ باغ ہو تا باغ میں عشرت کا ساماں ہو

بھرا گلہائے گوناگوں سے تا گلچیں کا داماں ہو | نشیمن قمریوں کا سروِ رعنائے گلستاں ہو

گلِ امید خنداں ہو ترا تجھ کو مسرت ہو
ترے باغِ تمنا پر دُر افشاں ابرِ رحمت ہو

فریدوں کے لئے عزت جو تیرا زیرِ فرماں ہو | سکندر کے لئے عظمت جو تیرے در کا درباں ہو
ہو کسریٰ کے لئے وقعت جو ہم مسلکِ غلاماں ہو | غلامی سے تری حاصل کمال عزت و شاں ہو

تو آصف ہے سلیماں کے برابر تیری شوکت ہو
دعا یہ ہے ابد سے ہم نفس تیری ریاست ہو

ترے اجلال و حشمت کی نہ کوئی حد پایاں ہو | ترقی پر تری شوکت ہو برتر منزلت و شاں ہو
سنینِ عمر میں تیرے ترقی فراواں ہو | حوادث سے زمانے کے خدا تیرا نگہباں ہو

ہمیشہ اولیاء اللہ کی تجھ پر عنایت ہو
وفائی ہے دعا تجھ کو محمدؐ کی حمایت ہو

(قطعۂ تاریخ)

از جناب مولوی محمد یوسف صاحب تحسین گنگوہی

شور ہے ہر سو مبارک باد کا
فضلِ یزداں کی ہے سلور جوبلی
کیوں ہو فرقِ ہما صدقے تحسینؔ
شاہِ عثماں کی ہے سلور جوبلی

۱۳۵۴ ھ

نذرِ سیمیں

از جناب حاجی مولوی محمد جہانگیر صاحب تمیز آغائی ابو العلائی

قطعۂ تاریخ

از جناب حاجی مولوی میر ولایت علی صاحب وفائی

مبارک جشنِ سیمیں شاہِ عثماں ظلِ سبحانی
طفیلِ سرورِ عالم بحقِ شیرِ یزدانی
وفا تاریخ آمد از ندائے ہاتفِ غیبی
نویدِ زندگی "دارِ ہمایوں جشنِ عثمانی"

۱۳۴۵ ف

بہار آئی ہے گلزارِ دکن میں جانفزا بنکر | کھلے ہیں غنچۂ مقصد طلسمِ مدعا بن کر
نسیمِ عیش چلتی ہے نویدِ دل کشا بن کر | ثناگستر ہے بلبل مطربِ رنگیں نوا بن کر

مئے عشرت سے ہر اک ساغرِ گل آج رنگیں ہے
مہیا عیش کے ساماں ہیں کیوں "جشنِ سیمیں" ہے
ہی خواہانِ دولت مستِ صہبائے ولا نکلے
پرستارانِ "آصف" واقفِ رسمِ وفا نکلے

مرتبہ محمد فاضل

ہوائے جاں نثاری میں عجب مدعا نکلے
ندیم حق شناس و بندۂ فرض آشنا نکلے
خلوص دل سے کیا کیا "جشن سیمیں" سب مناتے ہیں
جہاں آنکھیں بچھانی ہیں وہاں آنکھیں بچھاتے ہیں

خداوند شاد رکھے میر عثمان علیخاں کو
خدا آباد رکھے خسرو جمشید ساماں کو
نظام الملک ظل اللہ آصف جاہ دوراں کو
امیر المومنین و تاجدار تاجداراں کو

"الٰہی تا جہاں باشد شہنشاہِ جہاں باشی
خدایت مہرباں و تو بعالم مہرباں باشی" (آمین)

کہاں ہے ایسی آرائش کسی کے باغ عشرت میں
ہوئی ہے جو سر و آئینہ بندی ریاست میں
نمایاں کام جو ہوتے ہیں لاکھوں ایک ساعت میں
ہوئے پچیس سال شاہ کے دورِ حکومت میں

رعایا شاد ہے فیض شہ انصاف پرور سے
بنے ہیں بند بڑھ کر اور بھی عثمان ساگر سے

بنا عہد ہمایوں میں ہوئی باب حکومت کی
بدل دی شکل برقی روشنی نے بڑھ کے ظلمت کی
کہیں مدحت سیاست کی کہیں شہرت عدالت کی
کہیں صنعت کا چرچا ہے کہیں ہے دھوم حرفت کی

ترقی پر کہاں ایسا تھا تعمیرات کا عالم
کہ ہے زر پاشیوں سے شاہ کی برسات کا عالم

سپہ سالار اعظم سے ہوئی ہے فوج لاثانی
ملی طیاروں کو پرواز طبع طبل سجانی
ہوئی واپس رزیڈنسی زہے اقبال عثمانی
مبارک ہے ہمایوں ہے یہ اعزاز جہانبانی

سبب راحت کا بنجاتی ہے جو صورت نکلتی ہے
کہیں بس دوڑتی ہے اور کہیں جا ریل چلتی ہے

قیام جامعۂ شہ کا وہ علمی کارنامہ ہے
جہاں فضل و ہنر کا علم کا دریا اُبلتا ہے
طبیعت نکتہ سنج و نکتہ بین و نکتہ آرا ہے
شہنشاہ سخن کی شاعری کا پوچھنا کیا ہے

نظیری کی بلندی کیف حافظ زور عرفی کا
زباں صائب کی خسرو کا اثر انداز جامی کا

وہ شاہنشاہ جن کا عہد عہد کامرانی ہے
وہ شاہنشاہ جن کا لطف لطف زندگانی ہے
وہ شاہنشاہ جن سے شہرت معجز بیانی ہے
وہ شاہنشاہ جن سے شان اقلیم معانی ہے

عروس مدح رقصاں ہے یہاں ناز آفریں بنکر
سپہر شاعری نازاں ہے قسمت پر زمیں بنکر
وہ شاہنشاہ جن کے لطف کا گرویدہ عالم ہے
کرم جن کا دل مجروح ناکامی کا مرہم ہے

عطا و بذل و احساں سے سرِ ہر تاجور خم ہے
خدا رکھے سلامت چار سو یہ شور پیہم ہے
اُدھر وارفتہ اہلِ دل اِدھر شیدا نمازی ہیں
دعا گو شاہ کے سارے عراقی ہیں حجازی ہیں

الٰہی خضر کی ہو عمر آصف جاہ دوراں کی — کہ ہے شان و تجمل سے عیاں شوکت سلیماں کی
مجید اپنی دعا ہے آرزو ہندو مسلماں کی — رہے قائم ریاست تاابد عثمان علیخاں کی

معظم جاہ و اعظم جاہ پر ہو شاہ کا سایہ
مکرّم جاہ کے سر پر ہو اعظم جاہ کا سایہ (آمین)

ہو مبارک ظلِّ داور جوبلی

(اردو)

از جناب مولوی سید ضیاء الدین صاحب عالیؔ

ہو مبارک ظلِّ داور جو.بلی — کامراں ہے یہ سراسر جو.بلی
اک جہاں کو حُسنِ دل آویز سے — آج کرے گی مسخر جو.بلی
ذاتِ شاہانہ سے ہے اس کا فروغ — ہو بلند اختر نہ کیونکر جو.بلی
جاں نثاروں کی یہی ہے آرزو — دل میں آنکھوں میں کرے گھر جو.بلی
بنگئی ہے دشمنِ شہ کے لئے — تیر و نشتر تیغ و خنجر جو.بلی
سارے عالم میں یگانہ ہو گئی — شاہِ عثماں کی فلک فر جو.بلی
فرقِ شہ پر آج کرنے کو نثار — بھر کو کان دیتے ہیں گوہر جو.بلی
آصفِ سابع ہیں دارا منزلت — اور نصیبے کی سکندر جو.بلی
شاہِ عثماں پر رہے ظلِّ آلہ — نیک ہو بہرِ پیمبر جو.بلی
دیکھکر دلشاد آصف جاہ کو — ہو گئی جامے سے باہر جو.بلی
صولت و جبروت سلطانِ دکن — دیکھتی ہے ہو کے ششدر جو.بلی
زندہ باد اے فخرِ شاہانِ جہاں — حق دکھائے تم کو دیگر جو.بلی

دُرفشاں تاریخ عالیؔ عرض کر
خسروِ عالی کی سلور جو.بلی
۱۳۵۴ھ

رباعیات

فخرِ وارا آصفِ ہفتم مبارک سیمیں جوبلی

(فارسی)

(۱)
اے سکندر بخت سلطانِ فریدوں منزلت
فخرِ دارا آصفِ ہفتم مبارک جوبلی

(۲)
ظلِّ سبحانی نظام الملک سلطان العلوم
فرو یکتا آصفِ ہفتم مبارک جوبلی

(۳)
ستمِ دوراں سکندر شوکت و خسرو پناہ
شہ دارا آصفِ ہفتم مبارک جوبلی

(۴)
میر عثمان علیخاں خسروِ عالم پناہ
عدل پرور آصفِ ہفتم مبارک جوبلی

(۵)
گفت عالی مصرعِ تاریخ جشن نقرئی
شاہِ والا آصفِ ہفتم مبارک جوبلی
۱۳۵۴ھ

ضیا پاشی سے تیرے نور کی گھر گھر منور ہو

ترا ہر جشن عشرت "جشن جمشیدی" سے بہتر ہو

ترا اقبال ہو ہفت آسماں سے بڑھ کے رفعت میں

زمیں والے تو کیا خورشید خاور بھی ہو خدمت میں

ترا سایہ ہو عالم پر رہے تو ظل رحمت میں ہزاروں جشن ہوں ایسے ترے دور حکومت میں

ترا قبضہ جہاں پر ہو، رہے جب تک جہاں باقی

مسلمانوں کا تیری سلطنت سے ہے نشاں باقی

قطعۂ تاریخ

از پیرزادہ سید محمد ارشاد حسین شاہ صابری لکھنوی

ریاض عیش میں گلہائے رنگیں

نسیم روح بستانی مبارک

سن ہجری میں ہے کیا خوب تاریخ

نوائے جشن عثمانی مبارک

۱۳۵۴ھ

تاجدار دکن

از جناب مولوی سید علی شبیر صاحب

قطعۂ تاریخ

از پیرزادہ سید محمد ارشاد حسین صابری لکھنوی

پیکر صد انبساط و عیش ہر اک دل رہا

دور عثمانی نشاط و عیش کا مخزن ہوا

کہہ دو فکر سنین جشن تاریخ شاد

تیرہ سو چون میں جشن گوہر روشن ہوا

۱۳۵۴ھ

۱۹۹۲ بکری

زینت افسر و اورنگ بڑھانے والے
فتنہ و شر کو زمانہ سے مٹانے والے

شعلۂ تیغ سے اعدا کو جلانے والے
جور و ایذا سے رعیت کو بچانے والے

میر عثمان علیخاں شہ گردوں رفعت
قوم کی شان زمانہ میں بڑھانے والے

تابع شرع متیں حامئ دین و ملت
شان اسلام کی و نیات بڑھانے والے

تم نے اصلاحیں وہ فرمائیں کہ خوش ہیں سب لوگ
اس زمانے کے بھی اور اگلے زمانے والے

رعب شاہی کا وہ بیٹھا ہے دلوں پر سکہ
سر اٹھا سکتے نہیں فتنہ اٹھانے والے

عہد شہ میں کسی ظالم کو نہ ہنستے دیکھا
بیٹھے روتے ہیں غریبوں کو رلانے والے

سینکڑوں کر دیے سرکار نے نافذ اسکیم
عیش اڑانے لگے یاں خاک اڑانے والے

ہوئے عمال ترقی سے تہی مالا مال
زر اٹھانے لگے تکلیف اٹھانے والے

یومیہ منصب و تنخواہ و وظیفہ انعام
روز و شب آکے چلے جاتے ہیں پانے والے

کرتے کرتے ترے احکام سخا کی تعمیل
تھک گئے اہل حساب اور خزانے والے

داستانیں ہوئیں شاہان سلف کی تازہ
ذات والا سے ۔ اولاکھ بچے لٹانے والے

فیض کے تم نے بہائے ہیں جہاں میں دریا
کیوں نہ ممنون تمہارے ہوں نہانے والے

اہل مشرق ہوں کوئی یا کہ ہوں اہل مغرب
آپ کے دم کے ہیں سب خیر منانے والے

مصر و شام و عرب و ہند و عجم میں شاہا
تم ہو کوس لمن الملک بجانے والے

قصیدہ

سلطان العلوم محی الملۃ والدین ہز اگزالٹڈ ہائینس اعلحضرت نواب میر عثمان علیخان بہادر
نظام الملک آصفجاہ سابع شہریار دکن خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ

از جناب حکیم برہم صاحب اڈیٹر مشرق

لے اڑی تختِ سلیماں کی طرح سوئے دکن
بن گئی دوشِ پری موجِ ہوائے دامن

نہ پہنچتا تھا نہ پہنچے وہ مری گرد کو بھی
لاکھ طیارے اڑے تیز ہوا میں سَن سَن

شوق کہتا ہے مری تیز روی کے آگے
شعلۂ برق ہے حلقۂ نعلِ توسن

اس طرح منزلِ مقصود تک اپنی پہنچوں
جس طرح بُعد کو طے کرتی ہے سورج کی کرن

ساتھ ہمایہ بھی نہ دے تیز روی میں میرا
مُرغِ وہم آج نظر آئے پر و بال شکن

مجھے جانا ہے کہاں؟ میں نے پلک جھپکاتے
طے کئے کوہ کئی اور کئی دشتِ ایمن

بسکہ معمورِ تجلی تھے ہوا میں ذرات
نور سے دن کی طرح شب کی فضا تھی روشن

مشعل افروز تھے ذرات ہوا میں اس طرح
ہر طرف عرش کی قندیلیں تھیں گویا روشن

تھیں مرے واسطے سجادہ ہوا کی موجیں
سجدۂ شکر میں ہر وقت جھکی تھی گردن

غیب سے آئی یہ آواز ہوئے سجدے قبول
شاملِ حال ہوا فضلِ خدائے ذوالمنن

سر اٹھاتے ہی مری آنکھ سے پردہ یہ اٹھا
یا درِ چشم سے اٹھی یہ مژہ کی چلمن

بقعۂ نور نظر آئی زمیں عرش نما
آنکھ کے سامنے تھی تختِ گہِ ملکِ دکن

دیگر

امیر المومنین عثمان علی را — الٰہی ربع مسکوں باد تابع
بماند تا بماند ماہ و ماہی — نظام الملک آصفجاہ سابع

یہ عہد جشن شاہ کا کیا ہی سعید ہے — شب ہے شب برات تو دن روز عید ہے
ساقی باہوش کے ہے لب پہ صلائے عام — مستوں میں شور نعرۂ ھل من مزید ہے

شاہ عثماں کا ہے جشن سیمیں — آج ہے عید کا دن عید کی رات
نوش کر جام ستہ صارم — ہاتھ آئیگی کہاں آج کی بات

رباعی سودیشی اردو میں

ان داتا دکن کا رہے جب تک ہے پرجا — اور راج بھی بڑھتا رہے گھر پایا سے بھرجا
بیتا رہے سکھ سے رہے دن رات کیے چین — جو بات ہو اس کی مرے داتا وہ سنور جا

تاریخ رسالہ جشن عثمانی

قطعہ در حروف مہملہ

از جناب مولوی میر محمود علی صاحب فائق منصبدار

مہملہ میں کر شمار اب او رلائق کر عرض
فخر دارا و سکندر رہے ہمارا شہریار
کبریا تو عمر کر سرکار آصف کی زیاد
شہ کو سلور جوبلی کر سعد تو پروردگار
۱۳۵۴ ھ

اس رسالہ یادگار جوبلی — گشت چوں مطبوع با حسن و جمال
بہر تاریخ شیوع او بمن — زد ندا ہاتف پرستان خیال
۱۳۵۴ ھ

دیگر

چو جشن جوبلی را این رسالہ — شدہ مطبوع با صد حسن و اجلال
بفضلی فکر تاریخش چو کردم — ندا آمد بمن تاریخ اقبال
۱۳۵۴ ھ

دیگر

گلدستۂ نایاب بخش شاہی — مطبوع چو گردید ز افضال خدا
صارم پئے تاریخ بفضلی الف — گلدستۂ مخصوص یمن داد ندا
۱۳۴۵ ف

قطعہ در زبر و بینات

از جناب مولوی میر محمود علی صاحب فائق منصبدار

شاہ عثماں آپکی ہو طول عمر
ہو مبارک آپکو ہر جوبلی
عرض کر فائق زبر و بینات
شاہ آصف ہو سلور جوبلی
۱۳۵۴ ھ

۱۱۰	لف	۱	ا	الف	ا	اسلام ۱۳۲/۳۶۱
۶۰	ین	۶۰	س	سین	س	
۴۱	ام	۳۰	ل	لام	ل	
۱۱۰	لف	۱	ا	الف	ا	
۵۰/۳۶۱	یم	۴۰/۱۳۲	م	میم	م	
۸۱	اف	۲۰	ک	کاف	ک	کرار ۴۲۱/۱۹۳
۱	و	۲۰۰	ر	را	ر	
۱۱۰	لف	۱	ا	الف	ا	
۱/۱۹۳	ا	۲۰۰/۴۲۱	ر	را	ر	
۶/۶	او	۶/۶	و	واو	و	و ۶/۶
۶۰	ین	۷۰	ع	عین	ع	عماد ۱۱۵/۲۵۱
۵۰	یم	۴۰	م	میم	م	
۱۱۰	لف	۱	ا	الف	ا	
۳۱/۲۵۱	ال	۴/۱۱۵	د	دال	د	

اسعد　اعلم　سرور　اسلام　کرار　و　عماد

۱۳۵/۲۶۱ + ۶۹/۲۰۲ + ۴۶۶/۶۹ + ۱۳۲/۳۶۱ + ۴۲۱/۱۹۳ + ۶/۶ + ۱۱۵/۲۵۱ = ۱۳۵۴ھ

نوٹ:- اس صنعت پر صاحب موصوف کو مولوی لقاء اللہ صاحب عثمانی چشتی صابری پانی پتی ساکن کشلنڈی حیدرآباد نے طلائی تمغہ دیا ہے۔

تاریخ

از مولوی قاضی ظہور الحسن صاحب ناظم سیوہاروی

جشن سیمیں چو شاہِ عثماں را　　ز عنایاتِ کبریا آمد

بہر تاریخ با من اے ناظم　　جشن فرخندہ بیں ندا آمد

۱۳۵۴ھ

مرتبہ محمد فاضل

رُباعیات

تا باشد در جہاں مہر منور ضو فگن — تا ماند بزمیں چوں سقف این چرخ کہن
تا بو و نسرین و لالہ در گلستاں خندہ زن — زندہ ماند آصف سابع شہنشاہ دکن

پیمبر اس کا حامی ہو خدا اس کا نگہباں ہو — فریدوں فر ہو جم شوکت ہو ثانی سلیماں ہو
ملے عمر خضر بخت سکندر دولت کسریٰ — الٰہی میر عثمان علیخاں شاہ شاہاں ہو

قطعات تاریخ

در صنعت معرا

از مولوی عبد البصیر صاحب آزاد عتیقی

ملک عثمان علی امام ہدا — ماہ اکرام و داد مہر علا
سالہ آمدہ مرا الہام — سرور عصر امہر الامرا

۱۳ ف ۴۵

قطعات تاریخ

در زبر و بینات

از جناب مولوی میر محمود علی صاحب لائق منصبدار

دور عثمانی بود اندر جہاں
ملک آباد ان و مالک بے ملال
گفتم اے لائق بزبر و بینات
جشن سیمینی ہمایوں باد سال

۱۳۵۴ھ

قطعات تاریخ

از جناب مولوی میر محمود علی صاحب لائق منصبدار

الٰہی بہر اولاد پیمبر
بود عشرت فزا این جشن سیمیں
نمودہ عرض سال نغز لائق
مبارک شاہ را این جشن سیمیں

۱۳۵۴ھ

دیگر

مادہ تاریخ در صنعت حروف منفصل معرا

ہزار شکر کہ عثمان شاہ آصف را — رسید جوبلی از فضل ایزد غفار
چو فکر سال نمودم ندا بمن آمد — کہ دور روح را آوردہ داد رس دادار

دیگر

امیر المومنین عثمان علی خاں — چو جشن جوبلی بنمود دلخواہ
پئے تاریخ ہاتف گفت آزاد — مبارک باد این جشن شہنشاہ

۱۳ ف ۴۵

دیگر

ہے جشن افزوں شاہ عثماں — یہ وہ دن ہے کہ تھے سب جس کے مشتاق
ہوئی آزاد کو جب فکر تاریخ — لکھا ہاتف نے جشن خیر آفاق

۱۳۴۵ ف

قطعہ در منقوط

نظام الملک سلطان میر عثمان علیخاں است — شود افزون خدایا عمر و جاہ آصف ہفتم
بگفتم سال فصلی آں را بصنعت منقوط — چاہ این جشن سیمین باد شاہ آصف ہفتم

۱۳۴۵ ف

دیگر در صنعتِ خاص

اس تاریخ میں یہ صنعت ہے کہ آٹھ ارکان کو چونسٹھ خانوں
میں اس طرح تقسیم کیا ہے کہ زیر و بالا چپ و راست جدھر سے
پڑھیے قافیہ درست رہتا ہے اور تاریخ صحیح برآمد ہوتی ہے۔

سرکارما　جان علا　اصل عطا　اہل ہدا　نیکو ادا　مین حیا　جوئے ولا　ماہ وفا

۱۳۵۴ ف

سرکارما	جان علا	اصل عطا	اہل ہدا	نیکو ادا	مین حیا	جوئے ولا	ماہ وفا
جان علا	اصل عطا	اہل ہدا	نیکو ادا	مین حیا	جوئے ولا	ماہ وفا	سرکارما
اصل عطا	اہل ہدا	نیکو ادا	مین حیا	جوئے ولا	ماہ وفا	سرکارما	جان علا
اہل ہدا	نیکو ادا	مین حیا	جوئے ولا	ماہ وفا	سرکارما	جان علا	اصل عطا
نیکو ادا	مین حیا	جوئے ولا	ماہ وفا	سرکارما	جان علا	اصل عطا	اہل ہدا
مین حیا	جوئے ولا	ماہ وفا	سرکارما	جان علا	اصل عطا	اہل ہدا	نیکو ادا
جوئے ولا	ماہ وفا	سرکارما	جان علا	اصل عطا	اہل ہدا	نیکو ادا	مین حیا
ماہ وفا	سرکارما	جان علا	اصل عطا	اہل ہدا	نیکو ادا	مین حیا	جوئے ولا

رباعیات

جب تک کہ سقفِ ارض پہ چرخِ چنبری　　جب تک کہ ضو فشاں ہے یہ خورشید خاوری
سرسبز و بامراد شجرِ سلطنت رہے　　ہر شاخ اس شجر کی ہو یا رب ہری بھری

تا ابد رکھے با اجلال و طرب　　حق سلامت شاہ آصف جاہ کو
یا الٰہی بہرِ ختم المرسلیں　　جشنِ سیمیں ہو مبارک شاہ کو

مرتبۂ محمد فاضل

بر طرح

شاہ عثماں ظلِ یزداں ہے | جم قدم ثانی سلیماں ہے
ملک شاداب ہے رعایا شاد | جنس راحت یہاں فراواں ہے
ابر فرحت محیط عالم ہے | جشن سیمین شاہ عثماں ہے
عید کی رات عید کا دن ہے | جشن سیمین شاہ عثماں ہے
ہو نہ کیوں محو فور راح و سرور | جشن سیمین شاہ عثماں ہے
اس لیے موجزن ہے بحر طرب | جشن سیمین شاہ عثماں ہے

کیوں ڈرے دورِ چرخ سے آزاد
زیر ظلِ حضورِ سلطاں ہے

تاریخ رسالۂ جشن عثمانی

بازیب و زین و زینت جب جشن نقرئی | اقبال خسروی سے یہ چھپ گیا رسالہ
تاریخ طبع کی تھی ہجری میں فکر مجھ کو | آئی ندا یہ فوراً ۔ عشرت فزا رسالہ

۱۳۵۴ھ

دیگر

رسالہ جب یہ جشن نقرئی پر | چھپا با صد ہزاراں زیب و زینت
ہوئی آزاد کو بھی فکر تاریخ | کہا ہاتف نے سرشار عقیدت

۱۳۵۴ھ

آفتاب دکن

ازجناب مولوی محمد عبد الرزاق صاحب راشد ایچ سی ایس مددگار معتمد فینانس سرکار عالی

فروغ مہر سعادت ہے بار یاب دکن | حضور آصف منتم ہیں آفتاب دکن
برس شمار سے اکرام بے شمار شہی | نزول حساب سے الطاف بے حساب دکن
ریاض دہر اسی فیض سے رہا شاداں | ہمیشہ خلق پہ برسا کیا سحاب دکن
فضا یہاں کی فضائے بہشت ہو گویا | کیا خدا نے عطائی میر انتخاب دکن

دعائے راشد ناچیز ہے یہی یا رب
رہے ہمیشہ درخشندہ آفتاب دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قصائد، نظم، رباعیات، مبارکبادیاں

در تہنیت جشن عثمانی جلالۃ الملک اعلیٰحضرت خسرو دکن ادامہ اللہ و ابقاہ اللہ

اپنے آقا کے نام، اپنے مسیحا کیلئے

از پروفیسر ای۔ ای اسپیٹ

مدحت شوکت سلطاں کے لئے ہے دستور
کہ ہو آراستہ حسن تصور شاعر
عرش تخئیل پہ ہر وقت ہو سرگرم خرام
بزم جمشید کے پرجوش اڑائے ساغر

جگمگاتے ہوئے تاروں کی درخشانی کو
صبح صادق کے اُجالے پہ تصدق کر دے
بلبل زار کی آشفتہ نوائی کے لئے
بادۂ کیف سے پیمانۂ حیرت بھر دے

سنبل و نرگس و ریحاں ہو ثنا خوان گلاب
اشک افشانی شبنم میں ہو اک کیف شراب
اس طرح حسن فضا میں ہو تغیر پیدا
رخ خورشید کو شرمائے ضیائے مہتاب

لیکن اے شاہ تمہارے ہیں نرالے انداز
تم کو آزادیٔ تخئیل سے ہے راز و نیاز
نوجوانوں کو عطا کیں وہ نگاہیں تم نے
جن پہ قرباں ہے سو جاں سے مذاق پرواز

اُن کو دے کر خط آزادیٔ دل اور دماغ
علم کی دولت عالی سے سرفراز کیا
نقش کذب و تملق کو مٹا کر دل سے
تم نے حق گوئی و تحقیق کا در باز کیا

ترجمہ محمد جلال

شکریے کے لیے اک نعرۂ مستانۂ دل
خدمتوں کے لیے اک ہمت مردانۂ دل
اپنے آقا کے لئے اپنے مسیحا کے لئے
شمع ہستی کی تڑپ سوزشِ پروانۂ دل

علم کے جرعہ کشوں کی ہے یہ اک نذر حقیر — قدم شاہ کی پابوس ہے جن کی تقدیر
یاد کرتے ہیں تمہیں دل سے دعا دیتے ہیں — یہ گہر لائے ہیں شاہوں کے لئے دستِ فقیر

قطعۂ تاریخ طبع رسالہ جشنِ عثمانی
فارسی
از حاجی مولوی شیخ احمد علی صاحب شاب

زندہ دل ساز و جہاں ایں کتاب
روح من از فیضِ پرتو شمع شد
شاب تاریخ طباعت خوب گفت
آفتابِ اوجِ ہستی طبع شد
۱۳۵۴ ہجری

ترانۂ جوبلی

احمل - جناب مولوی سید احمد علی صاحب ظہیر آبادی تلمیذ حضرت آغا

قطعۂ تاریخ طبع رسالہ جشنِ عثمانی
اردو
از حاجی مولوی شیخ احمد علی صاحب شاب

برائے یادگار جوبلی ظلِ سبحانی
ہوا ہے طبع وہ نسخہ جو ہے بے مثل و لاثانی
سنہ تاریخ کہہ دو شاب فصلی اور ہجری میں
کتابِ زینتِ گیتی ہو۔ رنگینِ جشنِ عثمانی
۱۳۴۵ ف — ۱۳۵۴ ھ

چرخ اجلال کے خورشیدِ درخشاں تم ہو — باعثِ فخر سلاطین شہا عثماں تم ہو
جشن سیمیں یہ مبارک ہو یہ عمر و اقبال — عزت و حشمت و اقبال کے شایاں تم ہو
تا ابد تخت رہے ملک ہے تاج رہے — حکمراں ظلِ الٰہ رشکِ سلیماں تم ہو
فیض جاری ہے ہر اک ملک میں کیا قرب و بعید — صاحبِ جود و سخا حاتمِ دوراں تم ہو
دولت و جاہ و حشم عدل و کرم علم و عمل — ہفت اقلیم میں اے خسروِ ذیشاں تم ہو
زاہد و متقی و عابد و سلطانِ علوم — مومن و صاحبِ دل صاحبِ ایماں تم ہو
داد پاتے ہیں سب ہی عدل سے اہل فریاد — دردِ دل کے لیے اکسیر ہو درماں تم ہو
قیصرِ ہند کے ہو یار و فادار تمہیں — سارے عالم کے لئے صاحبِ احساں تم ہو
فضلِ یزداں سے بر آجائے تمنائے برار — مالکِ ملکِ برار اے شہِ عثماں تم ہو
فضلِ خالق سرِ اقدس پہ رہے سایہ فگن — سر پہ اولاد کے دائم شہ ذیشاں تم ہو
وصفِ مجموع نہ ہو احمد کمتر سے بیاں
دولت و ملک و حشم علم کے سلطاں تم ہو

قطعۂ تاریخ
متعلق رسالہ جشنِ عثمانی
از جناب غلام دستگیر خان صاحب یکتا قائم خانی

مزین ہے رسالہ یہ جو کار آمد مضامیں سے — ہے مقصد یادگار جشن سیمیں اس کی تزئیں سے
مبارکباد دو فاضل کو یکتا اور پھر تاریخ — کہو مضموں لکھے ہیں تو نے آئین آب سیمیں سے
۱۹۳۶

ممتحن فاضل

فہم و ادراک سے بالا تری فہم و ادراک
ہے سیاست کی تری سارے زمانہ میں دھاک
تجھ سا دنیا میں کوئی صاحبِ تدبیر نہیں
کون سا علم ہے جس پر تری تسخیر نہیں

چار سو علم نوازی کی ہے تیری اک دھوم | کیوں جہالت نہ زمانے سے ہو بالکل معدوم
کیوں نہ مٹ جائے زمانے سے خرافات رسوم | حکمراں جب کہ زمانے پہ ہو سلطانِ علوم

علم کی نہریں بہائی ہیں وہ تو نے شاہا
تشنگی اپنی بجھا لیتا ہے ہر اک پیاسا

عقل و دانائی میں ہے شاہ فلاطونِ زماں | شوقِ تعمیر میں ہے رشک دو شاہجہاں
عدل میں تجھ کو جو کسریٰ کہوں ہو کسر شاں | حکمرانی سے رعیت ہے تری سب شاداں

ہے دلوں پر بھی حکومت تری اے ظلِ خدا
تجھ سا سلطان کسی دور میں ہوگا نہ ہوا

دورِ عثمان کے حالات کا کیا ذکر کروں | ذاتِ اقدس کے فیوضات کا کیا ذکر کروں
شہ کے اکرام و عنایات کا کیا ذکر کروں | سایۂ حق کی کرامات کا کیا ذکر کروں

کوئی دیکھا نہ رفیق آج تک ایسا سلطاں
فخرِ دیں۔ فخرِ زمیں۔ فخرِ زماں فخرِ جہاں

خدا کی خاص رحمت ہے اس دکن پہ آج

شکوہ۔ از جناب حیدر شکوہ صاحب تلمیذ محمد نادر علی صاحب برتر غازی پوری

(٠)

نوید لائی نسیم سحر دکن کے لیے | بہار جھوم کے آئی ہے اس چمن کے لئے
ہے قدر دانیٔ سلطاں کی چار سو شہرت | یہی ہے ایک جگہ قدر علم و فن کے لئے
ہر ایک ملک کے اہلِ ہنر ہیں جمع یہاں | کرم ہے شاہ کا مشہور اہلِ فن کے لئے
ہر ایک گاؤں میں ہیں چشمۂ علوم رواں | یہاں پہ عام ہے تعلیم مرد و زن کے لیے

تدبر اور سیاست میں علم و دانش میں
نظیر آپ ہیں دنیا کی انجمن کے لئے

عروق میں نہیں ہرگز یہاں کی بیشی
مساوی حصہ ہے مسلم و برہمن کے لیے
مرے حضور کا وہ ہے تجمل و حشمت
کہ جن کا وصف ہے مشکل لب و دہن کے لیے
الٰہی نذرِ عقیدت قبول ہو میری بنے یہ مایۂ نازش مرے سخن کے لیے
شکوہ ابرِ کرم ہے مراشہِ عثماں
خدا کی خاص یہ رحمت ہے اس دکن کیلئے

مادہ ہائے تاریخ

مرسلہ از جناب حکیم مولوی میر نادر علی صاحب مضطر

(۱) سلیمانِ اعظم اسلور جوبلی آصف ہفتم (فارسی)
۱۳۴۵ف

(۲) مبارک حال سلور جوبلی آصف ہفتم
۱۳۴۵ف

(۳) بہجری سال سلور جوبلی آصف ہفتم
۱۳۵۴ھ

(۴) جشن شاہانۂ سیمین شہ ملک دکن (اردو)
۱۳۵۴ھ

(۵) یہ سلور جوبلی ہے جشن شاہانہ مبارک ہو
۱۳۵۴ھ

(۶) جشنِ نظامی
۱۳۵۴ھ

(۷) جشن شاہانہ فریدوں فر
۱۳۴۵ف

رُباعیات

شبیر۔ از جناب محمد شبیر بادشاہ صاحب قادری جاگیردار

معنے سے مزیّن ہو سراپائے سخن
مضمون بندھے عقدِ ثریائے سخن
اب مدح شہنشاہ دکن میں شبیر
حاصل نہ ہو کیونکر ید طولائے سخن

وَلہٗ

بلبل کے چہچہے ہیں گُل کی نوید ہے
ہر شخص شاد شاد ہے یوم سعید ہے
شبیر جس کو چاہو گلا لو اُسے گلے
دن شہ کی جوبلی کا میاں روز عید ہے

مادۂ تاریخ متعلق رسالہ جشنِ عثمانی

نو تجویز از مولوی محی الدین صاحب فاروقی

(۱) پیش کش جشن نقرئی
۱۳۴۵ف

(۲) اچھا ہے رسالہ جشن عثمانی
۱۳۴۵ف

مُسدّس

دیر مت کر دے گلابی ساقیا ساغر مجھے
بادۂ رنگیں پلا دے یا مئے احمر مجھے
دیر ہے کس بات کی ہاں جلد دے بھر کر مجھے
گر نہیں تو لا دو ہر دے شیشہ و ساغر مجھے
ہے طرب انگیز عالم یار سارے مست ہیں
میکشوں کا ذکر کیا ہشیار سارے مست ہیں
جا چکی فصل خزاں اب آئے ایام بہار
مژدہ میخوار و صبا لائی ہے لو جام بہار

قصیدہ

وصفی۔ از جناب محمد سرفراز علی خاں صاحب جاگیردار

بحمد آنکہ داناے سر و علن — پس از نعت پیغمبر ذوالمنن
ز توصیف آں چار یار نبی — بے آل اطہار یثرب وطن
بیا ساقیا دہ شراب عتیق — رقم تا کنم مدح شاہ دکن
صراحی بیار و بہ ساغر بریز — کہ صوت بطِ مے رباید محن
رسانم بہ تابند یک جرعہ اش — زمین سخن را بچرخ کہن
چرا من نہ نازم بہستیٔ خویش — کہ ہستم بعہد خداے سخن
کنم وصف شاہی کہ مانند او — نیاورد و نتواند آرد زمن
کدام است آن شاہ گیتی فروز — کدام است آں شاہ شاہ دکن
چساں بر زباں نام شہ آورم — کہ از رعب لکنت فتد در دہن
نگیرم اگر اسم شاہ دکن — قرارے نیاید دل زار من
بر آئے قرار دل بیقرار — کشایم باسم گرامی دہن
سلیماں وقار است ذات شہی — فلاطون فطرت مسیحاے فن
خداوند نعمت فلک مرتبت — سخنداں سخن فہم جان سخن
کنم شرح اسم معلاے شاہ — ز ایماے ہاتف کنوں من و عن
حروف اند در اسم چوں پنج گنج — شش و پنج زانیست جاے سخن
بعالم عیاں است از عین شاہ — عدیلش نہ باشد کسے در زمن
ز ثا ثابت است ایں کہ صبح و مسا — ثنایش بہر مجلس و انجمن
ز میم است برمردماں آشکار — کہ محبوب ملک است شاہ دکن
الف پرچم آصفی تا ابد — بر افراشتہ زیر چرخ کہن
ز نون است نظم نظام آنچناں — دکن شد نظیر فتاد ختن
شہ میر عثمان علیخان ما — بفرقش خوشا سایۂ پنجتن
شغف چوں گرفتہ بسوے علوم — باوج ثریاست ہر علم و فن
بفن سخن شد چو عزم صمیم — عروسانہ آراستہ بزم سخن

اے شہ ذی مرتبت والا گہر عالی نسب
مدح ناممکن تری اے آفتاب آثار ہے

اے شہ مسلم دکن کے بادشاہ حق پوش
چرخ چکرائے وہ تیری سطوت دربار ہے

جنبش ابرو ہے تیری کار فرمائے جہاں — یادگار عہد بن ادہم تیری سرکار ہے
عہد تیرا عہد فاروقی کی ایک زندہ مثال — دل لرزتے ہیں وہ سادہ شوکت دربار ہے
ایک عالم پر تری چھائی ہوئی ہیں ہیبتیں — تیغ ہمت تیری ہر سو برسر پیکار ہے
تیری ہستی کیا ہے اک پیغام لطف ایزدی — تیرا سایہ بھی نزول رحمت غفار ہے
عدل تیرا ایک ہے شیخ و برہمن کیلئے — تیری نظروں میں برابر سبحہ زنار ہے
تیری فیاضی میں ہے قانون فطرت کی جھلک — ہے عطا اُس کے لیے جو واقعی حقدار ہے
تو وہ یوسف ہے کہ نادیدہ بھی تیرا مشتری — ہر جگہ تیرے لیے اک مصر کا بازار ہے
ذوبتوں کو ایک لے دے کر سہارا ہے تیرا — ناخدا اے شاہ گر تو ہے تو بیڑا پار ہے
ہند و ترک، شام و جاپان، مصر و ایران و عرب — الغرض دنیا تری منت کش ایثار ہے

نور ہے سر پر دکن کے حشر تک سایہ فگن
بلبل شیدا کے دم سے رونق بازار ہے

قطعۂ تاریخ

از جناب مولوی خواجہ محمد بو تراب صاحب قیصری القادری دکنی مکوٹ

بہار تازہ آئی ہے دکن میں
نہا چار و نظرف ہے باد مشکیں
تراب پُر مسرت نے کہا سن
تمہیں ایام مبارک جشن سیمیں
۱۳۴۶ ف

نوٹ۔ اس سن میں اعلحضرت کی سلور جوبلی منائی گئی۔

قطعۂ تاریخ

از جناب مولوی احمد علی شاہ صاحب آحمد

کہاں ہے یادگار جوبلی میں
مُشرّح ایسی تصنیف معلّیٰ
تو کہہ احمد عطا کے قلب سے سال
رسالہ جشن عثمانی ہے اچھا
۱۳۵۴ھ

وفا۔ از جناب مرزا محمد اسمعیل بیگ صاحب حیدرآبادی

از سر نو پھر عروس دہر نے بدلا سنگھار — اختر تاباں بنا ذرہ زمیں کا زرنگار
آسمان پیر کا ہے عرش اعلیٰ پر دماغ — سطح عارض پر ہوا غازہ شفق کا آشکار
خلعت نوروز پہنا ہے شب دیجور نے — پرتو انوار سے ہر رنگ ہیں لیل و نہار
محو گلگشت فضا ہے صحن گلشن میں نسیم — سنبل و ریحاں خوشی سے ہو رہے ہیں ہمکنار
باغیں فرط مسرت سے ہیں کلیاں باغ باغ — گل نہیں پھولے سماتے دیکھ کر رنگ بہار

جھومتی ہے عالم مستی میں یوں شاخ شجر
جس طرح انگڑائیاں لیتا ہو کوئی گلعذار

ہے عجب انداز سے جاروب کش بادِ صبا
ہر طرف چھڑکاؤ میں معروف ہے ابرِ بہار
گا رہے ہیں نغمۂ شادی طیورِ خوش نوا
ہے مبارک باد کی اطرافِ عالم میں پکار

چپہ چپہ گلشنِ اقلیم کا ہے دل فریب
بن گیا ہے نو عروسی ملک یکسر دیار
چاندنی چھٹکی ہے ہر گھر کے در و دیوار پر
روشنی سے جگمگا اٹھے ہیں دشت و کوہسار
قطرۂ آبی کہاں ہیں سبزۂ گلزار پر
شب نے شہ پر سے کیے ہیں گوہرِ شبنم نثار
جاں فزا مسجد میں ہے اللہ اکبر کی صدا
ہے جرس دیر و کلیسا کا نوائے خوشگوار
ایستادہ ہیں سلامی کو بہر سو نوجواں
زور بازو میں ہیں رشکِ رستم و اسفندیار
زیبِ سینہ ہے نشانِ سلطنت ہر شخص کے
شاہ سے حسنِ وفاداری کا ہے آئینہ دار
ہر کسی کا دل عقیدت سے یہاں لبریز ہے
کیا سپاہی، کیا افسر، کیا بشر، کیا اہلکار
ہو نہیں سکتا ہے بے وجہ یہ سامانِ نشاط
کچھ تو ہے باعث جو ہے دورِ زمانہ سازگار
دل مرا محوِ تجسس تھا کہ باغِ دہر سے
یک بیک کانوں میں آئی اک نوائے خوشگوار
ہے جلوسِ شاہِ ظل اللہ کا صدقہ یہ سب
جشنِ جبلی کے نمایاں ہیں یہ سب نقش و نگار
شاہِ والا کو مبارک ہو نیا دورِ سعید
عہدِ زریں میں قدم رکھا بفضلِ کردگار
شاہ کی توصیف میں وہ مطلع نگیں سنا
سننے والے کہہ اٹھیں صد مرحبا بے اختیار

مطلع

وہ شہنشاہِ معظم نسلِ حق کردوں وقار
جن کے ظلِ عاطفت میں ہیں بہت والا تبار
آفتابِ علم و بینش ماہتابِ عز و جاہ
مالکِ سیف و قلم پشت پناہِ روزگار
بامروت، باحمیت، باسلیقہ باہنر
ذی اثر، ذی مرتبہ، ذی حوصلہ ذی اقتدار
مقتدائے بزم صلح فاتحِ جنگِ عظیم
جنبشِ لب پر ہے جس کے رزقِ عالم کا مدار
ہو گئی بے نور سب تاجِ کیانی کی چمک
تاج بر طرہ ہے کو ہِ نور کا وہ تاجدار
سرنگوں ہے نعمتِ جم ہیبتِ شاہنشہی
یاوری سے بخت کی بختِ سکندر شرمسار
صلح کل انداز ہے عقلِ فلاطون دنگ ہے
دیکھ کر داد و دہش حاتم کو آئے ننگ و عار
بے محل ہے گفتگو انصافِ کسریٰ کی یہاں
عدل سے ایسی بنائے سلطنت ہے استوار
دل تو کیا دکھتا کسی کا آنکھ بھی دکھتی نہیں
ہو گیا سب کم غلط حق نے دیا وہ غمگسار

ان کے عہدِ معدلت میں ہر بشر ذی ہوش ہے
نشۂ دولت سے آ جائے نہیں ممکن خمار

ترے فہم و ذکا کی دھوم ہے لندن میں جرمن میں
سرِ تسلیم اپنا کرتے ہیں خم چین و جاپانی
تری تدبیر و کوشش مشورہ اور رائے صائب ہے
یہ قدرت سے تجھ کو وہ ملی ہے عقلِ انسانی

ترے باعث ترقی صنعت و حرفت میں افزوں ہے — تری ہی مہربانی سے ہوئی دولت کی ارزانی
ترے احکام کی تعمیل کیا ہے طاعتِ حق ہے — اطاعت کے لیے آئی ہے تیرے نقشِ قرآنی
خجل ہو گا اگر دیکھے تجھے لعلِ بدخشاں بھی — لبِ لعلیں نے تیری پائی ہے وہ گوہر افشانی
ترے دورِ حکومت لے کے جیسے دریا کے دو ٹکڑے — قیامت تک تمنا میں ہے آئے نہ طغیانی
تو وہ حاجت روا ہے آج تیرے نام کے صدقے — مرادیں اپنی حاجتمند پاتے ہیں باسانی
محافظ تیرا وہ حافظ ہے جو عالم کا حافظ ہے — جناب خضر کرتے ہیں تری ہر دم نگہبانی
فلک پرور و غلماں نغمہ زن ہیں شادمانی سے — بہارِ عیش و عشرت لے کے آیا جشنِ عثمانی
خدا لائے وہ دن ہو حکمراں تو ہفت کشور میں — ہو تیری عمر میں دولت میں ساعت فراوانی
زمین و آسماں جب تک رہیں تو بھی رہے قائم — رہے سایہ فگن سر پر ہمیشہ فضلِ ربانی
چلے سکہ ترا اللہ کرے مشرق سے مغرب تک — ہو دنیا بھر میں تیری شاہ عثماں جہانبانی
ترے ہر ہر ارادہ میں ہمیشہ کامرانی ہو — رہیں پشت پناہی پر جنابِ شیرِ یزدانی
بحقِ پنجتن مقبول ہو یارب دعا میری — شہ عثماں علیخاں ہو "وقفِ فیضِ ربانی"
۱۳ ف ۴۵

قطعہ تاریخ متعلق رسالہ جشن عثمانی

وفادار ازل سے ہے وفادار شہِ عثماں
نمک خوار دکن ہے خادمِ دربار عثمانی

غالی۔ مولوی سید ضیاء الدین صاحب

(۱) حبذا شد چاپ دلکش تذکرہ
مرحبا ایں فضلِ یزدانی ہمیں
(۲) آفتابِ آسمانِ عز و شاں
ماہتابِ صبحِ انسانی ہمیں
(۳) شاہکار دورِ آصف جاہ را
یادگارِ جشنِ سلطانی ہمیں
(۴) پر زور اے مضامیں دلکش
منسلک در نظم لاثانی ہمیں
(۵) عدل و انصاف و رعایا پروری
فیض دور ظلِ سبحانی ہمیں
(۶) بر کفم از سعیِ فاضل ایں چنیں
بے بہا لعلِ بدخشانی ہمیں
(۷) سلک غالی سال فضلی زد رقم
جلوہ پیرا جشنِ عثمانی ہمیں
۱۳ ف ۴۵

مبارک باد

از میر حسن علیخاں صاحب حیدرآبادی

تمہیں یہ جشن سیمیں اے شہ والا مبارک ہو — مبارک ہو یہ بزمِ عیش یہ جلسہ مبارک ہو
نسیم صبح چلتی ہے تو یہ آواز آتی ہے — گلستانِ دکن کو پھولنا پھلنا مبارک ہو
خوشی سے مسکرا کر ہار پھولوں کے یہ کہتے ہیں — عروسِ سلطنت کو آج یہ گہنا مبارک ہو
چلی آتی ہے کانوں میں صدائے قلقلِ مینا — صراحی کو سبو کو جام کو صہبا مبارک ہو
کرم بخشی عطا پوشی غریبوں کی بھی دلجوئی — یہی ہے شان کے شایاں یہی زیبا مبارک ہو
ہمیں فرطِ مسرت سے زباں پر ہے یہی مصرع — مسلمانوں کی قوم کو سلطنت شاہا مبارک ہو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از جناب ڈاکٹر میر مہدی حسین صاحب آلم

ہم نے دیکھی ہے شہنشاہوں کی اکثر جوبلی — اور ہی شے ہے شہِ عثماں کی سلور جوبلی
انتظامِ جشن پر جب پڑ گئی اُس کی نظر — ہو گئی میری طرح حیران و ششدر جوبلی
جاں نثاروں نے اُتارے اس قدر لعل و گہر — ہو گئی ہے شاہ کے صدقے میں تونگر جوبلی

جوبلی ہے آج شاہنشاہِ جم اقبال کی
عید کی صورت منائی جائے گھر گھر جوبلی

از حاجی مولوی جمشید علی صاحب جمشید حیدرآبادی

شاہ عثمان علیخاں کی ہے سلور جوبلی — مرحبا رشکِ سلیماں کی ہے سلور جوبلی
کہہ رہی ہے تاج کے پرنور ہیروں کی چمک — چرخ پر مہرِ درخشاں کی ہے سلور جوبلی
کہہ رہے ہیں جس کو اہلِ علم سلطان العلوم — حبذا اُس ظلِ سبحاں کی ہے سلور جوبلی
ہو رہی ہے فیض سے جس شہ کے دنیا مستفیض — آج اُس ماہِ درخشاں کی ہے سلور جوبلی

کیوں نہ پھر جمشید ہو جائے دکن رشکِ ارم
آج صدرِ عہد گلستاں کی ہے سلور جوبلی

جذبۂ بے اختیار

از جناب ماہر القادری صاحب ماہر

اے کہ تیرے دم سے وابستہ حکومت کا فروغ
اے کہ تیری ذات پرکارِ سیاست کا مدار

اے کہ تیری زندگی آئینہ دارِ شانِ فقر
اے کہ تیری سادگی زینت دہِ اوجِ وقار

اللہ اللہ! تیرے ذہن و فکر کی پاکیزگی
جیسے کلیوں کی لطافت، چاند تاروں کا نکھار

لوحِ فطرت ملک و ملت کی نہایت سادہ تھی
خامۂ تدبیر نے تیرے کیے نقش و نگار

تیرا چھونا تھا کہ ہر کانٹا گلستاں بن گیا
تیرا آنا تھا کہ بس چلنے لگی بادِ بہار

دور میں تیرے ملا بے تاب دلوں کو سکوں
عہد میں تیرے پڑی بنیادِ تسکین و قرار

تیری آمد کے لیے بے چین ہو جو بحرِ ہند
تیری خاطر مضطرب ہر ذرۂ ارضِ دیار

روز و شب تیرے لیے کرتے ہیں سجدہ میں دعا
چاندنی، ذرے، ستارے، پھول، کلیاں، آبشار

شاہ کی مدحت سرائی کا ہے ماہر کو شرف
نظم کہیے اس کو یا اک جذبۂ بے اختیار

تحیّہ

از مولوی ابوالحامد شیخ ظہور الحق صاحب سکوت صدیقی القادری حیدرآبادی

بارک اللہ نئے انداز کا دربار بھی ہے
اور گہربار کفِ ہمتِ سرکار بھی ہے

آج کچھ طبعِ رسا کا مری اصرار بھی ہے
آج کچھ طالعِ خفتہ مرا بیدار بھی ہے

میں کہاں اور کہاں مدحتِ سلطانِ علوم
جتنی آسان ہے میرے لیے دشوار بھی ہے

جس کا کہلاتے ہیں نہ کیوں راگ ہم اس کا گائیں
بات یہ حق بھی ہے حق بات کا اظہار بھی ہے

کیوں نہ پھر آج لکھوں مدحتِ شاہِ عثماں
میرا آقا بھی ہے سلطاں بھی ہے سرکار بھی ہے

ظل بھی وہ ظل کہ جسے کہتے ہیں ظلِ سبحاں
آج اسی ظل کا جہاں غاشیہ بردار بھی ہے

علم میں فضل میں اخلاق میں دانائی میں
کیا جہاں میں کوئی اس شان کا سردار بھی ہے؟!

شاملِ حال ہے افضالِ خدا اور بہم
لطفِ عثمانؓ کرمِ حیدرِ کرار بھی ہے

اس کو کہتے ہیں پسندِ نگہِ حق کی دلیل
کہ یہ محبوبِ حبیبؐ و دلِ اغیار بھی ہے

اے سخی ابنِ سخی عمرِ خضر ہو تیری
کہ ترے دم ہی سے یہ رونقِ بازار بھی ہے

ملک و مالک رہے آباد بصد امن و اماں
شاہِ اسلام بھی ہے خسرو دیندار بھی ہے

اپنے ممدوح کے اوصافِ حمیدہ پہ سکوت
فخر جتنا میں کروں مجھ کو سزاوار بھی ہے

مبارک بادی

از جناب سکوت صاحب

عروجِ بختِ دولت اے شہِ ذیشاں مبارک ہو — تجھے یہ انجمن آرائیاں ہر آں مبارک ہو

ترے سر پر ہے ظلِ حق تو محبوبِ خدا دل میں — اور اس پر طرۂ عشقِ شہ جیلاں مبارک ہو

تجھے ہر دم رسول اللہ کی تائید ہو حاصل — تجھے اے شاہِ شاہاں سایۂ یزداں مبارک ہو

یہ علم و فضل و تقویٰ و طہارت یہ جہاں بانی — یہ بزم آرائیاں تیری شہ عثمان مبارک ہو

رعایا شاد و ملک آباد ہر جا نغمۂ عشرت — لبِ لعل و چمن زار و گلِ خنداں مبارک ہو

درِ میخانہ وا ہے دیر کیا ہے جامِ مے ساقی — یہ دورِ بست و پنج سالۂ شہِ شاہاں مبارک ہو

الٰہی عمر میں اقبال میں شہ کے ترقی دے — انہیں ہر دم ترا انعام بے پایاں مبارک ہو

برسنے کو سکوتِ شاداں کے مزرعِ دل پر
وہ دیکھو آ گیا ابرِ گہر افشاں مبارک ہو

قصیدۂ دعا

از

جناب محمد امجد علی صاحب امجد حیدرآبادی

مبارک شاہ میر عثمان علی کو تخت و افسر ہو — دکن زیرِ حکومت ان کے بلکہ ہفت کشور ہو

قلوبِ خلق پر ان کی عقیدت کا رہے سکہ
نفوسِ قدسیہ میں ان کی دمسازی کا جوہر ہو
تو انگر بے نوا ہوں اک نگاہِ قہر سے اُن کی
گدا بھی اک نگاہِ لطف سے ان کی تو انگر ہو

نتیجۂ فکر فاضل

نقش و اشکال کہ در دورِ حکومت بستی
خبرے میدہد از شوکت مکانی ہستی
رونق روز فسزوں علم و فنوں را از تو
ہمہ دانند بہر فن ہمہ دانی ہستی

عربی، فارسی، ہندی، دکھنی برتو زبا	یکسے دل شدی بہر یکے جانی ہستی
در نسل و چہ مسلمان چہ ہندو چہ دگر	بر ہمہ یک نگہی فیض رسانی ہستی
سینۂ صاف تو چوں سینۂ صافی گہراں	انچہ دل داری۔ ہمانا بز بانی ہستی
بہرِ تسخیرِ دل و حفظ حقوقِ خلقے	روز دمساز۔ بہ شب ہمچو شبانی ہستی
خوئے خوبے تو دہد بوئے ز اخلاقِ حسن	خوش کن خویش ز بیگانہ یگانی ہستی
طوقِ احسانِ تو در گردنِ اہلِ کمالات	در دکن علم و ہنر را تو ئی بانی ہستی
تخت و دیہیم ترا زیب۔ تو زینتِ آل	فضلِ سبحانی و انجاد بیانی ہستی
بہ بلاغت سرِ شعرائے عجم سیخوانم	بہ فصاحت سرِ فصحائے یمانی ہستی
پشتِ جم۔ پیشِ تو خم۔ فرقِ فریدون پا	افتخارِ ہمہ شاہانِ کیانی ہستی
پنجہ زن۔ زال بزورِ عدلت بابستم	روکشِ معدلت نوشیں روانی ہستی
لرزہ از رعبِ تو پیداست بجرم شرہا	فتنہ تپ کرد۔ کہ از داب طپانی ہستی
یکہ تازی۔ کہ بہ میدانِ تیغن بہ یقیں	بیخ کن ابلقِ اوہام و گمانی ہستی
از نبی آمدی تا فسر با وامرِ آمر	دانمت ناصرِ دیں دانی ہمانی ہستی
حبِ محبوبِ خدا در دلِ عثماں جا کرد	للہ الحمد کہ محبوب نشانی ہستی
جلہ جامعہ عثمانیہ فخرے دارد	جلوہ افزا۔ پئے اعزاز بستانی ہستی
آنکہ اعزاز تو سلطانِ علومی پیداست	از تبحر نظری۔ برتر از انی ہستی
ہمتے بہرِ تو از بندہ نوازانِ دکن	اے باخلاص بشاں معتقدانی ہستی

در خورِ شان تو وصف تو نیاید زر شید
من کہ مورم تو سلیمانِ زمانی ہستی

طالع ہند

از مولوی سالک صاحب ایڈیٹر انقلاب

عثماں ہے شاہبازِ سعادت شکارِ ہند	قائم اسی کے نام سے ہے اقتدارِ ہند
شان اس کی مایہ دارِ جلالِ بانیِ مغل	ذات اسکی یادگارِ زمانِ بہارِ ہند

آئی ہے رنگ سطوتِ شاہنشہاں ازو
روشن چراغِ محفلِ ہندوستاں ازو

جب تو ہے دل سے عاشق و مداحِ مصطفےٰ	پھر کیوں نہ تیرے نام کے قرباں جائیں ہم
ہو تیرے ہاتھ سے علمِ اسلام سربلند	دن رات کر رہے ہیں خدا سے دعائیں ہم

از ہمتِ تو شوکتِ اسلام زندہ باد
برقِ حیات در رگِ ہستی جہندہ باد

جشن سیمیں شاہ عثماں

آزاد۔ مولوی سید محمد حسین صاحب حیدرآبادی

شاہ شاہاں جو فخر شاہاں ہے — ملک مالک پہ اپنے نازاں ہے
جشن سیمیں شاہ عثماں ہے — جس کو دیکھو وہ شاد و فرحاں ہے
ہے مسلمانوں کو خوشی دونی — جشن سیمیں ہے عید قرباں ہے
شاہ عثماں ہے آصف سابع — وقت کا اپنے جو سلیماں ہے
اس نے بنیاد جامعہ کی رکھی — یہی علم و ہنر کا سلطاں ہے
وہ زمانہ گیا جہالت کا — اب تو لائق ہر ایک انساں ہے
بچہ بچہ دکن کا ہے "بی اے" — علم و فن کا یہ ساز و ساماں ہے
ہے ترقی ہر ایک شعبہ میں — کیا مبارک یہ دور عثماں ہے
جا بجا ہو گئی ہے آبادی — رشک گلشن ہر اک بیاباں ہے

ایک دو کیا ہیں کئی تالاب
آبپاشی کا ایک طوفاں ہے
جس طرف دیکھو اس طرف جاری
چشمۂ فیض ابر نیساں ہے

انڈیا میں ہے آج ملک دکن — جس طرح ایشیا میں جاپاں ہے
جو نہیں دیکھتا وہ ہے اندھا — جو نہیں جانتا وہ ناداں ہے
ہر اسی طرح جشن زریں بھی — دل سے ہر ایک اس کا خواہاں ہے
دل آزاد کیوں پریشاں ہو! — کون ہے آج جو پریشاں ہے

امجد۔ محمد اصغر صاحب صدیقی خوشنویس خزانہ مہر

کیا بہار آئی عقل حیراں ہے — غنچۂ دل چمن میں خنداں ہے
کیا دکن رو کش گلستاں ہے — عیش و راحت کا حسیں ساماں ہے
ایک میں کیا ہوں باغ عالم میں — شاہ کا ہر کوئی ثنا خواں ہے
حق نے کی "اولی امر" کی تعریف — جس پہ شاہد یہ نص قرآں ہے
ہے عجب لطف آصف سابع — مور کو دولت سلیماں ہے

بادشاہ اور قدردان سخن
حق تعالیٰ کا سب یہ احساں ہے
خوب تاریخ لکھی امجد نے
آج یہ جشن شاہ عثماں ہے

آحمد۔ سید احمد صاحب ظہیر آبادی

یہی ساقی کا عین احساں ہے
میکدہ آج وقفِ مستاں ہے
تختِ شاہی ہے آج لمعۂ نور
جشنِ سیمین شاہ عثماں ہے

چاہتا ہے ہر ایک جاں سے فزوں
شہ کی الفت بھی عین ایماں ہے
آستاں ہے وہ آستانِ مراد
آسماں کیا ہے ایک درباں ہے
ہم کو پیدا کیا دکن میں آزل
یہ خدا کا بڑا ہی احساں ہے

کیا رعیت ملازم و خوش باش — ہر کوئی آج شاد و فرحاں ہے
شہر یارِ دکن شہ عثماں — چرخِ رفعت کا ماہِ تاباں ہے
عادل و باذل و سخی و غنی — ہفت کشور میں شاہ عثماں ہے
تاجدارِ دکن شہ عثماں — باعثِ فخرِ تاجداراں ہے
نامِ اسلام کا کیا روشن — موجبِ فخرِ ہر مسلماں ہے
فتح و نصرت ہے ساتھ سایہ صفت — رستمِ دہر مردِ میداں ہے
کارِ دشوار سہل ہو جائے — جب کہ امدادِ شاہِ مرداں ہے
قوم و مذہب کی کچھ نہیں تخصیص — مہر و الطاف سب پہ یکساں ہے
عدل و انصاف کا ہے یہ عالم — شاہ ہندو ہے خوش مسلماں ہے
قیصرِ ہند ہے کرم فرما — پارلیمنٹ بھی ثنا خواں ہے
آئے قبضہ میں جلد ملکِ برار — مالکِ ملک شاہ عثماں ہے
اہلِ ہند و دکن دعا گو ہیں — سب پہ ظلِ الٰہ کا احساں ہے
خیر خواہانِ شاہ خرم ہیں — اور دشمن ذلیل و حیراں ہے
آل و اولاد پہ ہو سایۂ شاہ — شہ پہ مبذولِ ظلِ سبحاں ہے
اپنے الطاف سے دکھا یا رب — گولڈن جوبلی کا ارماں ہے
وصفِ عالی ہو کیا رقم مجھ سے — عقل میری کمال حیراں ہے
مال و دولت نہیں، نہ ہو احمد — شہ پہ قربان یہ دل و جاں ہے

ازل۔ مولوی حافظ محمد شریف صاحب

ہر صغیر و کبیر شاداں ہے — جشنِ سیمین شاہ عثماں ہے
روم ہو ہند ہو عجم کہ عرب — جو ہے وہ زیرِ بارِ احساں ہے
حیدرآباد رشکِ قرطبہ ہے
یہ دکن ہے کہ ملکِ یوناں ہے
شاہ وہ جس کے آگے اک پرِ کاہ
شانِ جم شوکتِ سلیماں ہے

آفت۔ جمشید جی صاحب کلیانوی

حیدرآباد کیف ساماں ہے — جشنِ سیمین شاہ عثماں ہے
جوش پر رحمتِ خدا ہے آج — جشنِ سیمین شاہِ عثماں ہے
محوِ حیرت ہیں آسماں والے — جشنِ سیمینِ شاہِ عثماں ہے
دن بھی اپنا ہے رات بھی اپنی — جشنِ سیمین شاہِ عثماں ہے
آج دنیا میں نظر آئی — جشنِ سیمین شاہ عثماں ہے
جام ہے، مے ہے، میں ہوں مینا ہے — جشنِ سیمینِ شاہِ عثماں ہے
ذرہ ذرہ ہے مدح خواں آفت — جشنِ سیمین شاہِ عثماں ہے

اجمل۔ وحید الدین شیخ چاند عرف شیر علیشاہ صاحب

شہ عثماں کا جو ثنا خواں ہے — رشکِ سعدی ہے رشکِ سحباں ہے
گا رہے ہیں ترانہ یہ بلبل — جشنِ سیمین شاہ عثماں ہے
جشن کا جوبلی کے ہے یہ اثر — دل جو شاداں ہے دل جو فرحاں ہے
دل غنی کیوں نہ ہو رعایا کا — شہ عثماں، دکن کا سلطاں ہے
علم میں فرد، عدل میں یکتا — ہے جو کوئی تو شاہ عثماں ہے
شہ عثماں کے رخ کی ہے وہ ضیا — جس سے شرمندہ ماہِ تاباں ہے
باریابیٔ بزمِ عثماں کا — ایک مدت سے دل میں ارماں ہے
مثلِ حاتم جہاں میں عثماں کا — دستِ پُرفیض پھر زر افشاں ہے
انقلابِ زمانہ دیکھ اجمل — طفلِ مکتب بھی اب سخنداں ہے

بانو۔ امۃ الحی عرف شہزادی اہلیہ الحاج محمد عبد الحی صاحب عتیق۔

خلق سب زیرِ بارِ احساں ہے — شاہ عثماں کے زیرِ فرماں ہے۔
ہو عرب یا کہ ترک یا ہندی
ساری مخلوق اُن پہ نازاں ہے
سب ہی آباد ہیں ریاست میں
غیر مسلم ہے یا مسلماں ہے

عرض کرتا ہے میرے آقا سے
جو کہ ملک دکن کا سلطاں ہے
جن کے سایہ میں تو ہے فضل اللہ
حق تو یہ ہے کہ حق نگہباں ہے

چمکی قسمت وفا شعاروں کی
کھلی حسرت امیدواروں کی
ہو گئی بگڑی بھی ہزاروں کی
اے فلک عید جاں نثاروں کی
جشن سیمیں شاہ عثماں ہے

جود و بخشش کرم سخاوت سے ایک عالم ترا ثنا خواں ہے
کون چھوٹا ترے کرم سے حضور ساری دنیا پہ تیرا احساں ہے
ہو سیاست کی تیری کیا توصیف تیرا ممنون ترک و ایراں ہے
کیا سکندر کا دبدبہ ہو بھلا وہ ترے در کا ادنیٰ درباں ہے
تیری پابوسی سے ہے چرخ کو فخر تیری وہ شان شاہ ذیشاں ہے
ہمیں اس کو کبھی نصیب نہیں تیرا دشمن سدا پریشاں ہے
ہوں فدا تیرے وصف عالی پر میں بھی اور میرا دل بھی قرباں ہے
ہو نہ مایوس وصل سے علیمی اب نکلنے کو تیرا ارماں ہے

علم۔ ڈاکٹر میر مہدی حسین صاحب

آج کیا رنگ بزم امکاں ہے حیدرآباد باغ رضواں ہے
ہر امیر و فقیر شاداں ہے تجھ پہ بھی یوں غزل خواں ہے
جشن سیمیں شاہ عثماں ہے۔
ہنر و فن کو اس نے اوج دیا علم کے بھی بہا دیے دریا
شہر کو ثانی بہشت کیا سال چھبیسواں جو ختم ہوا
جشن سیمیں شاہ عثماں ہے
جس طرف میں نے آنکھ اٹھا دیکھا اُس طرف عیش ہی نظر آیا
نہیں ہند و دکن پہ حصر اس کا سارے عالم میں ہے یہی چرچا
جشن سیمیں شاہ عثماں ہے
ہے کہیں ساقی پری تمثال ہیں کہیں شوخ چشم حور جمال
مطرب اپنا دکھا رہے ہیں کمال گا کے یہ مصرع مبارک فال
جشن سیمیں شاہ عثماں ہے
ایسے ساقی کہاں تھے اُس کے گھر
مطرب خوشنوا اور رامشگر
روشنی برق کی ہے گھر گھر پر
جشن جمشید سے کہیں بڑھ کر
جشن سیمیں شاہ عثماں ہے

عتیق۔ الحاج محمد عبدالحی صاحب سابق منتظم پولیس

رشک گلزار ہر بیاباں ہے جشن سیمیں شاہ عثماں ہے
وقت کا اپنے وہ سلیماں ہے خلق خوان کرم پہ مہماں ہے
جشن کا ایسا ساز و ساماں ہے دل جمشید میں بھی ارماں ہے
کوئی ہندو ہے یا مسلماں ہے شاہ کے فیض کا ثنا خواں ہے
شاہ کے مدح کے کھلے ہیں گل صفحہ قرطاس کا گلستاں ہے
ہے کلام الملوک سے ظاہر شاعر بے بدل سخنداں ہے
زینت شہر ہو گئی اُس سے وجہ آرائش اُس کا فرماں ہے
نہریں۔ ساگر۔ عمارتیں۔ سڑکیں خلق پر شاہ کا یہ احساں ہے
مدرسے۔ مسجدیں۔ شفا خانے فیض سرکار کا نمایاں ہے
عدل و انصاف کا زمانہ ہے اُس کے قبضہ میں تیغ میزاں ہے
غمزدہ تھا جو اک زمانے کا آج مسرور اور شاداں ہے
اُس کے صدقے میں سب رہا ہیں قید شادماں آج سارا زنداں ہے
ایسا روشن ہے شاہ کا اقبال کہ سکندر بھی جس سے حیراں ہے
ہند میں۔ مصر میں۔ عرب میں غرض ہر جگہ شاہ کا ثنا خواں ہے
حکم حق ہے دیا اطاعت کا اُس کی تعمیل دین و ایماں ہے
شاہ کے سر پہ ظل باری ہے تاج رحمت ہے چتر قرآں ہے
اے عتیق آرزو بر آئی ہے جشن سیمیں شاہ عثماں ہے

فروغ۔ سید اختر علی صاحب

آج وہ شان شاہ عثماں ہے بخت جمشید جس کا درباں ہے
صبح محشر ہے مہر تاباں ہے
بے نقاب آج روئے جاناں ہے
پھر بہار آئی پھر ہوئی وحشت
پھر مرا تار تار داماں ہے

آں کس کہ جبیں بردرت اے "شاہا" بساید
در چشم نیارد ہمہ شاہانِ جہاں را
گلزارِ ارم می شود از لطفِ تو گیتی
در باغِ عطائے تو گزر نیست خزاں را

امروز بہ اقبالِ تو شکست فلک را — آں پیر چہ داند کنفِ بخت جواں را
نازم بہ بلندی لوائے کرمِ تو — کز سایۂ فیضش ہمہ یابند اماں را
بر خاکِ درِ تو چہ بود قدرِ سرِ من — چوں قدر نماند است سرِ تاجوراں را
بر ذاتِ تو ثابت ہمہ دانی است بدانم — دانی چہ بدل ہست منِ ہیچمداں را
آں جملہ مراتب کہ ترا داد خداوند — تو نیز بدہ مرتبۂ مرتبہ داں را
اعجازِ زبانِ قلمم گشت چو مشہور — یارائے سخن نیست دگر اہلِ زباں را
جز صاحبِ ادراک نہ داند سخنِ من — مفتاح ضرور است درِ گنجِ رواں را
در بارگہِ خویش مرا جائے عطا کن — گر یاد کنی "انوری" سحر بیاں را
تا دور بجا است فلک دستِ تو گردد — پرکارِ بقا دائرۂ دورِ زماں را
در مدحِ تو کامل غزلے طرح نماید — تا تازہ شود ذائقہ گوش و زباں را

غزل

اے از رخِ آئینہ کفِ تاجوراں را — وے شانہ کشِ گیسوئے زلفتِ نظمِ جہاں را
اربابِ سیاست ہمہ بر کلکِ تو نازند — فرمانِ تو طغرائے علم بادشہاں را
تدبیرِ تو آئینۂ تقدیر نمائیست — افگندہ بحیرت ہمہ تصویر کشاں را
باشیر غزالانکہ دل آسودہ گذارند — عہدِ تو ضمان است گر خطرۂ جاں را
در دستِ تو امروز کہ ہر بست کشاد است — بشکست کر و صلۂ زلفِ بتاں را
کو بہمن و کو جم و کتابی کہ نماید — در ملکِ تو آرامِ دل و راحتِ جاں را
ہر چند ز دل کاملِ بیچارہ بکوشد — آرد ز کجا در خورِ مدحِ تو زباں را

قصیدۂ دیگر

کوہ و دشت و دمن گلستان است — شاخ ہر نخلِ گل بداماں است
بر صدائے ترنمِ لبِ گل — نغمۂ دلکشائے مرغاں است
گل و گلزار آئینہ شدہ است
چشمِ نرگس ز دیدن حیران است
ذرہ ذرہ بجوشش می نازد
شادمانی او فراوان است

زانکہ امروز در جہانِ طرب
جشنِ نیمتی شاہِ عثمان است
بادشاہے کہ بر ضیائے رخش
نورِ عیدِ سعیدِ قربان است
حکمرانی او چہ می پرسی!
در کفش خاتمِ سلیمان است
خاک ہم زر شود بہ یک نظرش
بر سرش لطفِ فضلِ یزدان است
از اشارات حکمت و دانش
دکن امروز رشکِ یونان است
مشکل آساں شود ز تو "شاہا"
بر تو الطافِ شاہِ مردان است
ہستی تو ز بہرِ اہلِ جہاں
معدنِ فیض و جود و احسان است
بر سرت سایۂ خدا است ہمیں
کہ جہانت بزیرِ فرمان است
خالق از تو چرا نہ شاد شود؟
در زمانِ تو خلق شادان است
ہر کہ بوسید آستانِ درت
گر فقیر است میرِ ساماں است

مرتبہ محمد فاضل

ذرّہ خوار از فیض سفرۂ تو
روم و ترک و حجاز و ایران است
دست تو بر زمیں گہر ریزد
آسمان بر تو گوہر افشاں است

شرع حق را نگاہ می داری — رحمت حق ترا نگہبان است
کفر و ایماں ترا دعا گویاں — دشمن و دوست ثنا خوان است
کامل نکتہ سنج و نکتہ سرا — یکے از بندگان سلطان است

قصیدہ از مولوی محمد عبد الغفور خاں صاحب نامی ناظم امور مذہبی پائیگاہ

مست خواب سحر آلودہ بت شوخ و شنگ — دہن غنچہ کی جو تنگ دلی جس سے ہے تنگ
ہاتھ اور پاؤں کو پھیلائے ہوئے سوتی ہے — ہائے کیا خواب جوانی میں نشہ کی ہے ترنگ
سعد و تن کی ہے اسے اور نہ بدن کی ہے خبر — پی کے بدمست کوئی جیسے مئے آتش رنگ
سر کہیں تکیہ کہیں ہاتھ کہیں پاؤں کہیں — فرش کو خواب کی ہے روح کہو جان پلنگ
گورے گالوں پہ ہیں بکھری ہوئی کالی زلفیں — روز روشن پہ شب تار نے لایا ہے رنگ
چونک اٹھی جو گئی میری نظر کی اسے چوٹ — گر گئی کام نہ تھی میری نگہ گرچہ خدنگ
لیکے انگڑائی وہ اٹھتی ہوئی آنکھیں اٹھی — حسن کو آئینہ میں دیکھ کے خود رہ گئی دنگ
دست بستہ یہ کہا میں نے کہ اے ماہ جبیں — میں ترا عاشق دلگیر ہوں اور جان سے تنگ
پارہ ہائے دل بریاں ہیں مرے حق میں کباب — اشک خونی ہے مرے حق میں شراب گلرنگ
علم کی شان نہیں جور زمانہ سے گلا — یا انا الدہر کی کانوں میں بسی ہے آہنگ
تو نہیں ہوتی مرے پاس جو اے ماہ جبیں — پھاڑ کھاتا ہے مرا گھر مجھے بن بن کے پلنگ
پہلے تو اتنا بتا دے یہ نشہ تھا کیسا — خواب کی کیسی ادا کیسے یہ بیداری کے ڈھنگ
ہنس کے بولی کہ ارے نامی مشہور جہاں — کہیں لگ جائے نہ بدنامی کا ماتھے پہ کلنگ
تو نہیں جانتا میں کون حسین ہوں ناداں — واقعی بے خبری ہے کہ ہے تیرا نیرنگ
خفتہ بختوں کو جگاتا ہے مرا خواب نشاط — میری بیداری بدل دیتی ہے عالم کا رنگ
نقرئی جوبلی ہے شاہ کی اب میں سمجھا — صاحب فوج و علم صاحب علم و فرہنگ

علم کے آگے ترے قلزم عماں قطرہ
حلم کے آگے ترے دنگ عقیلان فرنگ
ہے فرح بخش ترا ظاہر و باطن ایسا
گل میں بو جیسے نہاں جیسے عیاں پھول میں رنگ
تری تصویر ہے اک عدل مجسم کی مثال
دیکھ کر حسن ترا آئینۂ دہر ہے دنگ
کسی مظلوم کے دل سے نہیں اٹھتا ہے دھواں
کسی بیوہ کے جگر میں نہیں درد آہنگ
اس کا ترے زمانہ میں یہاں تک ہے سکون
بر سر فتنہ زمیں ہے نہ فلک بر سر جنگ
وہ دہش دیدۂ امید کو بھی حال ہے فتوح
وہ کشائش نہیں مفلس بھی کوئی ہاتھ سے تنگ
ختم تنگ یوں ہی ترے نام کا سکہ بیٹھے
از دکن تا بعجم روم سے لیکر تا زنگ
تری باتوں کے جواہر کی کہاں آج مثال
لعل و یاقوت و زمرد تو ہیں اک ریزۂ سنگ
گرم محفل ہو تری بزم فلک کے مانند
مشتری گائے اگر زہرہ بجائے مردنگ
الغرض عیش و طرب ہو تجھے دن رات نصیب
تنگ جینے سے ہوں اعدا ترے اور جان سے تنگ

اے سلیمان حشم بادشہ آصف جاہ
رونق شہر دکن زینت تاج و اورنگ
سینہ وہ گنج ترا جس میں ہزاروں ہیں نقود
دل وہ آئینہ ترا جس میں نہیں نام کو زنگ

نتیجۂ فکر محمد کرم الدین خان علم

مصنف اچھا قاعدہ

انتخاب از قطعۂ مدحیہ

ہزار شکر کہ موسم بہار کا آیا ‖ وہ بلبلیں ہیں گیت گائیں چمن پہ چھائی گھٹا
بدل ہے مجگانان باغ پوشاکیں ‖ بنے گل کے ساتھ ہیں خوشی سے قبا
روش روش پہ شگوفہ کھلا رہی ہے نسیم ‖ چمن چمن میں بہار ہیں کھا رہی ہے صبا
جگہ جگہ ہے مسرت قدم قدم پہ خوشی ‖ بہار عالم گلشن کا رنگ کچھ ہے نیا
چمن میں آج ہے آمد کسی گل تر کی ‖ گلوں سے کرتی ہے سرگوشیاں جو باد صبا
شنید لی کہیں نغمہ سنج بلبل کی ‖ تو دیدنی ہے تماشہ نگاہ نرگس کا
سر نیاز جھکائے ہوئے کہیں شمشاد ‖ کھڑی ہوئی ہے لب سے کسی طرح چپا
کہیں دھوم ہے یہ سامان عیش کیسے ہیں ‖ لگا ہے کس کی خوشی کا یہ ہر طرف میلا
کس کا بادۂ اقبال رنگ لایا ہے ‖ کہ جھوم جھوم کے چلتی ہے آج باد صبا
وہ کون ہے شہ عثماں نظام آصف جاہ ‖ کہ جس کی جوبلی نقرئی کا ہے جلسا

بنایا عدل نے جس کے جہاں سے نام جفا ‖ کرم کی اس کے ہر اک سمت ہل چل ہی ہے ہوا
ادنیٰ کے لطف و کرم کی یہ آبیاری ہے ‖ زمین شور میں سبزہ سکی ہے جو نشو نما
مدبران جہاں اس لئے ہیں بس جس ‖ وہ بہر حال بھی ہے اس کا ماتا آپ کا
عبادت اس کی ہے مشہور ہے یہ نکتہ ‖ نہیں ہے فیض سے خالی جو کام ہے اس کا
قلم کو اس کے یہ تاثیر دی ہے خالق نے ‖ لکھا جو اس نے نوشتہ ہوا وہ قسمت کا
بنائی دکن میں ہے انصاف کی کچھ ایسی کتھا ‖ حسین کر نہیں سکتے ہیں عاشقوں پہ جفا
یہ اس کا فضل کہ شکور ہے تمام عالم ‖ یہ اس کا علم کہ ممنون ہے جہاں سارا
نہ اس کا بدل ہیں ہنر عدل ثانی ‖ ہر ایک بات میں حق ہی جواب ہے اپنا
سوا ہیں حد بیاں سے حضور کے اوصاف ‖ میں اس غلام کروں مدح بادشاہ کی کیا
دعائے دولت و اقبال کے لئے اے علم ‖ خدا کے سامنے دامن پسار ہاتھ اٹھا
الٰہی اوج میسر ہو شہ کو دن دونا ‖ رہیں زمانے میں جب تک آسمان و زمین

مطلع حاضر از قصیدۂ مدحیہ

نتیجۂ فکر مولوی محمد عبد القادر خان خسرو گنام مولوی خلف مولانا محمد عبد الغفور صاحب رضا نامی ناظم امور مذہبی بلدہ
خلف الرشید مولوی فیض محمد خان بہادر جاگیردار صدر بخشی صدر تعلقدار پائیگاہ شمس الامراء مغفور

شاہ عثماں تو ہے یوں اپنے سلف سے بہتر
جیسے حیدر پس عثمان و ابوبکر و عمر

تجھے شاہان جہاں میں ہے فضیلت ایسی ‖ سبع سیاروں میں خورشید ہے جیسے برتر
مخزن جود و سخا معدن الطاف و عطا ‖ مصدر حلم و حیا منبع علم اور ہنر
نیک رو نیک نظر نیک چلن نیک نہاد ‖ نیک خو نیک نفس نیک شمیم نیک سیر

.... ‖ ....

ہے تری ذات ہی اک مظہر اوصاف نبی ‖ جس کو ہو سجدہ روا تو ہی کہا جاتا ہے بشر

ایک میں تب ہی نظر آتی ہے ظلِ خدا — گبر و ترسا و یہودی و مجوس و کافر
یہ سب سمجھا جو کہوں صرف شۂ ملکِ دکن — کہ ترے خلق کا سکہ ہے تمام عالم پر
عدل نے تیرے کیا ایک زمانہ کو مطیع — بذل سے تیرے ہوا ایک زمانہ چاکر
رومی و ترکی و شیرازی و حجازی و جدی — رزق پاتے ہیں ترے در سے ہے ایسا ترا در
عطر بیزی تری محفل کی کبھی گر دیکھے — مشکِ تاتار تجھے نذر دے سارا عنبر

وہ ذہانت ہے تری اور وہ حکمت ہے تری — ہمقدم تیرے فلاطوں ہے نہ لقماں ہمسر
تیرے وہ جادو بیاں تیرے سخن سنج ہیں — یہ نہیں قولِ بشر بلکہ ہے سحر یہ تر
حرف تیرا طارق ہیں یا اتر آئے انجم — تری تحریر ہے یا کاہکشاں کا مسطر
کیا کہوں علمِ معانی و بلاغت کا بیاں — نثر ہے کشتیِ زر نظم ہے اک سلکِ گہر
ابرِ نیساں کو ہو کیا دستِ کرم سے نسبت — وہ برستا ہے کبھی اور یہ برسے اکثر
سب کی بخشش سے تری آس بندھی ہے ایسی — کوئی مفلس نظر آتا نہیں با دیدۂ تر
سرزنش عہد نے کی سنگدلوں کی ایسا — جیسے فولاد کو کر دیتا ہے موم آہنگر
کون مظلوم نہ ظالم سے ہو کس طرح نڈر — دستگیری تری کہتی ہے ایسے کہ نڈر
اس قدر تو نے شریروں سے شرارت کی دور — اور تو کیا زہا طبع میں آتش کی شرر
تری انصاف پسندی ہے مساوات ایسی — سر جھکاتے نہیں زردار کے آگے زرگر
ایک جا شیر و غنم کر کے دکھائے تو نے — دشمن و دوست ترے عہد میں ہیں شیر و شکر
رعب بیٹھا ہوا تیرا ہے دلوں پر اتنا — جور کرتے نہیں معشوق کسی عاشق پر
اس قدر ہو گیا ہے چار طرف امن و امان — کسی عاشق کو بھی لٹتا نہیں اللہ جگر
محکموں کی ترے تنظیم کا کیا حال لکھوں — نظمِ شمسی کے مماثل ہے نظامِ دفتر
تو رعیت کے کوائف سے ہے ایسا آگاہ — ہو خبر ایسی تو شاید ہو خدا ہی کو خبر

جو ترا حکم حراست پہ کبھی ہو جاری — نہ ہو سیماب کو بھی شعلۂ آتش سے ضرر
تجھ کو ہے اپنی رعایا سے محبت جتنی — سب رعایا بھی اسی طرح فدا ہے تجھ پر
چار دانگ سماوات دکن میں کیے ہیں تو نے جمع — اہلِ دل اہلِ نظر اہلِ حکم اہلِ ہنر
شہر کا تیرے کیا کرتا ہے سر روز طواف — فلکِ پیر لگاتا ہے جو ہر دم چکر
آسماں رنگِ شفق بیکے بنا کشتیِ نذر — نذر ہونے کو تری مہر بنا سکۂ زر
زرفشانی ہوئی اس جشن میں تیرے ایسی — دلق سینے کو بنانے لگی سوزنِ زر
جشن کی روشنی نے ایسی بصارت بخشی — چشمۂ مہر سے خیرہ نہیں چشمِ شپیر
جشن میں تیرے کچھ اس طور ہوئی ارزانی — کاسۂ مفلسِ نادار ہے جم کا ساغر
اس کے اوصاف کثیر اور مرا علم قلیل — مدح ہو خسروِ ذیجاہ کی مجھ سے کیونکر
چھوٹا منہ میرا بڑی بات ہے حد اس کی — ختم کرتا ہوں قصیدہ کو دعائیں دیکر
تا رہے گلشنِ دہر اور شجر گلشن میں — تا رہے شاخ پہ گل گل سے بنیں تخم و ثمر
تا رہے آمد و شد بادِ صبا کی جاری — آتے جاتے رہیں تا شمس و قمر شام و سحر
ہفت اقلیم پہ ہو آصفِ سابع ترا حکم — زیرِ فرماں رہیں ہفت ملک ہفت اختر

تو سلامت رہے اللہ کرے عمر دراز
بصد اقبال و بصد جاہ و بصد شوکت و فر

قطعۂ تاریخ جشن سیمین ظلِ سبحانی بہ صنعتِ توشیح

از غلام حسن صاحب قادری رفیق منشی فاضل حیدرآبادی

مبارک ہو مبارک جشنِ سیمین ظلِ سبحانی — مبارک عیش و عشرت اے مظہرِ الطافِ رحمانی
خوشا سالے خوشا ماہے خوشا روزے خوشا وقتے — زہے الطافِ یزدانی مبارک جشنِ عثمانی
اگر شادابیِ گلشن کو فردوسِ نظر کہیے — بہشتِ گوش ہے پھر تو عنادل کی نغز خوانی
ریاضِ عشرتِ دل کی فضا کا پوچھنا کیا ہے — بجائے خود ہو جب پھول اس کا بلبلِ ربانی
دکن کا ذرہ ذرہ مہر در آغوشِ عشرت ہے — فروغِ دیدۂ دل ہے نمودِ صبحِ نورانی
فدا ہوتی ہیں نظریں شانِ تجمل عارضِ گل پر — دلوں پر ہو گئی قابض بہارِ فصلِ بستانی

غزل

از مولانا حکیم میر اعجاز علی صاحب کمترؔ

اے تنگیِ دل وسعتِ غم در نظرم ریز — شادیِ ہر اندوہ بذوقِ جگرم ریز
ہر مقصدِ ناکام با چیزے دلم نہ — ہر راحلہ سخت بپائے سفرم ریز
اے صرصرِ غم طرحِ وجودیست برانداز — اے دشتِ مصیبت ہمہ خاک بسرم ریز
یک طاقتِ صد بادیہ گردی بروانم بخش — یک شوق ہزار آبلہ در پائے سرم ریز
آزادۂ احسانِ الٰہی جہان ساز — گردورِ فلک حلقۂ بیرون درم ریز
ہاں موجۂ پرواز بہر صاعقہ بربند — یاران قفس در گذرِ بال و پرم ریز
تا عرصۂ نظارہ شود حشرِ خیالم — صد فتنۂ محلول بخوابِ نظرم ریز
ذکریست من فاتحہ سفرۂ خالیست — یارب گلِ رحمت بسرِ نوحہ گرم ریز
باشد کہ شود گریہ بمقدارِ تمنا — یک جلہ خون موج بمژگانِ ترم ریز
از بس بہواداریِ تیرہ خیالم — ویرانیِ پر کیف بہ دیوار و درم ریز

کمتر طربِ عشق بجز وہم رسا نیست
آبادیِ یک شہر بویرانہ ترم ریز

ولہٗ

ز صیدِ جانِ عاشق زینتِ فتراک رہان کن — کمیتِ عشوہ را در ساحتِ دل گرمِ جولان کن
ہوائے وحشتم بازوی جان را بال عقادہ — دلِ تنگ مرا اے وسعتِ مشرب بیابان کن
وزد ہر سو دریں آشوبگاہ بادِ حوادث ہا — تو جانِ مضطرِ خود را چراغِ زیرِ دامان کن
نماندہ تا پسِ من در جہان میلِ ہوس باقی — در آسیلِ فنا ایں خانہ از بنیاد ویران کن
بہ تمثالِ جدائی کامِ جان را پر گہر کردی — ز جوشِ داغ ہم در قصرِ دل الطف چراغان کن
بخاکِ من بیا محشر خرام فتنۂ عالم — غبارِ تربتم را سرمۂ رشکِ صفاہان کن
ز فریاد و فغانم خانۂ صیاد آباد است — تو اے شوقِ اثر اندیشہ گل را گلستان کن
ندارد بہرہ از شادکامی خاطرِ اعدا — مگر گردِ ہلاکِ من عبیرِ جیب و دامان کن
دلِ صد چاک را مشاطہ شوے پنجۂ وحشت — تو ہم اے خارشِ ناخن بحالِ خویش احسان کن
توان بشناختی گر زہر را در انگبین غافل — نشاطِ خاطرِ خود در سرِ شیر فراوان کن

چو طے کردہ زمینِ شعر کمترؔ اشہبِ فکرم
عنان افگندہ بر اوجِ معانی عزمِ طیران کن

قطعۂ دعائیہ در مدحِ سلطان العلوم

خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

از مولوی محمد سراج الدین صاحب سراج رقم سیاح

دورِ حکومت یوں ہی فروسکہ ترا چلتا رہے | باغِ دکن کے باغباں تو پھولتا پھلتا رہے
فصلِ خزاں ہوتی رہے بند زیرِ کفِ پائے ہما | زیرِ لوائے عاطفت نخلِ ہنر پلتا رہے

قطعہ

ق

از مولوی سید شعار احمد صاحب ہاشمی

فلک پر جلوہ گر جب تک الٰہی بزمِ انجم ہو | عروجِ نیرِ اقبالِ آصفجاہ ہفتم ہو
خدا دکھلائے ایسے جشنِ صد تا ہم کو اے عثماں | یہ مسعود و مبارک جشنِ سالِ بست و پنجم ہو

قطعۂ دعائیہ فارسی

از مولوی ابن سعید عبد الباری صاحب سعد

الٰہی تا زباں اندر دہن قفلِ سخن باشد | سخن را رونق آرائے دیارِ علم و فن باشد
سلامت با ہمہ شہزادگاں شاہِ دکن باشد | نگہبانش خدا و حقِ پنجتن باشد

عہدِ عثمانی میں سررشتۂ پولیس بلدہ و بیرون بلدہ کی تنظیم و ترقی

ہر حکومت و سلطنت کیلئے سررشتہ پولیس کا شعبہ بڑی گہری ضمانت و ذمہ داریوں کی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا تعلق ریاست و سیاست سے وابستہ۔ اس کی نسبت راعی و رعایا و ملک سے ملحق ہوتی ہے۔ اس کا نیک نام وجود دوامی امن و امان کا ضامن۔ اسکی فرائض شناسی حکومت کے عظمت و وقار کی برقراری اور ملک و اہل ملک کی فلاح و بہبود کا باعث ہوتی ہے۔ اس کے خدمات بڑے کٹھن و اہم ہوتے ہیں۔ کیونکہ آئے دن اسکو خوفناک، مہیب، دلخراش حالات و واقعات اور بڑے بڑے ماہران جرائم۔ ڈاکو، قاتل، چور بدمعاشوں سے ہر حال لازمی ہی مقابلے پیش آتے ہیں۔ ایک جانب ریاست و سیاست کی نگہبان تو دوسری طرف شرفا و امن پسندوں کے عزت و جان و مال کی محافظ اور بدمعاش و مردم آزار مفسدین و مجرموں کے حق میں تعزیر کا سبب بنتی ہے یہ ایک۔ مگر اسکے فرائض ہزاروں لاکھوں ہوتے ہیں۔ ہر نشیب و فراز پر اسکی نظر ہوتی ہے۔ جس ملک کی پولیس بیدار ہوشیار اور اس کا نظم و نسق و طریق انتظام اچھا ہوگا۔ بلا شبہ وہ ملک پر امن اور تہذیب کامل کا نمونہ ہوگا۔ جہاں اس میں نقص و فتور و خرابی ہوگی۔ ظاہر ہے کہ وہ ملک طوائف الملوکی کا مرکز اور فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنے گا۔

اسی نظریہ کے تحت جب ہم دنیا کے ممالک پر نظر ڈالتے ہیں تو پر امن ممالک کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ ہر ملک ان امن و امان کے کھلے اعلام محض اس ملک کی کامیاب پولس کے نیک برتاؤ اور بہترین کارناموں کے ہی نتائج ہوتے ہیں۔

بایں کلیہ بیرون ہند کے قطع نظر جب ہم ہندوستان ہی پر نظر ڈالتے ہیں۔ اور اپنے ملک حیدرآباد سے علاقہ جات برٹش انڈیا کا تقابل کرتے ہیں تو بے لوث عادلانہ رائے کے تحت خدائے قدیر کے شکر کیساتھ فرق عظیم پاتے ہیں۔ مشاہدہ گواہ اور حالات ظاہر ہیں کہ بلاد ہند ہمیشہ فساد و کشت و خون کا دنگل و میدان لالہ زار رہا ہے۔ برخلاف اس کے حیدرآباد دائماً پرامن۔ بانفضال الٰہی و باقبال خداوندی ریاست حیدرآباد جو ایک پرامن ریاست ہے باوجود اس کے کہ یہاں تمام مذاہب و اقوام کے لوگ بستے بستے ہیں اور خصوصیات سے یہاں جرائم پیشہ اقوام بھی آباد ہیں۔ یہاں کا دائمی امن و اماں اپنے دیرینہ روایات و تاریخی شہادتوں کیساتھ

ہر طرح اس ریاست کی فضیلت تامہ و ترجیح فائقہ کو خوشگوار انسانی منزل مراد پر دیکھا جاتا ہے
یہی وجہ ہے کہ یہاں کی رعایا بالکل اطمینان کی زندگی بسر کرتی ہے۔ ملک کے
اکثر و بیشتر لوگ اس سررشتہ کی خلق نواز خدمات سے مدتوں غیر مانوس
رہے مگر اب اسکی جانب عوام کے احساسات ہیں۔ فرائض شناسی کا

رقیبانہ جذبہ پیدا ہوچلا ہے۔ ورنہ پہلے لوگ پولیس کی بلائے بے درماں اور عذاب جان تصور کرکے ڈرتے تھے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے اس پر تبصرہ کرنا غیر ضروری ہے۔ خدا رکھے سلامت ہماری ممتاز جلیل القدر ریاست اور اسکے تمکنت پرس دو قیقہ سنج بادشاہ ذیجاہ کو جو اپنی ریاست کی مدبرانہ تنظیم و رعایا و برایا کی خوشحالی و فلاح کا واحد ضامن و نگہبان ہے جسکے عہد معدلت مہد میں اس کے افراد سلطنت کے زیر نگیں ہر شعبہ سرعت کیساتھ شاہراہ ترقی پر گامزن نظر آتا ہے جہاں تمام شعبہ در خور مدحت ہیں وہاں سررشتہ پولیس کی تنظیم و ترقی بھی امتیازی خصوصیات سے مملو ہے اگر ہم حیدرآباد کی تنظیم پولیس کے نمایاں کام اور بہترین نظم ونسق وطریق کار پر اجمالی تبصرہ کرنا چاہیں تو ایک بحر طویل ہو جائے جس کیلئے کافی صفحات و وقت درکار ہے۔ اس لئے اس طوالت سے ہٹکر عہد عثمانی میں پولس کی ترقی کا مختصر اعداد وار خاکہ پیش کرتے ہیں۔ جو کافی ہوگا ہر ذی علم نظر امتیاز کیلئے۔

حیدرآباد کی پولیس دو حصوں پر منقسم ہے۔ ایک پولس بلدہ۔ دوسری پولس اضلاع۔ پولس اضلاع کا تذکرہ علحدہ باب میں کیا جائیگا۔ مگر اسوقت دارالسلطنت پولس بلدہ کی ترقی ہمارا موضوع ہے۔ لہذا ہم اسوقت جو کچھ بھی ظاہر کرینگے وہ پولس بلدہ وبیرون بلدہ کا حال ہوگا۔

رقبہ آبادی حدود پولس اس وقت بلدہ وبیرون بلدہ کا رقبہ بشمول علاقہ سلطان بازار (۳۴) مربع میل ہے اور آبادی اس رقبہ کی (۴۴۶۰۹۲) نفوس پر مشتمل ہے۔

تقابل کلکتہ کا رقبہ (۳۰۱۸) بمبئی کا رقبہ (۲۲۱) اور مدراس کا رقبہ (۲۷۰) سے حیدرآباد کے زیر اقتدار پولس کا رقبہ ہر طرح زائد ہے۔

تعین حدود اعلیحضرت کی تخت نشینی سے قبل کوتوالی بلدہ واضلاع کے حدود باضابطہ معین نہ تھے جس سے انسداد جرائم اور انتظامی امور میں گوناگوں دشواریاں پیش آتی تھیں۔ عہد عثمانی میں مابین عہدہ داران پولیس بلدہ واضلاع کئی بار کمیٹیاں ہوکر بالآخر حدود کا باقاعدہ قطعی تعین ہوگیا۔

موٹر کاروں کی تعداد اور لائسنس اسفندار ۱۳۲۶ف سے اجرائی لائسنس کا تعلق سررشتہ پولس سے ہوا۔ اجرائی لائسنس وموٹروں کی تعداد حسب ذیل ہے۔

	تعداد موٹر کار	تعداد موٹر سیکل	تعداد لائسنس	آمدنی
سنہ تخت نشینی اعلیحضرت ۱۳۲۰ف میں۔	(۱۱۸)	([illegible])	(۱۴۲)	
" " سنہ ۱۳۲۶ف میں۔	(۳۵۴)	(۵۸)	(۱۵۴)	[illegible]
" " سنہ ۱۳۴۳ف میں	(۵۰۷۹)	(۹۶۹)	(۰)	[illegible]

اطراف بلدہ کے موٹر کاروں کی تعداد (۵۱۵) ہے
سکندرآباد " " (۳۴۹۴) ہے
} یہ تعداد ۱۳۴۳ف تک شمار ہے۔

سکندرآباد اور اطراف بلدہ کے موٹروں کا بیشتر حصہ روزآنہ حدود بلدہ میں داخل ہوتا ہے اسی طرح بلدہ وبیرون بلدہ۔ سکندرآباد۔ اطراف بلدہ کے جملہ موٹروں کی تعداد (۱۰۰۵۷) ہے جو روزآنہ دارالسلطنت میں گھومتی ہیں۔

مرتبہ محمد فاضل

نوٹ :- اضلاع ممالک محروسہ سرکار عالی کی تعداد اسمیں شامل نہیں ہے

شہر بمبئی کے موٹروں کی تعداد

شہر بمبئی میں جملہ موٹروں کی تعداد (١٢٠٠٠) یعنے حیدرآباد سے صرف (١٩٤٣) زیادہ ہے ١٣٤٢ و ١٣٤٥ ف ان دو سال میں جو مزید کافی تعداد حیدرآباد میں موٹروں کی بڑھگئی ہے اس کو شامل کرلیا جائے تو بمبئی اور تقریب کلکتہ کے مماثل ہوجاتی ہے۔ اس تعداد سے ہی موٹروں کی ترقی اور حیدرآباد کی ٹرافک کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ٹرافک (١) اس قدر کثیر موٹروں کے باوجود پولس کے حسن انتظامات کے باعث تصادم کی تعداد کسی حیثیت سے قابل لحاظ نہیں بہ نسبت حیدرآباد کے بمبئی ۔ کلکتہ وغیرہ میں حادثات زیادہ وقوع پذیر ہوتے ہیں

پولس کی تقسیم پولس پانچ حصوں پر منقسم ہے (١) عام جمعیت - (٢) مسلح پولس - (٣) سواران (٤) پولس محلات (٥) پولس خفیہ -

تعداد پولس

	١ سپرنٹنڈنٹ و مددگار	٢ صدر رسالدار	٣ رسالدار	٤ جمعداران	٥ جوانان	٦ مسلح پولیس	٧ عرب	٨ سواران	٩ عملہ	١٠ متفرق
اعلیحضرت کی تخت نشینی ١٣٢٠ف کے وقت	(٩)	(٩)	(٢٣)	(٩٨)	(٢٢٥١)	(٢٩١)	(١٤٤)	(٧٥)	(٧٨)	(١١٧)
١٣٤٣ف میں	(١٠)	(٢٣)	(٣٤)	(١٨٣)	(٢٣٤٧)	(٣٢٢)	(٤٠٠)	(٣٨)	(٦٣)	(٥٠)

پولس کا خرچ ١٣٢٠ف میں (صرف ساڑھے لاکھ) روپیہ تھا۔ اور ١٣٤٣ف میں (ساڑھے تیرہ لاکھ) روپیہ ہوا۔ اسطرح تمام اصلاحات وترقیوں کے مدنظر اخراجات میں دُونے سے زیادہ اضافہ عمل میں آیا۔

عام اصلاحات نفاذ قواعد - (١) قواعد موٹررانی کا باضابطہ نفاذ (٢) شوفروں کیلئے فوٹو ۔ ڈریس ۔ بیاج سسٹم کا لزوم (٣) شوفروں کیلئے صحت جسمانی کے صداقتنامہ طبی کی قرارداد (٤) صداقتنامہ بصارت (٥) ذاتی وکرایہ کی موٹروں کے نمبر پلیٹ کی امتیازی شکل۔

نفاذ قانون (١) خلاف ورزی قانون افیون وگانجہ (٢) خلاف ورزی قانون آبکاری (٣) خلاف ورزی قانون اقوام جرائم پیشہ (٤) قانون قمار بازی (٥) خلاف ورزی قانون بیرحمی جانوران (٦) خلاف ورزی قانون اسلحہ (٧) قانون امتناع (٨) وپیمانہ جات (٨) مطابع کی نگرانی (٩) اخبارات ورسائل ومطبوعات کی نگرانی

عام تنظیمات رتبہ کی تنظیم (٢) فوری اطلاعات کی تنظیم (٣) تحریری تخفیف کاروں کی تنظیم (٤) تقسیم شدہ جمعیت کی تنظیم (٥) جمعیت محفوظہ کی تنظیم (٦) قواعد جمعیت (٧) تعلیم جمعیت (٨) ڈریس جمعیت (٩) جدید اسلحہ جمعیت (١٠) تعمیر جدید بلاکنہ سررشتہ جمعیت (١١) مختلف دفاتر کی تنظیم (١٢) موید بہ اخلاقیات کے اصلاحات کی تنظیم (١٣) اجرائی قواعد مختصہ حفظ امن (١٤) تدابیر انسداد جرائم (١٥) قواعد انسداد جرائم (١٦) قواعد پیروی وتحقیقات مقدمات چالانی عدالتی (١٧) اموات اتفاقیہ واموات جرائم (١٨) انجمن امداد باہمی پولس کی تنظیم (١٩) بالخواص امن و عامہ سیاسیات پولس (٢٠) عام انتظامات (٢١) انتظامات موٹر ٹرافک -

مرتبہ محمد فاضل

(۲۲) انسداد بے راہ روی (۲۳) پریس نوٹ سسٹم (۲۴) اصلاحات شناخت
(۲۵) روزانہ کوتوال صاحب کے احکام کی فوری تعمیل (۲۶) انسداد جرائم بوقت
شب (۲۷) شب بیدار پہرے (۲۸) ٹرافک کنٹرول سسٹم (۲۹) سہولت حمل و نقل
جمعیت کیلئے موٹر لاریز اور موٹر سیکلوں کی خریدی (۳۰) رعایا کی عام دادرسی کے فوری تدابیر۔
(۳۱) قواعد ٹریننگ پولیس (۳۲) پولیس پریڈ سنٹرس کا قیام (۳۳) پریڈ جمعیت کا باضابطہ لزوم (۳۴) سرسری مقدمات
دست اندازی پولیس کا ۲۴ گھنٹہ میں چالان عدالت میں پیش کردیا جانا وغیرہ۔

انعامات خاص و مڈلس و تمغہ جات کی سرفرازی

شہزادہ ہزہائنس آف ویلز حال ایڈورڈ ہشتم کی رونق افروزی اور وائسرائوں کی آمد کے موقع پر اور دیگر کارہائے نمایاں کے صلہ میں سررشتہ پولیس بلدہ کے قریب تمام عہدہ داروں کو انکی حسن کارگزاری کے نظر کرتے تمغہ جات و مڈلس و انعامات و ترقیاں ملی ہیں۔ اکثروں کو کپ اور شیلڈ بھی عطا ہوئے ہیں۔ اگر ہم اون کو تفصیلوار ظاہر کریں تو ایک بہت بڑی فہرست ہو جائے۔ اسلئے صرف بقدر اظہار پر اکتفا کرتے ہیں۔

عہدۂ کوتوال کی اہمیت

اس جلیل القدر سلطنت حیدرآباد کے کوتوال کا عہدہ نہایت ممتاز۔ پر دبدبہ و عظمت وقیع ہوتا ہے۔ روزانہ بارگاہ خسروی میں رفت رہنا پڑتا ہے۔ کوتوال کو ریاست کے جملہ عہدہ داروں سے راست تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ اقتدار کی وسعت اسباب علل و احوال کیا تو لاانتہا ہی ہوتی ہے۔

پولیس پریڈ سنٹرس

عہد اقدس و اعلیٰ میں پولیس کے باضابطہ پریڈ کا لازم قرار دیا جاکر حسب ذیل پریڈ سنٹرس مقرر کئے گئے۔ (۱) پتھلہ برج۔ (۲) مسجد گاؤ در۔ (۳) مشیر آباد۔ (۴) عیدگاہ قدیم۔ (۵) فلک نما۔ روزانہ ان پریڈ سنٹرس پر باالالتزام قواعد پریڈ ہوتی ہے بفضلہ اب پولیس بلدہ مثل باقاعدہ کے ہوگئی ہے۔

پولیس بلدہ کی مصروفیات

شب و روز کے یعنی ۲۴ گھنٹہ کے لازم یعنی جب موقع آئے تیار رہنا اس متحدہ پولیس کا فریضہ ہے۔ اگرچہ یکہ فرائض و کام پولیس کی سہولت بخش تقسیم ہے۔ مگر فرائض صدر کی پولیس پابند ہے۔

پولیس کا ڈریس

دو قسم کا ہے۔ عام ایک خاص۔ ایک عام ڈریس سہولت بخش برنگ نیلگوں ہے جو عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ خاص ڈریس شاندار پر تکلف سیاہ و پیلا ہے جو خصوصی موقع پر پہنا جاتا ہے۔

پولیس کی انتظامی سیٹیاں

اعلیحضرت کی سواری مبارک کیلئے ۴ سیٹی۔ صدر اعظم بہادر کی سواری کیلئے ۳ سیٹی۔ صدر المہام بہادر پولیس و رزیڈنٹ بہادر کیلئے ۲ سیٹی۔
کوتوال صاحب بہادر کیلئے ایک سیٹی۔

امکنہ سررشتہ کوتوالی بلدہ

کوتوالی کی عمارتوں کیلئے اسٹانڈ پلان منظور ہو۔ ایک خاص تعداد پختہ عمارات کی مہیا ہو چکی ہے۔ صدر محکمۂ کوتوالی بلدہ کی عمارت بصرف دو لاکھ پانچ ہزار تعمیر ہوئی اور جمعیت کیلئے بمقام پتھلہ برج بارکس تعمیر ہو رہے ہیں جس کی تعمیر قریب الختم ہے۔ اس تعمیر کا دس لاکھ تیس ہزار تخمینہ کیا گیا۔ مگر صرفہ اس سے زائد ہوا ہے (۱۵) ایکر اراضی پر اس کا رقبہ مشتمل ہے۔ بتعمیر مذکور عمارات ذیل پر مشتمل

(۱) اکمنہ برائے سپاہیاں متاہل (۲۶۶) ۲۔ اکمنہ برائے سپاہیاں غیر متاہل (۹۶) ۳۔ اکمنہ برائے جمعداران (۲۴) ۴۔ اکمنہ برائے سب انسپکٹر (۲) ۵۔ انسپکٹر (۱) ۶۔ گزیٹیڈ افسر (۱) ۷۔ پل آف ارمس (۲) ۸۔ کوارٹر گارڈ (۱) ۹۔ لکچر ہال (۱) ۱۰۔ کمرہ حوالات (۱)۔

عمارت موجودہ کیلئے ضروری فرنیچر و برقی روشنی ذیل ہائے آبرسانی مہیا ہیں

عہد عثمانی کے طویل المیعاد کوتوال راجہ بہادر وینکٹ راما ریڈی صاحب ہیں الطاف شاہی ہردم اور ہر وقت آپ پر مبذول حال رہے اور تاحال ہیں جیسا آپکا وسیع دور رہا ویسا ہی کوتوالی کے انتظامات بھی ترقی پذیر رہے۔ راجہ بہادر کے طویل و کامیاب دور کوتوالی کے اختتام پر جبکہ کر سکر توسیع کے بعد آپکو حسن خدمت کا وظیفہ ملا حضور پرنور نے بنظر قدردانی آپ کو صرف خاص مبارک کی اسپیشل افسری پر مامور فرما لیا جس پر آپ اس وقت کارگزار ہیں۔

دورِ رحمت ابتداء ۱۳۴۹ف میں نواب رحمت یار جنگ بہادر بحیثیت شریک کوتوال کارفرما ہے۔ بیدار مغز شاہ ذیجاہ کی وسعت نظری نے جب آپ کو تماموں میں سے کوتوالی کی اہم جلیل القدر خدمت کیلئے منتخب فرما لیا۔ ہر طرف سے مرحبا اور آفریں کی صدائیں گونجنے لگیں۔ آپ کی ابتدائی آمد کے موقع پر مولوی سید عزیز احمد صاحب عزیز نے ایک بہترین قطعہ تاریخ برآمد فرمایا تھا جو قبول عام ہوا۔ اس لئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

نظر انتخاب کے صدقے ؛ آفریں بندگان عالی پر
آئے نواب رحمت اللہ کیا ؛ رحمت آئی ہے کوتوالی پر

واقعی اس عہدہ پر آپ کا بے نظیر انتخاب نام کی رعایت و فضیلت کیساتھ کام میں رعایا کے لئے رحمت ثابت ہوا۔ کچھ عرصہ کارفرمائی کے بعد پھر آپ نظامت عطیات پر عود فرما ہوئے۔ من بعد سرکار عالی کی جانب سے بغرض ٹریننگ بمبئی بھیجے گئے بعد فراغ ٹریننگ واپس آکر آپ نے راجہ بہادر وینکٹ راما ریڈی صاحب سے ۲۶ امرداد ۱۳۴۳ف کو باضابطہ خدمت کوتوالی کا جائزہ حاصل فرمایا۔ تمام کوتوالوں میں آپ ہی ایک ٹریننگ کامیاب کوتوال ہیں۔ اللہ نے آپ میں اصلاح کار کی جدت اور انتظامی امور کا فطری جذبہ ودیعت کر رکھا ہے جو آپ کا جوہر خاص ہے۔ جب سے آپ نے اس اہم خدمت کا جائزہ حاصل فرمایا ہے کافی و شافی اصلاحات کے ذریعہ پولس کو اور بہتر و منظم فرما دیا۔ اسوقت پولس بلدہ کی حالت و ترقی دیگر ممالک کیلئے قابل رشک ہے۔ ایک ریاست کے امن و اماں کیلئے پولس کو جس قدر رعب و وقار کی ضرورت ہے بفضلہ صحیح معنوں میں پولس بلدہ اب اسکی حامل ہے۔ بلا کھٹکے ہر طرف سونا اچھالتے جائیے خوف و حراس عنقا ہے۔ شعر

رعب پولس کا وہ بیٹھا ہے کہ اوپر سکہ ؛ سر اٹھا سکتے نہیں فتنہ اٹھانیوالے

برقراری انتظامات کیلئے باہیں رعب داب پولس کے تعلقات عام طور پر ہمدردانہ و دوستانہ ہیں۔ ادھر پولس رعایا کی دادرسی و دستگیری کیلئے ہر لمحہ و ہر آن مستعد و تیار رہتی ہے تو ادھر رعایا اخلاقی نقطہ نظر سے پولس کے ہر نازک وقت میں مدد کرنا اپنا شعار سمجھتی ہے۔ اس طرح حکومت و رعایا کے بہترین مفاد۔ دائمی امن و اماں۔ اور باہمی حقوق کے تحفظات کا شیرازہ بفضلہ اور مستحکم و خوشگوار ہوتا جا رہا ہے۔ جو ایک متمدن حکومت کا مسلک و اشتراک عمل کا دستور اساسی ہونا چاہئے۔ فقط

تعداد پیشوایان مذہبی

قضاۃ ملک سرکار عالی

(۱) بلدہ السلطنت میں (۵) ہیں۔ (۲) اورنگ آباد میں (۲۶) ہیں۔
(۳) ضلع بیڑ میں (۱۷) ہیں۔ (۴) پربھنی میں (۲۶) ہیں۔
(۵) ضلع ناندیڑ میں (۱۳) ہیں۔ (۶) ضلع گلبرگہ شریف میں (۹) ہیں۔

مرتبہ محمد فاضل

عہد عثمانی کے کوتوال

(از تخت نشینی مبارک تا سلور جوبلی ہمایونی)

(مرتبہ مولف)

نمبر شمار	اسمائے کوتوال صاحبان	تاریخ جائزہ	تاریخ علیحدگی	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵
۱	نواب سلطان یار جنگ بہادر	۵ر خورداد ۱۳۱۴ف	۲۰ر خورداد ۱۳۲۱ف	آپ اعلیٰحضرت کی تخت نشینی کے زمانہ کے کوتوال ہیں
۲	خان بہادر محمد عبدالکریم عرف لعل خاں	۲۱ر خورداد ۱۳۲۱ف	۱۱ر آبان ۱۳۲۱ف	•
۳	مسٹر ٹگے	۱۲ر آبان ۱۳۲۱ف	۳ر دی ۱۳۲۲ف	•
۴	خان بہادر میر مبارک علیخاں	•		•
۵	نواب عماد جنگ بہادر	۴ر دی ۱۳۲۲ف	۱۸ر اردی بہشت ۱۳۲۹ف	
۶	راجہ بہادر وینکٹ راما ریڈی	۱۹ر اردی بہشت ۱۳۲۹ف	۲۵ر امرداد ۱۳۴۳ف	•
۷	نواب رحمت یار جنگ بہادر	۲۶ر امرداد ۱۳۴۳ف	تا حال بعہدۂ کارگزار	آپ عہد عثمانی کے طویل المیعاد کوتوال ہیں۔ آپ ہی ایک وہ کوتوال ہیں جنہیں حکومت کیجانب سے بغرض ٹرننگ بمبئی روانہ کیا گیا تھا۔ بعد فراغ ٹرننگ آپ نے اس جلیل القدر خدمت کا جائزہ حاصل فرمایا۔

خفیہ پولس

جس طرح انتظامی پولس کے دو قسم ہیں اسی طرح خفیہ پولس بھی دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک خفیہ پولس دار السلطنت جس کے افسر مولوی محمود علی صاحب نائب کوتوال ہیں۔ کوتوال صاحب بہادر کے زیر اقتدار ہے۔ دوسری خفیہ پولس اضلاع جو ایک مہتمم خفیہ پولس اضلاع کے ماتحت ہے جس کا تعلق صدر ناظم صاحب کوتوالی اضلاع سے ہے باوجود اسکے کہ سیاسی مصالحت کی بناء پر ہم اس کا تفصیلوار خاکہ اور مکمل مواد و کارناموں پر جیسا کہ چاہئے تبصرہ کرنے یا حالات پیش کرنے سے ہر طرح عاجز و معذور ہیں۔ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ہمارے ملک کی خفیہ پولس بلدہ و اضلاع ہر دو کے کارنامے نہایت مستحسن و خاص ہیں نہ صرف ہندوستان کی پولس بلکہ بڑے بڑے متمدن آزاد ممالک و ملل ہائے مغرب کی خفیہ پولس پر بھی اس کو افضلیت و ترجیح فائقہ حاصل ہے۔ اس شعبہ کے پراسرار جاسوسی قابل فخر کارنامے نہایت حیرت افزا و لاینحل ہوتے ہیں اکثر

عہدہ داران برٹش انڈیا نے بھی اسکے خدمات مستعار لیکر کامیاب سراغرسانی کے
مظہر پر اکثر سرٹیفکیٹ و تحفہ جات وغیرہ دئے ہیں۔ ایک ریاست کی سیاسی نگرانی
اور پراسرار واقعات کی فوری سراغرسانی کیلئے جیسا کہ ضرورت ہے ملک سرکار عالی کی خفیہ پولیس
بدرجہ اتم اس میں کامیاب نظر آتی ہے۔ بطور خاص اسکے افراد کو اس باب میں مہارت دلائی جاتی ہے اسکے کامیاب
نتائج پر وقتاً فوقتاً انکی قدر دانی و حوصلہ افزائی کیجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے باشندے نہایت امن و سکون کیساتھ زندگی بسر کرتے
ہیں۔ زہریلی فضا پھیل سکتی نہ مفسدانہ پروپگنڈے جنم لینے پاتے ہیں، ورنہ قاتل ڈاکو، ظالم چور غلط پروپگنڈہ باز روپوش رہ سکتے ہیں جنھیں فوراً کیفر کردار کو پہنچایا
جاتا ہے۔

بہرحال عہد ہمایوں میں خفیہ پولیس بلدہ کی تعداد و شرح و تنظیمات وغیرہ میں بھی حسب ضروریات ملک کافی اضافہ عمل میں آیا ہے اور یہ اپنے پراسرار کارناموں کی
کامیاب ترقی میں شہرت عامہ رکھتی ہے۔ فقط

اضلاع پولس سرکار عالی

اضلاع پولس کا انتظام بھی نہایت مستحسن و اعلیٰ معیار پر قائم ہے۔ پولس بلدہ کے زیر اقتدار رقبہ کو منہا کرنے کے بعد باقی جملہ ملک سرکار عالی کا رقبہ اس پولس کے
زیر انتظام و نگین ہے۔ اس سررشتہ کا ایک وسیع محکمہ جو صدر ناظم صاحب کوتوالی اضلاع کے ماتحت ہے۔ زیر اقتدار پولس کے رقبہ و تعداد اور انتظامی وسعت کے لحاظ سے نہایت
شاندار ہے۔ ہر ضلع پر ایک مہتمم پولس اور ہر پولس افسر کے تحت کئی کئی تعلیمان پولس اور سرکل انسپکٹر اور ہزاروں کی تعداد میں جوانان و ضروری عملہ وغیرہ کارگذار ہیں۔
اضلاع پولس کے اخراجات جو سالانہ نصف کروڑ سے زیادہ ہیں۔ حکومت سرکار عالی برداشت کرتی ہے۔ عہد عثمانی میں اس پولس نے بھی غیر معمولی ترقی حاصل کی
بہترین تنظیم و نسق و انگنت اصلاحات و تنظیمات سے پولس اضلاع کو بہتر سے بہتر مستعد و کارگذار بنا دیا گیا ہے۔ اضلاعوں پر آباد مقام و جنگلوں میں اس پولس کو بڑے کٹھن اور اہم
خدمات انجام دینے پڑتے ہیں۔ باشندگان اضلاع کے خوشگوار حالات اور اضلاع کا تمام امن و امان واقعی اس پولس کو لائق ستائش قرار دیتے ہیں۔ عہد ہمایوں میں اس
پولس نے دوگنی ترقی حاصل کی۔ اور اخراجات میں بھی اسیطرح دو چند اضافہ عمل میں آیا۔

محابس

حیدرآباد میں محابس کا انتظام قابل نمونہ ہے اور حقیقی معنوں میں یہ معاشی اخلاقی تادیب خانے ہیں۔ ان محابس میں مردوں و عورتوں اور مجانین و زیر دریافت
کو علیحدہ علیحدہ رکھا جاتا ہے۔ یہ تعمیل حکم سزا و مشقت و بلا مشقت کی ذمہ داریوں کیساتھ جو قیدی جس فن میں ماہر ہوتا ہے۔ اُس سے وہی کام لیا جاتا ہے۔ محابس
میں نماز پوجا پاٹ کا بھی انتظام ہے تاکہ قیدیاں اپنی میعاد سزا تک اپنے مذہبی فرائض سے بے اعتنا نہ ہو جائیں۔ یہاں ان کی اخلاقی نگرانی کا بھی معقول انتظام ہے
یہ محابس کیا ہیں۔ عبرت خانہ ہیں۔ ان کے کارناموں کو سنکر اور وہاں ان کی بیکسی و بے بسی کو دیکھکر دل کو ٹھیس لگتی ہے۔ اور خدا کی قدرت یاد آتی ہے جس کا بد
یہی نتیجہ ہے کہ ختم سزا پر رہائی کے بعد قیدیوں کی اخلاقی حالت میں نمایاں اصلاحی فرق پایا جاتا ہے۔ محابس میں قیدیوں کی نگہداشت اور خورد و نوش کا جیسا کہ چاہئے
قابل افسروں کی نگرانی میں بہترین انتظام ہے۔ علاج و معالجہ کیلئے ڈاکٹر متعین ہیں۔ قیدیوں کے مذہبی احترام کا کافی لحاظ ہے
ان محابس پر حکومت سرکار عالی سالانہ تقریباً ۴ لاکھ روپیہ صرف کرتی ہے۔ صدر محبس دار السلطنت
کے علاوہ اورنگ آباد، گلبرگہ، ورنگل میں تین بڑے محبس ہیں اس کے علاوہ اضلاع
کے پرادسط اور تعلقات پر چھوٹے چھوٹے محبس بنائے گئے ہیں۔ جہاں ان اضلاع

(۴) تعمیر و ترمیم اماکن مذہبی۔
(۵) انتظام تقاریب مذہبی۔
(۶) انتظام اصلاح مذہبی اہل اسلام۔
(۷) انتظام و نگرانی مدارس و کتب خانہ جات متعلق سررشتہ امور مذہبی جہاں لوگ مطالعہ کتب سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔
(۸) انتظام روانگی قافلہ حجاج۔
(۹) رفع نزاعات مذہبی اور مختلف المذاہب رعایا سرکار عالی میں خوشگوار تعلقات کا قیام۔

موازنہ سررشتہ امور مذہبی | سررشتہ امور مذہبی کے صدر مد مصارف میں تقریباً ([illegible]) شریک موازنہ ہیں لیکن حسب ذیل رقوم خارج از اقتدار سررشتہ ہیں۔ اور ان کا صرف بھی بلا توسط سررشتہ ہوتا ہے۔

(۱) رقم خیرات و مبرات جو ذریعہ توشک خانہ سرکار عالی صرف ہوتی ہے ([illegible])
(۲) رقم مصارف و کلور یمیوریل ارفیع واقع سُرور نگر بیشہر حیدر آباد جس کے انتظام کیلئے سررشتہ مذہبی سے غیر متعلق ایک مستقل کمیٹی ہے ([illegible])
(۳) رقوم یومیہ و معمولات جن کا معتدبہ حصہ مشروط الخدمت ہے جن کی ورثت کی تحقیقات صدر محاسبی میں اور اجرائی منظوری محکمۂ فینانس ہوتی ہے۔ ([illegible])
(۴) رقم مصارف بیت المعذورین بلدہ حیدر آباد جس کے لئے ایک مستقل کمیٹی مقرر ہے۔ .... ([illegible])
(۵) معمولات مصعوا ابی توشک خانہ عامرہ .... ([illegible])
(۶) مصارف مشاہرہ وغیرہ عہدہ داران و عملہ صدارت العالیہ ... ([illegible])

[illegible]

ان رقوم کی منہائی کے بعد جو رقم زیر اقتدار سررشتہ مذہبی صرف ہوتی ہے اس کی جملہ مقدار کم و بیش ([illegible]) رہ جاتی ہے۔ سررشتہ امور مذہبی کی تمام اصلاحی جد و جہد کا مدار اسی رقم پر ہے۔

اقسام اماکن مذہبی	معاش نقدی	معاش بصورت اراضی	کیفیت
اماکن مذہبی اہل اسلام	[illegible]	۹۷۸۸۶ یکر	
معابد اہل ہنود	[illegible]	۲۰۱۹۵۷ یکر	
میزان	[illegible]	۲۹۹۸۴۳ یکر	

اور جماعت تفسیر القرآن میں (۵) طلبہ ہیں۔ اس میں ایک دار المطالعہ بھی ہے جس میں (۱۳۹۹) کتابیں ہیں سنہ ۱۳۴۲ف میں مطالعہ کنندگان کی تعداد (۱۶۳۲) تھی۔

مدرسہ حفاظ واقعہ مکہ مسجد حفظ قرآن مجید کے لئے مکہ مسجد میں ایک مدرسہ حسب فرمان خسروی قائم ہے جس میں تقریباً (۵۰) طلبہ کی روزانہ حاضری کا اوسط ہے (۲۰) طلبہ کو فی کس پانچ روپیہ ماہانہ وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔ فارغ الحفظ طلباء کو خلعت سلطانی عطا ہوتا ہے سنہ ۱۳۳۲ف سے سنہ ۱۳۴۲ف تک (۲۶) طلباء فارغ الحفظ ہوئے ہیں۔

مدرسہ مسجد میاں مشک مسجد میاں مشک کی آمدنی سے ایک مدرسہ دینیہ مسجد مذکور میں قائم ہے جس میں عربی فارسی اور اردو کی تعلیم ہوتی ہے۔ علاوہ صغیر سن طلبہ کے بعض کاروباری اشخاص بھی فقہ اور دینیات کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اوسط حاضری روزانہ تقریباً (۲۵) رہتی ہے۔

مدرسہ کالی مسجد یہ مدرسہ بھی آمدنی وقف سے قائم ہے جس میں تقریباً (۴۰) طلباء دینیات کی ابتدائی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

مدرسہ شاہ علی بنڈہ یہ مدرسہ چندہ سے قائم ہے۔ آمدنی وقف مسجد میاں مشک سے اس کو پچیس روپیہ ماہانہ امداد دیجاتی ہے۔ قرآن مجید۔ دینیات۔ اردو۔ فارسی۔ اور حساب کی تعلیم اس مدرسہ میں دیجاتی ہے۔ تقریباً (۶۶) طلبہ تعلیم پاتے ہیں۔

دار المطالعہ مسجد چوک یہ دار المطالعہ سنہ ۱۳۳۱ف سے قائم ہے۔ مختلف علوم و فنون کی (۳۰۰۳) کتابیں ہیں اور خاص فن ادب کی (۱۰۰۰) کتابیں ہیں (۱۲) اخبار اور (۲۱) رسالے آتے ہیں۔ سنہ ۱۳۴۲ف میں اس دار المطالعہ میں مطالعہ کنندگان کی تعداد (۱۴۹۰۰) تھی اور (۲۱۳) اصحاب نے مکان پر کتب منگا کر مطالعہ کیا۔

دار المطالعہ مکہ مسجد اس دار المطالعہ میں (۲۰۹۰) کتابیں ہیں (۴) اخبار اور (۵) رسالے آتے ہیں۔ سنہ ۱۳۴۲ف میں مطالعہ کنندگان کی تعداد (۴۳۰۰) تھی۔

ان کے علاوہ اضلاع میں درگاہوں اور مساجد کی آمدنی موقوفہ سے روضہ پرانا ٹہ تعلقہ امبڑ ضلع اورنگ آباد۔ خلدآباد ضلع اورنگ آباد۔ بسمت تعلقہ پربھنی۔ پورنا تعلقہ پربھنی۔ رائچور۔ گلبرگہ اور جڑچرلہ ضلع محبوب نگر میں مدارس دینیات قائم ہیں جن میں حفظ قرآن مجید اور دینیات کی تعلیم ہوتی ہے۔ ایک مدرسہ خاص ناندیڑ میں مدرسہ عید روسیہ کے نام سے بصرفہ سرکار قائم ہے۔ جس میں جماعت چہارم تک دینیات کی تعلیم دیجاتی ہے۔ اور حفظ قرآن مجید کی بھی جماعت اس مدرسہ میں ہے۔ چار مدرس دینیات کی تعلیم کے لئے اور دو مدرس حفظ قرآن مجید کے لئے مامور ہیں۔

یازدہ سالہ تعداد حجاج و رقم اعانتی سرکارِ عالی کی تفصیل

معہ قافلہ سالار

سلسلہ نشان	نام سال	تعداد حجاج جو امداد کے لئے بمبئی کی دی جاتی ہے	کل رقم صرف شدہ	تعداد حجاج جو کل اپنے خرچ سے ہمراہ قافلہ گئے	نام قافلہ سالار	کیفیت
۱	سنہ ۱۳۳۴ف	۰	۰	۰		اس سال بوجہ تغیر حکومت قافلہ روانہ نہیں ہوا
۲	سنہ ۱۳۳۵ف	۱۰۲	[illegible] کلدار	۵۳	مولوی عبد القیوم صاحب وکیل	
۳	سنہ ۱۳۳۶ف	۱۰۶	[illegible] کلدار	۶۹	مولوی احمد محی الدین صاحب	
۴	سنہ ۱۳۳۷ف	۶۳	[illegible] "	۲۰	ڈاکٹر خواجہ معین الدین صاحب	
۵	سنہ ۱۳۳۸ف	۱۴۶	[illegible] کلدار [illegible] عثمانیہ	۳۲	مولوی فیض الدین صاحب وکیل	
۶	سنہ ۱۳۳۹ف	۱۵۹	[illegible]	۶۱	سید قادر محی الدین صاحب	(ماد) سکۂ عثمانیہ خریدی ادویہ کیلئے
۷	سنہ ۱۳۴۰ف	۱۲۶	[illegible]	۱۴۷	محمد عمر خانصاحب	(ماد) سکۂ عثمانیہ خریدی ادویہ کیلئے
۸	سنہ ۱۳۴۱ف	۱۶۲	[illegible]	۷۶	مولوی ولی اللہ حسینی صاحب	
۹	سنہ ۱۳۴۲ف	۱۸۳	[illegible]	۸۲	ڈاکٹر خواجہ معین الدین صاحب	([illegible]) سکۂ عثمانیہ خریدی ادویہ کیلئے
۱۰	سنہ ۱۳۴۳ف	۲۵۵	[illegible] کلدار [illegible] عثمانیہ	۱۰۷	مولوی مسعود علی صاحب	
۱۱	سنہ ۱۳۴۴ف	۳۰۷	[illegible] کلدار [illegible] عثمانیہ	۲۲۳	کرنل محی الدین علی خانصاحب	

عہد عثمانی میں رفع نزاعات مذہبی و مختلف المذاہب رعایائے سرکارِ عالی میں خوشگوار تعلقات کا قیام

سلطنت آصفیہ اپنی مختلف المذاہب رعایا کے مابین خوشگوار تعلقات برقرار رکھنے میں ہمیشہ ضرب المثل رہی ہے۔ حدود سلطنت کے اندر علاوہ مختلف اسلامی فرقوں کے ہنود کے تمام مذہبی فرقے آباد اور اطمینان اور خوش حالی کی زندگی گزار رہے ہیں عیسائیوں۔ پارسیوں اور یہودیوں کی آبادی بھی ہے۔ ملک سرکار عالی میں ان تمام فرقوں کے مذہبی عقائد اور احساسات کا خیال رکھا جاتا ہے، تاکہ انہیں باہم کوئی مذہبی تصادم واقع نہ ہونے پائے۔ لہذا سررشتہ مذہبی ان مراسم مذہبی کے متعلق ایسے انتظامات عمل میں لاتا ہے کہ بلا تخصیص و امتیاز کسی فرقے پر دوسرے فرقے کی جانب سے کوئی ایسی قید عاید نہ ہو سکے کہ وہ اپنے مذہبی فرائض انجام دینے سے محروم ہو جائے۔ سررشتہ مذہبی کا یہ کام درحقیقت ایک نہایت اہم ذمہ داری کا کام ہے اور اس لحاظ سے سررشتہ امور مذہبی کے فرائض سررشتہ عدالت و پولیس کے نقطۂ نظر سے کچھ علحدہ نہیں ہیں۔

فساد گلبرگہ شریف اس ضمن میں فساد گلبرگہ کا ذکر انتظامی نقطۂ نظر سے اہمیت رکھتا ہے۔ سواری پالکی بشرن بسپا اور سواری علم مبارک کے متعلق اہل اسلام اور ہنود میں بدمزگی پیدا ہوئی۔ ہر دو گروہ کے ناعاقبت اندیش اشخاص کی جہالت نے خفیف معاملہ کو اہم بنا دیا جس کی وجہ سے ہنگامہ برپا ہو گیا متعدد اشخاص زخمی ہوئے ایک عہدہ دار پولیس کی ہلاکت

واقع ہوئی۔ مساجد و منادر کو ضرر پہنچا۔ فوراً پولیس اور فوج کا انتظام کیا گیا۔ اور امن وامان قایم ہوگیا۔ پیشگاہ خسروی سے تحقیقات کیلئے ایک ہندو اور ایک مسلمان عہدہ دار کا مشترکہ کمیشن مقرر فرمایا گیا۔ اور مسٹر کرانز ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس کو کمیشن میں پیروی کیلئے بھیجا گیا۔ نیز از راہ رعایا نوازی یہ حکم صادر ہوا کہ اس فتنہ کی وجہ سے اہل اسلام و ہنود کے اماکن مذہبی کو جو نقصان پہنچا ہے۔ انکی تعمیر و ترمیم منجانب سرکار کرادیجائے۔ چنانچہ مساجد و معابد کی تعمیر و ترمیم کرائی گئی۔ اور اس کام کیلئے (۔۔۔) روپیہ سرکار سے دئے گئے۔

اس ہنگامہ کے بعد بارگاہ خسروی سے ذریعہ فرمان مبارک مورخہ ۲۲ جمادی الاول ۱۳۴۶ھ احکام محکم شرف صدور لایا کہ۔

مذہبی تقاریب پر ممالک محروسہ میں مابین ہنود و اہل اسلام گذشتہ دنوں کئی تنازعات پیدا ہوچکے ہیں اور بعض وقت فتنہ و فساد کی نوبت پہنچی ہے لہذا اسکے انسداد کیلئے ایک کمیشن مقرر کیا جائے جس میں نواب خسرو یار جنگ منجانب عدالت و امور مذہبی ناظم عدالت العالیہ (رکن امور ۔۔۔ وظیفہ یاب) اور منجانب مولوی سید احمد صاحب قادری (اول تعلقدار کریم نگر) شریک رہیں گے۔ جو مقامات کا معائنہ کرکے اپنی رپورٹ پیش کریں گے کہ کس حد تک ہنود کو اپنے مذہبی مراسم ادا کرنے کی اجازت بغیر کسی قسم کی مزاحمت کے منجانب گورنمنٹ دیجانی چاہئے۔ اور اسکے تمام حدود بھی قایم کریگے تاکہ آئندہ تجاوز نہو اور جن ایام میں اہم اوامر ہیں انکی تاریخوں کو مقرر کردیا جائیگا تاکہ پھر کسی قسم کی نئی بحث پیدا نہو۔ البتہ بعض اوقات اہل اسلام کے تقاریب مل جائیں گے تو اوس وقت خاص حالات کے لحاظ سے موقتی احکام کی اشاعت بذریعہ جریدہ غیر معمولی عمل میں آیا کرے گی۔

بتعمیل ارشاد خسروی کمیشن تقاریب مذہبی نے اضلاع کا دورہ شروع کیا۔ اضلاع اورنگ آباد۔ بیڑ۔ ناندیڑ۔ نظام آباد۔ محبوب نگر۔ نلگنڈہ کا کام ختم ہوا تھا کہ دفعتہ قلب کی حرکت بند ہونے سے عدالت العالیہ کے صاحب کا انتقال ہوگیا۔ انکی جگہ راجہ بہادر پنڈت گرراؤ صاحب کا تقرر عمل میں آیا۔ اضلاع ورنگل۔ بیدر۔ عثمان آباد کا کام ختم ہونیکے بعد انکا تقرر عدالت العالیہ کی رکنیت پر ہوگیا۔ کمیشن کی رکنیت پر راے اروپ لال صاحب (وظیفہ یاب ناظم عدالت مقرر ہوئے) ضلع گلبرگہ میں ان امر خدمت چلے تو ل۔ رقار آباد کے دورہ میں شریک رہے۔ بعد ازاں انکا بھی انتقال ہوگیا۔ انکی جگہ راجہ نرسنگ راج بہادر کا تقرر عمل میں آیا۔ جنہوں نے ضلع کریم نگر و اندرون ضلع گلبرگہ شریف کے دورہ میں شرکت کی۔ اس طرح ۲۶ اسفندار ۱۳۴۳ف تک کمیشن نے اضلاع کا دورہ کرکے (۲۲۵) مقامات اضلاع و بلدہ کا معائنہ کیا گیا۔ اماکن مذہبی اور ان کے جلوس کے راستے دیکھے گئے۔ دفاتر سرکاری تحصیل و ضلع کے کاغذات ملاحظہ ہوئے۔ پٹیل و پٹواری سے دریافت کی گئی۔ معززین سربرآوردہ و مقامی اشخاص سے تصدیق کرنے کے بعد ہر ایک جلوس کی تاریخ و ماہ اور راستہ کے متعلق روداد قلمبند کیگئی۔ راستہ جلوس کے نقشے مرتب کئے گئے۔ جس مقام پر فریقین میں کشیدگی پیدا ہوگئی تھی۔ وہاں تفہیم کرکے کشیدگی رفع کیگئی۔ کمیشن کے زمانہ تحقیقات میں جن اہم نزاعات کا تصفیہ کیا ہے اُن کے مختصر حالات درج ذیل ہیں۔

(۱) دیول سری و یکناتھ سوامی واقع قصبہ پرلی تعلقہ مومن آباد ضلع بیڑ رسم رود ابھیشک کی کارروائی جو فرقہ لنگایت و برہمنان میں متعلق تھی دفاتر مال۔ عدالت اور امور مذہبی میں عرصہ تک زیر تصفیہ رہی۔ بالآخر یہ مقدمہ کمیشن تقاریب مذہبی میں پیش ہوا۔ فریقین کے عذرات سماعت کرنے کے بعد کمیشن نے رپورٹ پیش کی جس میں لنگایتوں کو رسم رود ابھیشک ادا کرنیکا مجاز قرار دیا۔ باب حکومت نے اس سے اتفاق فرمایا اور بذریعہ فرمان خسروی مورخہ ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۴۸ھ حکم شرف صدور لایا کہ لنگایت ان امر کے مجاز ہیں کہ جملہ اقسام کے ابھیشک دیول میں بطور خود ادا کریں۔ برہمنوں کو اس میں مداخلت کا حق نہیں ہے۔ گو یہ مقدمہ ایک دیول سے متعلق تھا لیکن بلحاظ قومیت اس مقدمہ کا تعلق ممالک محروسہ سرکار عالی کے (۱۲۶۲۴۷) برہمنوں اور (۶۸۷۳۹) لنگایتوں سے تھا۔

(۲) قصبہ الند جاگیر علاقہ پائیگاہ نواب سر وقار الامراء مرحوم میں ۱۳۲۴ف سے مابین ہنود و اہل اسلام رتھ کشتی اور دیگر مراسم مذہبی کے متعلق نزاع تھی۔ محکمہ جات پائیگاہ میں دریافت عمل میں آئی اور کمیشن کا تقرر ہوا۔ لیکن فریقین مطمئن نہ ہوسکے۔ بالآخر مدد المہام بہادر پائیگاہ نے یہ معاملہ کمیشن تقاریب مذہبی کے سپرد ہونے کی نسبت تحریک کی جو سرکار سے منظور ہوا۔ اور کمیشن نے قصبہ الند پہنچکر تقاریب مذکور کے مقامات نزاعی کا معائنہ اور مکمل دریافت کرنے کے بعد اپنی رائے بتوسط باب حکومت پیشگاہ خسروی میں عرض کی اور حسب رائے کمیشن ہنود قصبہ الند کو رتھ کشتی اور دیگر مراسم کی ادائی کی اجازت دی گئی۔

(۳) قصبہ ارگل تعلقہ آرمور ضلع نظام آباد میں تعمیر مٹھ کی نسبت ہندو و مسلمانوں میں نزاع تھی۔ صاحب صدر ضلع نے اطلاع دی کہ اس کارروائی کا ضلع سے تصفیہ پانا دشوار ہے۔ کمیشن نے قصبہ ارگل پہنچکر مقامات نزاعی کا معائنہ کیا۔ ہندو و مسلمانوں کے عذرات سماعت کرنے کے بعد فریقین کے تعلقات میں خوشگواری پیدا کرنے اور اس کا تصفیہ باہمی مصالحت سے کر دینے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ فریقین میں سمجھوتہ ہوگیا۔ اس طرح یہ دیرینہ نزاع ختم ہوگئی۔

(۴) وقار آباد جاگیر علاقہ پائیگاہ نواب سر وقار الامراء مرحوم میں ہنود بطور جدید رتھ کشتی کی اجازت کے خواہاں تھے اور مسلمانوں کو اعتراض تھا۔ یہ مقدمہ بھی پائیگاہ میں دریافت ہونے کے بعد کمیشن کے سپرد ہوا۔ کمیشن نے بعد معائنہ مقام و تحقیقات اجازت رتھ کشتی کی رائے ظاہر کی اور حسب رائے کمیشن رتھ کشتی کی اجازت باب حکومت سے صادر ہوئی۔

صوبہ برار جس کا احاطہ نمارک ۱۳۹۶ سے ایک ہزار تین سو چھیانوے میل مربع
اور علیم سے جیسے ہزار دو سو اڑتالیس میل مربع زیادہ ہے زمانۂ قدیم سے دکن کا زرخیز ترین حصہ خیال کیا جاتا ہے
نہ صرف آئین اکبری میں اس کی شادابی اور سیاسی اہمیت کا ذکر ہے بلکہ تھیونو مشہور سیاح نے بھی اس کی زرخیزی کی
شہادت دی ہے ۔ اکبری جغرافیہ دانوں نے اس صوبہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا ۔ بالا گھاٹ ۔ پائیں گھاٹ اور
میل گھاٹ ۔ یہاں کی کالی زمین کپاس جیسی قیمتی فصل کی کاشت کے لئے بہت ہی موزوں ہے حتیٰ کہ جو ایک کروڑ سولہ لاکھ پینسٹھ ہزار ۱۱۶۶۵۰۰۰
ایکڑ زمین ہندوستان میں کپاس کے زیر کاشت ہے اس میں سے قریب قریب چوتھا حصہ صرف برار کا ہے ۔
اور یہی وجہ ہے کہ مقابلتہً دوسرے صوبوں کے یہاں کی کاشتکار بدرجہا زیادہ فارغ البال ہیں گذشتہ بیس سال میں اس صوبہ کی آمدنی
بھی قریب قریب دگنی ہوگئی ہے اور روز افزوں ترقی پر ہے ۔ اس کے مقابلہ میں پچیس لاکھ ۲۵۰۰۰۰۰ سالانہ پٹے کی رقم عشر عشیر بھی نہیں ۔ معدنیات کی بھی
یہی حالت ہے ۔ مسٹر ٹامس ہالینڈ کا تخمینہ ہے کہ دو ارب دس کروڑ ٹن ۲۱۰۰۰۰۰۰۰۰ کوئلہ صرف ضلع ایوت محل سے دستیاب ہو سکتا ہے ۔ مگر اس قدیم صوبہ
کی ۱۲۹۴ء کے قبل کی مستند تاریخ کا پتہ نہیں لگتا ۔ ویدک زمانہ میں اس صوبہ کو "ودربھ" (مرہٹی نام ورہاڈ غالباً ودربھ سے نکلا ہے) کہتے تھے
اور اسی نام سے مہابھارت میں اسکا تذکرہ ہے ۔ ہندوؤں کی اس مذہبی کتاب میں راجہ رکمیں فرمانروائے ودربھ اور ہندوؤں کے مشہور اوتار
سری کرشن جی کے درمیان ایک سخت جنگ کے مفصل حالات موجود ہیں ۔ راجہ نل اور دمینتی کے شہرہ آفاق فسانہ سے جسکی دلفریبوں کو مسٹر مچل
بھی گذشتہ کونسل صوبہ متوسط کے موقع پر اپنی تقریر میں فراموش نہ کر سکے تھے ، معلوم ہوتا ہے کہ فرمانروائے "ودربھ" کی سلطنت قریب قریب
تمام دکن میں پھیلی ہوئی تھی اور اسکا دارالحکومت مقام بدر تھا مگر اس کے متعلق قابل وثوق تاریخی معلومات مہیا نہیں ہو سکتیں ۔ سب سے پہلی باقاعدہ
اور بانظام سلطنت جسکا تاریخ سے پتہ لگتا ہے حکومت اندھرا تھی ۔ مگر وہ گوناگوں سیاسی پیچیدگیوں کی وجہ سے عرصہ تک قائم نہ رہ سکی اور قریب
قریب نصف صدی کے دور کے بعد ہی ۲۳۰ء میں نیست و نابود ہوگئی ۔ اسکے بعد راجگان خاندان و اکاٹک اور اہیروں اس صوبہ پر تسلط
قائم کیا ۔ گاولی گڑھ (صوبۂ خاندیش) اسیر گڑھ یا آسا اہیر گڑھ (صوبہ متوسط) اور گاول گڑھ (صوبۂ برار) جیسے مستحکم اور سربہ فلک قلعہ جات اہیروں
کی سلطنت کی یادگار ہیں ۔ اہیروں کی تباہی کے بعد خاندان ہائے چالوکیا و راشٹرکوٹہ ترقی پذیر ہوئے ۔ اور ۹۷۳ء تک ان خاندانوں کے
راجہ برسر حکومت رہے ۔ خاندان چالوکیا کے آخیر فرمانروا راجہ سومیشور چہارم کے انتقال کے بعد برار سلطنت دیوگیری (دولت آباد)
کا ایک صوبہ قرار دیا گیا ۔ راجہ بھیلم اول نے یہ سلطنت دیوگری انتہا درجہ کی جانفشانی اور خونریزی کے بعد ۱۱۸۸ء
میں قائم کی تھی ۔ اور اسکا خاندان ایک صدی تک برسر حکومت رہا ۔ سلطنت دیوگری کے
چھیٹویں بادشاہ راجہ رام چندر کے عہد میں (۱۲۹۴ء) فیروز شاہ کے مشہور بھتیجے
شہزادہ علاؤالدین نے چندیری اور ایلچپور کے راستہ سے دکن پر حملہ کیا ۔

مکتوب اعلیٰحضرت حضور نظام بنام مسٹر موںٹاگ و لارڈ ریڈنگ متعلق واپسی برار

کنگ کوٹھی
حیدرآباد دکن

مائی ڈیر لارڈ ریڈنگ
۲۵ اکتوبر ۱۹۲۳ء

آپ آگاہ ہیں کہ صوبۂ برار جو میرے ممالک محروسہ کا ایک جزو لاینفک ہے بعض شرائط پر ۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۰۲ء کے ایک معاہدے کے ذریعہ حکومت برطانیہ کو دوامی پٹہ پر دیدیا گیا تھا یہ اس ملاقات کا نتیجہ تھا جو لارڈ کرزن وائسرائے ہند اور میرے والد مرحوم میر محبوب علیخان کے مابین حیدرآباد میں اسی سال ۲۰ مارچ کو واقع ہوئی تھی۔

۲۔ ۱۹۱۱ء میں میرے اپنے آبائی تخت پر بیٹھنے کے بعد میں نے ان حالات کی بہت غور و خوض سے جانچ پڑتال کی۔ جنکے تحت یہ معاہدہ منعقد ہوا تھا۔ اگر ۱۹۱۴ء میں جنگ عظمیٰ کا آغاز نہ ہوجاتا، تو میں اس سے بہت ہی قبل معاہدہ مذکورہ کے غور مکرر کی درخواست کرتا لیکن حکومت برطانیہ کے ایک حلیف کی حیثیت سے میں نے اسکو اپنا فرض خیال کیا کہ اپنے مملکت کی ساری قوتیں جنگ میں لگادوں اور ایسے زمانہ میں اس سیاسی مسئلہ کو اٹھانے سے باز رہوں جبکہ ایمپائر ایک رزم حیات و ممات کی صعوبتوں میں پھنسی ہوئی ہے اور مقابلہ پر ایک زبردست دشمن ہے۔ تاہم میرا ارادہ تھا کہ اختتام جنگ پر اسکے متعلق کارروائی کروں لیکن برطانوی ہند میں سیاسی خیرہ چشمی ایسی شدید ہوگئی کہ ۱۹۱۹ء سے لیکر ۱۹۲۱ء کے آخر مہینوں تک مجھے بہرحالت انتظار رہنا پڑا تاکہ حکومت ہند کو اسکی وجہ سے جو مزید پریشانی لاحق ہوگی اسکو اس سے بچالوں۔ خوش قسمتی سے بہ نصیب برطانوی شہنشاہیت اثرات جنگ سے اب جلد جلد صحت پذیر ہورہی ہے اور یور اکسلنسی کی حکومت برطانوی ہند میں ایک پرسکون فضا کے بحال کرنے میں کامیاب ہوچکی ہے۔ بدیں حالات مجھکو اب اس مکتوب کے آپکے نام اس کامل اعتماد کیساتھ ارسال کرنے میں کوئی اشتباہ نہیں معلوم ہوتا کہ "برطانوی حکومت کے یار وفادار" کے دعاوی کو وائسرائے ہند اور برطانوی حکومت کے ہاتھوں وہ ہمدردانہ توجہ ملجائے گی جسکا مقدمہ ہذا کی نصفت طلبی اور فریقین کے تعلقات باہمی مطالبہ کرتے ہیں۔

۳۔ میرے آباؤ اجداد کے ہاتھوں سے نکلکر کسطرح برار حکومت برطانیہ کے قبضہ میں گیا اسکا اظہار اس تحریری دعوے میں کیا گیا ہے جسکو میں ایک یادداشت کی صورت میں اسکے ساتھ منسلک کررہا ہوں جو متعلقہ واقعات معاہدات اور دیگر دستاویزات کی مکمل تاریخی مساحت پر مشتمل ہے۔ یور اکسلنسی ملاحظہ فرمائینگے کہ ۱۸۰۰ء میں ممالک محروسہ کے شرقی اضلاع موسومہ "شمالی سرکار" کو میرے آباؤ اجداد میں سے ایک نے حکومت برطانیہ کو دوامًا اندرونی امن و امان میں برطانوی افواج کی اعانت کے حق کے عوض میں دیدیا تھا۔ لارڈ کارنوالس نے مادی فوجی امداد کے فراہم کرنیکے معاہدہ کی مزید ضمانت بھی دی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ذمہ داری لی تھی کہ "جب کبھی یور ہائینس درخواست فرمائینگے "فوجی امداد دیجائے گی اور بلا کسی قید کے الا اینکہ" اس کو کسی طاقت کے خلاف نہ استعمال کیا جائے جو کمپنی سے اتحاد رکھتی ہو"

۴۔ ۱۷۹۰ء میں فوجی امداد ۔۔۔ سپاہیوں کی "ضامنی فوج" تک بڑھادی گئی اور اسکی مناسب تعداد میدانی توپ خانہ کی تھی جو نظام کی خدمت کیلئے ممالک محروسہ حیدرآباد میں رکھی گئی تھیں اور اعلان کیا گیا تھا کہ اس روز سے جس روز کہ سرحدات کو عبور کرلیں نظام کے تنخواہ یاب متصور ہونگے۔ امن و امان داخلی کے تحفظ کی نسبت معاہدہ کی دفعہ پنجم میں ہے کہ:۔

"مذکورہ بالا اعانتی فوج ہر وقت اہم خدمات کی انجام دہی کیلئے تیار رہیگی" مثلاً ہز ہائینس انکے ورثاء اور جانشینوں کی نسلاً بعد نسل ذاتی حفاظت اور اس سلطنت کے ممالک محروسہ میں باغیوں اور فساد برپا کرنیوالوں کی گوشمالی لیکن معمولی موقعوں پر اس سے کام نلیا جائیگا اور نہ مسرہندی کیطرح انکو اضلاع پر بندوبستی تحصیل مداخل کا کام لیا جاسکیگا۔"

"نظام وقت نے یہ اقرار فرمایا تھا کہ ۳۴ لاکھ ۱۴ ہزار اسکہ روپیہ سالانہ اس "اعانتی فوج" کے اخراجات کیلئے دیا کرینگے۔"

۵۔ اسکے بعد سنہ ۱۸۰۰ء میں ایک معاہدہ ہوا جسکی رو سے اضلاع بلاری و کڑپا کو جنکی سالانہ آمدنی ۶۳ لاکھ روپیہ قرار دیگئی تھی نظام نے برطانوی حکومت کو ۳۴ لاکھ ۱۴ ہزار اسکہ روپے سالانہ امداد کے عوض دیدیئے۔ نیز اس بعد یہ "اعانتی افواج" ریاست حیدرآباد کے ہر قسم کے داخلی و خارجی امن و سکون پر خلل اندازی سے محافظت کی ذمہ دار ہو گئی اور اسکا یہ بھی فریضہ ہو گیا کہ "نظام کی رعایا انکے ماتحتین کو جو بغاوت یا شورش پیدا کریں یا سرکار کے ان عادلانہ مطالبات کی ادائیگی سے انکار کر دیں جو انکے ذمہ واجب الادا ہوں۔ سرکوبی کی غرض سے یا کسی اور حیلہ کے بغیر زیر کرے۔"

۶۔ سنہ ۱۷۹۸ء اور سنہ ۱۸۰۰ء کے معاہدات کا جنکے منعقد کرنیوالے ارل آف مارننگٹن تھے (جو بعد میں مارکوئیس آف ولزلی ہوئے) یہ نتیجہ نکلا کہ نظام کو ایک طرف تو بلاری و کڑپا کو عوداً حوالہ کر دینا اور ریمانڈ اور دیگر فرانسیسی افسروں کے تحت جو فوجی کور تیار کئے گئے تھے انہیں نکال دینا پڑا اور دوسری طرف معاہدہ سنہ ۱۸۰۰ء کی سترہویں دفعہ کی موجب یہ دعوی کرنا پڑا۔

"اگر آئندہ شولاپور یا گدوال کے زمیندار ہز ہائینس کی حکومت کی کوئی اور رعایا یا تحتین اپنے ذمہ کے سرکاری منصفانہ دعوی کی ادائیگی سے باز رہیں یا بغاوت و شورش پیدا کریں تو امدادی فوج یا اسکا وہ حصہ جسکی ضرورت ہو حقیقت جرم کی بخوبی تحقیقات کے بعد ہز ہائینس کی افواج خاص کی معیت میں ایسے سارے خاطیوں کو مجبور کر دیگا۔"

۷۔ یور اکسلنسی دیکھینگے کہ ان دونوں معاہدات منحصرہ یکدیگر نے جو ذمہ داریاں پیدا کر دی ہیں ان امور طے شدہ نے انہیں کسی قسم کے شک و شبہہ کی گنجائش ہی نہیں رہنے دی ہے اور یہ کہ داخلی فسادات اور خارجی اقدام کے مقابلہ میں نظام کو فوجی امداد کے حصول کا حق ناقابل حجت طور پر حاصل ہے۔ لیکن اسکے صرف گیارہ ماہ بعد ہی جبکہ زمیندار شولاپور نے نظام کو واجب الادا خراج کی ادائیگی سے انکار کر دیا اگر گستاخیاں سرزد کیں، چھ مہینوں تک "اعانتی فوج" کے حصے کی خدمات پیش کرنیکی شرط نہیں پوری کیگئی۔ اور یہ محض بعض اُن دیگر شرائط کی تکمیل کے بعد پوری کیگئی جنکا ان معاہدات میں کہیں ذکر نہیں تھا جسکی وجہ سے ماتحتین پر نظام کے اقتدار کی قوت کو بڑا ہرج پہنچا۔

۸۔ "اعانتی فوج" کی خدمات کاملہ سے جو معاہدہ کے ذریعہ حاصل کیگئی تھیں انکار کے بعد سنہ ۱۸۱۳ء میں گورنر جنرل نے یہ اصرار شروع کر دیا کہ نظام اپنے مداخل سے سوار جمعداروں کی ایک فوج تیار کریں جو در اصل وہی خدمت انجام دے جو اعانتی فوج شرائط معاہدہ کے تحت انجام دیتی۔ اور جسکے مد نظر اضلاع بلاری و کڑپا محض کچھ ہی قبل دیدیئے گئے تھے۔ ہوا تو نظام نے اس تجویز کی مقاومت کی لیکن انکے حقوق معاہدہ سے صاف صاف انکار اور "اعانتی فوج" کی امداد سے جسکے وہ مستحق تھے دیگر اسباب نے بے بس کیا تھا بلکہ ایک نئی فوج کی تنظیم کی جانب رہبری کی جو حیدرآباد کنٹنجنٹ کے نام سے موسوم ہوئی اور اسکے اخراجات نظام کو برداشت کرنے پڑے۔ اس عہد کے کاغذات سے ظاہر ہو گا کہ ابتداء میں کنٹنجنٹ "اعانتی فوج" کو زحمت و مشقت سے بچانے اور سرکش زمینداروں کو اطاعت کیشی پر مجبور کرنے کی غرض سے قائم کیگئی تھی۔ یہ وہی فریضہ ہے جسکا انہیں الفاظ میں سنہ ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی سترہویں دفعہ میں "اعانتی فوج" کیلئے لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اسطرح سنہ ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی رو سے نظام کو جن خدمات کے حاصل کرنے کا حق پیدا ہو گیا تھا ان کیلئے وہ دوھرے گراں اخراجات ادا کرتے رہے۔ نیز یہ بات افسوس کیساتھ نوٹ کیجاتی ہے کہ

اگرچہ کنٹنجنٹ اسلئے تیار کیگئی کہ نظام کو داخلی اغراض کیلئے فوجی امداد حاصل رہے اور انکے اخراجات نظام کے خزانہ پر ایک بار عظیم تھے، اسپر بھی جبکہ نظام کے مفاد کے لئے انکے استعمال کا مطالبہ کیا انکی خدمات کے دینے سے بارہا انکار کر دیا گیا۔

۹۔ کنٹنجنٹ کا ظہور ایسے وقت میں ہوا تھا جبکہ نظام کو اپنے ملک کے نظم و نسق میں کوئی اختیار حاصل نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نئی فوج کو بھی برطانوی نگرانی میں رکھا گیا۔ اور سالانہ ۴۰ لاکھ روپیہ اسکے خزانہ سے قیام کیلئے نظام کے مداخل سے ادا ہوتا رہا۔ نظام کی تاریخ کا یہ عہد ہندوستان کی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے یکے بعد دیگرے بیوفا غدار لوگ مدار المہام ہوتے گئے اور اس موضوع کے متعلقہ دستاویزات کا مطالعہ مجھے یقین ہے یور اکسلنسی کو یقین دلادیگا کہ کنٹنجنٹ کو نظام کی آزادانہ مرضی کے خلاف تیار کیا گیا نہ یہ کہیں ظاہر ہے نہ کوئی ایسا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ اس امر کی برطانوی شہادت بہ کثرت موجود ہے کہ سب سے زیادہ غدار مدار المہام چندو لال نے محض اپنے ذاتی اغراض کیلئے تشکیل کنٹنجنٹ پر رضامندی ظاہر کردی تھی اور جسنے مداخل پر سے بعض اضلاع کو اس نئی فوج کے ایک حصے کے اخراجات کی ادائیگی کیلئے دیدیا وہ بھی یہی تھا۔ لارڈ مٹکاف نے ایک یادداشت مورخہ ۱۱ مارچ ۱۸۳۲ء میں کنٹنجنٹ فوج کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ دراصل راجہ چندو لال کا اور ہمارا ایک مشترکہ معاملہ ہے۔ سر الیف کری نے جو لارڈ ڈلہوزی کی حکومت کے ایک رکن تھے اپنی یادداشت ۲ اپریل ۱۸۵۳ء میں یہی نہایت سچی بات لکھی ہے کہ کنٹنجنٹ سٹر رسل رزیڈنٹ اور اُس وقت کے مدار المہام چندو لال کی چال معلوم ہوتی ہے" اور اسنے یہ بھی لکھا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کنٹنجنٹ کے لئے حکومت ہند یا نظام کی کوئی منظوری نہیں لیگئی۔

۱۰۔ مدار المہام کی حیثیت سے چندو لال کا سارا دور کار فرمائی اپنے ملک کے مفاد کی ضمیر فروشانہ قربانی ریاست کے مالیہ کی اندھا دھند بربادی اور اپنے شخصی اقتدار کے قیام کیلئے ریاست کے ذرایع کے بے غل و غش اسراف کی دستاویز ہے۔ کنٹنجنٹ پر نہایت مسرفانہ اخراجات ہوئے اور یہ سارا انتظام اس طرح ہوا کہ نظام کے ذرائع پر جو زبردست بار عائد ہو رہا تھا اس کا بالکل خیال نہیں کیا گیا۔ مدار المہام کی حیثیت سے چندو لال رزیڈنٹ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا بالکل غلام بنا رہا۔

۱۱۔ حالات فوق الذکر ۱۸۰۲ء کے معاہدہ کا باعث ہوئے جسکی رو سے اضلاع بہار مخصوص شرائط و حالات کے تحت ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام کنٹنجنٹ کی عارضی ضمانت کے طور پر حوالے کر دیئے گئے۔ اب یہ فوج پچاس برس تک رہی اور ۴۳ لاکھ روپیہ کلدار کا نظام سے کمپنی نے مطالبہ کیا۔ لیکن یہاں یہ اہم بات قابل ذکر ہے کہ کوئی رقم مجرا نہیں دیگئی۔ نہ شہر سکندرآباد میں نظام کی رعایا سے جو محاصل وصول کئے جاتے تھے انکے متعلق آبکاری رقومات مجرا دیگئیں اور نہ برطانوی حکومت نے ایک طویل عرصہ تک بالتحقیق ۴۱ برس تک جو اعانتی فوج کو بہت ہی کم تعداد میں رکھا تھا۔ اسکی بچت مجرا ملی۔ تقریباً ایک لاکھ روپیہ سالانہ کی آبکاری کی آمدنی اسوقت کی حکومت ہند (بلا استحقاق) وصول کرتی رہی اگر اس ضبطی محاصل کو تسلیم کر لیا جاتا اور یہ رقومات واپس ملتیں تو اس سے حکومت ہند پر نظام کی ۴۱ لاکھ کی رقم بغیر شمول سود کے نکلتی اور اسطرح نہایت ہی مسرفانہ نامعقول اساس پر کنٹنجنٹ کے قیام کے اخراجات کا بقایا بالکل ادا ہو جاتا۔ علی ہذا کم از کم تقریباً ۳۰ سال سے زیادہ عرصہ تک اعانتی فوج کی قوت اُس تعداد سے از روئے معاہدہ ہونی چاہیئے تھی ۵ فیصدی کم رہی جس کیلئے کرنل لو اور کرنل کی دوامی تحویل سے پیشگی اخراجات ادا کر دیئے گئے تھے۔

۱۲۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسوقت کنٹنجنٹ کے قیام کیلئے نظام پر حکومت ہند کی کوئی رقم واجب الادا نہ تھی اور ۴۲ لاکھ روپیہ کا دعویٰ بلا کسی مادی بنیاد کے تھا۔

باایں ہمہ اس دعویٰ نے ۱۸۵۳ء کا معاہدہ زبردستی نظام کے گلے منڈھ دیا۔ ۱۸۶۰ء کے رزیڈنٹ کرنل ڈیوڈسن کی شہادت کے معائنہ سے جو ۱۸۵۳ء کے معاملے کے عینی شاہد تھے

یور اکسلنسی اس بات کو بھی طرح سمجھ جائینگے۔ ۱۲؍ اکتوبر ۱۸۶۱ء کو لکھتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ
قرض کو نظام نے ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کے ذریعہ جبر کے تحت تسلیم کر لیا اور انکو انھوں نے کبھی
اپنے ذمہ واجبی طور پر قابل ادائی نہیں تصور کیا۔" نیز انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ انکی رائے میں "اگر مالی معاملات
پر غیر جنبہ دارانہ نظر ڈالی جائے تو پھر اس مزعومہ قرض کیلئے نظام پر ہمارا کوئی منصفانہ دعویٰ نہیں ہے۔

۱۳۔ جس دباؤ کا اشارہ کرنل ڈیوڈسن نے کیا ہے وہ یہ تھا کہ فی الفور فوجی قبضہ کی دھمکی دی گئی تھی۔ اولین تجویز
یہ تھی کہ اس علاقہ کو ہمیشہ کے لئے دیدیا جائے۔ نظام نے اس سے انکار کر دیا۔ دوسری تجویز یہ تھی کہ دوامی حوالہ کر دیا جائے۔
البتہ برائے نام اس علاقہ پر نظام کی شاہی تسلیم کی جائے۔ انھوں نے (نظام) نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ پھر اس وقت تک انھیں (نظام کو) مجبور کیا گیا۔ لیکن
انھوں نے اسکو قبول نہیں کیا تو پھر تیسری تجویز پیش کی گئی کہ یہ علاقہ برطانوی حکومت کو "محض اس عرصہ تک کیلئے کنٹنجنٹ کے قیام کیلئے دیا جائے جبتک کہ
نظام اس فوج کی ضرورت محسوس کریں" الزامات لگائے گئے اور دھمکیاں دی گئیں "لیکن اور چند روز تک نظام غیر متزلزل رہے اسکے بعد میجر ڈیوڈسن
(جو بعد میں کرنل ہوئے) اسسٹنٹ رزیڈنٹ کا ایک خط نظام کے مدار المہام کے نام آیا جسکی جابرانہ سیرت کا حال ذیل کے اقتباس سے واضح ہوگا۔
میں باور کرتا ہوں کہ رزیڈنٹ کو آج شام آپکی حضوری درکار ہے تاکہ آپکو اطلاع دیں کہ نظام سے انکی گفت و شنید ختم ہو چکی ہے اور وہ آج کی ڈاک سے
گورنر جنرل سے درخواست کرینگے کہ افواج کو حرکت دیں...... سچ یہ ہے کہ مجھے اپنے بھتیجے کا ایک خط ملا ہے جو پونا میں رہتا ہے اسمیں درج ہے کہ مدوس نیٹو انفنٹری
اور ہ رجمنٹ ایچ ایم افواج کو حیدرآباد پر پیشقدمی کیلئے تیار رہنے کے احکام ملگئے ہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ فوجی کارروائی صرف اضلاع تک محدود رہیگی۔ اور اگر آپ ہزہائنس
کے دوست ہیں تو ان سے درخواست کیجئے کہ اپنے آپکو اور اپنے وقار کو اس امر کو قبول کر کے بچالیں جسکے قبول کرنے پر گورنر جنرل یقیناً انھیں مجبور کرینگے۔"

اس خط کے وصول ہونے کے دوسرے روز مدار المہام نے رزیڈنٹ کو لکھا کہ آخر کار نظام اس معاہدہ پر رضامند ہوگئے ہیں اس پر تنقید لاحاصل
ہے۔ اب اس امر کا تصفیہ یور اکسلنسی پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ یہ منظوری رضامندی سے تھی یا جبر کے تحت دی گئی تھی۔

۱۴۔ منسلکہ یادداشت میں تفصیلاً وضاحت کیساتھ اس انتہائی بنیاد کا حال درج ہے جس پر ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی گفت و شنید ختم ہوئی کرنل لو
(جو بعد میں جنرل سرجان) ہوئے جو اسوقت رزیڈنٹ تھے نظام سے تحکمانہ اعلان کیا کہ "اگر ہز ہائنس کی خواہش ہے تو کنٹنجنٹ کے قیام کیلئے جب تک اس کی
ضرورت ہو اس وقت تک کیلئے یہ اضلاع حوالے کئے جاسکتے ہیں" اس موضوع کے متعلقہ مسلہ و کاغذات کا سرسری مطالعہ مجھے یقین ہے کہ یور اکسلنسی کو
اس بات کا یقین دلادیگا کہ نظام دوامی حوالگی کے تصفیہ کی تجویز کو شدت سے ناپسند کرتے تھے اور یہ کہ انھوں نے ۱۸۵۳ء کے معاہدہ پر اس بیداغ
اہتمام کیساتھ دستخط کئے تھے۔ "انتقال قبضہ برار ایک غرض خاص کے لئے تفویض امتادی ہے جو محض اسوقت تک رہیگا جب تک کہ اس مقصد کے
قیام کی ضرورت دائمی ہے۔"

۱۵۔ نظام کا یہ پہلے سے مسلمہ موروثی حق کہ جب جی چاہے کنٹنجنٹ کو توڑدیں اور جو معاہدہ کی کسی دفعہ کا پابند نہ تھا ۱۸۵۳ء کے معاہدے سے
غیر متاثر رہا ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے مابین کاغذات میں چھ ایسے مختلف موقعے پائے جاتے ہیں جنسے ظاہر ہوتا ہے کہ نظام نے متواتر اپنے آپکو مفوضہ
اضلاع برار کے استرداد کا مستحق قرار دیا ہے اس کے بعد ۱۸۶۰ء کا معاہدہ قرار پایا جو معاہدہ ضمیمہ ہے اور اس سے ریاست حیدرآباد کو ان اضلاع کے،
متعاقب اور کامل استرداد کے دعاوی پر جنھیں میرے جد بزرگوار نظام افضل الدولہ اور میرے جد امجد اس درجہ عزیز رکھتے تھے نہ ضرر پہنچ سکتا ہے
اور نہ انکا دائرہ تنگ کیا جاسکتا ہے برخلاف اس کے اس معاہدہ کی دفعہ ششم میں ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کے
تحت مفوضہ کا صاف صاف اسطرح حوالہ دیا گیا ہے۔
حیدرآباد کنٹنجنٹ کی افواج کے ادائے اخراجات کیلئے حکومت برطانیہ کے

پاس امانت ہے اور دیگر چھوٹے چھوٹے اخراجات کیلئے بھی۔ حکومت ہند کی ۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۰ء کی اس کارروائی کا یہ نتیجہ تھا جسکی رو سے رزیڈنٹ کو سرکاری طور پر مجاز گردانا گیا تھا کہ نظام کو لکھے کہ یہ ممالک محروسہ کے اس حصہ کی علحدگی محض عارضی ہے اور ایک خاص غرض کیلئے جو خاصکر ریاست حیدرآباد کی سلامتی اور اسکی سرحدات کے اندر امن و امان کے تحفظ کی موئید و حامی ہے" اور یہ کہ جب کبھی اضلاع زیر بحث نظام کو واپس کئے جائینگے ہز ہائینس آئندہ ان منافع سے استفادہ کرتے رہینگے جو اس اصلاح و ترقی سے پیدا ہوں جسکا ظہور برطانوی عہدہ داروں کے انتظام کے تحت ہوا ہو۔

۱۶۔ اس تاریخی صراحت سے یہ بات صاف عیاں ہے کہ ان حالات سے جنکے تحت سنہ ۱۸۵۳ء و سنہ ۱۸۶۰ء کے معاہدات منعقد ہوئے اس نظریہ کی تائید میں کوئی ٹھیک نتیجہ نہیں متخرج ہو سکتا کہ نظام یا حکومت ہند نے کبھی اسکا خیال کیا یا کسی زمانہ مستقبل میں کنٹنجنٹ کے توڑنے کے حق کو ساقط کرنے پر رضامندی ظاہر کی ہو۔ میرے خیال میں یور اکسلنسی ایک اعلیٰ پایہ کے حاکم عدالت و قانون پیشہ کی حیثیت سے میرے اس خیال سے متفق ہونگے میرے آبا و اجداد نے میرے جد والا نظام افضل الدولہ کے عہد حکمرانی تک کسی ایسے تصفیہ پر رضامندی نہیں ظاہر کی جس سے انکے اس حق پر ذرا بھی شبہہ گذر سکے کہ وہ اپنے علاقہ برار کے مسترد کرانے میں اپنے اختیار تمیزی کو ہر اُس وقت کام میں لا سکینگے جبکہ سارے دیون کا تصفیہ ہو جائے اور انکے نزدیک قیام کنٹنجنٹ کی ضرورت باقی نہ رہے۔

۱۷۔ میرے دادا نظام افضل الدولہ نے سنہ ۱۸۶۹ء میں انتقال فرمایا اور آپکی جگہ میرے والد نظام محبوب علیخان تخت نشین ہوئے جو تخت نشینی کے وقت محض ایک طفل سہ سالہ تھے۔ فرمانروا کی طفلی کیوجہ سے سر سالار جنگ نائب اور امیر کبیر شریک نائب مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۸۷۴ء میں ان نائب السلطنت مدار المہاموں نے حکومت ہند کے آگے یہ تجویز پیش کی کہ سنہ ۱۸۵۳ء کے معاہدہ میں جن اغراض و مقاصد کا ذکر ہے انھیں کی بنیاد پر کنٹنجنٹ فوج کے قیام کے اخراجات کے لئے ایک نقد رقم ریاست حیدرآباد سے لیجایا کرے اور اضلاع مفوضہ نظام کے نظم و نسق اور حکومت کو مسترد کردیئے جائیں اس تجویز سے انکار کردیا گیا۔ انکار کی بنیادوں میں ایک یہ بھی تھی کہ اُس نوعیت کے مسائل پر بحث و تحمیص وقت طلب ہے جبکہ خود نظام جنکی جانب سے یہ مسائل اٹھائے جا رہے ہیں نابالغ ہیں"

۱۸۔ سنہ ۱۸۸۴ء میں کامل اختیارات حکومت میرے والد کے ہاتھوں میں آئے جبکہ وہ اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچے۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں لارڈ کرزن نے جو اسوقت وائسرائے تھے مسئلہ برار کو اپنی جانب سے اٹھایا۔ ایک جو معاملات ہوئے انکی میں جسقدر زیادہ جانچ کرتا ہوں اتنا ہی انکے ناروا ہونے کا مجھے یقین ہوتا جاتا ہے۔ میرے والد بھی تفویض دوامی کی تجویز سے اس سے کم متنفر نہ تھے جتنے کہ انکے آبا و اجداد تھے۔ حکومت ہند کے پیام و سلام تجویزات کی صورت میں کرنل بارر (جو بعد میں سر ڈیوڈ ہوئے) رزیڈنٹ حیدرآباد وقت کے توسط سے میرے والد کو تقریباً ختم جنوری سنہ ۱۹۰۲ء سے پہنچنے شروع ہوئے اسکے آٹھ ہفتوں کے اندر ہی حیدرآباد میں لارڈ کرزن کا تاریخی ورود ہوا جسکا انجام یہ ہوا کہ برطانوی حکومت کو اضلاع برار دوامی پٹہ پر ملگئے۔

۱۹۔ یادداشت منسلکہ سے ظاہر ہوگا کہ میرے والد دوامی پٹہ کی تجویز کو کس درجہ ناپسند فرماتے تھے کسطرح آپ برابر رزیڈنٹ کے پیام و سلام کی مقاومت کرتے رہے اور کس شد و مد کیساتھ آپکی مجلس امرا نے جو خاصکر اسی معاملہ میں غور و خوض کرنے کیلئے منعقد ہوئی تھی اس تجویز کی مخالفت کی تھی بلاشبہہ اس مجلس نے ایک خط کا مسودہ تیار کیا تھا جو نظام کی جانب سے وائسرائے کو بھیجا جانیوالا تھا اور اسمیں ہز ہائینس کو مشورہ دیا گیا تھا کہ اس خط کو خود اس نجی گفتگو میں وائسرائے کو دیں جو وائسرائے کو حیدرآباد آنے پر ہز ہائینس سے کرنے والی تھی۔ میری نظر میں یہ خط ایک دستاویز دردوالم ہے نہ صرف اسلئے کہ اسکی عبارت ایسی درد آمیز ہے بلکہ اس لئے کہ یہ ملاقات ایسی اچانک ہوئی کہ میرے والد اس خط کو وائسرائے کے ہاتھوں تک نہ پہنچا سکے۔ یہ خط جو ۲۰ مارچ سنہ ۱۹۰۲ء کا لکھا ہوا ہے حسب ذیل ہے:۔

یور ایکسلنسی۔ میں نہیں چاہتا کہ استرداد برار کے متعلق اپنے حق کے قدیم
رکھوں یا اُسکے متعلقہ معاہدات و دیگر رسمی معروضیتوں کے مفہوم و مقصد کی بحث کرتا نہ
کروں۔ میں اعتماد کیا تھا ان معاملات کو یور ایکسلنسی کے کرم فرما لطف آمیز غور و نظر پر چھوڑتا ہوں۔
میں محض آپکے توسط سے ملک معظم سے اپیل کرونگا کہ الطاف و عنایات کی ایک خاص علامت کے طور پر
برار مسترد کریں اور میں آپ سے اتنی اجازت پانے کی درخواست کرتا ہوں کہ کہوں کہ یور لارڈشپ اس معاملہ میں میری وکالت فرمادیں
مجھے اس بات کا کامل یقین ہے اور میں پورا پورا بھروسہ رکھتا ہوں کہ میری یہ اپیل ملک معظم کی تاجپوشی کے مبارک موقع پر بیکار نہ جائیگی۔
(میں ہوں یور ایکسلنسی کا مخلص دوست)

۲۰۔ منسلکہ یادداشت کے مندرجہ ذیل مکمل حالات ملاقات سے یہ بات بالکل صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ وائسرائے نے اس امید
کیلئے نظام کی حوصلہ افزائی نہیں کی کہ ہز ایکسلنسی ملک معظم کے آگے ہز ہائینس کی وکالت فرمائینگے۔ اگرچہ رزیڈنٹ کرنل بار وائسرائے کے
ہمراہ تھے لیکن اس غائیت درجہ اہم مسئلہ کی بحث کے دوران میں بدبختی سے میرے والد مرحوم کو اپنے مدارالمہام یا امارت کے کسی اعلیٰ عہدہ دار
کی اعانت حاصل کرنیکا موقع نہیں دیا گیا وائسرائے اور نظام کی یادداشتیں جنمیں اس ملاقات کا حال علحدہ علحدہ درج ہے دونوں کی دلی
کیفیات کے اظہار کیلئے میمورنڈم میں ایکساتھ درج کیگئی ہیں۔

۲۱۔ لارڈ کرزن کے نوٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسئلہ برار کی بحث چھیڑنے سے قبل ہز ایکسلنسی نے دو غیر متعلقہ مسائل اٹھاتے ہوئے آپ نے
وائسرائے کی حیثیت سے اپنے اختیارات کے تحکمانہ پہلو کا بھی اظہار فرمایا۔ انمیں سے ایک مسئلہ یہ تھا کہ نئے مدارالمہام مہاراجہ کشن پرشاد کے مدارالمہامی کی
منظوری دیجائے۔ میرے والد کی یہ خواہش تھی کہ انکے مدارالمہامی کی منظوری دیجائے۔ لیکن ہز ہائینس کو یاد دلایا گیا کہ یہ ہز ایکسلنسی کی مرضی پر منحصر ہے۔
دوسرا مسئلہ حکومت ہند سے ریاست حیدرآباد کے مالی مشیر کی حیثیت سے مستعار لئے ہوئے ایک افسر کے عہدہ اور اسکے اختیارات سے متعلق تھا۔ اسکے
متعلق اپنے نظریات کو پیش کرتے ہوئے ہز ایکسلنسی اس حد تک بڑھ گئے کہ آپنے کہا کہ اگر آپکے مجوزات پر عمل نہ ہوگا کہ آپ اس افسر کو واپس بلا لینگے اور
وائسرائے نے اپنے اس اعلان سے اپنے اصرار کا مزید اظہار فرمایا کہ نئے مدارالمہام کے تقرر کی منظوری عہدہ دار مستعار کے متعلق ہز ایکسلنسی کے مجوزات کی قبولیت پر منحصر ہے
۲۲۔ میں اس کو ایک بدبختانہ حالت کے سوا اور کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ میرے والد کے ہمراہ جو طبیعت کے شرمیلے اور کم گو مشہور تھے کمرہ ملاقات میں کوئی
نہ تھا۔ مسئلہ برار کے زیر بحث آنے سے قبل جن ابتدائی امور پر مکالمہ ہوا وہ حواس کو منتشر کرنیوالا تھا۔

۲۳۔ واجبات معاہدہ کا وہ منظر جو میرے والد کے آگے بہ جبر پیش کیا گیا وائسرائے کے خاص نوٹ کے حسب ذیل اقتباس سے واضح ہے۔
"میں نے بتایا (نظام کو) کہ برطانوی حکومت کے پاس کوئی ایسی وجہ نہیں ہے کہ معاہدہ کے ذریعہ فی الحال اسکو جو پوزیشن اور حقوق حاصل ہیں
اُنسے غیر مطمئن ہوجائے۔ مفوضہ اضلاع پر اسکو جو حقوق حاصل ہے اسمیں کسی قسم کا بال (استعارتاً یعنی خرابی) نہیں ہے نہ تو میعاد تفویض ہی کی کوئی
تحدید کیگئی ہے اور نہ اختیارات نظم و نسق کی حد بندی کیگئی ہے جو اسکے ذریعہ سے حاصل ہوئے ہیں۔
حیدرآباد کنٹنجنٹ جیسی کہ وہ اس وقت ہے اور معاہدہ کے تحت رکھی گئی ہے ایک مسرفانہ اور غیر اطمینان بخش انتظام تھا۔ علاقہ حیدرآباد میں
جو فوجیں مقیم ہیں وہ اسکے موجودہ احتیاجات سے بہت زیادہ ہیں اور اسکے اس لقب کا باقی رکھنا ایک تو نظام کیلئے غضب انگیز ہے
اور دوسرے نامناسب وقت۔"

"اور یہ کہ برار کی دوامی تفویض موجودہ کے بجائے پٹہ دوامی ہوجائے۔"

"جب میں نے یہ سنا تو مجھے بڑی مایوسی ہوئی کہ ایسے مناسب و موافق شرائط

کو ہز ہائینس نے پسند نہیں کیا ہے۔ اگر اس نے انکار کر دیا جاتا تو حکومت ہند لازماً موجودہ
پوزیشن کی جانب راجع ہوتی جس میں اقتدار اعلیٰ ہے اور جس کے تحت پچاس سال سے
بہت کم مالی اخراجات کیساتھ اس جائداد سے فائدہ اُٹھاتے آرہے ہیں جبکہ یہی تمنا تھی۔"
لیکن اسکے علاوہ ایک اور سبب بھی تھا جسکی بنا پر موجودہ تجویزات کی ناکامی پر مجھے افسوس ہوتا۔ بلکہ یہی
یہ بات نا ممکن تھی کہ بعد میں جو جانشین ہوتے والا کوئی وائسرائے اس مسئلہ کو دوبارہ اٹھاتا یا یہ کہ کوئی کسی برطانوی حکومت کسی تازہ پس
افتادگی کی حجت کا دم بھرتی۔

"لہذا ہز ہائینس کو واقف ہونا چاہئے کہ اب ایک سمجھوتہ کا جو موقع دیگیا ہے وہ پھر نہیں عود کریگا اور یہ کہ اس وقت کے طے شدہ امور ایک
دوامی شکل میں ڈھل جائینگے۔"

"لیکن وہ (نظام) یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ نئے سمجھوتہ کے تحت آیا انہیں اس بات کی آزادی حاصل رہیگی کہ وہ مستقبل میں کبھی استرداد برار کی
درخواست کر سکیں میں نے جواب دیا کہ اگر صوبہ برار دوامی پٹہ پر برطانوی حکومت کو دیدیا گیا تو پھر ہز ہائینس ایسی کوئی درخواست نہیں کر سکینگے اس لئے کہ اس
صوبہ کی قسمت کا فیصلہ ہو جائیگا۔"

اسکے بعد ہز ہائینس نے سوال کیا آیا حالات حاضرہ کے تحت برار کے انہیں واپس ملجانے کی کوئی توقع ہے کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ معاہدات میں ایسی
بات نہیں جس سے حیدرآباد اسکے استرداد کا کوئی دعویٰ کر سکے۔ میں نے اپنے جواب میں ہز ہائینس کو اس جواب کا حوالہ دیا گیا۔ جو سر سالار جنگ کو جبکہ یہ
معاملہ ۵۹ سال قبل اٹھایا تھا دیا گیا تھا اور ۱۸۷۸ء میں برطانوی حکومت کی جانب سے لارڈ سالسبری نے جو جواب دیا تھا اسکا یہ تذکرہ کیا۔ گذشتہ
پنجاہ سالہ واقعات نے موجودہ صورت حال کے متعلق ایک اور گمان غالب پیدا کر دیا ہے جس سے قطع نظر ناممکن ہے۔ ان حالات میں مسلسل حکمرانیوں
کے مابین خواہ وہ قدامت پسندیوں کہ حریت پسندی پالیسی جاری رہی ہے اور میں ہز ہائینس کو کوئی امید نہیں دلا سکتا کہ آئندہ کوئی برطانوی حکومت
انہیں (نظام کو) ایسے شرائط دینے پر تیار ہو جائے گی جنھیں کسی گذشتہ حکومت نے قبول نہیں کیا خصوصاً اگر مستقل اصول پر اس معاملہ کو طے کرنے کی
موجودہ سعی بیکار جائے برطانوی حکومت کیلئے اسکے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں رہیگا کہ معاہدات کے ذریعہ محصلہ دوامی تفویض پر کاربند رہے۔"

اس کے بعد ہز ہائینس نے کہا کہ چونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر موجودہ تصفیہ سے انکار کر دیا جائے تو انہیں استرداد برار کا موقع حاصل نہیں ہے لہذا
انہیں دوامی پٹہ کی تجویز منظور کرنے میں پس و پیش نہیں ہے کہ اب اسی میں ریاست کا زیادہ فائدہ معلوم ہوتا ہے آپ نے اُس وقت تک اس سے اسلئے
انکار کیا تھا کہ آپ کو اسکی خبر نہیں تھی کہ زمانہ مستقبل میں آپ کو برار کے واپس ملنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

۲۴ ۔ اس غیر مساوی مباحثہ کا جو اثر میرے والد مرحوم کے دل پر بیٹھا تھا یور اکسلنسی کو اسکے اندازہ کرنے کے قابل بنانے کیلئے چاہتا ہوں
کہ یہاں اس اہم معاملہ کے متعلق نظام کے نوٹ سے ایک مختصر اقتباس درج ذیل کروں۔

"وائسرائے نے مجھے دو بار (تین بار دستعد و بار) کہا کہ برار کبھی مسترد نہیں کیا جا سکتا ہز اکسلنسی نے کہا کہ "میں نہیں چاہتا کہ یور ہائینس کو کسی
جھوٹی امید میں رکھوں میں نہایت صاف صاف کہہ دیتا ہوں کہ نہ صرف میری یہی پالیسی ہوگی بلکہ میرے بعد آنیوالے وائسرائے کی بھی یہی ہوگی
اور انگلستان کی حکومت کی بھی یہی ہوگی۔ یعنی برار کسی زمانہ میں بھی واپس نہ دیا جائیگا۔ وائسرائے کی گفتگو سے یہ ظاہر
ہوتا ہے کہ چونکہ گذشتہ ۵۲ سال سے واپسی برار کی کوئی درخواست نہیں پیش کیگئی (ہمارے لئے)
اب یہ ناممکن ہے کہ اسکو واپس لیں اور یہ کہ ہمیں اسکی واپسی کی کوئی امید بھی نہیں رکھنی
چاہئیے۔ ہز اکسلنسی نے سمجھایا کہ اگر موجودہ حالات تسلسل قائم ہے تو اس سے مجھکو کوئی

نفع دے ہوگا۔ جب برار کا واپس ملنا نا ممکن ہے تو موجودہ حالات کو قائم رکھنا عقلمندی
نہیں ہے۔ یہ بہتر ہوگا کہ پٹہ پر دیدیا جائے اور حال بسال روپیہ (محاصل) لے لیا جائے۔"
"لیکن جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں نے اصرار کیا (استرداد برار پر) لیکن والسرائے کے جوابات
کے لہجے سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ہمیں اس صوبہ سے ہاتھ دھو بیٹھنا پڑتا ہے تب مجھے مجبوراً کہنا پڑا اگر ایسا
ہی ہے تو اسکو پٹہ پر لیجئے۔"

"کل جس ڈھنگ سے ہز ایکسلنسی وائسرائے نے مجھسے گفتگو کی تھی اس سے مجھے پورا یقین ہو گیا کہ اگر میں پٹہ پر دینے سے یہ کہکر انکار کرتا کہ حالات موجودہ ہی جاری رہ سکتے ہیں تو ہز ایکسلنسی میری نہ سنتے اگر سنتے بھی تو طول طویل کے جوابات دیتے اور اگر میں مجبور کرتا کہ میری درخواست کا معین جواب دیں تو پہلے کی طرح صاف کہہ دیتے کہ میری درخواست (برائے استرداد) قبول نہیں کیجا سکتی۔"

۲۵۔ سرسالار جنگ نے اس مسئلہ کو جو ۱۸۸۲ء میں پیش کیا تھا اور لارڈ سالسبری نے اسکا جو جواب دیا تھا اسکے حوالہ کو میں جنیظر بدگمانی تصور کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس نے بلاشبہہ میرے والد کو متاثر کر دیا اور کوئی کلام نہیں کہ اس ذکر کا منشا بھی یہی تھا کہ یہ خیال والد کے دلمیں پیدا ہو جائے کہ اس معاملہ کا پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے۔ انکا نتیجہ غلط تھا لیکن مذکرہ صدر اقتباس سے یہ بات صاف واضح ہے کہ یہی نتیجہ انکے ذہن میں مرتب کر دیا گیا تھا۔ لارڈ سالسبری نے اپنے جواب میں جسکا اوپر ذکر ہے محض یہ بتایا تھا کہ تفویض برار کے تعین کیلئے ۱۸۵۳ء کے معاہدہ میں کوئی میعاد درج نہیں ہے اور اگر نظام بلوغت کو پہنچنے کے بعد یہ چاہیں کہ اس صوبہ کے متعلق معاہدہ کے شرائط کی ایک عام نظر ثانی ہو جائے تو حکومت برطانیہ انکی خواہشات پر غور کریگی مافوق الذکر عبارت میں کوئی ایسی بات نہیں معلوم ہوتی جس سے اس دعویٰ کی تصدیق ہو سکے کہ برار دوامًا دیدیا گیا ہے یا یہ کہ فیصلہ کی نوعیت کوئی قطعی ہے۔"

۲۶۔ لارڈ کرزن اور والد مرحوم کی ملاقات کے نمایاں خط و خال یہ ہیں کہ وائسرائے ہند کے اعلیٰ حکم کی بنا پر متعالیۃ ایک ہم قوم حلیف کو معین طور پر اور بڑے شد و مد سے تین تیقنات ماضیہ اور شرائط معاہدہ کے خلاف یہ سمجھا گیا کہ کسی ڈھب سے اور کسی حالت کے تحت اسوقت کی یا زمانہ مستقبل کی کوئی برطانوی حکومت صوبہ برار اسکے مالک جائز کو واپس نہ دیگی۔ برار کی دوامی علیحدگی کے متعلق انکے جو اعتراضات تھے انہیں ایسی بنیادوں سے کاٹا گیا جو حکومت برطانیہ کے ۱۸۵۳ء کے ان مواعید سے بالکل ناسبت نہیں رکھتے جنکا ۱۸۶۰ء میں اعادہ کیا گیا تھا کہ اسوقت کے فرمانروائے حیدرآباد کو لکھا گیا تھا کہ جب کبھی اضلاع زیر بحث نظام کو واپس دیئے جائینگے برطانوی عہدہ داروں کے انتظام میں رہنے سے وہاں جو ترقی ہوگی اس سے حاصل شدنی نفع آئندہ نظام ہی حاصل کرینگے" ہز لارڈ شپ نے اس حقیقت کو بھی بھلا دیا کہ برار کی تفویض "امانتاً" ایک خاص غرض کیلئے تھی اور محض اس عرصہ تک کیلئے جب تک کہ اس غرض کا قائم رکھنا مطلوب ہوتا اور ۱۸۶۰ء کی دستاویز کی صاف صاف غیر ذو معنی عبارت سے بالکل چشم پوشی کر لی ہے جسمیں اسکے بطور امانت ہونے کی تصدیق ہے۔

"حکومت ہند کے محکمہ خارجہ کے ایک مراسلہ کی حسب ذیل عبارت پر میں اظہار حیرت کئے بغیر نہیں رہ سکتا جو ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء کو وزیر ہند کے نام لکھا گیا۔"

"ہز ہائینس نظام کی جانب سے تغیر کی تمنا کا اظہار ہوا خصوصاً ان فاضلات کی خطرناک اور تغیر پذیر حالت کی وجہ سے
جو شرائط معاہدات کے تحت انہیں واجب الادا رہتے تھے اور جنکی بیقاعدہ حالت کی وجہ سے ریاست کے تعلقات میں
عدم یقین کا ایک افسوسناک عنصر راہ پا گیا تھا۔ جانبین نے اس امر کو محسوس کر لیا تھا کہ گذشتہ
برار مسلسل برطانوی نظم و نسق کے تحت رہ چکے ہیں ایک ایسا حق بربنائے تصرف قدیم

نظم و نسق طریقہ میں شامل کرنے کی اجازت نہیں دیتا خصوصاً وہاں کے باشندوں کی مرضی کے خلاف ۔ اسطرح نہ صرف برار کے مالی ذرائع سے غیر برایوں کو استفادہ کا موقع ملتا ہے بلکہ اصلاحات جدید کی وجہ سے میری رعایا اکثر معاملات میں بیرونی اشخاص کے تسلط کے تحت رکھی گئی ہے مثلاً نا موافقت نورد کے باعث جیسے کہ مجھے اطلاع ملی ہے صوبجات متحدہ کی مجلس تشریعی میں انہیں اعلیٰ جگہ ملی ہے ۔ یعنی ۱۹۰۲ء کے بعد سے صورت حال کچھ ایسی بدل گئی ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس درخواست میں اپنے حقوق کے ہر پہلو پر غور کرتے ہوئے اسوقت کے منعقدہ سمجھوتہ پر نظر ثانی کیجائے ۔

۴۲ ۔ میں اس لیئے یہ چاہتا ہوں کہ میری برار کی رعایا اپنی قسمتوں کی صورتگری اپنے ہاتھوں میں لیلے اور اسی بنا پر میں استدعا کرتا ہوں کہ بعد ازیں نظم و نسق صوبہ میں ایسے وسیع پیمانے پر اشتراک عمل کی اجازت دینا چاہتا ہوں جو برطانوی ہند میں اسوقت کہیں کی رعایا کو حاصل نہیں ہے ۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اعلان کرتا ہوں کہ میں اپنے صوبہ کو واپس لینے میں کامیاب ہوجاؤں تو میں وثیقہ استرداد "یا کسی اور ریاستی دستاویز" میں جو بھی جائے گی برایوں کو ایک ایسی ذمہ دار حکومت کے دستور کے عطا کئے جانے کے متعلق معین دفعات درج کروں گا جسکی رو سے ایک آئینی گورنر کے تحت جو میری جانب سے میرے نائندے کی حیثیت سے مقرر ہوگا معاملات داخلہ اور نظم و نسق میں کامل انتظامی اختیارات کیلئے اقتدار عامہ مطلقہ حاصل ہوجائیگا باستثنار ان معاملات کے جو حکومت برطانیہ اور میرے محکمہ افواج سے متعلق ہوں ۔

۴۳ ۔ ان مباحث عالیہ کو جنہیں ۱۹۰۲ء کی گفت و شنید میں بڑی اہمیت دیگئی تھی استرداد کی راہ میں حائل ہونے کی ضرورت نہیں ہے ۔ یہ پہلا معاملہ جس کو میں اہمیت دیتا ہوں مالی منفعت کا نہیں بلکہ حق و انصاف کا ہے ۔ آخری وصول باقی (تصفیہ حسابات) کے متعلق میں ایک منصفانہ سمجھوتہ سے زیادہ اور کسی چیز کی درخواست نہیں کرتا ۔

۴۴ ۔ برطانوی شہنشاہیت کی پائداری کیلئے میرے آباو اجداد نے اور خود میں نے جو کچھ کیا اور دیا ہے وہ تاریخی معاملات ہیں ۔ میں نے انکا ذکر بھی نہیں کیا اسلئے کہ پورا کشفی کے نام میں لے جو یہ مراسلہ لکھا ہے اس سے یہ منشار نہیں ہے کہ ایک "یار وفادار" نے جو کام اپنی محبت سے انجام دیئے ہیں انکا کوئی انعام طلب کیا جائے بلکہ یہ کہ میرے دعویٰ کا اظہار کرے اور ملک معظم کی حکومت کے ہاتھوں انصاف پائے ۔ آپ کا مخلص ۔ مثبر دستخط مبارک اعلیحضرت میر عثمان علیخان بہادر　(ماخوذ از البرار)

حیدرآباد میں سلطنت بیجاپور کے عادل شاہوں کی علمی یادگار کا بے مثل کتب خانہ

(⁂)

اس ریاست آبد قرار میں عظیم الشان کتبخانہ آصفیہ کے علاوہ بھی اہمیت سے کتب خانے تائیدی سلطنت امرا و حکام اور محکمہ جات سرکاری کے موجود ہیں ۔ ان ایک ایسا کتب خانہ بھی موجود ہے ۔ جو جنہار قلمی کتب اور علمی سربستہ اسرار قدیم و نوادرات عالم کا ایسا قابل قدر و فخر مدن ہے جس کو دیکھکر عقل انسانی متحیر رہجاتی ہے ۔ دنیا کے اکثر سیاحوں نے اس کا معائنہ کیا ہے ۔ یہ کتب خانہ عادل شاہی خاندان کے علمی تحفظات کا مایۂ ناز و بے مثل مخزن ہے جس کے مالک جناب ڈاکٹر سید محمد قاسم صاحب ہیں ۔ جو اس وقت ملک سرکار عالی کے ماہر سیاست ڈاکٹر بھی ہیں آپ کا دولت خانہ کتب خانہ بمقام چمن گری واقع ہے ۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے اجداد چونکہ سلطنت بیجاپور کی وزارت پر فائز رہ چکے ہیں ۔ اسی وجہ سے یہ گرانقدر اور انمول ذخیرہ اس وقت آپ کی ملک ہے ۔ بوجہ عدم گنجائش اس کتب خانہ پر اجمالی تبصرہ ناممکن ہے ۔ مختصر یہ کہ قابل دید ہے ۔ جس کے دیکھنے کے بعد صدیوں قبل کا زمانہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے ۔

مرقومہ محمد فاضل

نواب سید جلال الدین حسن صاحب
اسپیشل آفیسر صدر نظامت جنگلات

ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور پروفیسر
جامعہ عثمانیہ سرکار عالی

یادگار سلور جوبلی آصف سابع

نواب سید محمود علی صاحب انجینیر ریلوے سرکار عالی

نواب سید قاضی معین الدین صاحب پروفیسر نظام کالج

فرانسیسی حکومت سے درخواست کی کہ اس کے خیال کو عملی جامہ پہنانے
کے لئے مدد کی جائے ۔ حکومت نے اس کو احمقانہ درخواست خیال کرکے
اس پر کچھ غور نہ کیا مگر اس شخص نے حکومت کا بہت پیچھا کیا اور یقین دلانے کی کوشش
کی اس کا خیال سائنس کے اصول پر مبنی ہے ۔ حکومت نے تنگ آکر اس کو پاگل خانہ
میں ڈلوا دیا ۔ اور اگرچہ کہ وہ شخص بہت چیخا اور پکارا کہ وہ دیوانہ نہیں ہے بلکہ ایسی ایجاد کرنے کے قابل ہے کہ تمام دنیا
اس کا احسان مانیگی ۔ مگر حکومت نے اس کی ایک نہ سنی اور اس کی عمر کا بقیہ حصہ اسی پاگل خانہ میں گزرا ۔ پہلا شخص جس نے حراکی
گاڑی تیار کی وہ ایک دوسرا فرانسیسی کیونو تھا جس نے ۱۷۶۹ء میں ایک ایسی گاڑی بنائی جو بھاپ کے ذریعہ چلتی تھی ۔ اس
گاڑی کا جو شارہ اتنا چھوٹا تھا کہ ایک وقت میں گاڑی ۲½ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ۱۵ منٹ سے زیادہ نہیں چل سکتی تھی ۔ پیارس کی
سڑک پر جب یہ گاڑی چل رہی تھی تو ایک موڑ پر وہ الٹ گئی اور حکومت نے اس کو خطرناک خیال کرکے اس کے استعمال کو ممنوع قرار دیدیا
اس کے بعد اور بہت سے لوگ مختلف ممالک میں حراکہ کو مکمل کرنے کی جستجو میں لگے رہے ۔ اس زمانہ میں انگلستان میں کوئلہ کی کانوں
سے بندرگاہوں تک کوئلہ تیز رفتاری سے پہونچانے کے لئے مختلف طریقے نکالے گئے تھے ۔ اور ان کو ترقی دیجا رہی تھی ۔ پہلے تو
گھوڑوں کی پیٹ پر تھیلوں میں کوئلہ لے جایا جاتا تھا ۔ پھر بنڈیوں میں لیجانے لگے اور جب دیکھا گیا کہ راستہ کی خرابی کی وجہ
سے بنڈیوں کی رفتار بہت دھیمی رہنے لگی تو سڑک کے اس حصہ پر جس پر پہیئے چلتے تھے پتھر کی سلیں ڈالی گئیں تاکہ پہیئے کیچڑ میں
نہ پھنسیں ۔ اس کے بعد لکڑی کی پٹریاں ڈالی گئیں تاکہ بنڈی جس کو اب چار چاک گاڑی یا کن کہا جانے لگا ، تیز رفتاری سے ان
پٹریوں پر دوڑ سکے ۔ اس طرح پہلی ریلوے لائن کا پایہ ڈالا گیا ۔ دوسری کوئلہ کی کانوں میں بھی یہ طریقہ اختیار کیا کیونکہ رگڑ کے
کم ہوجانے کی وجہ سے رفتار میں معتدبہ اضافہ ہوجاتا تھا ۔ اس کے بعد جب دیکھا گیا کہ لکڑی کی پٹریاں سرعت سے گھسنے
لگیں تو ان پر لوہے کی پتلی پتلی پٹیاں جڑ دی گئیں ۔ پھر دیکھا گیا کہ لکڑی کی پٹریاں بارش وغیرہ سے خراب ہوجاتی تھیں ۔ تب ڈھلے لوہے کی
تختیاں استعمال کرنے لگے اور اس راستہ کا نام تختی کا راستہ (پلیٹ وے) رکھا گیا ۔ اور باوجود صدہا تغیرات کے تختی بچھانے
کی اصطلاح (پلیٹ لے ئنگ) اس وقت تک جاری ہے ۔ ان تختی کا ایک کنارہ اونچا کر دیا جاتا تھا تاکہ پہیہ پٹری سے اترنے نہ پائے
دنیا کی سب سے پہلی ریلوے جس پر حراکی انجن استعمال کیا گیا وہ اسٹاکٹن اور ڈارلنگٹن ریلوے تھی جس کا افتتاح
۱۸۲۵ء میں ہوا ۔ اس ریلوے کو جارج اسٹیفنسن نے بنایا تھا اور اس کو بجا طور پر حراکہ کا باپ کہا جاتا ہے ۔ ابتدا میں حراکہ کا
مصرف صرف کوئلہ کو کانوں سے بندرگاہوں تک پہونچانا تھا ۔ اور اسٹاکٹن اور ڈارلنگ ریلوے بھی اس کام کے لئے بنائی گئی تھی
سب سے پہلی ریلوے لائن جو خاص طور پر مسافروں اور مال کی آمد و رفت کے لئے بنائی گئی وہ لیورپول اور منچسٹر ریلوے تھی ۔ اس
لائن کے ڈائرکٹروں نے اپنی لائن کے لئے سب سے اچھا حراکہ (ریلوے انجن) بنانے والے کے لئے ۔ پانچ سو پونڈ انعام مقرر کیا
آزمائش کے لئے ایک شرط مقرر ہوئی اور مقام رین ہل میں پانچ اشخاص کے حراکہ جن میں اسٹیفن سن کا حراکہ "راکٹ" شامل تھا
دوڑ کے لئے لائے گئے ۔ شرط یہ تھی کہ دو میل کی پتھری کی سڑک پر ۱۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حراکہ ۲۰ چکر
لگائے ۔ چنانچہ دوڑ شروع ہوئی اور ایک کے بعد ایک حراکہ خارج ہوتا گیا ۔ اور راکٹ
نے شرط جیت لی ان میں ایک حراکہ خارج ہونے کی وجہ یہ بھی تھی کہ حراکہ تما ایک
ڈبہ بناکر اس کے اندر موجود ایک تیز گھوڑا چھپا کر لایا تھا چوری پکڑی گئی اور

حرّاکہ شرط سے خارج کیا گیا۔ اس کامیابی کے بعد اسٹیفن سن نے اور
کئی حرّاکے بنائے۔ سنہ ۱۸۳۰ء میں لیورپول اور مینچسٹر ریلوے کا افتتاح عمل میں
آیا اور اس قومی کامیابی کی بڑی شہرت ہوئی۔ اس کے بعد بڑے بڑے شہروں کو
ایک دوسرے سے ریلوے لائن کے ذریعہ جوڑ دیا گیا اور مسافروں اور مال کی آمدرفت باقاعدہ
طور پر شروع ہوگئی۔ دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی ریلویز سرعت سے پھیلتی گئیں یہاں تک کہ اس زمانہ میں بہت ہی کم
ایسے ممالک ہونگے جن میں ایک سرے سے دوسرے تک ریلوے لائنس نہ ڈالی ہوں اور جن کے نہ صرف بڑے بڑے شہر بلکہ
چھوٹے چھوٹے قصبات بھی ایک دوسرے سے ریلوے کے ذریعہ نہ جوڑ دئے گئے ہوں۔ شاید یہاں یہ بتا دینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا
کہ راکٹ جب اسٹیفن سن نے بنایا تو انگلستان کی عام پبلک اس کو کچھ اچھی نظر سے نہ دیکھتی تھی اور بہت سے لوگ ایسے تھے جو
دعا کر رہے تھے کہ لیورپول اور مینچسٹر ریلوے کے افتتاح کے دن انجن پھوٹ جائے اور یہ مہم ناکام رہے۔ انجن کی سیٹی کی آواز
سے جو گھوڑے بدک جاتے تھے وہ عوام کی دشمنی کا باعث ہوتے تھے۔ اور لوگ کہتے تھے کہ اس انجن کی وجہ سے ان کی گائیں جنگل
میں چر نہ سکیں گی۔ اور ان کی مرغیاں انڈے دینے سے قاصر رہیں گی۔ ریلوے لائن کی پیمائش کرنے جو انجینیر جایا کرتے انکو پبلک
بہت دق کرتی اور ان پر انکے پیمائشی آلات پر پتھر برسائے جاتے تھے۔ اکثروں کا خیال تھا کہ انجن اپنے آب و آتش کے ذریعہ ان کے
ملک میں خدا کا قہر نازل کر رہا تھا۔ ادھر عوام کا یہ خیال تھا اور ادھر دار العوام میں جب لیورپول اور مینچسٹر ریلوے کا بل پیش ہوا
تو اس کی سخت مخالفت کی گئی۔ بڑے بڑے زمیندار اور اسٹیج کوچوں کے مالک اور نہری کمپنیوں کے نمائندوں نے بل پاس ہونے
دینے میں پوری سعی کی چونکہ اندیشہ تھا کہ ریلویز کے پھیلنے کی وجہ سے ان کو سخت مالی نقصان پہونچیگا۔ مخالفت کی تائید میں کہا جاتا
تھا کہ انجن کے جو شرارے (بائلر) پھوٹ کر مسافروں کے جسم کے ٹکڑے اڑا دیں گے۔ اور یہ کہ انجن کی چمنی سے چنگاریاں نکلکر [illegible]
گھر جل جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ غرضکہ مخالفت میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا گیا مگر باوجود اس تمام جد و جہد کے بل پاس ہی ہوا اور انگلستان
میں ریلوے لائنس سرعت سے پھیل گئیں۔

ریلوے ہندوستان میں

جب ریلویز کو دنیا میں فروغ ہوا تو ہندوستان میں بھی اس کی بنا پڑی۔ چنانچہ ۱۸۵۰ء میں سب سے
پہلی ریلوے لائن کی تعمیر ہمارے ملک میں شروع ہوئی۔ دو انگریزی کمپنیاں قائم ہوئیں۔ جی۔ آئی۔ پی
ریلوے کمپنی اور ای۔ آئی۔ ریلوے کمپنی۔ اول الذکر نے بمبئی سے دکن کی طرف ریلوے لائن ڈالنا شروع کیا اور موخر الذکر نے
کلکتہ سے الہ آباد کی طرف۔ کام شروع ہونے کے قبل وزیر ہند اور ان کمپنیوں کے درمیان اقرارنامے منضبط ہوئے جن کے اہم شرائط
یہ تھے کہ حکومت ۹۹ سال کے لئے زمین کمپنیوں کو پٹہ پر دے، جو کچھ کام کئے جائیں وہ حکومت کی منظوری سے ہوں اور یہ کہ حکومت
۵ فیصدی منافع کا ذمہ لے جس سے منشا یہ تھا کہ اگر کمپنی کو اپنے ابتدائی سرمایہ پر ۵ فی صدی سے کم منافع ہو تو حکومت اس کمی
کو پورا کرے اور اگر ۵ فی صدی سے زائد منافع ملے تو اس زائد حصہ کا نصف کمپنی لے اور دوسرا نصف حکومت کو اس رقم کی ادائی میں
دیا جائے جو اس نے فقرۂ متذکرۂ بالا کے تحت کمپنی کو دیا تھا۔ اس طرح جب حکومت کو اپنا پورا روپیہ واپس مل جاتا تو
اس کے بعد پورے کا پورا منافع کمپنی خود لیتی۔ ایسی ریلوے کمپنیوں کو گارنٹیڈ ریلوے کمپنی کہا
جاتا ہے۔ حکومت کو یہ بھی اختیار تھا کہ ۲۵ یا ۵۰ سال کے بعد لائنوں کو خریدلے
اس طرح متذکرۂ بالا دو کمپنیاں قائم ہوئیں اور ریلوے کی تعمیر کا کام ہندوستان میں

شروع ہوگیا۔ جی۔ آئی۔ پی۔ ریلوے کمپنی نے بمبئی سے تھانہ تک جو ۲۱ میل کا فاصلہ ہے۔ ریلوے لائن ڈالی اور اس پر سنہ ۱۸۵۳ء میں "فاکلینڈ" نامی پہلا انجن دوڑا۔ اس طرح اس سال ہندوستان میں اسٹیم لوکوموشن (بھاپی حرکت) کی پیدائش ہوئی۔ یہ چونکہ ہندوستان میں ایک بالکل نئی چیز تھی اسلئے ریل گاڑی دیکھنے عوام کا ہجوم ہوا کرتا تھا۔ یہاں بھی بعض ضعیف الاعتقاد لوگ اس آگ و پانی سے چلنے والے انجن کو دیو اور خدا کا قہر تصور کرتے تھے۔ اس کے بعد کئی اور ریلوے کمپنیاں قائم ہوئیں اور ریلوے کی لائنیں سرعت کے ساتھ ملک کے ہر حصہ میں پھیلنے لگیں۔ ساتھ ہی ساتھ دیسی ریاستوں میں بھی ریلوے کی لائنیں پڑ گئیں اور باقاعدہ آمد و رفت شروع ہوگئی۔ سنہ ۱۸۷۰ء تک ہندوستان میں تقریباً (۵۰۰۰) میل ریلوے لائن ڈالے گئے۔ اور پھر ان میں مزید اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ سنہ ۱۹۳۳ء تک ہمارے ملک میں تقریباً (۴۲۵۰۰) میل ریلوے لائن پڑ چکی تھی اور اس میں اور ترقی ہوتی جارہی ہے۔ ان تمام ریلویز کا ابتدائی سرمایہ آٹھ سو کروڑ روپیہ سے کچھ اونچا ہی ہے۔ سنہ ۱۹۲۹ء میں یہ ریلویز نے ۶۲ کروڑ مسافروں کا سفر طے کرایا اور نیز ۸½ کروڑ ٹن مال کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہونچایا اور سال مذکور میں ان ریلویز کے ملازمین کی تعداد ۸ لاکھ آدمیوں پر مشتمل تھی ان اعداد سے آپ کو ریلویز کی تنظیم کا کچھ اندازہ ہوگا حال میں حکومت ہند کی یہ تدبیر رہی ہے کہ گارنٹیڈ ریلویز کو خرید کر خود ان کا انتظام کرے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۲۵ء میں حکومت ہند نے جی۔ آئی۔ پی۔ اور ای۔ آئی۔ ریلویز کو خرید لے کر خود ان کو چلانا شروع کیا۔ لہذا اب یہ اسٹیٹ ریلویز کہلاتی ہیں۔

ہماری حکومت حیدرآباد نے بھی این۔ جی۔ ایس۔ ریلوے کمپنی سے سنہ ۱۹۳۰ء میں اپنی اسٹیٹ کی تمام ریلویز خرید لیں۔ ہماری اس ریلوے کی پوری قیمت تقریباً تیرہ کروڑ مشخص ہوئی تھی۔

ہماری ریلوے کی سب سے پرانی لائن واڑی سے سکندرآباد تک کی ہے۔ اس لائن کا افتتاح سنہ ۱۸۷۴ء میں ہوا تھا۔ اس کے بعد سکندرآباد سے ورنگل تک کی لائن سنہ ۱۸۸۶ء میں ڈالی گئی اور بتدریج لائنیں ہمارے ممالک محروسہ میں پھیلتی گئیں۔ کمپنی کی لائنوں کے علاوہ حکومت نے اپنے خرچ سے چند لائنیں تیار کرائی تھیں جیسے ہنگولی لائن اور قاضی پیٹھ بلہارشاہ لائن۔ موخرالذکر کا افتتاح خود اعلیحضرت قدر قدرت نے اپنی ذات شاہانہ سے ۱۵ نومبر سنہ ۱۹۲۶ء کو فرما کر ریلوے کو عزت بخشی۔ چنانچہ اس عزت افزائی کی یادگار میں ریلوے نے آصف آباد اسٹیشن کے پلاٹ فارم پر ایک موریل پلیٹ بھی نصب کیا ہے۔

ہماری بڑی لائن جسے چوڑی گیج کی لائن (براڈ گیج) کہا جاتا ہے۔ اب تقریباً ۔۔ میل پر تل ہے۔ اور چھوٹی لائن جسے میٹر گیج کی لائن (میٹر گیج) کہتے ہیں تقریباً ۶۵۰ میل لمبی ہے۔ اس طرح ہماری ریلوے کا جملہ طول تقریباً ۱۲۵۰ میل ہے واڑی سے بجواڑہ تک اور قاضی پیٹھ سے بلہارشاہ و نیز وقار آباد سے پرلی چوڑی گیج ہے اور ڈورناچلم سے منماڑ تک اور پورنا سے ہنگولی اور پربھنی سے پرلی تک میٹر گیج ہے۔ اسی لحاظ سے نامپلی کا اسٹیشن "حیدرآباد۔ چوڑی گیج" کہلاتا ہے۔ اور کاچی گوڑہ کا "حیدرآباد۔ میٹر گیج"

ریلوے انجینیرنگ کے دو حصے ہیں۔ سیول اور میکانکل۔ سیول انجینیرنگ کا تعلق ریلوے لائن (جسے ریل کی سڑک یا مستقل راستہ بھی کہتے ہیں) کی تعمیر اور اس کی نگہداشت سے ہے و نیز ریلوے کے پل۔ اسٹیشن کی عمارتیں اور دیگر ملازمین کے مکانات وغیرہ ریلوے کے محکمہ انجینیرنگ سے تعلق رکھتے ہیں۔ بالفاظ دیگر ریلوے کا انجینیرنگ محکمہ حکومت کے محکمہ تعمیرات و امور عامہ کے مماثل ہے۔ ریلوے کے انجن اور ڈبوں کی تعمیر و نگہداشت میکانیکل انجینیروں کے تحت ہوتی ہے۔ ان کا محکمہ "لوکو" کہلاتا ہے۔

ان میکانیکل انجینیرں کو لوکو سوپرنٹنڈنٹ یا لوکو افسر کہتے
ہیں اور لفظ ''انجینیر'' صرف محکمہ انجینیرنگ کے افسروں کے لئے مخصوص
کر دیا گیا ہے ۔ انجینیرنگ اور لوکو کے علاوہ ایک تیسرا اہم محکمہ ٹرافک کا ہے اور ان
تینوں محکموں کے باہم اتفاق سے کام کرنے کا نتیجہ ہے کہ ریلوے کی گاڑیاں وقت پر اور تیز رفتاری
کے ساتھ دوڑتی ہیں ۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں' لوکو کے محکمہ کا کام یہ ہے کہ وہ انجن اور ڈبے مہیا کرے اور انکی نگہداشت
کرے ۔ انجن کے ڈرائیور' ٹرین کا امتحان کرنے والے وغیرہ وغیرہ لوکو کے ملازمین ہوتے ہیں ۔ لالہ گوڑہ میں جو ریلوے ورکشاپ ہیں ان میں
نہایت اعلیٰ درجہ کا کام ہوتا ہے ۔ اچھے سے اچھے ڈبے اور سیلون یہیں تیار ہوتے ہیں ۔ البتہ انجن انگلستان سے منگوائے جاتے ہیں
چونکہ ان کو تیار کرنے کی قیمتی مشنری ہمارے یہاں نہیں ہے اور ان کو اس قیمت پر تیار کرنا بھی ممکن نہیں جس قیمت پر کہ یورپ میں
دستیاب ہوتے ہیں ۔ ٹرافک کے محکمہ کا کام ہے کہ گاڑیوں کے وقت پر دوڑنے کا بند و بست کرے ۔ اسٹیشن ماسٹر ۔ گارڈ ٹکٹ کلکٹر وغیرہ
ٹرافک کے تحت ہوتے ہیں ۔ ٹرافک کا محکمہ ہی مالگزاری کی طرح سے آمدنی کا محکمہ ہے ۔ ورنہ انجینیرنگ اور لوکو تعمیرات کی طرح سے خرچ
ہی خرچ کرنے والے محکمے ہوتے ہیں ۔ محکمہ ٹرافک میں سب سے بڑھ کر اس بات کا انتظام کرنا پڑتا ہے کہ حادثے نہ ہونے پائیں ۔ اس کے لئے
خاص خاص برقی و میکانی طریقے استعمال کئے جاتے ہیں ۔ مثلاً یہ ممکن نہیں کہ اگر ایک اسٹیشن میں کسی ایک لائن پر گاڑی کھڑی ہوئی ہو تو
دوسری طرف سے اسی لائن پر دوسری گاڑی آسکے اسی طرح اگر (ا) اور (ب) دو اسٹیشن اور ا سے ب کو ایک گاڑی روانہ ہو چکی ہے تو
یہ ممکن نہیں ہوتا کہ اسوقت ب سے ا کو دوسری گاڑی روانہ کیجا سکے ۔ (الا اس کے کہ دوہری لائن ہو یعنی ایک آنے کی اور دوسرے
جانے کی) اور نہ یہ ممکن ہے کہ ا ایک گاڑی ب کو روانہ کرنے کے بعد اس کے ب پر پہونچنے کے قبل دوسری او ۔ ایک گاڑی اسے
ب کو روانہ ہو سکے ۔ غرضکہ پبلک کی حفاظت کی ممکنہ طور پر پوری کوشش کیجاتی ہے ۔ جس کا نتیجہ ہے کہ باوجود سینکڑوں گاڑیاں
دوڑنے کے حادثوں کی تعداد تقریباً صفر ہوتی ہے ۔ انجینیرنگ کے محکمہ کا یہ فرض ہوتا ہے کہ ایک ایسی اچھی لائن یا مستقل راستہ تیار کرے
جس پر گاڑیاں تیز رفتاری اور تحفظ کے ساتھ دوڑ سکیں ۔ ممکن ہے کہ بادی النظر میں یہ امر آسان معلوم ہو مگر مستقل راستہ کی
نوعیت پر ذرا غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ اس کی نگہداشت کتنا اہم کام ہے ۔ پہلے تو یہ دیکھئے کہ معمولی مٹی کے کٹھ پر
مستقل راستہ یعنی ریلوے لائن ڈالی جاتی ہے ۔ پتھر کی بندش کا کوئی پایہ نہیں ہوتا ۔ اور پھر ایسے ایسے بھاری انجن تیز رفتاری
کے ساتھ دوڑتے ہیں جنکا وزن تقریباً دو سو ٹن ہوتا ہے ۔ اور مستقل راستہ کی نگہداشت اس حد تک کی جاتی ہے کہ اس کی دونوں
پٹریوں کے لیول کا فرق ½ انچ تک نہیں ہوسکتا یعنے دونوں پٹریاں بالکل ایک ہی لیول میں برقرار رکھی جاتی ہیں ۔ مستقل راستہ
کے نیچے پتھر کا بیالسٹ دیکر اس کو اس قدر مضبوط کیا جاتا ہے کہ لائن کا کوئی حصہ اتنا نہیں دب سکتا کہ گاڑی الٹ جائے ۔
بارش کے زمانہ میں لائن کی حفاظت کا زیادہ انتظام کرنا پڑتا ہے ورنہ ممکن ہے کہ رات میں زوردار بارش ہو اور لائن کا
کچھ حصہ بہہ جائے اور جب مسافروں کی گاڑی تیز رفتاری سے گزرے تو سخت حادثہ عمل میں آئے اور سینکڑوں مسافروں کی
جان تلف ہو ۔ اس اندیشہ کے مدنظر رات بھر لائن کا چپہ چپہ دیکھنے کے لئے آدمی مقرر ہیں جنھیں پٹرول مین
کہتے ہیں ۔ ان آدمیوں کا کام یہ ہوتا ہے کہ ہر دو اسٹیشنوں کے درمیان ہاتھ کی قندیل
لیکر رات بھر لائن کی چکر لگائیں اگر ذرا بھی لائن غیر محفوظ حالات میں نظر آئے تو اس کی
اطلاع گینگ کے مقدم کو دیں ۔ (ہر تین میل پر ایک گینگ ہوتی ہے) مقدم فوراً

رکھتی ہے ۔ بہت کم ہندوستانی ریلوے لائنس ایسی ہیں جو ہماری ریلوے لائنوں کا
مقابلہ کرسکیں ۔ ہر سال حکومت ہند کی جانب سے انکا ایک اعلیٰ افسر جسے ۔ ٹی ۔ جی
آئی ۔ کہا جاتا ہے ۔ ہر ریلوے کا معائنہ اور لائن کی تفتیش کرتا ہے چنانچہ یہ دیرینہ
تجربہ کار افسر کی رائے ہماری ریلوے کے متعلق عموماً دوسری ریلویز کے لئے باعث مثال ہوتی ہے

ہمارے پاس بہت سے نئے اور اعلیٰ درجہ کے انجن اس پایہ کے ہیں کہ دوسری اچھی سے اچھی ہندی ریلویز کے انجنوں سے کسی طرح پیچھے نہیں ۔ اسیطرح یہاں کے ریلوے افسر اپنی قابلیت اور تجربہ میں دوسرے ریلوے افسروں سے کسیطرح کم نہیں شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہماری ریلوے میں عہدہ داروں کی تنخواہیں اتنی معقول ہیں کہ ہر عہدہ دار نہ صرف محنت اور ایمانداری سے کام کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے ۔ بلکہ اپنی معقول تنخواہ کے مد نظر حتی الامکان محنت کرنے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتا ۔ بالفاظ دیگر ہماری ریلوے کا یہ اصول معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ تنخواہ دیجائے اور ہر افسر سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جائے اور شاید ہماری ریلوے کی ممتاز حیثیت ہونے کی اہم وجہ ۔ اعظم تنخواہ اور اعظم کام کا اصول ہے ۔

دنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور پُر آسائش ریلویز امریکہ میں ہیں ۔ فرانس اطلانتک ریلوے جو بحر اطلانتک سے بحر پاسفک تک دوڑتی ہے ریلوے انجینیرز کی قابلیت اور قوت ایجاد کا بہترین نمونہ ہے ۔ نہ صرف اس ریلوے پر گاڑی کی رفتار (۸۰ ۔ ۹۰) میل فی گھنٹہ ہوتی ہے بلکہ اس رفتار پر گاڑی کے اندر بیٹھنے والے مسافروں کو ذرا بھی اس تیز رفتاری کی وجہ سے تکلیف نہیں ہوتی ۔ اس ٹرین میں کھانے کے لئے ڈائننگ کارس کے علاوہ کتب خانہ کا ڈبہ بھی ہوتا ہے ۔ اور پھر دوسرے ڈبہ میں لاسلکی نصب ہوتی ہے جس کے ذریعہ نہ صرف موسیقی کا لطف آتا ہے بلکہ دنیا کی تازہ ترین خبریں سنائی دیتی ہیں ۔ ایک تیسرے ڈبہ میں حجام کی دوکان ہوتی ہے ۔ اور چوتھے میں تاش اور شطرنج وغیرہ کے کھیلنے کا انتظام ہوتا ہے ۔ سب سے پیچھے کا ڈبہ جس کے تین رخ کھلے ہوتے ہیں منظر دیکھنے کا مقام ہوتا ہے ۔ انکے علاوہ گاڑی میں بیشمار بڈروم بھی ہیں جن میں مسافروں کے آرام و آسائش کا پورا انتظام ہوتا ہے ۔ چنانچہ ایسی ٹرین کو ہم ایک متحرک محل کہیں تو بیجا نہ ہوگا ۔ ہماری ریلوے اگرچہ کہ متذکرہ بالا امریکن ریلوے کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور نہ اس سے کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ نہ اتنا لمبا سفر کرنا ہے اور نہ مقامی حالات اس قسم کی ٹرین دوڑانے کے متقاضی ہیں تاہم بھی ہماری ریلوے میں اعلیٰ اعلیٰ درجہ کے سیلون ہیں کہ انکی ایک اسپیشل ٹرین بنائی جائے تو ایک پُر تکلف مکان کا نمونہ ہے ۔ ہماری ریلوے کی صرف ایک ٹورسٹ کار نمبر ۱۱ کو ہی لیجئے اس میں ڈائننگ سیلون کے علاوہ منظر دیکھنے کا مقام ہے جس میں رات کو مسافر استراحت بھی کرسکتے ہیں ۔ اعلیٰ درجہ کا حمام ہے ۔ باورچیخانہ اور پیانٹری بھی ہے ۔ اور بہت سی چھوٹی چھوٹی چیزیں ایسی بنی ہوئی ہیں جن سے سفر میں بہت آرام پہونچتا ہے ۔ کوئی شخص بھی اس سیلون کو معینہ کرایہ پر لیجا سکتا ہے ۔ ان کے نرخ سکندرآباد کے اسٹیشن سوپرنٹنڈنٹ سے معلوم ہوسکتے ہیں ۔ یا چیف کمرشیل منیجر کے دفتر سے بذریعہ خط معلوم کئے جاسکتے ہیں ۔

ہم اس مضمون کو اس دعا پر ختم کرتے ہیں کہ خدائے پاک جس نے ہم کو ہمارے بادشاہ ذیجاہ کی چھبیس سالہ حکومت بابرکات کے تحت اس طرح رکھا کہ ہمارے ملک میں ہمارا اپنا بادشاہ ہم پر حکمراں ہے ۔ ہمارے ہی افسر ہمارے ملک میں انتظام مملکت کے چلانے میں مالک کی وفاداری کا ثبوت دے رہے ہیں ۔ ہمارے ملک میں ہمارا سکہ رواں ہے ہماری ہی ٹکٹ ہمارے اسٹیٹ میں چلتے ہیں اور ہماری ہی ریلوے میں ہم سینکڑوں میل کا سفر کرتے ہیں ایسے بادشاہ کی عمر دراز کرے اور خدا ہمیں اپنے شاہ کی گولڈن جوبلی منانے کی مسرت عطا کرے ۔ اور اسوقت تک ملک کے ہر محکمہ میں اور زیادہ ترقی ہو ۔

مرتبہ محمد فاضل

برار کو ہضم کرنے کی کہانی ایک شرمناک واقعہ ہے۔ اس سلسلہ میں حکومت ہند نے جن جن ناجائز افعال کا ارتکاب کیا ہے اور تاج برطانیہ کے سب سے بڑے وفادار دوست کے ساتھ جو ہتک آمیز برتاؤ کیا ہے وہ ہماری قوم کے دامن پر ایک ایسا بدنما دھبہ ہے جس کی نظیر تاریخ عالم میں بہت کم ملے گی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان میں اپنے مقبوضات بڑھانے کا ایسا ہوکا ہو گیا تھا کہ اس نے کبھی اس امر کی پروا نہیں کی کہ یہ مقبوضات جائز طریقہ سے حاصل کئے جا رہے ہیں یا ناجائز طریقہ سے چنانچہ ۱۸۵۱ء تک الحاق کا بازار گرم رہا اور جس قدر دیسی ریاستیں تھیں ان کو نیست و نابود کرنے کا تہیہ کر لیا گیا تھا۔ اس کے ثبوت میں ہم ڈیم سلیمین کا وہ بیان پیش کر سکتے ہیں جو اس نے اودھ کے بارے میں دیا تھا کہ اگرچہ ریاست کی انتظامی حالت خراب ہے لیکن حکومت ہند کو چاہیئے کہ اس کے انتظام کو درست کرنے کی کوشش کرے کیونکہ اصلاح کی صلاحیت پوری طرح موجود ہے اور یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے کہ ریاست جب تک ملحق نہ کر لی جائے گی اس کی حالت درست نہ ہو سکے گی لیکن ڈلہوزی نے ہمیشہ اصلاحات کے نفاذ سے انکار کیا اور بالآخر اس کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات میں شامل کر لیا گیا۔ اسی طرح حیدرآباد پر بھی دانت تھے۔ کیونکہ اس کے بعض اضلاع بہت زیادہ زرخیز اور آمدنی کو بڑھا دینے والے موجود تھے اور اس مقصد کو پورا کرنے کی وقتاً فوقتاً کوششیں کی گئیں اور ایسے مواقع پیدا کئے گئے کہ جس سے حکومت کو الحاق کا ایک بہانہ ہاتھ آ جائے۔ بدنظمی اور والی ملک کا پوری قابلیت کے ساتھ ریاست کا انتظام نہ کر سکنا کمپنی کا ایک سالہا سال کا آزمودہ حیلہ تھا۔ چنانچہ اسی بنا پر حیدرآباد کے رزیڈنٹ کے اس مطالبہ پر کہ حکومت ہند کو اصلاح ریاست کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ کلکتہ کے ارکان حکومت نے بہت پیٹہ لے دے کی اور فریزر پر یہ الزام لگایا کہ فریزر کی یہ تجویز محض اقتدار پسندی کی طمع پر مبنی ہے۔ چنانچہ تنگ آ کر خود فریزر نے یہ الفاظ کہے کہ میں یہاں نہ بھیجا جاتا تو زیادہ اچھا تھا اور ۱۸۵۳ء میں استعفا دیدیا۔ پھر جب سالار جنگ جیسا قابل آدمی حیدرآباد کی وزارت پر ممتاز ہوا تو اس کی راہ میں بھی روڑے اٹکائے گئے کہ کسی طرح ریاست میں اتنی قوت نہ پیدا ہو جائے کہ پھر ہم اس کو آسانی سے اپنی من مانی تجاویز نہ منوا سکیں۔

ڈلہوزی نے اس خیال کا اظہار کیا کہ حکومت کا منشا یہ ہے کہ جس سرزمین سے مالی منافع نہ ہو وہاں اصلاحات جاری نہ کیے جائیں اور یہی خیال کہ صرف الحاق ہی میں ہمارا مالی فائدہ ہے اس کو اس بات سے روکتا رہا کہ حیدرآباد میں اصلاحات نافذ کرتا یا کم سے کم اس کو اس تباہ کن خرچ سے ہی خلاصی بخش دیتا جو کنٹنجنٹ افواج کے لئے اسے برداشت کرنے پڑتے تھے اور پھر لطف یہ کہ جب حیدرآباد کا خزانہ ان بیجا مصارف کو برداشت کرتے کرتے خالی ہو گیا اور رعایا اس طرح سے خون چوسے جانے کی متحمل نہ ہو سکی تو نظام سے کہا گیا کہ اپنی فوج کو برطرف کر کے یہ خرچ پورا کرو نہیں تو جو باپ دادا کا جمع شدہ ذخیرہ ہے اس میں سے ادا کرو اور دیگر ذرائع میں بھی اس قدر گنجائش نہ ہو تو ان اخراجات کے برداشت کرنے کے لئے

بقیہ صفحہ [illegible]

نظام کو شکست فاش ہوئی اور انتہائی ذلت آمیز شرائط پر راضی ہونا پڑا۔ مرہٹوں نے چلتے چلتے یہ معاہدہ بھی لے لیا کہ انگریزی امدادی فوج موقوف کردی جائے۔ حکومت ہند اپنے دوست کا یہ حال ٹھنڈے دل سے دیکھتی رہی اور اس نے اس کا بالکل خیال نہ کیا کہ اخلاقی اور سیاسی حیثیت سے اس وقت ان کے کیا فرائض تھے۔

ٹیپو والی میسور کا خطرہ پھر نمودار ہوا اور اس مرتبہ پھر ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس بات کو محسوس کیا کہ اگر نظام کی مدد نہ کی گئی تو کم سے کم جنوبی ہند سے ان کی بے دخلی یقینی ہے اور پیش بندی کے طور پر یکم ستمبر ۱۷۹۸ء کو پھر ایک معاہدہ کیا گیا۔ اس معاہدہ کی رو سے نظام کی فرانسیسی فوج برطرف کردی گئی اور اس کے بجائے امدادی فوج انگریزی رکھی گئی اور نظام نے اس کے اخراجات برداشت کرنا قبول کیا۔ ۱۷۹۹ء میں معاہدہ کے پانچ ماہ بعد ٹیپو سے لڑائی شروع ہوئی اور اس مرتبہ انگریزوں اور نظام کے متفقہ فوجیں ٹیپو کو ختم کرنے اور اس کی سلطنت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کرنے میں کامیاب ہوگئیں اب چونکہ ہماری حکومت کا مطلب نکل گیا تھا لہذا اس نے پھر آنکھیں پھیر لیں اور ممالک مفتوحہ کا نصف از روئے معاہدہ نظام کو دینے سے انکار کر دیا بلکہ وہ علاقے بھی مانگ لیے جو ۱۷۹۲ء کی لڑائی میں نظام کو دئے گئے تھے اور امدادی فوج کا خرچ جو اب بڑھا کر ساڑھے نو ہزار کر دیا گیا تھا نظام کے سر رکھا۔ اس خرچ کی تعداد ۴۱ لاکھ ۳۰ ہزار پونڈ سالانہ تھی۔ نظام ان حرکتوں کے مقصد سے خوب واقف تھا اور سب کچھ جاننے کے باوجود وہ اس حفاظت کی ہر ممکن قیمت دینے کے لئے تیار تھا جس کی اسے انگریزی فوج کی طرف سے امید تھی لیکن اس قدر زبردست قیمت وصول کرلینے پر بھی اس کو اس حفاظت سے محروم رکھا گیا یہاں تک کہ جب خود اس کی سلطنت میں بعض لوگوں نے بغاوت کی تو فوجی امداد کے دینے سے انکار کر دیا گیا اور یہ عذر پیش کیا گیا کہ امدادی فوج اندرونی بغاوتوں کے فرو کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اگر نظام کو ایسی ہی ضرورت ہے تو ایک اور فوج جو انگریز افسروں کے ماتحت مقرر رکھی جائے جس کا مقصد اس قسم کی بغاوتوں کو فرو کرنا ہو اور اس فوج کا خرچ بھی نظام برداشت کریں۔

یہی تھی ابتدا اس فوج کی جس کو حکومت ہند کے ارکان نے اپنی مرضی سے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو معقول نوکریوں پر سرفراز کرنے کے لئے قایم کر دیا تھا۔ ان کے اس مقصد کی تائید میں وہ رپورٹیں پیش کی جا سکتی ہیں جو اس کے اخراجات کے متعلق سرکاری طور پر مرتب ہوئیں اور جو عوام اور خواص کی زبانوں پر چڑھی ہوئی تھیں۔ اس فوج کی کل تعداد آٹھ ہزار تھی اور اس کا سالانہ خرچ قریب قریب چالیس لاکھ تھا جنرل ونے ایک زمانہ میں سفارش کی تھی کہ اس کا خرچ کم کر دیا جائے لیکن اس کی شنوائی نہ ہوئی اور اگرچہ کلکتہ کے ارکان حکومت نے ایک مرتبہ اس امر کا وعدہ بھی کیا کہ جو جگہیں خالی ہونگی وہ بھری نہ جائیں گی اور اس طرح فوج کا خرچ کم کر دیا جائے گا لیکن اس وعدے کے ایفا کا موقعہ کبھی نہ آیا بلکہ ۱۸۵۳ء میں ڈلہوزی نے اس میں سے ایک آدمی بھی کرنے سے انکار کر دیا۔ جب نوبت یہاں تک پہونچی کہ نظام خرچ ادا کرنے کے قابل نہ رہا تو اخراجات برداشت کرنے کے لیے زمین کا مطالبہ پیش کر دیا۔ ان امور سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فوج کے قیام کا اصل مطلب اور اس کے اس قدر بیش قرار مصارف کا حقیقی مقصد یہی تھا کہ اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو بڑی بڑی فوجی نوکریاں دی جائیں اور جب نظام فوج کے اخراجات برداشت کرنے سے قاصر ہو جائے تو ان کا ملک یا اس کا ایک حصہ ہضم کر لیا جائے۔

نظام کچھ نہ تھا کہ وہ ان باتوں کو نہ سمجھے اس نے اس فوج کو

مقرر کرنے سے بالکل انکار کر دیا لیکن یہاں تو اس کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ مٹ چند
اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے مختلف ترکیبیں سوچنے لگی چنانچہ پہلے اپنی مرضی
کے مطابق وزیر مقرر کیے ان سے حسب دلخواہ کام نہ نکلا تو بالآخر چندو لال کو
جو دفتر مال میں کارکن تھا پیش کار بنا کر جزو کل کا مختار بنا دیا۔ اب چونکہ وزیر...

انگریزوں کی مرضی کا تھا اس لیے بہت جلد اس مجوزہ فوج کے قیام کی منظوری لے لی گئی حالانکہ نظام نے ہمیشہ اس سے اختلاف کیا اور ناراضی کا اظہار کرتے رہے خود برطانوی حکام کی تحریروں سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ لارڈ مٹکاف ۱۶ ماہ مارچ ۱۸۳۲ء کی یادداشت میں لکھتا ہے کہ کنٹجنٹ فوج درحقیقت ہمارے اور راجہ چندو لال کے درمیان ایک مشترکہ کاروبار ہے اور سر فریڈرک کری نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اگر نظام ہم سے معاہدوں کی رو سے مطالبہ کرے کہ یہ فوج جس کا اس قدر خرچ ہے کس بنا پر رکھی گئی ہے تو ہم اس کا جواب نہیں دے سکتے۔" یہ خیال جو حکومت کی پروٹون کے ذریعہ سے پھیلایا گیا ہے کہ فوج نظام کی خواہش کی بنا پر رکھی گئی تھی بالکل غلط ہے کیونکہ جنرل فریزر ۲۶ جولائی ۱۸۴۲ء کی ایک تحریر میں لکھتا ہے کہ اگر نظام کو یہ خبر ہو جائے کہ وہ خود مختار ہیں تو سب سے بڑی خرابی یہ ہوگی کہ وہ کنٹجنٹ فوج کی موقوفی کا مطالبہ کریں گے کیونکہ وہ اس سے ناراض ہیں اور ہم کسی معاہدہ کی بنا پر ان کو فوج کے رکھنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔"

بہرحال بورڈ آف ڈائرکٹرز کی مرضی کے خلاف اور خود نظام والی حیدرآباد کے اختلاف کے باوجود آٹھ ہزار آدمیوں کی ایک فوج جو حالات زمانہ کے لحاظ سے بالکل فضول تھی کھڑی کر دی گئی جس نے نظام کا خون چوسنا شروع کر دیا اور یہ طرفہ یہ کہ نظام کو ضرورت کے وقت اس فوج نے کبھی مدد نہ دی۔ افسروں نے اپنی طبیعت سے ایک قانون گڑھ لیا تھا جب تک یہ فوج انگریزی افسران کے تحت میں ہے اس وقت تک محض نظام کے حکم سے وہ ایک قدم بھی نہ بڑھائیگی جب تک رزیڈنٹ کی اجازت نہ ہو اور وہ اس بات کی تصدیق نہ کر دے کہ واقعی یہ موقعہ ایسا ہے جہاں اس فوج کی ضرورت ہے۔ اس طرح نظام کے پردے میں رزیڈنٹ اس فوج پر حکومت کرتا رہا لیکن اخراجات کا ناقابل برداشت بوجھ کمزور نظام پر پڑتا رہا۔ حالانکہ نظام ایک مرتبہ بھی اس فوج سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔

حیدرآباد کی ریاست اس خرچ کو آخر کو آخر کہاں تک برداشت کرتی۔ اس کا خزانہ خالی ہو گیا۔ کرنل لو نے ۱۸۴۸ء میں یہ شکایت لکھکر بھیجی کہ اگر فوج کا خرچ ۴ لاکھ سے دو لاکھ پونڈ نہ کر دیا گیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ پھر کام بالکل نہ چل سکے گا۔ ۱۸۴۹ء میں ملک وزیر کا بیان ہے کہ "ایسی حالت میں جیسی کہ اب حیدرآباد میں ہے اگر آسمان سے کوئی فرشتہ بھی اتر آئے تو کچھ نہیں کر سکتا" جب کسی طرح خرچ نکلنے کی امید نہ رہی تو نظام کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی بے قاعدہ فوج کو موقوف کر دے چنانچہ تین ہزار آدمی برطرف کر دیے گئے نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں بدامنی پھیل گئی اس لئے یہ اسکیم موقوف کر دی گئی لیکن فوج کا خرچ اٹل تھا۔ نظام کو قرض لینا پڑا اور یہ خرچ ۲۴ فی صدی پر ملا ایسی صورت میں ریاست بالکل دیوالیہ ہو گئی اور ساتھ ساتھ اس کی ساکھ میں بھی کمی آگئی۔ قرض نہ ملنے کی صورت میں نظام نے اپنے جواہرات کے ذریعہ کام نکالا لیکن اس طرح بھی بہت دنوں تک کام نہیں نکالا جا سکتا تھا آخر ۱۸۵۱ء میں سراج الملک نے
رزیڈنٹ کو لکھا کہ سکندرآباد اور جالنہ کی جو آبکاری کی آمدنی ہے اور
برٹش گورنمنٹ نے چالیس سال سے ہمیں نہیں دی ہے وہ اس طرف
محسوب کر لی جائے لیکن ڈلہوزی نے اس تجویز کو نہ مانا اور رزیڈنٹ کو یہ
ہدایت بھیجی گئی کہ رزیڈنسی کے خزانہ سے فوج کی تنخواہیں ادا کی جائیں۔

اور کل رقم نظام کے حساب میں لکھی جائے اس طرح نظام کے اوپر قرضہ بڑھتا گیا اور جب تنگ آکر حسابات کا مطالبہ کیا گیا تو ڈلہوزی نے ایک مراسلہ براہ راست نظام کے نام بھیجا جو ہرگز اس کے شایان شان نہ تھا بلکہ حد درجہ ذلت آمیز فقروں سے لبریز تھا چنانچہ اس کے مراسلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ "تم گورنمنٹ کو نادہندی نہ کرو ورنہ وہ تم کو پامال کر دے گی۔ اور اگر تم فوج کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے تو اپنی عرب فوج کو موقوف کر دو نہیں تو شمالی صوبجات ہمارے سپرد کر دو تاکہ فوج کے اخراجات کی کفالت ہو سکے" حالانکہ خود ڈلہوزی نے بعد میں یہ اقرار کیا کہ ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی بنا پر نہیں از روئے الفاظ معاہدہ اور از روئے مطلب معاہدہ اس سرکار کو کوئی حق نہیں ہے کہ نظام سے اس قسم کی کوئی فوج رکھوالیں"۔

بہرحال ۱۸۵۳ء میں وہ موقعہ آگیا جس کی تلاش مدت سے تھی۔ نظام کے سامنے قرضہ کا بل پیش کیا گیا اور عدم ادائیگی کی صورت میں ایک معاہدہ کا مسودہ پیش کیا گیا جس کی رو سے نظام سے برار کے اضلاع کا مطالبہ کیا گیا: اب اس قرضہ کی اصلیت بھی سن لیجئے۔ کرنل ڈیوڈسن رزیڈنٹ حیدرآباد نے لکھا کہ "میری رائے میں اگر باقاعدہ حساب کیا جائے تو کوئی رقم نظام کے ذمہ نہیں نکلتی جس رقم کا مطالبہ کیا گیا تھا اس میں ⅔ وہ رقم تھی جو کنٹنجنٹ فوج کو دی گئی تھی اور تقریباً ⅓ اس رقم کا محض سود تھا۔ حالانکہ ہمارے اوپر نظام کا اصل روپیہ اس سے زائد تھا"۔ لیکن نظام کے اس مطالبہ کو کہ ہماری رقم جو نکلتی ہے وہ وضع کر دی جائے نہایت ٹھنڈے دل سے مسترد کر دیا گیا۔ اس معاہدہ کی گفت و شنید کے دوران میں نظام نے خواہش ظاہر کی کہ فوج مذکور موقوف کر دی جائے تو لو نے جواب دیا کہ "پھر آپ کو عربوں، روہیلوں اور روہیلوں کی شرارت سے کیونکر محفوظ رکھا جا سکے گا کیونکہ امدادی فوج یہ کام نہیں کر سکتی وہ بقول ڈلہوزی کے صرف اہم مواقع کیلئے ہے اور انہیں مواقع کیلئے ہوتی کہ یہ فوج ہے"۔ پھر ایک موقع پر نظام نے کہا کہ "فرض کرو کہ میں فوج کو موقوف کر دوں اور اس رقم کا انتظام کر دوں" تو لو نے جواب دیا "کہ تب بھی علاقہ مجوزہ کے تفویض سے آپ کو کوئی مفر نہیں"۔ اس سے ان تمام غلط بیانیوں پر روشنی پڑتی ہے جو حکومت نے ۱۸۵۳ء میں پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیں کہ نظام کے ذمہ ایک بہت بڑی رقم ہو گئی تھی اور نظام فوج کو علیحدہ کرنا نہیں چاہتے تھے اس سے ان کو بہت فائدہ تھا اور برار کو تفویض کر دینا ہی ایک معقول انتظام ہو سکتا تھا اور یہ تفویض نظام کی عین رضامندی سے ہوئی ہم نے ان کے اوپر بالکل زور نہیں ڈالا اور سالار جنگ کے اعتراض کا جو جواب حکومت نے دیا اس کی پول بھی کھل گئی کہ نظام کے سامنے جب دو صورتیں پیش کی تھیں تو انہوں نے زمین دینا قبول کیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ نظام اس معاہدہ سے بالکل خوش نہ تھے بلکہ ان کو مختلف قسم کی دھمکیاں دی گئیں تھیں۔ اگرچہ لو نے ان کی صراحت نہیں کی تاہم ۱۹ مئی ۱۸۵۳ء کو جو نوٹ اس نے کلکتہ بھیجا اور جس میں یہ لکھا تھا کہ بالآخر نظام معاہدہ پر دستخط کرنے پر راضی ہو گئے تاہم۔ اس میں ایک اور نوٹ مورخہ ۱۴ مئی کا ذکر کیا ہے جو اسسٹنٹ رزیڈنٹ کی طرف سے سراج الملک کو لکھا گیا تھا اس کا مضمون ذیل میں درج ہے۔

"نواب صاحب" رزیڈنٹ آج آپ سے ملنا چاہتے ہیں اس بات کی اطلاع دینے کے لیے کہ آپ نظام سے کہہ دیجئے کہ آج ہی کی ڈاک سے۔ رزیڈنٹ نے کلکتہ سے فوجی کارروائی کے لئے حکم منگوایا ہے اور میرا ایک بھتیجہ جو پونا میں ہے اس نے لکھا ہے نمبر (۷۸) ہائی لینڈر اور نمبر ۸۶ ہز میجسٹی رجمنٹ کو احکام مل چکے ہیں کہ وہ حیدرآباد کی طرف روانہ ہونے کے لیے تیار رہیں اور یہ واضح رہے کہ یہ فوجی کارروائی

کی تجویز پر جو میں نے مطالبات کئے تھے وہ منظور نہیں ہوئے اور وہ دعبہ اسی
طرح قائم رہا۔ اب تجویز یہ ہے کہ فوج کے اخراجات کے لئے نقد رقم کسی بنک میں جمع
کردی جائے اور اس کے سود سے فوج کا خرچ اٹھایا جائے۔ اس خط کا جواب پورے ایک سال
کے بعد یہ دیدیا گیا کہ ہم اس تجویز کو بوجوہ منظور نہیں کر سکتے او۔ اس کے علاوہ معاہدات ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء
کا اصل مقصد ارضی ضمانت لینا تھا۔ پیران دونوں مختاران ریاست نے پھر ۲۴ نومبر ۱۸۷۲ء کو ایک ربروست مراسلہ بھیجا اور اس میں
یہ لکھا کہ ہم نے بہت اچھی تجویز کی تھی لیکن جبیں! نہ بتایا گیا کہ ارضی ضمانت کے بجائے نقد مالی ضمانت قبول کرنے میں کیا قباحت ہے۔

اس خط کے سات ماہ کے بعد لندن سے جون ۱۸۷۳ء کو لارڈ سالسبری کا جواب آیا کہ ہم آپ کی تجویز منظور نہیں کر سکتے۔ لیکن چونکہ
اس خط میں ۲۴ نومبر ۱۸۷۲ء کے خط کا حوالہ نہ تھا اسلئے وہ دبا لیا گیا اور ویسے ہی اطلاع بھیجدی گئی وزیر ہند نے فیصلہ کرلیا ہے کہ آپ کی تجویز
منظور نہ ہوگی۔ دوسری طرف مسٹر ڈیکینسن کو ۲۴ نومبر ۱۸۷۲ء کے خط کے ساتھ لندن بھیجا گیا۔ اور اس کے ساتھ وہ تمام مواد بھی بھیجا گیا جو سالار جنگ
کی مخالفت میں کام آسکتا تھا۔ مسٹر ڈیکینسن اس میں کامیاب ہوگئے اور سالسبری نے ۱۸ نومبر ۱۸۷۳ء کو خط لکھا جبیں تجویز کے نامنظور کرنے
کا ذکر تھا یہاں مختاران ریاست نے یہہ دیکھکر کہ ہمارے ۲۴ نومبر ۱۸۷۲ء کے جواب میں کوئی مدلل جواب نہیں آیا ایک اور مراسلہ مورخہ ۴ جولائی ۱۸۷۴ء
سالسبری کو لکھا۔ یہ خط بہت طویل تھا اور اس میں گذشتہ دلائل کو دہرایا تھا۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ لونے کس طرح لفظ وداتا کو بدلا اور ہم نے جو یہ
تجویز پیش کی تھی کہ فوج کا ہم نقد انتظام کرتے ہیں وہ محض اس وجہ سے کی تھی کہ ہمیں یہہ خیال تھا کہ حکومت ہند کی مرضی اسکے رکھنے کی ہے ورنہ اگر ہماری
تجویز منظور نہ ہوئی تو ہم حسب معاہدہ ۱۸۵۳ء فوج کو موقوف کردیں گے۔ جب نوبت یہاں تک پہنچی تو ریذیڈنٹ نے لکھدیا کہ آئندہ سے برار کے متعلق خط
لندن نہ بھیجے جائیں۔ چنانچہ ان کے خط کلکتہ ہی میں روک لئے جاتے تھے۔ وزیر ہند کے پاس سالار جنگ کے دلائل جو وہ واپسی کے متعلق پیش کرتے تھے،
پہنچتے ہی نہ تھے بلکہ ارکان حکومت کی رائیں جو اس مسئلہ کے مخالف ہیں پہنچ جاتی تھیں۔

آخر کار مختاران ریاست نے ۲۹ ستمبر ۱۸۷۴ء کو پھر ایک خط لکھا جبیں یہ بیان کیا کہ یہ امر بہت ہی سخت ہے کہ برار کے معاملہ پر حکومت نے
کوئی بحث ہی نہیں کی اور کوئی مدلل جواب بھی نہ دیا اور جو ہمارا خاص خط تھا جس میں تفصیل سے معاملہ سمجھا دیا گیا تھا اُسے لارڈ سالسبری نے پڑھا یا
نہیں۔ یہ خط اس درخواست کے ساتھ بھیجا گیا کہ ریذیڈنٹ اوسکو کلکتہ بھیجدے۔ لیکن ریذیڈنٹ نے اس خط کو واپس کردیا۔ دوبارہ اسی درخواست کے ساتھ
وہ خط ریذیڈنٹ کو بھیجا گیا کہ بھیجدے لیکن ریذیڈنٹ نے یہ لکھکر واپس کردیا کہ بہتری اسی میں ہے کہ اس پر خاموش ہوجاؤ ورنہ حیدر آباد اور حکومت ہند
کے تعلقات خراب ہوجائیں گے۔

مختاران ریاست نے جب یہہ دیکھا کہ یہ راستہ بند کردیا گیا ہے تو انہوں نے ۱۰ اکٹوبر کو براہ راست سکریٹری آف اسٹیٹ کو خط لکھا۔
اس کے پہنچنے پر حکومت ہند سے معاملہ کی تفصیل طلب کی گئی۔ یہ تفصیل اس طرح سے بھیجی گئی کہ اسکا پڑھنا مشکل ہوگیا۔ اور علاوہ اس تفصیل
کے ساتھ ایک خط مورخہ یکم جنوری ۱۸۷۵ء بھی بھیجا گیا۔ جس میں ہر ممکن طریقہ سے واقعات کو غلط روشنی میں پیش کیا گیا اور اس اعتراض کا کوئی
جواب نہ دیا کہ برار عارضی طور پر لیا گیا تھا۔ صرف اس قدر لکھا کہ ایک گذشتہ مراسلہ میں اس امر پر روشنی ڈالی جاچکی ہے کہ برار کی تفویض
عارضی سمجھنا بالکل بے بنیاد اور غلط ہے چنانچہ یہ کارروائی بھی بار آور نہ ہوسکی اس لئے جو آخری صورت ممکن تھی
وہ اختیار کی گئی کہ سالار جنگ نے خود لندن کے سفر کی تیاری کی تاکہ وہاں اصل واقعات کو پیش
کرکے کوئی مفید مطلب نتیجہ حاصل کرنے کی کوشش کریں لیکن کلکتہ سے ایک خط
لکھا گیا کہ سالار جنگ کو سیاسی معاملات پر گفتگو کا موقعہ نہ دیا جائے۔

چنانچہ یہ ترکیب بھی ناکام رہی۔ اتنا ضرور ہوا کہ چلتے وقت لارڈ سالسبری نے سالار جنگ سے
یہ کہا کہ حیدرآباد جا کر برار کے مسئلہ کے متعلق ایک جدید بیان لکھکر بھیجو جس میں گزشتہ خط
و کتابت کا بالکل حوالہ نہ ہو۔ چنانچہ یہ بیان ڈسمبر ۱۸۷۶ء میں لکھا گیا لیکن رزیڈنٹ نے اس کے لینے سے انکار
کردیا چونکہ اس زمانہ میں شاہی دربار ہونے والا تھا اس لئے رزیڈنٹ، سالار جنگ اور نظام جو ابھی بچے تھے
دہلی گئے۔ وہاں دفتر خارجیہ والوں نے نظام کی توہین کرنے کی کوشش کی لیکن یہ بات دبا دی گئی۔ بہر حال سالار جنگ کا مؤخر الذکر بیان لارڈ لٹن کے سامنے
پیش ہوا۔ یہ بیان چار ماہ تک وایسرائے کے پاس پڑا رہا۔ چار ماہ کے بعد وہ لندن بھیجا گیا لیکن اس کے ساتھ ایک خط کی نقل تھی جس کی نسبت یہ
لکھا گیا تھا کہ اس بیان کے جواب میں حیدرآباد کو یہ خط لکھا گیا ہے لیکن وہ خط آج تک نہیں بھیجا گیا۔ اس لیے یہ معاملہ پھر کھٹائی میں پڑ گیا۔ اس
دوران میں امیر کبیر شمس الامراء کا انتقال ہو گیا۔

رزیڈنٹ اور حکومت ہند پر برار کے متعلق جو تقاضے ہو رہے تھے ان سے وہ تنگ آگئے تھے اس لیے یہ تجویز پیش کی گئی کہ ایسی کارروائی کی جائے کہ برار کے
متعلق مطالبہ کیا ہی نہ جائے چنانچہ رزیڈنٹ اور حکومت ہند کی سازش سے وقار الامراء کو سالار جنگ کا شریک مختار بنا دیا گیا۔ سالار جنگ نے اول اول مخالفت
کی لیکن انکو یہ دھمکی دی گئی کہ اگر تم حکومت کی اس تجویز سے اتفاق نہ کروگے تو تم قید کرکے ملک بدر کردیا جائیگا مجبوراً سالار جنگ کو اتفاق کرنا پڑا اور سکندرآباد
میں برطانی افواج کے حلقہ میں ۱۹ ستمبر ۱۸۷۷ء کو دربار کیا گیا اور اس میں وقار الامراء کے شریک مختار ہونے کا اعلان کردیا گیا۔ ہم لارڈ لٹن اور اس
کے دفتر خارجیہ پر اس بات کا الزام رکھتے ہیں کہ اس نے کیوں ایسے اشخاص کو وزیر بنایا جس میں اس عہدہ کی اہلیت بالکل نہ تھی اور جس نے رزیڈنٹ
کی بیوی کو رشوت دینے کی جرات کی تھی اور اس کی پاداش میں اس کو ایک عرصہ تک پبلک زندگی سے محروم کردیا گیا تھا۔ یہ شخص سالار جنگ کی اصلاحات
کے بالکل مخالف تھا۔ ایسے شخص کو مقرر کرکے حکومت ہند نے اپنے وفادار دوست کو بہت بڑا نقصان پہونچایا۔

وقار الامراء کے تقرر کے بعد ہی حکومت ہند کے منشا کے مطابق کام ہونے لگا۔ سالار جنگ کے اوپر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ برار کا مطالبہ محض اپنے اعزاز کو بڑھانے
کے لیے کرتے ہیں۔ چونکہ وہ اپنی اصلاحات کی وجہ سے امراء میں مقبول نہیں ہیں اور نظام بھی انکو نہیں چاہتے اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ برار کی واپسی کا سہرا
انہیں کے سر رہے اور اس طرح وہ نظام اور امراء سلطنت کی نظروں میں معزز ہو جائیں۔ وقار الامراء نے یہ مشہور کرنا شروع کردیا کہ امیر کبیر شمس الامراء
ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ برار واپس کردیا جائے وہ تو محض ضابطہ کی کارروائی پوری کرنے کے لیے اپیلوں پر دستخط کردیا کرتے تھے۔

جب رزیڈنٹ نے وقار الامراء کو سالار جنگ کے راستہ میں کھڑا کردیا تو اس نے سر آلیفنٹ کو جو سالار جنگ کا سکریٹری تھا زبردستی الگ کروا دیا اور اس
طرح سالار جنگ سے ایک بہت بڑا مددگار چھین لیا۔ جب سالار جنگ ہر طرح سے بے بس کر دیے گئے تو وزیر ہند کے پاس سے ۸ مارچ ۱۸۷۸ء کو یہ جواب آیا کہ
جب تک نظام نابالغ ہیں اس وقت تک برار کے مسئلہ کو نہ چھیڑا جائے۔

یہ ہے مختصر سی کیفیت اس واقعہ کی جس کی نظیر کسی تاریخ میں نہیں مل سکتی اور کسی قوم کے افراد نے اور کسی حکومت کے ارکان نے اپنے فائدہ
کی غرض سے کمزوروں پر اسقدر زیادتی نہیں کی۔ نظام سے ایک ملک لیکر فوج رکھی اور ضرورت کے وقت مدد نہ دی۔ پھر اندرونی بغاوت
کے وقت اس کے ایک وزیر کو ملا کر اس سے دوسری فوج رکھوائی جس کے مصارف اس قدر رکھے کہ وہ دیتے دیتے عاجز آگیا جب یہ صورت
ہوئی تو زبردستی برباد کر ڈالنے اور رنج کر دینے کی دھمکی دیکر ایک ملک اور لیا اور اطمینان دلایا کہ محض عارضی طور پر لیا جا رہا ہے پھر
جب اس ملک کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا تو مطالبہ کرنے والوں کو ہر طرح کی دھمکیاں دیں اور جب وہ اس
سے بھی باز نہ آئے تو ان کے راستے اس طرح مسدود کر دیے کہ وہ مطالبہ کر ہی نہ سکیں اور ریاست اسقدر
بد انتظامی میں گرفتار ہو گئی جس سے دنیا والوں کے سامنے یہ کہا جا سکے کہ ہمارے ماتحت رعایا کو امن
کی عادت ہو گئی ہے۔ ایسی بد نظم ریاست میں ہم اس کو کیسے واپس دیدیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عہد عثمانی میں سررشتہ کوتوالی اضلاع کی تنظیم و ترقی

از مولوی سید مبارک صاحب بی۔ اے ناظم معلومات عامہ

اعلیٰحضرت بندگانعالی کا مبارک دور حکومت جس کے (۲۵) سال گزر جانے کے بعد اب ہم جشن سیمین منا رہے ہیں اصلاحات اور ترقیوں کا ایک درخشاں زمانہ رہا ہے اس دور میں رعایائے ملک سرکار عالی کی فلاح و بہبود کے تمام سررشتوں میں غیر معمولی اصلاح و ترقی ہوئی سررشتہ کوتوالی بھی ترقی کی برکتوں سے محروم نہ رہا۔ ان تمام ترقیوں میں ہم سر اکبر حیدری کی ذہانت اور دور بینی سے بھی انکار نہیں کر سکتے جو ہماری ریاست کے آمد و خرچ کا ایسا عمدہ موازنہ تیار کرتے رہے کہ سررشتہ جات میں اصلاح و ترقی کے لئے مالی گنجائش نکل آتی رہی اور اس کے گزشتہ چند سالوں سے جو عالمگیر تجارتی کساد بازاری کا دور شروع ہوا ہے ریاست کے مالیہ کی کشتی کسی نہ کسی طرح سر اکبر حیدری کی کارروائی تجربہ اور حکمت عملی کی وجہ سے خسارہ کی چٹانوں سے بچ کر نکل آئی سررشتہ جات کی ترقی اور اصلاح کے لئے جو مالی تدابیر در حقیقت وضع کی گئیں وہ سر اکبر حیدری کی اس تجویز کا نتیجہ تھیں جس کو اصطلاحاً مالیات کی سیل بندی کہا جاتا ہے جس کی رو سے ہر محکمہ کے لئے چند سالوں کی رقم معین کر دی جاتی ہے اور اس رقم کے اندر سررشتہ کو اصلاح و ترقی کی وسیع گنجائش چھوڑ دی جاتی ہے۔ مالیات کی اس مستحکم حکمت عملی سے سررشتہ کوتوالی نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔

سررشتہ کوتوالی اضلاع اب جو ایک منظم باضابطہ اور رعایا کی خدمت گزار جماعت کی شکل میں نظر آتا ہے یہ کوئی ایک دن کا کام نہ تھا۔ اس سررشتہ کی تنظیم آہستہ آہستہ اور اچھی طرح سے غور کئے ہوئے اصلاحات سے ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں مسٹر ہنکین آنجہانی کا نام ہمیشہ درخشاں رہیگا کہ انہوں نے جمعیت پولیس کو منظم کر دیا۔ مسٹر ہنکن سے پہلے جمعیت کوتوالی ایک غیر منظم ہیولی تھا جس میں ضبط اور باقاعدگی کا فقدان تھا مسٹر ہنکین پیدائشی کوتوال تھے انہوں نے اس ہیولے کو آہستہ آہستہ تشکیل دیتے ہوئے اپنے زمانہ میں بہترین جمعیت پولیس کی صورت میں ڈھال دیا۔ یہ ان کے فطری شغف اور انتھک کوششوں کا نتیجہ تھا کہ آج تک ہنکن صاحب کا نام عہدہ داران کوتوالی کے لئے قریہ قریہ میں زبان زد خلائق ہے جس زمانہ میں ہنکن صاحب نے سررشتہ کوتوالی کی باگ سنبھالی تمام ممالک محروسہ سرکار عالی میں جرائم کی کثرت تھی کوتوالی کچہریوں کے لئے کوئی سرکاری عمارت نہ تھی اور سررشتہ کے حسابات مایوس کن الجھنوں میں تھے۔ عہدہ داروں کی وردیاں رنگ برنگ اور مختلف الوضع تھیں جن میں سے اکثر غالباً بزازوں میں سے خریدی گئی تھیں بیٹ و چابک وغیرہ اور پیٹرول وطلایہ خود مختار جمعداروں کی مرضی اور خوشی پر منحصر تھا۔ رشوت ستانی اور استحصال بالجبر کا بازار گرم تھا ان تمام نقائص کی اصلاح مسٹر ہنکن نے کی جمعیت کوتوالی کی معیاری صورت مقرر کیں جرائم کی

سراغرسانی اور انسداد کے لئے مناسب تدابیر اختیار کیں۔ ڈاکوؤں کو دبا دیا گیا جرائم پیشہ فرقوں کو گرفتار کیا گیا۔ باقاعدہ بیٹ اور پٹرول مقرر ہوئے۔ بدکردار اشخاص پر نگرانی رکھی گئی ان تمام انتظامات سے رعایا نے امن اور سرسبزی کا مسرت بخش دن دیکھا اور جمعیت کوتوالی کی حفاظت میں وہ اطمینان اور بے فکری کی زندگی بسر کرنے لگے ترقی اور اصلاح کا یہ سلسلہ مسٹر لنکن کے وظیفہ پر جانے کی وجہ تھوڑے عرصہ کے لئے ملتوی ہو گیا۔ مسٹر آرم اسٹرانگ کے اعلیٰ کردار کی طاقت اور عزم کی مضبوطی نے کوتوالی اضلاع میں انقلاب کی ایک نئی روح پھونک دی انہوں نے ہی سررشتہ کے داخلی انتظامات میں بہت سے تغیرات کئے جس کی وجہ سے سررشتہ ایک کل کی طرح کام کرنے لگا۔ مسٹر آرم اسٹرانگ کے بعد اس سررشتہ کی قیادت مسٹر ہالنس کے ہاتھ میں آئی جن کا وسیع تجربہ جوش عمل حکمت عملی اور جوہر قیادت کی وجہ سے اس سررشتہ میں تازہ جان پڑ گئی۔ عہدہ داروں اور جمعیت کی اصلاح کے لئے انہوں نے ذاتی طور پر جدوجہد شروع کی اور انہیں رعایا کے خادم کی حیثیت سے، نیز فرائض اور ذمہ داریوں کو جتایا جس کے بہت اچھے نتائج جرائم کے انسداد تفتیش تحقیقات اور مقدمات کے چالانوں میں صاف نمایاں ہو رہے ہیں سررشتہ کے عہدہ داروں اور جمعیت کے لئے مسٹر ہالنس کا ایک بڑا بیش نامہ مرتب کیا گیا ہے جس کا کام آغاز ہو چکا ہے اس سے بہت ضروری آسانیاں مہیا ہو جائیں گی۔ اور نہ صرف جمعیت میں خودداری کا احساس پیدا ہوگا بلکہ جمعیت کو بہ حیثیت جمعیت کے اپنی طاقت کا خاص احساس اور اعتماد پیدا ہو جائے گا اس کے ساتھ ساتھ کارکردگی اور سررشتہ کے وقار میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔

اعلیٰ حضرت خداوند عالی کے دور حکومت کا یہ کارنامہ بھی جمعیت کوتوالی کی دعاؤں کا باعث ہوا کہ اس روشن دور میں جوانان کوتوالی کی تنخواہ آٹھ اور نو روپیہ سے بڑھ کر گیارہ، بارہ، تیرہ، چودہ روپیہ مقرر ہوئی۔ اور پھر اس پر اضافہ کر کے پندرہ، سولہ ساڑھے سولہ اور سترہ روپیہ ماہوار مقرر ہوئی۔ تنخواہ میں اس اضافہ سے جمعیت کے کم مواجب ملازمین بہت سی ترغیبوں سے محفوظ ہے جن کا قلیل تنخواہ کی جمعیت میں بڑا اندیشہ رہتا ہے۔

ایک دوسری تجویز کے مطابق عہدہ داروں کی تنخواہ میں اضافہ ہوا جس سے اب ان کی حالت پہلے کی بہ نسبت بہت بہتر ہو گئی ایک اور اصلاح اس امر سے بھی ہوئی کہ گزیٹیڈ درجہ کی ۵۰ فی صد ملازمتیں حیدرآباد سول سروس کے کامیاب امیدواروں کے لئے محفوظ کر دی گئیں اس تجویز سے بہت سے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور عمدہ کردار کے نوجوان اس سررشتہ میں مددگار مہتمم کی حیثیت سے شریک ہوں گے۔
اس شاندار دور حکومت میں جمعیت کوتوالی کے سکھ ملازمین کے لڑکوں کے لئے ایک مدرسہ کھولا گیا۔ کوتوالی کے سکھوں کے شعبہ میں ملازمتیں موروثی ہیں اس لئے سکھوں کے بچوں کو جو آئندہ چل کر سررشتہ کی ملازمت کریں گے تشفی بخش تعلیم، قواعد کی مشق اور ضبط کا احساس جتنا اہم ہے ظاہر ہے اس اصلاح کے فوائد نمایاں ہونے لگے ہیں کہ سکھوں کا وہ پہلا سا غیر منظم جتھا اب جمعیت کوتوالی کا ایک مفید و منظم تربیت یافتہ شعبہ ہے۔
پولیس ٹریننگ اسکول کی جدید ترین طریقہ پر بالکلیہ جدید تنظیم کی گئی۔ اساتذہ کی تعداد کافی بڑھا دی گئی۔ اس کو اور ترقی دینے کے تدابیر زیر غور ہیں۔ اس اسکول میں کوتوالی اضلاع کے عہدہ دار اور اشخاص کے علاوہ کوتوالی بلدہ کے عہدہ دار بھی زیر تعلیم رہتے ہیں۔

جرائم پیشہ فرقوں کے بہت سے افراد آزادی کے ساتھ ملک میں جرائم کا ارتکاب کرتے پھرتے تھے، قانون جرائم پیشہ کی تحت ان پریشان کن افراد کو نکال دیا

پابند کر دیا گیا اور بہت سے آوارہ گرد فرقوں کو بڑے آبپاشی کے کاموں میں لگا دیا گیا لیکن کی جرائم پیشہ آبادی کو مختلف پیشوں سے روشناس کیا گیا جہاں اب تین ہزار کے قریب خطرناک مجرم کاشتکاری کر کے حلال روزی کما رہے ہیں اور امید ہے کہ مستقبل میں یہ ایک اچھے شہری بن جائیں گے۔

ہر ضلع کے متفرق مسلح محفوظ دستوں کی بالکلیہ تنظیم جدید کی گئی وہ اب اپنے قواعد اور احساس ضبط سے فوج باقاعدہ کا ایک جز نظر آتے ہیں اور ضرورت کے وقت ان سے فوجی کام لیا جا سکتا ہے اور دستہ کی قواعد کا کام فوج کے تجربہ کار نان کمشنڈ عہدہ داروں سے لیا جاتا ہے جن کی خدمات سررشتہ کوتوالی میں منتقل کر لی گئی ہیں۔

پولیس کی سوارہ فوج کی تنظیم ۱۳۳۵ف میں اعلیحضرت بندگان عالی کی منظوری سے شروع ہوئی اور اس نئی تجویز کی رو سے پرانا سلحداری کا طریقہ مسدود کر دیا گیا جو پہلے سواروں کے بے قاعدہ جتھے کی صورت میں تھا اور وہ اپنی تنخواہ لینے کی سوا اور کوئی خدمت نہیں انجام دیتے تھے لیکن اب سوارہ پولیس پوری طرح سے تربیت یافتہ اور تمام مقاصد کے لئے مسلح ہے۔

سررشتہ کوتوالی میں "نشان انگشت" کا ایک شعبہ قائم ہے جو بہت مفید کام کر رہا ہے۔ نشان انگشت کے نمونے نہ صرف ریاست ہی کے مختلف مقامات سے بلکہ برطانی ہند سے بھی وصول ہوتے ہیں جن کی تحقیقات اور تجسس کے بعد عادی مجرمین کی شناخت کی جاتی ہے۔ محکمہ خفیہ پولیس مسٹر گیر، مسٹر گوڈ، مسٹر ٹنٹن اور مسٹر اینڈرسن جیسے قابل افراد کے ہاتھوں میں رہا اپنی اعلیٰ کارگزاری کی وجہ سے اس محکمہ نے بڑی شہرت حاصل کی ہے اور مختلف نوعیت کی وارداتوں میں کامیاب نتائج حاصل کرنے میں اس نے غیر معمولی جدوجہد کی ہے۔

اعلیحضرت کے اس شاندار دور حکومت میں جمعیت ۱۲ ہزار ۲ سو ۵ سے ۱۳ ہزار ۷ سو ۵۹ ہوگئی یعنی اس میں ڈیڑھ ہزار سے زیادہ کا اضافہ ہوا اور سررشتہ کے مصارف جو ۱۹۱۱ء میں ۲۶ لاکھ تھے ۱۹۳۶ء میں ۵۲ لاکھ ہو گئے جو پہلے کی بہ نسبت دوگنے ہیں۔ پولیس کی چوکیوں کی تعداد میں تگنا اضافہ ہوا جس سے رعایا کو پولیس کے عہدہ داروں تک آسانی سے رسائی ہو سکتی ہے۔ تفتیش کا کام کم درجے کے عہدہ داروں سے نکال لیا گیا اور زیادہ ذمہ دار عہدہ داروں کے سپرد کیا گیا اب ایک منتظم کوتوالی کا حلقہ بہ نسبت پہلے کے بہت چھوٹا ہے اور چند منتظموں کے اوپر سرکل انسپکٹر مقرر کئے گئے جو منتظمین کے کاموں کو جانچتے اور مشکلات میں ان کی مدد کرتے ہیں۔ سرکل انسپکٹروں کی طرح مددگار مہتمم کا عہدہ بھی جدید طور پر قائم کیا گیا ہے جو ایک گزیٹیڈ عہدہ ہے اس سے مہتمم کے بے شمار فرائض میں نہ صرف مدد ملتی ہے بلکہ نگرانی اور امداد میں یہ عہدہ اور بھی مفید ثابت ہوا اس طرح سررشتہ کوتوالی اضلاع کے ہر شعبہ میں دور عثمانی کے برکات اصلاح اور ترقی کی شکل میں نمایاں اور موثر ہیں۔

نمائش گاہ باغ عام | بارگاہ خسروی سے حکم ہوا کہ ملکی صنعت و حرفت کی حفاظت کے لئے ایک لاکھ روپیہ کے صرفہ سے نمائش گاہ تعمیر کی جائے (جریدۂ اعلامیہ مورخہ ۱۴ اسفندار ۱۳۳۳ف) ۱۳۳۳ف میں اس کی تعمیر مکمل ہو گئی اور اس کا نام نمائش گاہ عثمانیہ رکھا گیا۔ ۱۳ شہریور ۱۳۴۲ف مصنوعات ملکی کی نمائش کا افتتاح ہوا اور ۲۲ شوال ۱۳۴۲ کو اس عالیشان عمارت کا افتتاح حضرت اقدس و اعلیٰ خلد اللہ ملکہ نے فرمایا۔

نظام پیالیس دہلی | حسب فرمان خسروی ۱۳۴۳ف میں نئی دہلی میں نظام پیالیس تیار کیا گیا جس کے مصارف (۔۔۔) ہوئے ہیں۔

قیام مدرسہ و دار الاقامہ جاگیرداراں | حسب فرمان خسروی مورخہ ۳۰ جمادی الاول ۱۳۴۱ھ کو بیگم پیٹھ میں جاگیرداروں کے لڑکوں کے لئے جاگیردار کالج اور دار الاقامہ کا قیام عمل میں آیا۔

مرتبہ محمد فاضل

نہیں ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح برقی رو بجلی کی روشنی میں تبدیل ہوجاتی ہے
اور جابون میں روشنی پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح آواز بھی برقی رو میں تبدیل ہوجاتی
ہے۔ پھر اُس کے گرد برقی مقناطیسی موجیں پیدا ہوجاتی ہیں جو تیز رفتاری سے فضا میں ہر طرف
پھیل جاتی ہیں۔ اور جب یہ موجیں کسی تنے ہوئے تار سے ٹکراتی ہیں تو اس میں بھی اُسی قسم کی برقی رو پیدا
کردیتی ہیں۔ اب اس رو کو ایک خاص ذریعہ سے پھر آواز میں منتقل کرلیتے ہیں۔ جیسے ہم ریڈیو کے ذریعے عام طور پر سنتے رہتے ہیں۔

جہاں آواز کو اس قسم کی موجوں میں تبدیل کرنے کا انتظام ہے۔ اُس مقام کو نشرگاہ کہتے ہیں نشرگاہ میں تقریر کرنے والا شخص میکروفون (MICROPHONE) کے آگے کھڑا ہوکر ایک ایسے کمرہ میں تقریر کرتا ہے جسکے چھت۔ دیوار، دروازوں میں سلوٹیکس لگا ہوا ہوتا ہے۔ تاکہ جو آواز منہ سے نکلے وہ کمرہ میں گونجنے نہ پائے۔ یہ میکروفون آواز کی موجوں کو برقی رو میں تبدیل کردیتا ہے۔ پھر یہ برقی رو نشرگاہ کے متبادل رو پیدا اثر انداز ہوتی ہے۔ اور ایریل (AERIAL) میں سے گذر کر فضا میں اُسی تعدد کی برقی موجیں پیدا کرتی ہوئی چشم زدن میں دنیا کے ہر گوشہ میں پھیل جاتی ہے۔ اب اس رو کو پھر آواز میں منتقل کرکے وصولی آلوں کے ذریعے عام طور پر سنتے رہتے ہیں برس ۱۸۶۰ء میں سب سے پہلے کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر میکویل (MAXWELL) نے یہ خیال پیش کیا تھا کہ نور کی شعاعیں بھی برقی مقناطیسی موجوں کی ایک قسم ہیں۔ اُس کے بیس سال بعد پروفیسر ہرٹز (HERTZ) نے برقی مقناطیسی امواج کو پیدا کرکے میکویل کے اس نظریہ کو ثابت کردیا۔ اُس کا یہ تجربہ نشرگاہ کا ایک بنیادی تجربہ تھا۔ جس نے برقی موجیں پیدا کرنے۔ اور اُن کے وصول کرنے میں ایک کامیاب شکل پیدا کردی۔

ہرٹز کے اس تجربہ نے متعدد مراحل طے کرنے کے بعد اس قدر ترقی کی کہ بالآخر نشریات کامیاب ہونے لگیں۔ اور اس کامیابی کا سہرا اطالوی سائنس دان مارکونی کے سر رہا۔ مارکونی نے اس میں بہت کچھ ترمیم اور اضافہ کیا ہے اُسنے دیکھا کہ اگر پرانے طریقہ پر کار بند ہوں تو پیام رسانی نہایت ہی کم فاصلہ تک کی جاسکتی ہے۔ اسلئے اُسنے نشرگاہ پر ایریل لگانا کا طریقہ ایجاد کیا جس سے پیام رسانی دور دور تک ہونے لگی۔ چنانچہ اس کے ہی مدد سے ۱۹ جنوری ۱۹۰۳ء کو ممالک متحدہ امریکہ کے صدر جمہوریہ مسٹر روزولٹ نے امریکہ سے ایک لاسلکی پیام شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کے نام روانہ کیا پھر ۱۹۰۸ء میں برطانوی جزائر اور کنیڈا کے درمیان بے تار کی پیام رسانی کے اسٹیشن قائم کئے گئے۔ اور ۱۹۲۰ء میں سب سے پہلے چیمسفورڈ کا گانا نشر ہوا۔ اس کے بعد تو پھر ہر مقام پر نشرگاہیں قائم ہونا شروع ہوگئیں۔ ان کی عام مقبولیت اور ترقیوں کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ ۱۹۲۵ء میں یورپ میں صرف (۵۰) نشرگاہیں تھیں جن کی طاقت (۶۰) کلو واٹ تھی۔ اور اب تقریباً (۳۱۰) نشرگاہیں ہیں اور ان کی طاقت تقریباً پانچ ہزار کلو واٹ ہے۔

آج سے تقریباً دس بارہ سال پیشتر ہندوستان میں بھی لاسلکی کی جانب توجہ کی گئی۔ اور بمبئی میں انڈین براڈکاسٹنگ کے نام سے ایک نشرگاہ قائم ہوگئی جس کے اخراجات ایک کمپنی برداشت کرتی تھی مگر چند روز نشریات وغیرہ کے اخراجات کا بار اس قدر پڑا کہ کمپنی اس کے برداشت کرنے کی متحمل نہ ہوسکی آخرکار اُسے اعلان کرنا پڑا کہ ۲۸ فروری ۱۹۳۰ء سے یہ نشرگاہ بند کردی جائیگی مگر گورنمنٹ نے اسے وقتیہ مدد دی۔ اور حکومت ہند نے بر موقعہ دستگیری کرکے اس قسم کی تدابیر اختیار کیں کہ آج ہم دہلی۔ بمبئی۔ مدراس۔ کلکتہ اور دیگر مقامات پر لاسلکی نشرگاہوں کا ایک زبردست جال پھیلا ہوا دیکھ رہے ہیں۔

حیدرآباد دکن میں لاسلکی مصنوعات کی ابتدا تقریباً ۱۹۳۲ء سے ہوتی ہے۔ چنانچہ مولوی
محبوب علی صاحب نے اپنے ذاتی صرفہ سے ایک خانگی نشرگاہ قائم کی، جسکی حیثیت آزمائشی تھی۔

الیسٹ انڈیا ایسوسیشن میں انجمن بہبودی دیہات کے مشترک اجلاس میں

مرتبہ محمد فاضل